

مجموعہ قوانین

اسلام

جلد پنجم



ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد



مجموعہ قوانین اسلام

جلد پنجم

قانون راشت

مؤلفہ

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ایم۔ اے ایل ایل۔ بی، پی ایچ۔ ڈی، ایڈووکیٹ
اعزازی مشیر قانون

شائع کردہ

ادارہ تحقیقات اسلامی، حکومت پاکستان

یکے از مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵، اسلام آباد

مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی

نمبر 3:40

ادارہ تحقیقات اسلامی، پوسٹ بکس نمبر 1035، اسلام آباد
جملہ حقوق محفوظ
اشاعت اول 1978، طبع دوم 1985، طبع سوم 1991
طبع چہارم 1998ء، طبع پنجم 2005ء، طبع ششم 2010ء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی
کوائف فہرست سازی دوران طباعت

تنزیل الرحمن، 1928-

مجموعہ قوانین اسلام - جلد پنجم : قانون وراثت -
(ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد . سلسلہ

مطبوعات نمبر 3:40)

کتابیات : ص 1993 — 2007

اشاریہ : ص 2008 — 2012

1 - فقہ اسلامی 2 - وراثت (اسلام)

الف - عنوان ب - سلسلہ

ISBN 969 - 408 - 045 - 2 طبع ششم 2010ء 5ج 340. 59 dc 20

طابع و ناشر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
مطبع ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

انتساب

میں اپنی اس حقیر تالیف کو

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال بار ایٹ لا علیہ الرحمہ

کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریب کے یادگار موقع پر ان کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں علامہ صاحب نے فرمایا تھا :

”ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کاسل کتاب ہے

اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس

کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے سیادت انسانی کے لئے تمام

ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے

فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے، نیز جو قواعد عبادات یا معاملات

سے متعلق (بالخصوص مؤخرالذکر سے متعلق) دیگر اقوام میں اس

وقت مروج ہیں، ان پر قرآنی نقطہ نگاہ سے تنقید جائے اور دکھایا جائے

کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی

سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے

زمانہ حال کے ”جورس پروڈنس“ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام

قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی

نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔“

۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء، علامہ کے ایک خط سے اقتباس

فہستہ مندرجہ

صفحہ

۱۵۳۵	پیش لفظ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
۱۵۳۳	مقدمہ از مؤلف
۱۵۸۲ تا ۱۵۶۷	متن قانون وراثت (دفعات ۲۶۱-۳۰۸)

قانون وراثت مع شرح

اکیسواں باب

ارکان، شرائط و موجبات وراثت

	دفعات
۱۵۸۵	۲۶۱ - وراثت کی تعریف
۱۵۸۶	۲۶۲ - ارکان وراثت
۱۶۰۵	۲۶۳ - شرائط وراثت
۱۶۰۵	۲۶۳ - موجبات وراثت

بیسواں باب

حقوق متعلقہ ترکہ

۱۶۱۱-۸۲	۲۶۵ - حقوق متعلقہ ترکہ
---------	------------------------

تینتیسواں باب

مستحقین میراث

۱۶۸۳	۲۶۶ - ترتیب میراث
۱۶۸۷	۲۶۷ - وراثہ نسبی کی اقسام

۱۶۸۸	ذوی الفروض کی اقسام	- ۲۶۸
۱۶۹۶	شوہر کی میراث	- ۲۶۹
۱۶۹۹	زوجہ کی میراث	- ۲۷۰
۱۷۱۸	باپ کی میراث	- ۲۷۱
۱۷۲۲	ماں کی میراث	- ۲۷۲
۱۷۲۸	بیٹی (دختر) کی میراث	- ۲۷۳
۱۷۳۳	پوتی کی میراث	- ۲۷۴
۱۷۳۹	حقیقی بہن کی میراث	- ۲۷۵
۱۷۵۰	علاتی بہن کی میراث	- ۲۷۶
۱۷۵۳	مادری یا اخیافی بھائی بہن کی میراث	- ۲۷۷
۱۷۵۷	دادا (جد صحیح) کی میراث	- ۲۷۸
۱۷۷۲	جدہ کی میراث	- ۲۷۹
۱۷۷۷	عصبہ نسبی کی تعریف	- ۲۸۰
۱۷۷۷	عصبہ نسبی کی اقسام	- ۲۸۱
۱۷۸۳	عصبات کی توریث کے عام قواعد	- ۲۸۲
۱۷۹۵	رد علی ذوی الفروض	- ۲۸۳
۱۸۱۱	ذوی الارحام کی تعریف	- ۲۸۴
۱۸۱۱	ذوی الارحام کی میراث	- ۲۸۵
۱۸۱۶	ذوی الارحام کی ترتیب توریث	- ۲۸۶
۱۸۲۵	سولی الموالات	- ۲۸۷
۱۸۲۷	مقرلہ بالنسب علی الغیر کی میراث	- ۲۸۸
۱۸۳۱	موصی لہ بجمیع المال	- ۲۸۹

ز

۲۹۰ - بیت المال ۱۸۳۲

پرتیسوال باب

عول

۲۹۱ - عول ۱۸۳۱

پرتیسوال باب

حمل مفقود، اسیر ولد الزنا، ولد الملاءعنه اور خنثی کی میراث

۱۸۵۱	۲۹۲ - حمل کی میراث
۱۸۷۷	۲۹۳ - مفقود کی میراث
۱۸۸۳	۲۹۴ - اسیر کی میراث
۱۸۸۵	۲۹۵ - ولد الزنا اور ولد الملاءعنه کی میراث
۱۸۸۷	۲۹۶ - خنثی کی میراث

پرتیسوال باب

موانع میراث

۱۸۹۱	۲۹۷ - موانع میراث
۱۸۹۱	۲۹۸ - موانع میراث کی اقسام
۱۸۹۲	۲۹۹ - قتل ناحق
۱۹۱۷	۳۰۰ - اختلاف مذاہب
۱۹۲۱	۳۰۱ - اختلاف دار

- ۳۰۲ - ارتداد ۱۹۳۳
 ۳۰۳ - اشتباہ مورث و وارث ۱۹۳۸

سیتھوں باب

حج و حرمان

- ۳۰۴ - حج کی تعریف ۱۹۳۱
 ۳۰۵ - حج حرمان ۱۹۳۲
 ۳۰۶ - حج کے بنیادی اصول ۱۹۳۵
 ۳۰۷ - یتیم ہونے کی میراث ۱۹۵۵

اڑتھوں باب

مناسخہ

- ۳۰۸ - مناسخہ ۱۹۸۳
 تختہ وراثت ذوی الفروض مطابق فقہ اہل سنت والجماعت ۱۹۸۹
 تختہ وراثت ذوی الفروض مطابق فقہ شیعہ امامیہ ۱۹۹۱
 مصادر و ماخذ (عربی و اردو) ۱۹۹۳
 مصادر و ماخذ (انگریزی) ۲۰۰۵
 اشاریہ
 اخبارات و رسائل میں شائع شدہ تبصروں اور آراء کے اقتباسات ا تا ل

بسم الله الرحمن الرحيم

حرفے چند

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی سے متعلق ابتدائی مجلس تنظیمی کی منظور کردہ قرار داد جس کا ایک رکن میں بھی تھا (اپریل ۱۹۶۸ع کا فکر و نظر ملاحظہ ہو) اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پہنے آئین کی رو سے، ادارے کا مقصد تاسیس، صحیح اسلامی خطوط پر معاشرے کی تشکیل جدید میں مدد دینا قرار پایا۔ اس مقصد کے لئے اس وقت ادارے میں تقریباً ۱۲ یونٹ کام کر رہے ہیں جن میں ایک لاء یونٹ اپنی اہمیت کے باعث شروع ہی سے قائم ہے اس لئے ادارے کی مجموعی کارکردگی میں اس کا ایک وقیع حصہ ہے۔ ادارے کے باقاعدہ ریسرچ اسٹاف میں متعدد اسکالروں نے، جو فقہ اسلامی اور قانون سے دلچسپی رکھتے ہیں اس شعبہ میں قابل قدر کام کیا ہے۔ ادارے کی مطبوعات میں ان کی لکھی ہوئی ایسی متعدد کتابوں کے نام نمایاں ہیں جو قانون، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ، اور عام اسلامی قوانین سے متعلق ہیں۔ بعض کتابیں قانون اسلامی کے مصادر و مآخذ پر بھی مرتب ہو چکی ہیں۔

ادارہ باقاعدہ طور پر لاء یونٹ کیلئے وقتاً فوقتاً ایسے وکلاء کی خدمات بھی حاصل کرتا رہا ہے جنہیں اس کام سے دلچسپی تھی اور جو اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے باعث ادارے کی باقاعدہ ملازمت اختیار نہیں کر سکتے تھے ان کی خدمت میں اعزاز سے پیش کیا جا رہا تھا۔ اس حیثیت سے ادارے کے ساتھ وابستہ ہونے والوں میں ڈاکٹر تنزیل الرحمن ایڈووکیٹ کا نام نمایاں ہے۔ جنہیں ۱۹۶۳ع میں مجموعہ قوانین اسلامی مرتب کرنے کا منصب تفویض کیا گیا۔ ۱۹۶۸ع تک ڈاکٹر صاحب موصوف تن تنہا کام کرتے رہے اور تین جلدیں مکمل کر لیں۔ بعد ازاں کام کی وسعت اور پھیلاؤ کے پیش نظر ادارہ کے انوسٹی گیٹر سابق شیخ الحدیث مولانا مفتی امجد علی صاحب کو جزء وقتی طور پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ مفتی صاحب جون

۱۹۷۵ء تک ادارہ کی دیگر مفوضہ خدمات کے علی الرغم ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ بھی جزء وقتی طور پر کام کرتے رہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پیرانہ سالی کے سبب مفتی صاحب ادارہ سے علیحدہ ہو گئے اور جولائی ۱۹۷۵ء سے پھر ڈاکٹر صاحب کو سارا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑا اور وہ خود ہی اس عظیم منصوبہ کی تکمیل کی طرف رواں دواں ہیں۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے گذشتہ پندرہ سال میں نے اپنے طویل منصوبے کا آدھے سے زیادہ حصہ مکمل کر لیا ہے۔ یہ بات لائق تحسین ہے کہ وہ مستقل مزاجی کے ساتھ مفوضہ منصوبے کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ تقریباً دس جلدوں میں یہ منصوبہ مکمل ہوگا۔ یہ اس منصوبے کی پانچویں جلد ہے جو اسلامی قانون وراثت سے متعلق ہے۔ امید ہے کہ پہلے کی چار جلدوں کی طرح اس جلد کا بھی خیرمقدم کیا جائے گا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے ادارے کے لئے جو کام کیا ہے اس کے پیش نظر وہ ادارے کی طرف سے ہر طرح کی ستائش بلکہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ان کے کام سے ادارے کو جو شہرت اور نیک نامی مل رہی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا قدر ناشاناسی ہوگی۔ پانچویں جلد کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے کی چھٹی جلد مکمل کر لی ہے۔ جو عنقریب پریس جانے والی ہے۔

عبدالواحد ہالے پوتا
ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی
۱۲، جنوری ۱۹۷۹ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

(حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم پاکستان)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

پاکستان دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت جو اسلام ہی کے نام پر بنی اس میں اسلامی دستور، اسلامی قانون، اس کے ہر شعبہ زندگی میں اسلامی شعائر کی سر بلندی، عدل و انصاف، امانت و دیانت، ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان، جو صحیح اسلامی نظام کے لوازم میں سے ہے، یہ وہ شیریں خواب ہے جو پاکستان بننے سے پہلے دیکھا تھا۔ بظاہر اسباب اس کے بننے کا کوئی امکان نہ تھا۔ انگریز ہندو سکھ سبھی اس کے مخالف تھے۔ اور پاکستان کے تصور کو ایک ہڈیان اور احمقانہ تمنا کہتے تھے۔

مگر حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ نے سب دشمنان پاکستان کے علی الرغم سب سے بڑی اسلامی سلطنت کو وجود عطا فرما دیا۔ اور دشمن دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اس کے فوراً بعد ہندوؤں اور سکھوں کی غداری اور سہ فریقی معاہدہ کی خلاف ورزی سے پورے ملک میں کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ پاکستان کی حکومت ابھی اس مرحلے میں تھی کہ نہ اس کی فوج اس کے قبضہ میں تھی نہ خزانہ اور نہ دوسرے اسباب و وسائل۔ اس حال میں بننے کے بعد بھی پاکستان کی بقاء، پھر ایک دوسرا معجزہ اسلام کا ظاہر ہوا۔ دشمنان پاکستان کو تو اللہ تعالیٰ نے ہر مرحلے پر خائب و خاسر کر دیا اور پاکستان بنا۔ پھر باقی رہا، پھر بڑھا۔ اور اتنا بڑھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے دنیا کے نقشہ پر

اپنا حیرت انگیز اثر و رسوخ قائم کر دیا۔ مگر افسوس جن کے ہاتھوں میں اس سب سے بڑی اسلامی حکومت کا نظام کار آیا انہوں نے خالق اور مخلوق سے کٹے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے میں بڑی سستی و غفلت سے کام لیا۔ شکر نعمت ادا کرنے اور اسلامی نظام کو ہر شعبہ زندگی میں رائج کرنے کے بجائے وہ دوسرے مشاغل میں لگ گئے، تا آنکہ اس میں کے مخلصین ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، اور زمام کار ایسے ہاتھوں میں آگئی جن کو نہ پاکستان سے کوئی دلچسپی تھی نہ اسلام سے۔ یہ طبقہ بھی اسلام اور سالمیت پاکستان کا نام لینے پر تو مجبور تھا۔ مگر اسلام کے نام کا صرف لیبل لگانے سے زیادہ کسی چیز کے لئے تیار نہ تھا۔

خدائے تعالیٰ کی اس ناشکری کا نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسے عناصر غالب آگئے جو اس لیبل کے بھی قائل نہ تھے۔ انہوں نے کھل کر پاکستانی اور اسلامی نظریات کی مخالفت شروع کر دی، علاقائی اور صوبائی عصبیتوں کے بتوں کو از سر نو زندہ کیا۔ پاکستان کے الیکشن انہی صوبائی اور لسانی بنیادوں پر کرائے جانے لگے۔ جس بت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے مبارک قدسوں میں کچل ڈالا تھا اور پھر اس سنت نبوی کا احیاء پاکستان کے مسلمانوں نے بناء پاکستان کے وقت کیا کہ ایک، اسلامی قومیت کا جھنڈا لے کر اٹھے جس میں ہندی، سندھی، پنجابی، بنگالی پختون اور بلوچی کی کوئی تفریق نہ تھی۔ غرض ان سب بتوں کو توڑ ڈالا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ کچھ نئے پیدا ہو گئے اس نئے طبقہ نے ان ہی بتوں کو از سر نو زندہ کیا اور پورے پاکستان کو ان کی بھینٹ چڑھا دیا۔ پھر کب تک ناشکری و نافرمانی رنگ نہ لاتی!

حلم حق با تو مواساھا کند

چوں تو از حد بگذری رسوا کند

قہر خداوندی کا نتیجہ سامنے آگیا۔ اور ایسی ذلت آمیز شکست سے سابقہ پڑا کہ دشمن بھی ترس کھانے لگے۔ ایسی شکست کہ پوری اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، آدھے سے زیادہ ملک نہ صرف ہاتھ سے نکل گیا بلکہ ایک کمینہ دشمن کے قبضہ میں چلا گیا

ایک لاکھ کے قریب ہمارے بہادر سپاہی کفار کی قید میں سال بھر سے مظلومانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

سب سے بڑے افسوس کی چیز یہ ہے کہ پاکستان کا یہ عروج و نزول اور نزول کے روح فرسا مناظر ہم سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس کے ہر منظر سے یہ صدا سنائی دیتی رہی کہ خدا تعالیٰ سے غداری کرنے کی یہی سزا ہوتی ہے مگر ہماری آنکھیں اب بھی نہ کھلیں۔ ہم ابھی تک وہی چار قومی ترانے الاپتے ہیں اور (نظریہ) اسلام و پاکستان کے خلاف جدوجہد میں شب و روز لگے نظر آتے ہیں، بقول اقبال۔

وائے ناکامی ستاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ان حالات میں پاکستان کے اندر اسلامی دستور، اسلامی قانون، اسلامی نظام کے الفاظ ایک درد دل بن کر رہ گئے ہیں۔ مگر انسان میں جب تک ربق حیات باقی ہے تدبیر و علاج نہیں چھوڑا جاتا۔

اس سارے فسانہ غم کے بعد احقر پھر پاکستان کے عوام اور حکام کو متنبہ کرتا ہے کہ اب بھی اگر ذلت سے نکلنے اور باقیماندہ پاکستان کے محفوظ رکھنے کا کوئی طریقہ ہے تو وہ، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور ناشکریوں سے توبہ اور جلد سے جلد پاکستان کو غیروں کی نقالی سے آزاد کر کے دستور، قانون اور عمل ہر لحاظ سے ایک سچا اسلامی ملک بنانا ہے۔ آئین پاکستان تو اس وقت بھی اس زمین بے آئین کا معرکہ بحث بنا ہوا ہے۔ دیکھئے کیسا اور کب بنتا ہے۔ رہا مسئلہ قانون کا تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس ملک کا ستائیس سال میں آئین تیار نہ ہو سکا، تفصیلی قانون شریعت اسلام کے مطابق تیار ہونے میں کتنا زمانہ لگنا چاہئے۔ مگر ان سب چیزوں کے درمیان ملک میں کچھ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو طوفانی آندھیوں سے نہیں گھبراتے اور مایوس نہیں ہوتے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسلامی قوانین کی تدوین ہو جانی چاہئے تاکہ کسی وقت ملک میں اس کی تنفیذ مقدر ہو تو وقت زیادہ نہ لگے۔ اس کام کے لئے بعض اداروں نے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا، کچھ افراد نے کام بھی شروع کیا۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ جم کر کام کرنے والے ہمارے محترم ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ایڈوکیٹ ثابت ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے شخصی قوانین کی تدوین کا بیڑا اٹھایا اور پانچ جلدوں میں شخصی قوانین مرتب کر دیے۔ چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ پانچویں طباعت کے لئے تیار ہے۔ یہ عجائب اتفاق سے ہے کہ اس پوری تصنیف کے زمانے میں ڈاکٹر صاحب سے احقر کا تعلق کسی نہ کسی درجہ قائم رہا۔ اور اس پر مختلف دور گزرے۔ سب سے پہلے سنہ ۱۹۶۴ء میں وہ میرے پاس جلد اول کا مسودہ لے کر دکھلانے اور تصدیق حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ڈاکٹر فضل الرحمن کی قیادت میں ادارہ تحقیقات اسلامی سے وابستہ تھے۔ اور ان کی جلد اول میں ڈاکٹر فضل الرحمن کا رنگ جھلکتا تھا۔ جو ہمارے نزدیک مستشرقین کے رنگ کی آمیزش لئے ہوئے تھا۔ اسلام کے متفق علیہ مسائل کو مختلف فیہ بنا دینے کا ڈاکٹر فضل الرحمن نے بیڑا اٹھا یا تھا۔ قرآن نے جن چیزوں کو صراحتاً شدت سے حرام کیا ڈاکٹر فضل الرحمن نے ایک ایک کر کے سب میں بحثیں قائم کیں اور کم از کم یہ کارنامہ یہود و نصاریٰ کے خوش کرنے کا انجام دیا کہ عام لوگوں کی نظر میں ان مسائل کو مشکوک اور مختلف فیہ ثابت کر دیں۔ پاکستان گورنمنٹ کا کروڑوں روپیہ خرچ کر کے ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے اپنی کارگزاری کی مدت میں اس سے زیادہ کوئی کام نہیں کیا۔

میں نے پہلی بار ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کی رفاقت کی بناء پر ایک شدید تاثر کی وجہ سے ان کی کتاب پر نظر کرنے کو اضاعت وقت سمجھ کر انکار کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کچھ خفا ہو کر تشریف لے گئے۔ مگر اس کے بعد حق تعالیٰ کی مدد نے ان کی دستگیری فرمائی۔ انہوں نے اپنی فقہی استعداد بڑھانے کی طرف موثر قدم یہ اٹھایا کہ فقہ کی کتابوں کا صرف مطالعہ نہیں بلکہ ایک عالم سے باقاعدہ کتب فقہ و اصول فقہ پڑھ کر اپنی استعداد اور پختہ کی۔ آدمی ذہین ہیں مطالعہ کی محنت پہلے سے جاری تھی درسی تعلیم نے باقی ماندہ کمی کو پورا کر دیا۔ تو اب ان کے حالات میں ایک نمایاں انقلاب آیا اسی کا اثر تھا کہ سنہ ۶۸ء میں جب دوسری جلد مکمل ہوئی تو دوبارہ احقر کے پاس تشریف لائے ان کی اس بے نفسی اور اخلاص نے میرا بھی رنگ بدل دیا۔ میں نے دوسری جلد کو جستہ جستہ مختلف مقامات سے دیکھا۔ اور اس کے بعد سے اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کے اس مقام پر پہنچا دیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کو ڈاکٹر کے بجائے مولانا تنزیل الرحمن کہوں۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وہ وقت آجائے کہ وہ اس مبارک لقب سے موسوم ہوں۔

سنہ ۱۹۷۲ء میں جب اپنے اس مجموعہ قوانین کی پانچویں جلد وصیت اور میراث کے مسائل پر لکھی تو موصوف نے کچھ اصرار کے ساتھ یہ چاہا کہ اس کا پیش لفظ احقر کی طرف سے ہو۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب کے علم و فہم اور حسن عمل کے اثر سے احقر ان کی فرمائش کو نظر انداز بھی نہ کر سکتا تھا مگر افسوس کہ اس عرصہ میں امراض کے تسلسل اور ضعف طبعی نے مجھے تقریباً کسی کام کا نہ چھوڑا۔ اس پر مزید یہ کہ جون سنہ ۱۹۷۲ء میں مجھے شدید ہارٹ اٹیک کا مرض پیش آیا جس نے زندگی کی توقعات تقریباً ختم کر دی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے شفا عطا فرمائی تو ضعف قوی کی کوئی حد نہ تھی مگر تنزیل الرحمن صاحب کے شغف نے احقر ناکارہ کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ انہیں حالات میں ان کے ساتھ تقریباً دس بارہ مجلسین ہوئیں۔ جن میں کتاب کا ایک بڑا اور معتدبہ حصہ احقر نے لفظاً لفظاً سنا اور باقی حصے کے اہم مباحث اختصار کے ساتھ سنے۔ ماشاء اللہ ہر مسئلے کو توضیح و تحلیل کے ساتھ کتب فقہ و حدیث کے حوالہ کے ساتھ خوب لکھا ہے۔ میں قانون کی زبان کو جناتی زبان کہا کرتا تھا مگر تنزیل الرحمن صاحب نے اس کی زبان بھی نہایت سلیس بنادی۔

ساتھ ہی ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت متعلقہ قوانین کا ذکر بھی تقریباً استیعاب کے ساتھ کیا گیا۔ برصغیر ہند و پاک کی اعلیٰ عدالتوں کے بعض فیصلے بھی زیر تنقید آئے ہیں۔ یہ سب کام بڑی محنت اور سلیقے اور کافی تحقیق و جستجو کے ساتھ کیا گیا ہے۔

محترم تنزیل الرحمن صاحب نے وصیت واجبہ کے موجودہ مصری قانون پر بھی اچھی تنقید کر کے است کے اجماعی نقطہ نظر کو اختیار کیا ہے کہ وصیت کرنا غیر وارث کے لئے مستحب ہے واجب نہیں اور یہ کہ وصیت بحق وارث شرعاً درست نہیں۔ اس کا نفاذ سب وارثوں کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ اسی طرح یتیم ہوتے پوتیوں اور نواسوں نواسیوں کی میراث کے مسئلہ میں انہوں نے دور ایوبی کے بدنام زمانہ عائلی قوانین آرڈی نینس کی متعلقہ دفعہ پر بھرپور تنقید کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ آرڈی نینس مذکور کی یہ دفعہ قانون ہما اور ہندو دھرم شاستر سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک اسلامی ملک کے لئے انتہائی شرمناک ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع است سے ثابت شدہ اور معمول بہ حکم کی خلاف ورزی کر کے است کو عیسائیوں اور ہندوؤں کے قانون کی پیروی پر مجبور کیا جائے۔ (احقر نے اس قانون کے

نفاذ کے ساتھ ہی ایوب خان صاحب کو ایک مکتوب کے ذریعہ متنبہ کیا تھا جس کا جواب انہوں نے عنایت فرمایا مگر عملاً کوئی قدم اصلاح کی طرف نہیں اٹھا یا۔

ایک اصولی اختلاف

سیری نظر میں اس کتاب میں ایک چیز ایسی ہے جس نے اس کی افادیت کو مجروح کر دیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ محترم تنزیل الرحمن صاحب اس چیز کو اپنی کتاب کا امتیازی وصف قرار دیتے ہوں۔ مگر میرے نزدیک یہ جدید انداز ریسرچ اور نام نہاد تحقیقات جدید کا ترکہ ہے جو غیر شعوری طور پر ان کے مزاج میں دخیل ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کتاب کے بہت سے مواقع میں ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب نے ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل کرنے کے بعد از روئے دلائل ان میں محاکمہ کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا بیڑا اٹھایا اور متعدد مسائل میں فقہ حنفی کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔

سیرے نزدیک یہ کئی وجہ سے درست نہیں۔ اول یہ کہ آئمہ مجتہدین ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ کے درمیان محاکمہ کرنے والا اگر علم و عمل اور شان اجتہاد میں ان سے بڑا نہ ہو تو کم از کم ان کا ہم پلہ تو ہونا چاہئے۔ اور کم از کم شرائط اجتہاد تو اپنے اندر رکھتا ہو۔

اور میں اس معاملہ میں اس صاف کوئی کو ضروری سمجھتا ہوں کہ نہ احقر خود اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہے اور نہ ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب کو یہ مقام دینے کی کوئی وجہ پاتا ہے۔

علماء حنفیہ فقہ حنفی کے مسائل کی ترجیح دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں جو پیش کرتے ہیں اس کی حقیقت اس سے زائد نہیں ہے کہ جس مسلک کو انہوں نے اختیار کیا ہے کوئی اس کو خلاف کتاب و سنت نہ سمجھے ورنہ آئمہ مجتہدین کے درمیان محاکمہ کا کسی غیر مجتہد شخص کو قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس معاملہ میں دوسری بات قابل نظر یہ ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت حنفی المذہب ہے ان پر فقہ حنفی کا قانون نافذ کرنا تو خود ان کے اپنے مذہب کو نافذ کرنا ہے اس کے خلاف کسی دوسرے مذہب کا کوئی قانون ان پر عائد کرنے کا کسی کو بجز اس خاص صورت کے،

حق نہیں ہے، جس کو فقہا نے وضاحت سے لکھ دیا ہے۔ وہ یہ کہ کسی مسئلہ مجتہد فیہا میں حنفی مسلک پر عمل کرنا کسی حادثہ عامہ کے سبب مشکل ہو جائے اور صورت اضطرار عام کی ہو، کوئی شخصی حادثہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں خود فقہ حنفی کی رو سے کسی دوسرے امام مجتہد کے مسلک پر فقہاء حنفیہ کو فتویٰ دیدینے کا اختیار ہے اور حنفی المسلک عوام کے لئے اب وہ فقہ حنفی ہی کا ایک حکم ہونے کی حیثیت سے واجب العمل ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اضطرار عام کے سبب کسی دوسرے مجتہد کے قول پر عمل تو مشائخ مذہب اختیار کر سکتے ہیں لیکن قوت دلیل کی رو سے محاکمہ کر کے کسی دوسرے امام کے مسلک پر نہ خود عمل کر سکتے ہیں نہ دوسروں کے لئے اس کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا فتویٰ دے تو از روئے فقہ حنفی وہ فتویٰ غلط قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ یوں تو ہر مسلمان کو اس کا حق ہے کہ ائمہ مجتہدین میں سے جس امام کے مسلک کو اپنی صوابدید یا سہولت عمل کی بنا پر اختیار کر لے لیکن یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ جس مسئلے میں چاہے ایک امام کا مذہب لے لے اور جس میں چاہے دوسرے امام کا مسلک اختیار کر لے، کیونکہ اس کا نتیجہ درحقیقت اتباع دین نہیں، بلکہ اتباع ہوائے نفسانی ہے، جو بقول ابن تیمیہ باجماع است حرام ہے (صرح بہ فی فتاواہ)۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت حنفی المذہب ہے۔ نماز روزہ سب حنفی مسلک کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ ان پر کوئی غیر حنفی قانون تھوپنے کا کسی کو حق نہیں۔ ہاں جو لوگ حنفی نہ ہوں ان کو کسی ایسے حکم سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے جو ان کے مسلک کے خلاف ہو۔

اس کتاب میں چند مقامات پر اس امر کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک وہ ناقابل عمل ہیں اور نہ ان کو پاکستان کے مسلمانوں پر قانون بنا کر تھوپا جاسکتا ہے۔ اور اگر ایسا کیا گیا تو مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اس کے خلاف احتجاج کریں۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ اس تھوڑی سی تجدد پسندی کو اس کتاب سے الگ کر دیا جائے تو بلاشبہ قانون میراث و وصیت وغیرہ میں یہ کتاب ایک بے نظیر جامع کتاب ہے۔ جس کے

کے لئے ہمیں تنزیل الرحمن صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذہن سے اس کاٹنے کو بھی نکال دین، تو وہ دور حاضر کے بڑے کارگزار مصنف اور بہترین قانون دان ہو سکتے ہیں جن پر دینی مسائل میں اعتماد کیا جا سکے۔

حق تعالیٰ فاضل مصنف کو ان کی کاوش و محنت پر دارین میں جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اور مجموعہ قوانین اسلام کی باقی جلدوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس کام کی وجہ سے انہیں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں ان کا نعم البدل اپنے خزانہ غیب سے عطا فرمائیں۔

آخر میں اس رائے کے اظہار کو ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مجموعہ قوانین انگریزی زبان میں جلد منتقل ہونا چاہئے تاکہ مستشرقین کی آنکھیں کھل سکیں اور باہر کی دنیا اسلام کے قوانین سے واقف ہو سکے۔

(مفتی محمد شفیع)

۳ صفر ۱۳۹۳ھ

۱۲ مارچ ۱۹۷۳ء

دارالعلوم، کورنگی

کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ مؤلف

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی، بی ایچ ڈی (تمغہ امتیاز)
ایڈووکیٹ سپریم کورٹ و اعزازی مشیر قانون، ادارہ تحقیقات اسلامی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا مُّوَاٰفِیًّا لِنِعْمِهِ مَكْفِئًا لِآلَاعِهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَجُنُودِهِ

بارہا گفتہ ام و باردگری گویم — کہ من دلشدہ این رہ نہ بخود می ہویم
من اگر خارم و گرگل چمن آرائی هست — کہ ازاں دست کہ اوسی کشدم می رویم
دوستان عیب من بیدل حیراں میکنید — گوهرے دارم و صاحب نظرے می جویم

(حافظ شیرازی)

ہر اہم علمی کام اپنے ابتدائی مرحلہ میں خاصا دشوار ہوتا ہے، لیکن اسلامی قوانین کی تدوین کا کام اپنی عظمت و وسعت اور مختلف ائمہ مذاہب فقہ کے مباحث و نتائج فکر کے سبب لہ صرف انتہائی دشوار بلکہ خاصا پیچیدہ ہے۔ چنانچہ آغاز کار میں بہت دشواری پیش آئی۔ مگر میں اللہ کے فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں سے گزشتہ چودہ سال ۱۹۶۳ - ۷۷ کے عرصہ میں مجموعہ قوانین اسلام کی چھ جلدیں مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پہلی چار جلدیں بالترتیب ۱۹۶۵ء ۱۹۶۷ء ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۳ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی کی جانب سے شائع ہو چکی ہیں اور اب الحمد للہ ۱۹۷۷ء میں یہ پانچویں جلد ہدیہ ناظرین ہے، جسکا موضوع ”اسلامی قانون وراثت، ہے۔“

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت

سعجزہ فن کی ہے خون جگر سے لسمود

قطرہ خون جگر، مل کو بناتا ہے دل

خون جگر سے صدا سوز بسرود و سرود

اسلام اور انفرادی ملکیت :

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جلد کے بارے میں عرض کرنے سے پہلے یہاں قانون روما کے تحت میراث کے احکام اور اسلامی قانون وراثت کے اہم پہلوؤں کا ذکر کر دیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام شخصی جائداد (انفرادی ملکیت) کا قائل ہے۔ اسلام فرد کی ملکیت کی قطعاً نفی نہیں کرتا۔ ورنہ قرآن کے احکام وصیت و وراثت اور احادیث کی روشنی میں قوانین ہبہ اور وقف وغیرہ سب بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام اس بے ربطی کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اس میں احکام وصیت، وراثت اور ہبہ و وقف کا ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ انفرادی نظریہ ملکیت بجائے خود ایک فطری امر ہے۔ لیکن یہ بات کہ اس انفرادی ملکیت کی کیا حدود ہیں؟ وہ کیا حالات ہوتے ہیں جب معاشرہ کا مجموعی مفاد انفرادی ملکیت کی تحدید (Restriction) کا مقتضی ہوتا ہے؟ کیا اسلام میں اجتماعی تکافل کے اصولوں کے پیش نظر انفرادی ملکیتوں کو قومیانے (نیشنلائز) کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ اگر ہاں تو اس سلسلہ میں کیا احکام ہیں؟ قومیائی جانے والی ملکیتوں کے معاوضہ کے تعین کے کیا قواعد ہیں؟ یہ اور ایسے بہت سے امور ہیں جو تشریح طلب ہیں، لیکن ان پر گفتگو کرنے کا یہاں موقع نہیں۔ کیونکہ یہ مسائل براہ راست اسلام کے علم الاقتصاد سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری بحث سے خارج ہیں۔ یہاں اصل موضوع بلاوصیتی طریقہ توریث ہے جو فرد کی ملکیت کا مقتضی ہے۔ اگر سرے سے انفرادی ملکیت کا تصور ہی نہ ہو تو پھر ترکہ اور توریث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قانون روما میں وراثت :

جہاں تک روما کے قانون کا تعلق ہے، قدیم قانون روما میں اگر کوئی شخص بلاوصیت کئے مر جاتا تو اس کا ترکہ ان جدی اشخاص (agnates) کو ملتا جو لازمی وراثت کی تعریف میں آتے تھے۔ چنانچہ ملکی قانون کی رو سے کسی شخص کے بلا وصیت مرنے پر سب سے پہلے اس کے وراثہ بنفسہ وارث ہوتے تھے یعنی وہ اشخاص جو اس کی وفات کے وقت اس کے زہد اختیار ہوتے تھے، مگر وفات کے بعد خود مختار ہو جاتے تھے۔ ایسی صورت میں قائم مقامی کا اصول رائج تھا کہ اگر کوئی وارث بنفسہ فوت ہو جائے تو اس کے حصہ کا حق اس کے بچوں کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ یہ ترکہ متوفی کے وراثہ حصہ بالنسب (per stripe) لیتے تھے۔ مثلاً میت زہد کے حسب ذہل وراثہ موجود ہیں۔

- (۱) ایک لڑکا جو متبنی ہے۔
 - (۲) دوسرا لڑکا بکر جو آزاد شدہ ہے۔
 - (۳) بیٹی جسکا نکاح بحق شوہر ہو چکا ہے۔
 - (۴) تیسرا بیٹا خالد جو شادی شدہ ہے اور اس کا بیٹا حامد ہے۔
 - (۵) متوفی فرزند ناصر کے دو بیٹے یعنی زید کے دو پوتے جو سپت کے زیر اختیار ہیں۔
- چونکہ مسئلہ مذکورہ میں بیٹوں میں صرف خالد زیر اختیار تھا، اور دو پوتے زید کے زیر اختیار تھے، اس لئے ورثہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ خالد کو نصف اور دونوں پوتوں کو (اپنے متوفی باپ کے حصہ کے طور پر) نصف ملے گا۔ اگر جانشینی بالرأس (per capita) ہوتی تو پھر خالد اور دونوں پوتوں میں سے ہر ایک کو ایک تہائی ملتا۔ (واضح رہے کہ آزاد شدہ اور تبیت میں دئے گئے بیٹوں کو وراثت میں کچھ حصہ نہ ملتا تھا)۔

(۲) وراثہ بنفسہ نہ ہونے کی صورت میں ترکہ سب سے قریب ہم جدی رشتہ داران (agnates) میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، مثلاً حقیقی بھائی، چچا وغیرہ۔

(۳) درجہ میں جو سب سے قریب ہوتا وہ دوسرے ہم جدیوں (agnates) کے لئے حاجب (excluder) ہوتا تھا۔ مثلاً ایک بھائی عمر اور دوسرے مرحوم بھائی کا بیٹا بکر موجود ہے تو عمر درجہ میں قریب ہونے کی وجہ سے تنہا وارث ہوتا اور بکر درجہ میں بعید ہونے کی وجہ سے محجوب ہوتا۔ لیکن یہ اصول صرف ہم جدی (agnates) کی وراثت میں اختیار کیا جاتا۔ وراثہ بنفسہ کی صورت میں اگر میت کا ایک بیٹا عمر اور دوسرے (مرحوم) بیٹے کا پوتا بکر موجود ہوتا تو دونوں برابر ورثہ پاتے۔

(۴) اگر مساوی درجہ کے ایک سے زائد ہم جدی وراثہ موجود ہوتے تو جانشینی ہوتی لہ کہ بالنسب مثلاً میت سے ایک متوفی بھائی کا بیٹا عمر اور دوسرے متوفی بھائی کے دو بیٹے بکر اور خالد دونوں زندہ ہوتے تو ان تینوں میں سے ہر ایک تہائی کا مستحق ہوتا تھا۔

(۵) خولبی رشتہ دار عورتوں کو چھوڑ کر دوسری ہم جدی عورتوں کو سیراث میں کچھ نہ ملتا تھا۔ مثلاً بھتیجی، پھوپھی، خالہ وغیرہ محروم رہتیں۔

اس قدیم قانون روما میں وراثت کی بابت کئی نقائص تھے، مثلاً

(الف) آزاد شدہ اور تبیت میں دئے ہوئے بیٹے وراثت سے محروم تھے۔

(ب) بیٹی جس کا نکاح بحق شوہر ہو چکا ہو محروم رہتی۔

(ج) جو اولاد باپ کے ساتھ مدنی (Jus civili) قرار دی جا چکی ہو وہ وراثت سے محروم رہتی۔

(د) بجز حقیقی بہن کے دوسری ہم جدی (agnate) عورت وارث نہ ہوسکتی تھی۔ پرتیر نے اس قانون وراثت میں متعدد اصلاحات کیں۔ چنانچہ عدم وصیت کی صورت میں وراثت کے حسب ذیل چار درجے قائم کئے گئے۔

(۱) وراثت آزاد شدہ۔ اس کے تحت جو وراثت باپ نے آزاد کردئے یا تبتیت میں دیدئے، ان کو بھی حصہ مل جاتا تھا۔ مگر یہ حصہ صرف اس جائداد تک محدود ہوتا جو خود انہوں نے اپنی محنت سے پیدا کیا ہو۔

(۲) وراثت لازمی۔ اس کے تحت نصفی قبضہ (بربنائے نصفت (equity) نہ کہ بربنائے وراثت) ان لوگوں کو ملتا جنہوں نے پہلے درجہ میں مطالبہ نہ کیا ہو۔ نیز ہم جدی وراثت قریب کو بھی حصہ ملتا تھا۔

(۳) وراثت خونی۔ اگر پہلے دو درجے کے لوگوں میں کوئی اپنا دعویٰ پیش نہ کرے (یا موجود نہ ہو) تو پرتیر بربنائے نصفت۔۔۔۔۔

(۱) ان لوگوں کو قبضہ دیتا تھا جو متوفی کے خونی رشتہ دار ہوں جن میں تمام فروع داخل ہوتے تھے۔

(۲) تمام رشتہ داران جدی جن کی حیثیت میں تنزل واقع ہوا ہو۔

(۳) ہم جدان بعید جو ہم جدان قریب سے محروم ہو گئے ہوں۔

(۴) تمام خونی ہم جدی عورتیں اور

(۵) عورتوں کی طرف کے دوسرے قرابتدار شامل تھے۔

لیکن یہ تمام اشخاص وقت واحد میں دعویٰ نہیں کر سکتے تھے، درجہ بدرجہ پا سکتے تھے۔

(۴) وراثت ازدواجی۔ اگر مذکورہ بالا تینوں جماعتوں میں سے کسی کو ورثہ نہ ملتا تو

پرتیر متوفی کی بیوہ یا شوہر کو (جیسی بھی صورت ہو) قبضہ بربنائے نصفت عطا کرتا۔

چنانچہ جسٹین کے آغاز حکومت میں وراثت کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

(۱) قانون ملک کے تحت مسلمہ وراثت لازمی۔

(۲) الف۔ ماں اور حقیقی بھائی بہن۔

ب۔ علاتی یا اخیافی بھائی بہنیں۔

ج۔ (۱) دوسرے درجہ کے ہم جدی بھائی بہن۔

(۲) متوفی بھائی بہنوں کے لڑکے اور لڑکیاں۔

د۔ ہم جدان بعید، درجہ کی مناسبت سے

(۳) ورثاء خونی حسب اعلان پرثیر۔

جسٹین نے اس قانون میں متعدد اصلاحات کیں، جس کے بعد وراثت کی صورت حسب ترتیب ذیل تھی۔

(۱) پہلی جماعت میں متوفی کی اولاد، خواہ متوفی مرد ہو یا عورت (بعیثیت خونی رشتہ دار متوفی)۔

(۲) متوفی کے حقیقی بھائی بہن، یا ایسے حقیقی بھائی بہنوں کے بچے جو متوفی کی زندگی میں بلا وصیت انتقال کر چکے تھے۔ (بعیثیت متوفی کے اصل کے خونی رشتہ دار)۔

(۳) علاتی یا رضائی بھائی بہنیں اور ان کے بچے جو متوفی کی زندگی میں بلا وصیت مر چکے تھے۔

(۴) باقی دونوں طرف کے رشتہ داران، درجہ کی قربت کے لحاظ سے۔

(جسٹین کی اصلاحات میں متوفی کی بیوی یا شوہر (جیسی صورت ہو) کی میراث کا ذکر نہیں ملتا۔ غالباً مندرجہ بالا ورثاء کے نہ ہونے کی صورت میں حسب قاعدہ قدیم زوجہ یا شوہر کو جیسی صورت ہو حصہ ملتا ہو)۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جسٹین کی اصلاحات سے قبل ترکہ کی تقسیم میں دو تصورات کارفرما تھے۔ ایک وراثت کا اور دوسرا نصفت (equity) کا۔ وراثت کا حق محدود تھا کیونکہ ورثاء کی تعداد محدود تھی۔ اس لئے اس میں لچک پیدا کرنے یا اس کی سختی کو دور کرنے کی غرض سے پرثیر کے اعلان کے بعد اصول نصفت (equity) کا اطلاق کیا جانے لگا۔ لیکن جسٹین کی اصلاحات کے بعد وراثت اور قبضہ بربنائے نصفت میں جو فرق تھا وہ دور ہو گیا اور وصیت نہ ہونے کی صورت میں صرف توریث کے ذریعہ ترکہ تقسیم ہوتا تھا۔

اسلام اور قانون وراثت :

دنیا کے مختلف مجموعہ ہائے قوانین میں ملکیت کی مختلف صورتوں کے بارے میں بحث کے دوران حصول جائداد کے متعدد فطری طریقوں میں عالم گیر ”طریقہ توریث“ بھی شامل ہے۔ ابتداءً یہ فرض کیا گیا تھا کہ توریث کا وصیتی طریقہ زیادہ سوزوں ہے۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم تھی کہ جائداد کا مالک خود بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس جائداد کا بندوبست کس طرح ہو اور کون کون لوگ اس میں حصہ دار ہیں۔ لیکن انسان کی خود عرضی،

کم نظری اور وقتی مصلحتیں اسے اکثر اوقات جادہ حق سے ہٹانے کا موجب بنتیں اور اس کے ہاتھوں دوسروں کی حق تلفیاں ہوا کرتیں، جو مختلف افراد خاندان کے درمیان رسہ کشی اور ظلم و ناانصافی کا سبب بنتیں۔

اسلام نے ان حق تلفیوں کا اس طرح سدباب کیا کہ مورث کو ایک تہائی کی حد تک وصیت کا اختیار دے کر ترکہ کی تقسیم کے لئے واضح اصول مقرر کر دئے اور اس سلسلہ میں قرآن و حدیث نے واضح احکام دئے۔ تاکہ خاندان میں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی اور عداوت کی تخم ریزی نہ ہو اور صلہ رحمی کے جذبات سرد نہ پڑیں۔ یہ بات تمدنی ترقی کے نقطہ نظر سے بھی اہم ہے۔ شریعت اسلام میں وراثت کے احکام اس اصول پر مبنی ہیں کہ متوفی کی جائداد ان لوگوں کے حق میں منتقل ہونی چاہئے جو بلحاظ شرکت خون و قرابت اپنی قرابتداری کے درجہ کے لحاظ سے اس سے منفع ہونے کے مستحق ہیں۔

عین ممکن ہے کہ میت اپنے پیچھے ایک سے زائد ایسے قرابت دار چھوڑ جائے جن میں سے کسی ایک کی نسبت قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہو کہ اس کے حقوق دوسرے قرابت دار کے مقابلہ میں اولیٰ ہیں۔ عقل انسانی کے اس تذبذب یا وسوسہ کو دور کرنے کی غرض سے سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ذات نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا:

”اباؤکم و ابناءؤکم لاتدرون ایہم اقرب لکم نفعاً،“۔

کہ اپنے والدین اور بیٹوں میں تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کون بلحاظ نفع کے تمہارے قریب ہے۔

شریعت اسلام ایسی صورتوں میں متوفی کی جائداد کو وراثت میں ایک خاص درجہ بندی اور ان کے دعویٰ کی فطری تقویت کی مناسبت کے لحاظ سے تقسیم کرنے کا حکم کرتی ہے اور متوفی کے ایک سے زائد رشتہ داروں کے دعاوی کو باریک بینی کے ساتھ منصفانہ طریقہ سے طے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا پورا اندازہ اصل کتاب کے مطالعہ سے ہوگا۔ اجمالاً یہاں صرف چند اشارے کئے جاتے ہیں۔

- (۱) شریعت میں بعض وراثت قرآن مجید میں متعین کر دئے گئے ہیں جنکو ذوی الفرض کہا جاتا ہے۔ ان کے حصص قرآن پاک میں مقرر ہیں ان ذوی الفروض کی تعداد کل بارہ ہے۔ چار مرد اور آٹھ عورتیں۔ مردوں میں (۱) باپ (۲) باپ کا باپ (خواہ کتنے ہی بالائی درجہ میں کیوں نہ ہو) (۳) اخیافی بھائی۔ (یعنی ماں کی طرف سے) (۴) شوہر اور عورتوں میں (۵) زوجہ (۶) بیٹی۔ (۷) پوتی۔ (خواہ کتنی زیریں پشت میں کیوں نہ ہو) (۸) حقیقی بہن (۹) اخیافی بہن (۱۰) علاتی بہن۔ (۱۱) ماں اور (۱۲) جدہ صحیحہ ہیں۔

ترکہ میں شوہر کا حصہ $1/4$ مقرر ہے اگر متوفیہ کے کوئی اولاد یا اس کے بیٹے کے کوئی اولاد موجود ہو خواہ وہ کتنی ہی زیریں پشت میں کیوں نہ ہو۔ اور اگر اس کی کوئی اولاد یا بیٹے کی اولاد موجود نہ ہو تو اس کا حصہ متوفیہ کے ترکہ میں نصف ہے۔ زوجہ کا حصہ $1/8$ ہے جب کہ کوئی اولاد یا بیٹے کی اولاد موجود ہو ورنہ $1/4$ ۔ بیٹی کا حصہ نصف ہے جب کہ وہ تنہا ہو اور کوئی بیٹا موجود نہ ہو۔ لیکن اگر بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان کو مجموعی طور پر جائداد کا $2/3$ حصہ ملتا ہے۔ پوتی کو اگر وہ تنہا ہے اور کوئی اولاد یا پوتا موجود نہیں ہے، نصف ملتا ہے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی اولاد یا پوتا موجود نہ ہو تو $2/3$ ملتا ہے۔ لیکن اگر پوتی کے ساتھ متوفی کی بیٹی یا صنف اعلیٰ کی پوتی موجود ہو اور بیٹا موجود نہ ہو تو پوتی کو صرف $1/6$ حصہ ملے گا۔ بہن کو نصف ملتا ہے جب کہ وہ تنہا ہو اور کوئی بیٹا یا پوتا (خواہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو) اور باپ یا لڑکی یا پوتی یا بھائی موجود نہ ہو اگر انہیں حالات میں دو یا دو سے زیادہ ہیں تو ان کو $2/3$ ملے گا۔ علاتی بہن کو اگر وہ تنہا ہے اور کوئی بیٹا یا علاتی بھائی یا بہن موجود نہ ہو تو اس کو نصف ملے گا۔ اگر وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو انہیں حالات میں ان کو $2/3$ ملے گا۔ علاتی بہن کو ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں بشرطیکہ بیٹا وغیرہ یا علاتی بھائی موجود نہ ہو $1/6$ حصہ ملے گا۔ ماں کا حصہ $1/6$ ہے اگر بیٹا یا پوتا یا دو سے زیادہ بھائی بہن موجود ہوں۔ ان کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ماں کو $1/3$ ملے گا۔ لیکن یہ تہائی اس باقی ماندہ ترکہ کا ہوگا جو شوہر یا زوجہ کی موجودگی میں ان کے اور باپ کے حصص ادا کرنے کے بعد بچ رہے۔ جدہ صحیحہ کو جب کہ وہ محبوب نہ ہو جائے $1/6$ حصہ ملتا ہے۔ باپ کا حصہ بھی $1/6$ ہے۔ اور دادا بھی اگر وہ محبوب نہ ہو جائے اسی قدر پاتا ہے۔

اخیاتی بھائی یا بہن کا حصہ $1/6$ ہے جب کہ وہ اکیلی ہوں اور کوئی اولاد یا پوتے پوتیاں یا باپ یا جد صحیح موجود نہ ہوں۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہیں تو انہیں حالات میں ان کو $2/3$ ملے گا۔ بعض حالات میں بعض ذوی الفروض عصبہ ہو جاتے ہیں یا پچھیت ذوی الفروض اور عصبہ دونوں حیثیتوں سے حصہ پاتے ہیں۔

(۲) وراثت کی دوسری قسم عصبیات ہے۔ غیر محبوب ذوی الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے اس میں عصبیات وارث ہوتے ہیں۔ عصبیات کی تین قسمیں ہیں۔ عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغيرہ اور (۳) عصبہ مع الغير۔ پہلی قسم میں وہ سب قرابت دار ہر د داخل ہیں جن کے متوفی کے ساتھ قرابت میں کوئی عورت داخل نہیں ہوتی۔ وہ چار قسموں پر مشتمل ہیں۔

(۱) جزء متوفی - یعنی متوفی کا بیٹا، پوتا خواہ کتنی ہی زیریں پشت میں ہو۔ (۲) اصل متوفی -

یعنی متوفی کا باپ، دادا خواہ کتنا ہی بالاٹی پشت میں ہو۔ (۳) متوفی کے باپ کا جزء - یعنی بھائی یا بھائی کے بیٹے خواہ کتنی ہی زیریں پشت میں ہو۔ (۴) متوفی کے دادا کا جزء - یعنی چچا اور ان کے بیٹے خواہ کتنے ہی زیریں درجہ میں ہوں۔

عصبہ بغیرہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں مثلاً بہن بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہو جاتی ہے اور مرد کو عورت کے حصہ کا دوگنا ملتا ہے۔
عصبہ مع الغیر وہ وارث عورت ہے جو دوسری وارث عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک بہن میت کی ایک لڑکی کے ساتھ مل کر عصبہ ہو کر حصہ پاتی ہے۔

(۳) وراثہ کی تیسری قسم ذوی الارحام ہے۔ اس میں وہ تمام رشتہ دار شامل ہیں جو نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبہ، جیسے بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد، بہن کی اولاد، بھائیوں کی لڑکیاں پوتیاں، ماسوں اور خالائیں وغیرہ۔ یہ وراثہ حسب ترتیب (درجہ وار) حصہ پاتے ہیں۔
(۴) عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ترکہ اگر بچ رہے تو ذوی الفروض پر رد (Return) کر دیا جاتا ہے۔

اسلامی قانون میراث کا ایک اہم قاعدہ حجب و حرمان ہے جس کے تحت بعض وراثہ یاتو دوسرے وارث کی موجودگی میں کم تر حصہ پاتے ہیں یا بالکل محجوب ہو جاتے ہیں۔ جیسے باپ کی موجودگی میں دادا بھائی اور بہن محروم محجوب ہو جاتے ہیں۔ یا بیٹا پوتے کو محجوب کر دیتا ہے یعنی بیٹا دوسرے بیٹے کے بیٹے کا حاجب ہو جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دفعہ نمبر ۳۰۷ قانون ہذا) اس سلسلہ میں مسلم سالک میں جو جدید قانون سازی کی گئی ہے اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جلد چہارم دفعہ نمبر)۔

اسلامی قانون وراثہ کی جامعیت

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بخوبی واضح اور روشن ہو جاتا ہے کہ اسلامی قانون وراثہ اپنے پیشرو قوانین وراثہ (یا مختلف غیر سالک میں رائج الوقت قوانین وراثہ) کے مقابلہ میں انتہائی سائنٹیفک اور جامع اور فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ مثال کے طور پر زوجہ یا شوہر کو جیسی بھی صورت ہو ذوی الفروض قرار دے کر ان کے حصے متعین کرتا ہے۔ یہ صورت قدیم قانون روما میں نصفی مقصد کے طور پر سب سے آخر میں ملتی ہے، جب کہ دوسرے وراثہ نہ ہوں۔ اور قانون ہنود میں حین حیاتی ورثہ کے طور پر نظر آتی ہے۔ قانون روما کے تحت تو شاید ہی کبھی ایسی نوبت آتی ہے کہ زوجہ کو اپنے شوہر سے ترکہ ملتا ہو اور قانون ہنود (جدید) میں شوہر کی مکسویہ جائداد میں جو ترکہ ملتا ہے وہ حین حیاتی ہوتا ہے یعنی جب تک

وہ زندہ رہتی ہے اس سے (صرف) استفادہ کی مستحق رہتی ہے۔ انتقال کے بعد وہ حصہ بھی شوہر کے وراثہ کو لوٹ جاتا ہے جن کو وراثہ عودی (Reversion Ary Heirs) کہا جاتا ہے۔

دراصل ہندوؤں کے دیویالائی مذہب میں شوہر کی وفات پر زوجہ کے سنی ہونے کا تصور موجود ہونے کے سبب اس کے میراث پانے کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

یہی صورت قانون روما میں بیٹی کی میراث کی ہے۔ نکاح بحق شوہر کے بعد بیٹی وراثہ سے محروم ہوجاتی تھی۔ کیونکہ وہ کوئی جائداد اپنے ذاتی نام میں رکھنے کی مستحق ہی نہ تھی (خود انگلستان میں سنہ ۱۸۸۳ تک یہ صورت رہی) اس کے برخلاف اسلام بیٹی کو ذوی الفروض (Sharers) میں شامل کرتا ہے۔ اور کسی صورت میں بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح بیٹوں کے ترکہ کا معاملہ ہے۔ وہ خواہ میت کے زیر کفالت (زیر اختیار) ہوں یا نہ ہوں خواہ باپ نے انہیں اپنی زندگی میں عاق ہی کیوں نہ کر دیا ہو۔ ہر صورت میں اپنے باپ کے ترکہ میں وارث ہوں گے جب کہ قدیم قانون روما میں آزاد اور زیر اختیار بیٹیوں کے درمیان تفریق و امتیاز روا رکھا گیا جس کی وجہ سے اس کے برقرار رہنے کی صورت میں رشتہ داروں کے درمیان ظلم و ناانصافی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہی صورت تبیت میں دئے گئے بیٹوں کے ساتھ ہوتی کہ وہ بھی وراثت سے محروم رہتے۔ اسلام سرے سے تبیت ہی کا قائل نہیں۔

دراصل انسانی عقلیں فطرت کے لامحدود امکانات کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں اس لئے جو قانون تجویز کیا جاتا ہے یا کسی ملک کے واضعان قانون اس کو وضع کرتے ہیں وہ قانون وقتی حالات کے تحت شاید درست معلوم ہوتا ہو، مگر آئندہ پیش آنے والے واقعات و اثرات کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف اسلامی قانون وراثت افراط و تفریط سے پاک نہایت مستحکم اصولوں پر قائم ہے۔ جن کی صراحت قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ تمدنی اصول ہے کہ جو قانون جسقدر وسیع ارضی حدود میں شائع، رائج اور نافذ ہوتا ہے اور اس کی مدت جس قدر طویل ہوتی ہے اسی قدر اس قانون کی فعالیت، زندگی اور قیام میں مضبوطی اور استحکام ہوتا ہے۔ اسلامی قانون وراثت چودہ سو سال سے ساری دنیا کے مسلمانوں میں نافذ العمل رہا ہے۔ اور اس وقت بھی دنیا میں تقریباً ایک ارب مسلمانوں میں، شائع اور رائج ہے۔ دوسرے لفظوں میں چودہ سو سالہ مسلسل تعامل (Practice) خود اس کے حق میں زبر دست دلیل ہے۔ اور اصول فقہ کا یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ لوگوں کا تعامل اجماع سے ملحق ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، اسلامی قانون وراثت قرآن و حدیث پر مبنی ہے جس کی تصریحات

ہر است کے سواد اعظم کا اجماع ہے اور جو چودہ سو سالہ تعامل کے ذریعہ پختہ، موکد اور مستحکم ہو چکا ہے۔

ایک اہم مسئلہ :

وراثت وہ حق ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب، قرآن عظیم میں بندوں کے حق میں مقرر فرمایا ہے اور اس کو ایک ایسا محکم فرض قرار دیا ہے جس میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ کے الفاظ سے ابتدا فرماتے ہوئے اہل ایمان پر وراثت کا قانون لازم کر دیا۔ اور پھر ان آیات احکام کے خاتمہ پر تنبیہ فرمائی کہ یہ احکام اللہ تعالیٰ کی وہ مقرر کردہ حدیں ہیں کہ جن سے سرموانحراف، رسوا کن عذاب کا موجب ہوگا لیکن افسوس، کتاب و سنت میں بیان کردہ واضح شرعی احکام اور اس قدر سخت وعید کے باوجود ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں، بلکہ دوسرے لفظوں میں اسکی حکمت بالغہ کو چیلنج کرتے ہیں۔ ، حالانکہ قرآن حکیم میں صاف مذکور ہے:

”فریضة من الله ان الله كان علیماً حکیماً،“

یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور اللہ ہی خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔
قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرأ ان یکون لہم الخیرة من امرہم :

کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی چیز کا حکم فرمائیں تو کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اس حکم کو قبول کریں اور اگر نہ چاہیں تو اسے نہ قبول کریں، بلکہ ان پر ان دونوں (اللہ اور اس کے رسول) کے فرمان کی تعمیل فرض ہے اور نص قرآنی کے ذریعہ مکلف سے اس کا اختیار سلب کر لیا گیا ہے۔ اور یہ اصول تمام قرآنی نصوص کے بارے میں ہے۔

قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یتصیبہم عذاب الیم :

ہس جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے ہیں، انہیں اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ اس مخالفت کی وجہ سے ان پر دلیا میں کوئی مصیبت یا آخرت میں کوئی دردناک عذاب نہ آجائے۔

واضح رہے کہ رسول اکرم ص کے حکم کی یہ مخالفت انکار کے طور پر ہو یا ترک عمل کے طور پر ہو یہ وعید دونوں صورتوں میں ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب آقا اپنے غلام کو کسی کام کے کرنے کا حکم دے اور وہ غلام کام نہ کرے یا کرنے سے انکار کر دے تو غلام سزا کا مستحق ہوگا۔ اور ہم سب اللہ کے بندے (غلام) ہی تو ہیں، مجال انکار کہاں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو لایعنی تاویلوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اس ضمن میں، جہاں تک پاکستان میں رائج قوانین کا تعلق ہے، پنجاب میں ایک عرصہ تک وراثت کے باب میں رواجی قانون کی عنبرداری رہی جسکا ماخذ اصلی قانون روما اور قانون ہنود تھے۔ ازاں بعد پاکستان عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ یتیم پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں، کے حق میراث کے سلسلے میں سجل نظر ہے، جس پر تفصیلی تنقید باب ۳۷ ”حجب و حرمان“ کے تحت مطالعہ کی جا سکتی ہے۔

ایسٹٹ ڈیوٹی:

یہاں ایک اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے اور وہ ہے ایسٹٹ ڈیوٹی یا فوتی محصول (tate or death duty) کا مسئلہ، کہ آیا یہ ٹیکس یا محصول شرعی قانون وراثت سے متصادم ہے یا نہیں؟ یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلامی قانون وراثت سے جو حقوق متعلق ہوئے ہیں وہ کل تین ہیں۔ دین (debt) اور وصیت (اگر کوئی ہو) اور وراثت۔ ظاہر ہے کہ ایسٹٹ ڈیوٹی نہ تو میت کی جانب سے حکومت کے حق میں وصیت ہے اور نہ اس کے ذمہ میں کوئی دین، کیونکہ دین (debt) کا بدل (consideration) مفقود ہے۔

اگر یہ ایک قسم کا حق میراث ہے جو حکومت کی جانب سے اس کے وضع کردہ قانون کے ذریعہ متوفی کی جائداد سے (بعد وفات) متعلق ہوا ہے تو اس کی بنیاد نہ تو قرآن و سنت پر ہے اور نہ قیاس شرعی ہی اس کی تائید کرتا ہے۔ (یوں بھی واضح احکام قرآن و حدیث کی موجودگی میں قیاس متروک ہے)۔ چنانچہ راقم الحروف کے نزدیک، ایسٹٹ ڈیوٹی اسلامی قانون وراثت کے خلاف ہے، اور کتاب اللہ میں بیان کردہ احکام وراثت سے متصادم ہے۔ درحقیقت یہ ٹیکس قانون کی جبری قوت کے ذریعہ یک طرفہ بنیاد پر وراثت کے حقوق جائداد میں مداخلت کرتا ہے۔ جو انگلستان میں رائج الوقت فوتی محصول (death duty) کا چربہ ہے، یہاں شاید کسی کو یہ گمان گزرے کہ اگر کسی شخص کے ذمہ حکومت کے ٹیکس واجب الادا ہوں اور وہ مر جائے تو اس کی جائداد سے وہ ٹیکس وصول کر لئے جاتے ہیں تو پھر ایسٹٹ ڈیوٹی کی وصولی

میں کیا قباحت ہے؟ لیکن اسٹیٹ ڈیوٹی اور دیگر ٹیکسوں (مثلاً انکم ٹیکس) میں ایک فرق ہے۔ وہ یہ کہ ٹیکس (اس بحث سے قطع نظر کہ وہ شرعاً درست ہے یا نہیں) میت کی ذات سے متعلق ہو چکا تھا جسکی ادائیگی ذمہ داری یا کم از کم بناء دعویٰ اس کی حیات میں پیدا ہو چکی تھی۔ اس کے برخلاف ایسٹیٹ ڈیوٹی (estate duty) جیسا کہ خود نام سے ظاہر ہے میت کی جائداد سے متعلق ہے جو بعد سرگ ترکہ پر عاید ہوئی ہے۔ یہ براہ راست وراثت کے حق میں مداخلت اور قرآنی نظم وراثت کے خلاف ہے۔ حتیٰ کہ احناف کے نزدیک غیر ادا شدہ زکوٰۃ بھی ترکہ سے متعلق نہیں رہتی۔

کچھ اس جلد کے بارے میں :

یہ جلد حسب ذیل آٹھ ابواب (۳۱ تا ۳۸) پر مشتمل ہے۔

(۱) ارکان، شرائط و موجبات وراثت (باب ۳۱)۔

(۲) حقوق متعلق بہ ترکہ (باب ۳۲)۔

(۳) مستحقین ترکہ (باب ۳۳)۔

(۴) عول (باب ۳۴)۔

(۵) حمل، مفقود، اسیر، ولد الزنا، ولد الملاعنه اور خنثی کی میراث (باب ۳۵)۔

(۶) سوانع میراث (باب ۳۶)۔

(۷) حجب و حرمان (باب ۳۷)۔

(۸) مناسخہ (باب ۳۸)۔

اس جلد میں بھی سابق جلدوں کی طرح فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ ”قرآن و سنت“ سے براہ راست رہ نمائی حاصل کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ”اجماع“ کو بھی دلیل راہ بنایا گیا ہے، اور قیاس شرعی سے بھی مدد لی گئی ہے۔ یہاں ”اجماع“ کے سلسلہ میں ایک وضاحت ضروری ہے۔ اگرچہ اجماع (امت) کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین و فقہاء سلف کسی مسئلہ میں متفق ہیں لیکن علم الفرائض کے باب میں اجماع کے ضمن میں بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ یہاں اجماع سے تمام ائمہ و فقہاء کا اجماع مراد نہیں بلکہ ایک مذہب فقہ کے مجتہدین کا اجماع متفق علیہ یا متفق بہ قول مراد لیا جا سکتا ہے، خواہ دوسرے مذاہب کے ائمہ اس مسئلے میں ان کے ساتھ متفق نہ ہوں جیسے کہ ذوی الارحام کی میراث کا مسئلہ، کہ حنفیہ کے نزدیک وہ وارث ہوتے ہیں، جبکہ بعض دیگر مذاہب فقہ مثلاً شافعیہ اور حنبلیہ ذوی الارحام کو صرف اس صورت میں وارث تسلیم کرتے ہیں جبکہ بیت المال

منتظم نہ ہو۔ لہذا یہاں اجماع کو کسی خاص فقہی مذہب کا اجماع کہنا زیادہ موزوں ہوگا، جسکو ”اجماع مطلق“ کے مقابلہ میں ”اجماع مخصوص“ کہا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر صراحتاً ”اجماع است“ کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے۔

اصولی طور پر استحقاق میراث کی بنیاد ”قیاس“ پر نہیں ہے۔ البتہ بعض مسائل و احکام میں قیاس (شرعی) سے مدد لی گئی ہے۔ مثلاً ایک ساتھ جل کر یا دب کر یا ڈوب کر مر جانے والوں کی میراث کا مسئلہ۔ اسی طرح ذوی الارحام کی میراث کے قواعد قیاس پر مبنی ہیں، گوان کو وارث قرار دینا نص سے ثابت ہے۔ حتی الامکان متعلقہ مسائل میں آیات قرآنی، احادیث نبوی و آثار صحابہ کو بطور ماخذ بیان کرنے کے ساتھ مذاہب اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ و حنبلیہ) اور شیعہ امامیہ و ظاہریہ کے نقطہ ہائے نظر ان کی مستند کتابوں سے پیش کر کے ان کے دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جدید رجحانات سے واقفیت بہم پہنچانے اور تقابلی مطالعہ کی غرض سے پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک - مصر، شام، عراق، اردن، مراکش، تیونس وغیرہ کے رائج الوقت قوانین کے اقتباسات دینے گئے ہیں۔ اور بعض اہم مسائل مثلاً یتیم پوتے پوتیوں کی میراث کے ضمن میں اسلامی ممالک میں وصیت واجبہ کے رائج الوقت قانون پر تنقید بھی شامل ہے۔ اور جہاں کہیں کسی نقطہ نظر سے راقم الحروف کو اختلاف ہوا ہے وہاں راقم الحروف نے اپنا نقطہ نظر دیانت داری سے بیان کر دیا ہے۔

باب واربعض اہم نکات درج ذیل ہیں -

اكتیسواں باب :

(۱) اس باب میں ارکان، شرائط و سوجبات وراثت سے بحث کی گئی ہے۔ ارکان میراث میں ترکہ کی بحث بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ ترکہ کی تعریف میں مال اور حقوق مالی، تابع مال یا متعلق مال، دونوں شامل ہیں، البتہ ”حق شخصی محض“، ترکہ کی تعریف سے خارج ہے۔ نیز ایسا مال بھی جس پر دوسرے کا حق قائم و ثابت ہو، تا آنکہ اس حق کا استیفاء نہ کر دیا جائے۔

ترکہ کی بحث میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایسا مال جو میت نے چھوڑا ہو اور عرفاً مال شمار ہوتا ہو مگر شریعت نے اس پر مال ہونے کا حکم نہ لکایا ہو تو وہ مال ”شرعاً“ ترکہ شمار نہ ہوگا۔ ایسے مال کی وراثت میں تقسیم عرف اور قانون رائج الوقت کے تحت ہوگی، شرعاً اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً شراب کا ذخیرہ، جوئے میں جیتی ہوئی رقم، اور سود وغیرہ۔ از روئے شرع حرام مال میں وراثت کا اجراء وراثت کے حق میں حلال نہیں۔ اگر وہ

مال وراثت لے لیں تو وہ گناہ کے مرتکب ہونگے اور بطور کفارہ وہ مال واجب التصدق ہوگا۔
 (۲) ترکہ کی بحث کے ضمن میں ”سناغ“ (usufructs) پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔
 مثلاً عقد اجارہ (contract of hire) میں حق کرایہ داری۔ احناف کے نزدیک عقد اجارہ
 موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اور وراثت کی طرف خود بخود منتقل نہیں ہوتا، البتہ
 عدالت مجاز فریق متضرر کو فوری ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے کچھ عرصہ کے لئے عقد اجارہ
 کی توسیع یا تجدید کا حکم دے سکتی ہے۔ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موت سے عقد
 اجارہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ وراثت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں غیر منقولہ
 جائدادوں کی تجارتی و معاشی اہمیت کے پیش نظر ان کے حق کرایہ داری کو قابل ارث قرار
 دینے میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح نظر آتا ہے۔ مغربی پاکستان شہری غیر منقولہ
 جائداد اور تحدید کرایہ داری آرڈی ننس ۱۹۵۹ء کے تحت کرایہ داری کو متوفی کی بیوی
 اور اولاد کے حق میں قابل ارث قرار دیا گیا ہے۔

بتیسواں باب :

اس باب میں میت کے مال کے ساتھ جو حقوق متعلق ہوتے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ
 لیا گیا ہے، حقوق متعلق بہ ترکہ حسب ترتیب یہ ہیں۔

(۱) میت کی تجہیز و تکفین۔

(۲) الف۔ میت کے ترکہ (عین شئ) سے حقوق غیر کا ایفاء۔

ب۔ میت کے ترکہ سے اس کے ذمہ تمام دیون (debts and pecuniary obligations) کی ادائیگی۔

(۳) تمام دیون کی ادائیگی کے بعد ما بقی ترکہ میں ایک تنہائی کی حد تک وصیت کا

نفاذ، بشرطیکہ موصی نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ شرعاً قابل نفاذ بھی ہو۔

(۴) اس کے بعد جو ترکہ بچ رہے اس کی وراثت میں حسب قاعدہ شرعی تقسیم۔

دیون کی ادائیگی کے ضمن میں غیر ادا شدہ زکوٰۃ کا مسئلہ بھی آتا ہے جبکہ میت نے اس

کی ادائیگی کی کوئی وصیت نہ کی ہو۔ حنفیہ کے نزدیک غیر ادا شدہ زکوٰۃ موت کے بعد

میت کے مال سے متعلق نہیں رہتی جبکہ شافعیہ کے نزدیک میت کے مال میں سے ادائیگی لازم

ہے۔ بہر کیف، اولیٰ یہ ہے کہ وراثت متوفی کے ذمہ واجب الادا زکوٰۃ کو ادا کر دیں،

تاکہ متوفی آخرت میں جواب دہی سے محفوظ رہ سکے۔ میت کے ذمہ بندوں کے مالی حقوق کی

ادائیگی ہلا اختلاف وصیت و میراث سے قبل لازم ہے۔

(۵) میت کے ذمہ دین (قرض) ہونے کی صورت میں اس کی ادائیگی تک ترکہ کی حالت اور وراثہ کے حقوق کا مسئلہ بھی خاصا اہم ہے۔ اسلامی قانون غالباً دیگر نظام ہائے قوانین کے مقابلہ میں منفرد قانون ہے جو میت کے مفادات و ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو ایک قانونی حیثیت دیتا ہے اور اس غرض کے لئے اس کو اس وقت تک حکمی طور پر زندہ تصور کرتا ہے جیتک کہ اس کی ضروریات پایہ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں یعنی اس کی تجہیز و تکفین، اس کے ذمہ قرضوں کی ادائیگی، وصیتوں (Wills) کا اجراء، وصول طلب قرضوں کی بازیابی وغیرہ۔ اس کی بناء یہ ہے کہ اسلامی قانون محض ایک انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ اس دنیا میں تعلقات (قانونی) ہی کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ انسان کے اپنی زندگی میں اور موت کے بعد بھی خدا سے تعلق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ بطور مثال میت کے ذمہ قرضوں کی عدم ادائیگی اس کی اخروی نجات کے لئے رکاوٹ ہے، اس لئے مرنے کے باوجود اس کی ضرورت یعنی قرضوں کی ادائیگی قائم رہتی ہے اور اسی سبب سے قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے اجراء کے بعد ہی وراثہ کا حق ترکہ میں ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مذاہب اربعہ، شیعہ اہل حق اور ظاہریہ کے نقطہ ہائے نظر کا تفصیلی جائزہ لے کر حنفیہ نقطہ نظر اقرب الی القبول قرار پایا ہے۔ ساتھ ہی ہندو پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے ایک ”غلط مفروضہ“ پر سببی جو فیصلے دئے ہیں ان کی نشان دہی کردی گئی ہے۔ نیز موجودہ حالات کے پیش نظر ”جبری انتظام ترکہ“ (Compulsory administration of the estate of deceased) کا قانون بنانے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

(۶) ”حقوق متعلق بہ ترکہ“ کی آخری بحث ”وصیت“ سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں ”وصیت بہ حق وارث“ کے مسئلہ پر نہایت مفصل بحث کے بعد ائمہ اربعہ کا اجماعی نقطہ نظر اختیار کیا گیا ہے۔

تینتیسواں باب :

باب نمبر ۳۳ میں مستحقین میراث کا تفصیلی بیان ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ اور جہاں کہیں احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف رائے پایا گیا ہے، وہاں احناف کے نقطہ نظر سے بالعموم اتفاق کیا گیا ہے۔ مذاہب فقہ میں مستحقین میراث کی تعداد و ترتیب میں تھوڑا سا اختلاف ہے چنانچہ تمام مذاہب فقہ میں مستحقین میراث کی تعداد و ترتیب بیان کرنے کے بعد مذہب احناف کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس کے تحت دوسرے فقہی مذاہب کے نقطہ نظر کے

بموجب تمام مستحقین میراث بھی آجاتے ہیں۔ ترتیب حنفی نقطہ نظر کے بموجب رکھی گئی ہے۔ مگر وہ مستحقین میراث جنکا ذکر قدیم کتب فقہ میں تو ملتا ہے مگر عہد حاضر میں انکا وجود نا پید ہے ان کو قانون ہذا کے تحت مستحقین میراث کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے۔ البتہ ان کا اجمالی ذکر تاریخی حیثیت سے فٹ نوٹ میں کر دیا گیا ہے۔ مستحقین میراث کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر مستحق میراث کی مختلف حالتوں کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں علی العموم سنی کاتب فقہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ جہاں کہیں شیعہ فقہ کا حکم (provision) قرآن و سنت کے خلاف نظر آیا ہے اس کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

چونتیسواں باب :

باب نمبر ۳۴ ”عول“ پر ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ کے اجماعی نقطہ نظر سے اتفاق کیا گیا ہے لہذا شیعہ فقہ میں ”عول“ کے اطلاق میں جہاں کہیں بے ربطی موجود پائی گئی ہے، اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

پننتیسواں باب :

باب نمبر ۳۵، میراث حمل اور مفقود، اسیر، ولد الزنا، ولد اللعان، اور خشی کی میراث سے متعلق ہے۔

میراث حمل :

میراث حمل کے سلسلہ میں زائد سے زائد مدت حمل کا مسئلہ خاصی اہمیت اور پیچیدگی کا حامل ہے۔ احناف کے نزدیک زائد سے زائد مدت حمل دو سال ہے۔ وہ اس مسئلہ کو ”تقدیر شرعی“ تصور کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث موقوف کو مرفوع کے درجہ میں قرار دیتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ اس مسئلہ کو ”قیاسی“ قرار دیتے ہوئے اس کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر رکھتے ہیں۔ یہی نقطہ نظر شیعہ امامیہ کا ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ (اپنے مشاہدہ کی بنا پر) ۴ سال تک مدت حمل قرار دیتے ہیں اور شیعہ امامیہ ۱۱، ۱۰، ۹ ماہ۔ اسلامی ممالک میں جو جدید قانون سازی کی گئی ہے اس کے تحت زائد سے زائد مدت حمل ایک سال قرار دی گئی ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک مدت حمل کا مسئلہ اگر ”مدرک بالقیاس“ ہے تو طبی تجربات و مشاہدات اور روزمرہ واقعات کے پیش نظر ایک سال انتہائی

مدت مقرر کرنا موزوں ہوگا۔ البتہ اگر یہ مسئلہ ”مدرك بالقياس“ نہیں ہے تو پھر لامحالہ اس مسئلہ کی بنیاد حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایات ہی پر رکھنا ہوگی، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔ راقم الحروف نے اس مسئلہ میں فقہ حنفی کے بموجب قانون کی تدوین کی ہے۔ ساتھ ہی پاکستان میں جائز النسبی کے سلسلہ میں رائج الوقت قانون (زیر دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ء) پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ بالخصوص کم سے کم مدت حمل کا رائج الوقت قانون قرآن کے خلاف ہے۔ میت اور غیر میت کی زوجہ کا حمل اور اختلاف حکم :

احناف میت اور غیر میت کی زوجہ کے حمل کی مدت میں باغراض وراثت تفریق کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر حمل میت کی زوجہ کا ہے تو انتہائی مدت دو سال قرار دیتے ہیں بشرطیکہ زوجہ معتدہ نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو۔ اور اگر حمل غیر میت کی زوجہ کا ہے تو کم سے کم مدت حمل یعنی چھ ماہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ احناف کا یہ اغراض وراثت یہ تفریق و امتیاز کرنا کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر غیر میت کی زوجہ کا حمل میت کے انتقال کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے پر ثابت النسب ہے، تو یہ اغراض وراثت محض قیاس کی بناء پر اسے میراث سے کیونکر محروم قرار دیا جا سکتا ہے، بظاہر جو حکم نسب کا ہے وہی میراث کا ہونا چاہئے، لیکن ذرا غور کرنے سے یہ نکتہ ذہن میں آجاتا ہے کہ حمل کی میراث میں بنیادی اور فیصلہ کن امر یہ ہے کہ مورث کی موت کے وقت نطفہ قرار پکڑ چکا ہو۔ غیر میت کی زوجہ کے حمل سے متعلق، جسکا شوہر زندہ ہے، ظن غالب یہ نہیں ہو سکتا کہ نطفہ میت کی حیات میں قرار پا چکا تھا اس لئے کم از کم مدت حمل یعنی چھ ماہ کا اعتبار کیا گیا، جبکہ اس کے برخلاف میت کے خود اپنی زوجہ کے حمل کی صورت میں، مورث کی موت واقع ہو جانے کے سبب، بعد الموت نطفہ قرار پانے کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے میت وغیر میت کی زوجہ کے حمل کی میراث میں فرق ملحوظ رکھنا درست ہے۔

مفقود کی میراث :

مفقود کی میراث کے سلسلہ میں قدیم کتب فقہ میں جو نقطہ ہائے نظر ملتے ہیں، ان پر لئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مختلف اسلامی ممالک نے رسل و رسائل کے سلسلہ میں عہد حاضر کی سہولتوں کا لحاظ کرتے ہوئے مفقود کی میراث کے سلسلہ میں قانون سازی کی ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں پاکستان میں بھی قانون سازی کی جائے۔ فی الوقت زوجہ مفقود الخیر کے فسخ نکاح کے سلسلہ میں ۴ سال کی مدت مقرر ہے لیکن فسخ نکاح اور تقسیم

ترکہ کے درمیان اصولی طور پر فرق ہے کیونکہ ان دونوں مسئلوں کی تہ میں جو سماجی عوامل کار فرما ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اسیر کی میراث :

احناف کے نزدیک مسلمان اسیر جو کافروں کی قید میں ہو، اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے، البتہ دین اسلام کے ترک کر دینے پر اس کا حکم مرتد کی میراث کا ہوگا۔ یہی نقطہ نظر امام مالک اور احمد بن حنبل کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اسیر اور مفقود کی میراث کا ایک ہی حکم ہے۔

ولد الزنا او ولد اللعان کی میراث :

ولد الزنا کی میراث کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اجماعی نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ اپنی ماں اور دوسرے مادری رشتہ داروں کا وارث ہوگا اور اس کی ماں اور اس کے مادری رشتہ دار اس کے وارث ہونگے۔ یہی صورت اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین کے تحت ہے۔ لیکن شیعہ فقہ میں ولد الزنا کو مطلقاً کوئی حق میراث حاصل نہیں، حتیٰ کہ وہ نہ خود ماں اور ماں کے تراہت داروں کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث ہو سکتا ہے۔ ولد اللعان کے سلسلہ میں احکام میراث کی نوعیت ذرا مختلف ہے، اس کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

چھتیسواں باب :

یہ باب موانع میراث سے متعلق ہے جس میں ان موانع کا جائزہ لیا گیا ہے جن کے سبب کوئی مستحق میراث سے محروم قرار پاتا ہے ان موانع میں قتل، اختلاف دار اور ارتداد شامل ہیں۔

قتل :

احناف کے نزدیک جس نے ناحق قتل کیا ہو، وہ مقتول کی کسی شے کا وارث نہیں ہوگا، خواہ وہ قتل عمداً ہو یا خطاء۔ البتہ قتل بالتسبب میں قاتل میراث سے محروم نہیں ہوگا۔ امام مالک کا اس مسئلہ میں احناف سے اختلاف ہے۔ وہ قتل بلا عمد (خطاء) کی صورت میں قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار نہیں دیتے، البتہ مقتول کی دیت میں سے اس کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ امام شافعی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کے سلسلہ میں انتہا پسند نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ وہ نہ صرف قتل عمد و قتل خطاء کی صورت میں قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار دیتے ہیں بلکہ قاتل خواہ کسی طرح قتل مورث میں شریک ہو، مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ قتل بالتسبب کی صورت میں بھی قاتل کو محروم الارث قرار دیتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے نزدیک قصاص لینے والا، امام و قاضی (جس نے قتل کا حکم دیا ہو) اور جلاد و شاہد جس نے قاتل کے خلاف شہادت دی ہو) مقتول کے ترکہ سے محروم رہیں گے۔ حنبلی مکتبہ قانون کے نزدیک ہر وہ قتل میراث سے محروم کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں قاتل کسی قسم کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے، خواہ وہ سزا قصاص ہو یا دیت ہو یا کفارہ۔ چنانچہ ان کے نزدیک قتل کی تمام صورتوں (قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا، قائم مقام خطا اور قتل بالتسبب) میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جائے گا، البتہ وہ قتل جس کے بعد کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہوتا ہو، میراث سے محرومی کا سبب نہ ہوگا جیسے قصاص میں قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔ شیعہ امام مالک کے مسلک کے مطابق قتل خطا کی صورت میں قاتل کو محروم الارث قرار نہیں دیتے، جبکہ ظاہریہ قتل خطا کے مسئلہ میں قاتل کو محروم الارث قرار دیتے ہیں اور حنفیہ سے متفق ہیں۔

راقم الحروف کے نزدیک قتل خطا کے سلسلہ میں دیگر ائمہ کے اقوال کی بہ نسبت امام مالک کا قول پسندیدہ ہے کہ قاتل میراث مقتول سے محروم نہ ہونا چاہئے۔ البتہ یہ حکم اس وقت دیا جانا چاہئے جبکہ حاکم عدالت کے نزدیک صحیح معنی میں یہ ثابت ہو جائے کہ قتل واقعی خطا ہوا ہے۔ جہاں تک قتل بالتسبب کا تعلق ہے، اگر واقعی طور پر قتل محض اس سبب کے ذریعہ واقع ہوا، اور سبب کے بانی کا کسی طرح بھی اس قتل سے تعلق، نیت یا ارادہ ظاہر نہ ہوتا ہو تو میراث مقتول سے محرومی کا حکم نہ دیا جائے گا، لیکن اگر قاتل نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ایسا سبب اختیار کیا ہو جس سے ”بالواسطہ“ ارتکاب قتل کا ثبوت فراہم ہوتا ہو تو قاتل کو میراث سے محروم قرار دیا جانا چاہئے۔ اگر کوئی شخص بحکم شرع حد یا قصاص میں مار ڈالے یا حق حفاظت خود اختیاری کے استعمال میں اس سے قتل سرزد ہو تو میراث سے محروم نہ ہوگا۔ قاتل کی میراث کے ضمن میں امام شافعی رح کا مسلک غایت تقویٰ اور ورع پر مبنی ہے مگر مرجوح قرار پائے گا۔ اس موضوع پر مصر و لبنان میں جو جدید قانون سازی کی گئی ہے، اس سے بھی راقم الحروف کے نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔

اختلاف دار :

نواع میراث کی بحث میں ”اختلاف دار“ کا مسئلہ بھی ہے۔ اختلاف دار دراصل غیر مسلموں میں معتبر ہے۔ لیکن اس ضمن میں خود دارالاسلام اور دار الحرب کی اصطلاحیں اور ان کا

قدیم مفہوم بھی زیر بحث آیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں قومیت و وطنیت کا ایک نیا تصور پیدا ہوا ہے مسلم و غیر مسلم اقوام بلا لحاظ دین و ملت اپنے قومی و بین الاقوامی معاملات میں، اس جدید تصور کی نمائندگی کرتی ہیں۔ نیز پر امن بقائے باہمی، انفرادی و اجتماعی مذہبی آزادی عام امن و امان، قانون کی بالا دستی اور عام مساوات کے پیش نظر دارالاسلام اور دارالغرب کی اصطلاحات کا وہ مفہوم اور اثر و نتیجہ، جو مستقدمین فقہاء کے نزدیک تھا، نئے سرے سے غور و فکر کا مستقاضی ہے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ”مملکت اسلامیہ“ اور ”غیر اسلامیہ“ کی اصطلاحیں اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے اسلامی نقطہ نگاہ سے ان دونوں مملکتوں کے درمیان ”خط امتیاز“، کھینچنے کی کوشش کی ہے، البتہ اختلاف دار کو مانع میراث قرار دینے سے اتفاق کیا ہے، کیونکہ ایک مسلم مملکت دوسری غیر مسلم مملکت میں واقع جائداد و املاک کی نسبت اپنے شہری کے ایفاء حق و تعمیل ذگری کے لئے دوسرے ملک کے قانون کی محتاج ہے۔ ہاں اگر مابین کوئی معاہدہ موجود ہو تو پھر اختلاف دار کو مانع میراث قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بین الاقوامی معاہدہ کی یہ صورت شاید نئی ہے، جو اختلاف دار کے سبب منع میراث کی بحث کے دوران قدیم کتب فقہ میں بیان نہیں ہوئی۔

ارتسداد :

مرتد و مرتدہ کی میراث کے بارے میں مختلف فقہی مذاہب کے نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد پاکستان میں رائج الوقت قانون مذہبی آزادی ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ء کو منسوخ کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

سینتھواں باب

باب ۳۷ ”حجب و حرمان“ سے متعلق ہے جس میں یتیم ہوتے ہوتیوں اور نواسے نواسیوں کی میراث کا مسئلہ خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یتیم ہوتے کی میراث :

اس باب میں اہم ترین مسئلہ دادا کے ترکہ میں اس کے مرحوم بیٹے یا بیٹی کی اولاد کی توریث کا ہے جو اس کی حیات میں فوت ہو چکے ہوں۔ عرف عام میں یہ مسئلہ یتیم ہوتے کی میراث کے نام سے مشہور ہے۔ تمام مذاہب فقہ (بلا استثناء) کا اجماعی نقطہ نظر یہ ہے کہ دادا یا نانا کے انتقال پر اگر اس کا کوئی بیٹا موجود ہو تو اس کے (دوسرے) مرحوم بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو دادا کے ترکہ میں سے کوئی ورثہ نہیں ملے گا، حتیٰ کے شیعہ اسلامیہ کے نزدیک اگر صرف

بیٹی ہی موجود ہو تو کل ترکہ بیٹی کو ملے گا۔

دور حاضر میں اس مسئلہ کو پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی ”یتیمی اور فقر و احتیاج“ کی بنیاد پر مختلف انداز سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے مصر میں قانون الوصیت، ۱۹۴۶ء کی رو سے ”وصیۃ الواجبه“ کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ شام، تونس، اور مراکش میں بھی علی الترتیب ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۷ء، ۱۹۵۸ء میں ”وصیۃ الواجبه“ کا قانون نافذ کیا گیا۔ البتہ شام اور مراکش کے قوانین کے تحت اس قاعدہ کا اطلاق صرف میت (دادا) کے مرحوم بیٹے کی اولاد (پوتے پوتیوں) تک محدود رکھا گیا ہے یعنی وہاں وصیتہ الواجبه کا اطلاق میت (دادا) کی مرحوم بیٹی کی اولاد (نواسے نواسیوں) پر نہیں کیا جاتا۔ اس کے برخلاف پاکستان میں عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ کے ذریعہ پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو اپنے مرحوم باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے عائلی قانون کے تحت دادا یا دادی کی سیراث کی تقسیم کے معاملہ میں اس صورت میں بنیادی تبدیلی واقع ہوئی ہے جبکہ میت (دادا، دادی یا نانا نانی) کا کوئی بیٹا بیٹی اسکی زندگی میں فوت ہو چکا ہو۔ ایسی صورت میں اس کو زندہ تصور کرتے ہوئے اس کا حصہ (جو بشرط حیات اس کو ملتا) اس کی اولاد میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے اثرات دوسرے موجود بیٹے، بیٹی اور پوتی کی سیراث پر پڑتے ہیں جن سے نص قرآنی حدیث نبوی اور اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے راقم الحروف نے ایسے مقامات پر جدید قانون کے تحت پیدا شدہ تبدیلی کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ البتہ راقم الحروف نے مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے رائج الوقت قانون کو است سلسلہ کے اجماعی نقطہ نظر کے مخالف قرار دیا ہے، اور اجماعی نقطہ نظر کے مطابق دفعہ قانون ہذا مرتب کی ہے۔

تاہم اس سلسلہ میں ایک متبادل تجویز بھی پیش کی ہے۔ یہ تجویز راقم الحروف نے اس بحث و تمحیص کی روشنی میں مرتب کی ہے جو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی (فروری ۱۹۶۸ء) میں عائلی قوانین کمیٹی کے اجلاس کے دوران ایک ممتاز عالم دین (جو موجودہ ملکی سیاست میں بھی اونچا مقام رکھتے ہیں) نے پیش کی تھی۔ مجھے اس تجویز میں ایک سقم نظر آتا تھا اور وہ یہ کہ اس کے زیر اثر ”وصیت“ کو ایک حد تک ”واجب“ قرار دینا لازم آتا ہے، جب کہ وصیت مستحب ہے، لیکن جب میں نے اپنے اس اشکال کا ذکر موصوف سے کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر میری تسلی کردی کہ دادا کا ”سکوت“، ان کی ”رضامندی“، شمار ہوگا۔ بہر کیف میں نے اس تجویز کا ذکر اس خیال سے کیا ہے کہ یہ تجویز ”نئی“ ہے اور اصحاب علم اس پر

غور کر سکیں گے۔ خود سیرا ذہن ابھی پوری طرح اس تجویز کے بارے میں صاف نہیں ہے۔

اڑتسواں باب :

یہ باب ”مناسخہ“ پر ہے۔ اس میں مناسخہ کا ایک ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو شاید کسی حد تک جدید کہا جا سکتا ہے۔

تختہ جات وراثت :

کتاب کے آخر میں سنی و شیعہ قوانین وراثت کے بموجب ذوی الفروض کے تختہ ہائے وراثت دے گئے ہیں جن سے بیک نظر ان کی میراث کے حصے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ حصص قدیم فقہ کے بموجب ہیں۔ دفعہ ۴۰ عاٹلی قانون آرڈی نینس ۱۹۶۱ء کا اتباع نہیں کیا گیا، کیونکہ وہ امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ تعامل اور اجماع کے خلاف ہے۔

کتابیات (مصادر و مأخذ):

سب سے آخر میں کتابیات ہیں۔ کتابیات میں وہ کتب شامل ہیں جن کے حوالے فٹ نوٹ میں دیے گئے ہیں، البتہ بعض کتب ایسی بھی ہیں جن کے حوالے فٹ نوٹ میں نہیں ہیں مگر ان سے عام استفادہ کیا گیا ہے۔ حوالوں میں قوسین میں (م) متوفی کی علامت ہے۔ کسی کسی کتاب کے آخر میں سطن یا س۔ ن کی علامتیں سن طباعت ندارد کی جگہ استعمال کی گئی ہیں۔ مصادر و مأخذ کی جو فہرست آخر میں دی ہے ان میں سے اکثر کتب کا صرف ایک ہی نسخہ مطالعہ میں رہا ہے مگر بعض کتب مثلاً ردالمحتار، الہدایہ، الدر المختار، البحر الرائق، المغنی، فتاویٰ عالمگیریہ، شرائع الاسلام، المحلی، سنن دارقطنی وغیرہ کے مختلف نسخے مختلف اوقات میں زیر مطالعہ رہے۔ حتی الامکان کتاب کے ساتھ سن طباعت یا ایڈیشن کی صراحت کر دی گئی ہے۔

تحدیث نعمت:

تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا غالباً بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی قانون وراثت پر مشتمل یہ کتاب اپنی جامعیت کے اعتبار سے آج تک اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتب پر گوئے سبقت لے گئی ہے۔ تمام متعلقہ مباحث کا کسی ایک ہی کتاب میں ملنا ممکن نہ ہوگا۔ ہر چند کہ انسان خطاء و نسیان کا مرکب ہے، کوشش کی گئی ہے کہ کتاب اغلاط سے پاک ہو۔

انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب اسلامی فقہی سرمایہ میں بیش قیمت اضافہ شمار کی جائے گی اور اہل علم و نظر اس کی شہادت دینگے۔

اگر چہ زیب سرش افسر و کلا ہے نیست
 گدائے کوئے تو کمتر ز پادشاہ نیست
 بخواب رفته جوانان و مردہ دل پیران
 نصیب سینہ کس آہ صبح گاہے نیست
 باین بہانہ بدشت طلب زپا نہ نشین
 کہ در زمانہ، کسے آشنا بہ راہے نیست
 گناہ ساچہ نویسند کاتبان عمل
 نصیب ما ز جہاں تو جز نگاہے نیست
 بیا کہ دامن اقبال را بدست آریم
 کہ او زخرقہ فروشان خانقاہے نیست

حرف سپاس :

آخر میں ان اصحاب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کا مسودہ دیکھا، ان میں مولانا منتخب الحق صاحب سابق ڈین و صدر شعبہ معارف اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی، مولانا امجد العلی صاحب سابق شیخ الحدیث مدرسہ مطلع العلوم راسپور اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب راجہ، صدر دارالعلوم کراچی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اول الذکر ہر دو صاحبان نے اس کتاب کو از اول تا آخر پڑھا اور بعض مشکل اور پیچیدہ مسائل میں میری مدد اور رہنمائی فرمائی، جس کے لئے میں ان کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ مفتی صاحب مرحوم نے میری عاجزانہ درخواست پر ضعف و انحطاط اور علالت کے باوجود تقریباً چھ ماہ تک ہفتہ وار نشستوں میں اس کتاب کے معتدبہ حصہ کو لفظاً لفظاً سننے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اور بعض مقامات پر اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ مفتی صاحب کی فقہ دانی کا شعور و اندازہ تو پہلے سے تھا لیکن ان نشستوں میں عین الیقین حاصل ہوا، مفتی صاحب علیہ الرحمۃ واقعی پاکستان میں فقہ اسلامی کے سب سے بڑے عالم تھے ان کی ذات گرامی میرے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کا پر خلوص اور محبت و شفقت سے بھر پور رویہ مجھے تا دم زیست یاد رہے گا۔

نا سپاسی ہوگی اگر میں جناب مولانا کوثر نیازی صاحب، سابق وفاقی وزیر امور مذہبی، حکومت پاکستان و سابق چیرمین ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کا شکریہ ادا نہ کروں۔ موصوف نے ادارہ کے سربراہ کی حیثیت سے ان موانع کو دور فرمایا جو، شاید، نئے حالات میں، اس کام کی تکمیل

میں رکاوٹ ثابت ہو سکتے تھے، اور اس طرح اس کام کی قدردانی کا عملی ثبوت دیا۔ میں ان کا تہ دل سے ممنون ہوں۔

آئندہ پروگرام :

خدا کا شکر ہے کہ اس جلد کے ساتھ ہی مسلمانوں کے شخصی قوانین کی حد تک اسلامی قوانین کی تدوین جدید کا ایک مرحلہ طے ہوا، اور اس کے ذریعہ اسلام، پاکستان اور اردو زبان کی خدمت کا ایک اور موقع نصیب ہوا۔ والہنہ اللہ و بحسن توفیقہ۔ در حقیقت جتنا وقت اس کام میں صرف ہوا، اور ہو رہا ہے، وہی حاصل زندگی ہے۔

سرم خوشست و بیانگ بلند می گویم
کہ من نسیم حیات از پیالہ می جویم

اب مجموعہ قوانین اسلام کی تالیف و ترتیب کا دوسرا مرحلہ در پیش ہے۔ الحمد للہ اس مجموعہ قوانین کی چھٹی جلد ”قانون شفعہ“ کی تالیف و ترتیب مکمل ہو چکی ہے۔ مجموعہ ہذا کی ساتویں جلد ”اسلامی قانون حدود و تعزیرات“ پر کام شروع کر دیا گیا ہے جس کے بعد انشاء اللہ العزیز مجموعہ ہذا کی اگلی جلدیں قانون شہادت، اور متعدد اہم اسلامی دیوانی قوانین پر مشتمل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسید واثق اور یقین کامل ہے کہ اس عظیم کام کی تکمیل کے لئے طمانیت قلب کے ساتھ کام کرنے کی توفیق مرحمت ہوگی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

واللہ اسئال النفع بہ فی الدنیا و احسن الجزاء علیہ فی العقبی بمنہ و کرہ

ہر چند غرق بحر گناہم ز صد جہت
تا آشنائے عشق شدم ز اہل رحمت

تنزیل الرحمن

دارالتنزیل، ڈی۔ ۱۳، جے، نارتھ ناظم آباد

کراچی۔ ۹ نومبر ۱۹۷۷ء

قانون وراثت

متن (Text)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قانون وراثت

متن (Text)

اکیسواں باب

ارکان، شرائط و موجبات وراثت

۲۶۱ - وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے جس کے ذریعہ ایک متوفی کا ترکہ اس کے ورثا کے حق میں بطریق خلافت جانشینی منتقل ہو جاتا ہے۔

وراثت کی تعریف

۲۶۲ - وراثت کے حسب ذیل تین ارکان ہیں :-

ارکان وراثت

(۱) سورث، (۲) وارث، اور (۳) ترکہ (محل وراثت)۔

۲۶۳ - میراث کی تین شرطیں ہیں :-

شرائط وراثت

(۱) سورث کی حقیقی یا حکمی موت کا ثبوت،

(۲) سورث کی موت کے بعد وارث کی حقیقی یا حکمی حیات کا ثبوت، اور

(۳) قرابت کی نوعیت اور درجہ جس میں سورث اور وارث جمع

ہوں۔

۲۶۴ - شرع اسلام میں وراثت کے دو موجبات ہیں :-

موجبات وراثت

(۱) نسب، اور (۲) زوجیت (سبب)۔

تیسواں باب

حقوق متعلق ترکہ

۲۶۵ - میت کے مال کے ساتھ حسب ذیل حقوق متعلق ہوتے ہیں جن میں بعض پر بعض مقدم ہیں :-

حقوق متعلق
بہ ترکہ

(۱) میت کی تجہیز و تکفین،

(۲) (الف) میت کے ترکہ (عین شے) سے حقوق غیر کا ایفاء،

(ب) میت کے ترکہ سے اس کے ذمہ قرضوں (دیون) کی ادائیگی،

اور

(۳) تمام دیون کی ادائیگی کے بعد مابقی ترکہ میں سے ایک تہائی کی حد تک غیر وارث کے حق میں وصیت کا اجراء، اگر میت کی وصیت موجود ہو اور شرعاً قابل نفاذ ہو۔

توضیح - وصیت کے ایک تہائی سے زائد یا وارث کے حق میں ہونے کی صورت میں اس کا نفاذ وراثت کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

(۲) موصی کے شیعہ ہونے کی صورت میں وارث کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت بلا اجازت وراثت جائز و قابل نفاذ ہوگی۔

(۳) ما بقی ترکہ کی کتاب و سنت اور اجماع است کی روشنی میں وراثت میں تقسیم۔

تیسواں باب

مستحقین میراث

۲۶۶ - علی الترتیب حسب ذیل افراد ترکہ کے مستحق ہوں گے :-

ترتیب میراث

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصباء، (۳) عصبہ نہ ہونے کی صورت میں

رد علی ذوی الفروض، (۴) ذوی الارحام، (۵) مولى الموالات، (۶) مقله بالنسب،
(۷) موصى له بجمع مال، اور (۸) بيت المال۔

۲۶۷۔ وراثت کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

ورثاء کی اقسام

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصبات اور (۳) ذوی الارحام

۲۶۸۔ ذوی الفروض کی دو قسمیں ہیں :-

ذوی الفروض
کی اقسام

(الف) سببی، اور (ب) نسبی۔

۲۶۹۔ شوهر کی میراث کی دو حالتیں ہیں :-

شوهر کی میراث

(۱) زوجہ متوفیہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوهر کو کل ترکہ

کا نصف ملے گا۔ اور

(۲) زوجہ متوفیہ کی اولاد موجود ہونے کی صورت میں شوهر کل ترکہ

کا چوتھائی پائے گا۔

توضیح - جس اولاد کی وجہ سے شوهر (یا زوجہ) کے حصہ میں کوئی

کمی واقع ہوتی ہے وہ بیٹا، بیٹی پوتا پوتی یا پوتے کا بیٹا یا بیٹی یعنی پڑ پوتا

یا پڑپوتی ہیں (خواہ کتنے ہی زیرین پشت میں ہوں)۔ اس میں بیٹی کی اولاد

شامل نہیں ہے۔

۲۷۰۔ زوجہ کی میراث کی دو حالتیں ہیں :-

زوجہ کی میراث

(۱) شوهر متوفی کی اولاد در اولاد نہ ہونے کی صورت میں کل ترکہ

کا چوتھائی پانے کی مستحق ہوگی، اور

(۲) اولاد یا اولاد کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ پانے

کی مستحق ہوگی۔

توضیح - (۱) ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں متذکرہ بالا حصہ

سب بیویوں میں برابر تقسیم ہوگا۔

(۲) اولاد کی جو توضیح دفعہ سابق میں کی گئی ہے اس کا اعتبار

دفعہ ہذا میں بھی کیا جائے گا۔

باپ کی میراث

۲۷۱ - میت کے باپ کے میراث کی تین حالتیں ہیں :-

- (۱) فرض مطلق (تعصیب سے خالی) $\frac{1}{6}$ پائے گا، جب کہ بیٹا (زیرین درجہ تک) موجود ہو۔
- (۲) فرض مع التعصیب جب کہ بیٹی یا پوتی زیرین درجہ تک موجود ہو۔
- (۳) خالص عصبہ جب کہ میت کی اولاد اور اس کی اولاد موجود نہ ہو۔

ماں کی میراث

۲۷۲ - میت کی ماں کی میراث کی تین حالتیں ہیں :-

- (۱) اگر میت کی اولاد یا اولاد کی اولاد (نیچے تک) موجود ہو یا دو یا دو سے زائد بھائی بہن کسی جہت میں موجود ہوں تو ماں کو ترکہ کا $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا۔
- (۲) اگر میت کے ورثاء میں زوجین میں سے کوئی ایک (شوہر یا زوجہ، جیسی صورت ہو) موجود ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ دے کر ماں کو بقیہ ترکہ کا $\frac{1}{3}$ ملے گا، جب کہ
 - (الف) میت کا شوہر اور والدین ہوں، یا
 - (ب) میت کی زوجہ اور والدین ہوں۔
- (۳) اگر صورت مذکورہ میں باپ کی بجائے دادا موجود ہو تو ماں کو کل مال کا $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا۔

بیٹی (دختر) کی میراث

۲۷۳ - بیٹی کی میراث کی تین حالتیں ہیں :-

- (۱) ایک ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔
 - (۲) دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا، اور
 - (۳) اگر میت کا بیٹا بھی موجود ہو تو "لذکر مثل حظ الانثیین" کے اصول پر بیٹے کے حصہ کا نصف ملے گا۔
- توضیح - میت کے اگر صرف بیٹی یا بیٹیاں ہوں تو وہ بحیثیت ذوی

الفروض حصہ پاتی ہیں لیکن اگر میت کے کوئی بیٹا بھی ہو تو پھر بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی۔

۲۷۴ - پوتیوں کی میراث کی چھ حالتیں ہیں :-

- (۱) ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا،
- (۲) دو یا دو سے زائد پوتیاں ہوں تو ان کو مجموعی طور پر ترکہ کا دو تہائی ملے گا، جب کہ بیٹی موجود نہ ہو،
- (۳) اگر میت کی ایک بیٹی موجود ہو تو بیٹی کو ترکہ کا نصف اور پوتی کو ترکہ کا $\frac{1}{6}$ دے دیا جائے گا، تا کہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے۔

(۴) اگر میت کی دو یا دو سے زائد بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں محروم ہو جائیں گی۔

(۵) الا یہ کہ ان کے درجہ میں یا ان سے نیچے درجہ میں میت کا کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتیوں کو عصبہ کر دے گا، اور باقی ماندہ ترکہ مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا ”لذکر مثل حظ الانثیین“ کے قاعدہ کے بموجب تقسیم ہوگا۔

(۶) میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محروم ہو جائیں گی، بخلاف بیٹی کے۔

۲۷۵ - میت کے کوئی بیٹا (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ میں ہو) یا باپ (خواہ کتنے ہی بالائی درجہ میں ہو) نہ ہونے کی صورت میں -

- (۱) اگر ایک بہن موجود ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔
- (۲) دو یا دو سے زیادہ بہنیں موجود ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔

توضیح - میت کے بیٹے یا باپ کی موجودگی میں بہن محروم ہو جاتی ہے۔

(۳) بھائی کی موجودگی میں بہن عصبہ ہو جائے گی اور ”مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا“ کے قاعدہ کے مطابق حصہ پائے گی۔

حقیقی بہن
کی میراث

(۴) بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں ان کے حصے دے کر ما بقی بہن کو ملے گا۔

(۵) میت کے بیٹے، پوتے، یا باپ کی موجودگی میں بہن محروم ہو جائے گی۔

۲۷۶ - علاتی بہن کی میراث کی چھ حالتیں ہیں :-

عاتی بہن
کی میراث

(۱) ایک ہو تو ترکہ کا نصف، اور

(۲) دو یا دو سے زائد ہوں تو دو تہائی ملے گا، جب کہ حقیقی بہنیں موجود نہ ہوں۔

(۳) اگر ایک حقیقی بہن ہو اور ایک علاتی بہن ہو تو حقیقی بہن

کو $\frac{1}{2}$ اور علاتی بہن کو $\frac{1}{6}$ مل کر دو تہائی کی تکمیل کی جائے گی۔

(۴) اگر دو حقیقی بہنیں موجود ہوں تو علاتی بہنیں وارث نہ ہوں گی۔

(۵) الا یہ کہ کوئی علاتی بھائی موجود ہو جو ان (عاتی بہنوں)

کو عصبہ کر دے۔

(۶) علاتی بہنیں صلبی (حقیقی) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ

ہو جاتی ہیں۔

توضیح :- بھائی یا بہن خواہ حقیقی ہوں یا علاتی، میت کے بیٹے اور

پوتے (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ کے ہوں) میت کے باپ کی موجودگی میں

محروم ہو جاتے ہیں۔

۲۷۷ - اخیافی بھائی بہن (ماں کی اولاد) کی میراث کی دو حالتیں ہیں،

جب کہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد نہ ہو نہ باپ - ہو اور

نہ دادا۔

مادری یا اخیافی
بھائی بہن (برادر
یا خواہر اخیافی)
کی میراث

(۱) ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو چھٹا حصہ ملے گا، اور

(۲) دو یا دو سے زائد کے لئے ایک تہائی ہوگا جو مرد و عورت میں

مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

۲۷۸ - دادا باپ کی غیر موجودگی میں اس کی مثل میراث کا مستحق

دادا (جد صحیح)
کی میراث

ہوگا، بجز ذیل کی صورتوں کے :-

(۱) باپ کی ماں باپ کی موجودگی میں محروم ہوگی، دادا سے محروم نہ ہوگی۔

(۲) جب میت والدین اور زوجین میں سے کسی ایک کو چھوڑے تو ماں کو زوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ کا ایک تہائی ملے گا، لیکن باپ کی جگہ دادا کی موجودگی میں ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی ملے گا، اور (۳) حقیقی یا علاتی بھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہ ہوں گے بلکہ دادا کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا۔

۲۷۹ - دادی یا نانی کی میراث متعدد، بشرطے کہ سب صحیحہ اور ایک درجہ میں ہوں۔

(۲) ماں کی موجودگی میں تمام جدات ہر قسم کی خواہ ایک سلسلہ کی ہوں یا مخلوط محروم ہو جائیں گی۔

(۳) پدری جدات باپ سے محروم ہو جائیں گی، اسی طرح دادا سے بھی، البتہ باپ کی ماں (اوپر درجہ تک) محروم نہ ہوگی بلکہ دادا کے ساتھ میراث پائے گی۔

۲۸۰ - عصبہ نسبی کی تعریف پر تمام ترکہ لے لے یا جو ترکہ ذوی الفروض سے باقی رہے وہ تمام سمیٹ لے۔

۲۸۱ - عصبہ نسبی کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) عصبہ بنفسہ، وہ وارث جو اپنے عصبہ ہونے میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو، اور اس کے اور میت کے درمیان رشتہ میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔

(۲) عصبہ بنیرہ، وہ وارث عورت جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ہو، اور یہ غیر، عصبہ ہونے میں اس کا شریک ہو، اور

(۳) عصبہ مع الغیر، وہ وارث عورت جو عصبہ بننے میں غیر کی محتاج ہو اور وہ غیر عصبہ ہونے میں اس کا شریک نہ ہو۔

۲۸۲ - عصبات کی توریث کے اہم قاعدے حسب ذیل ہیں :-

عصبات کی توریث
کے عام قواعد

(۱) قریب کو بعید پر ترجیح ہے ،

(۲) ہم درجہ عصبات کی صورت میں اقوی قرابت کا اعتبار کیا جائے گا،

(۳) چند قسم کے عصبہ جمع ہو جانے کی صورت میں میت سے قریب

تر عصبہ کو ترجیح دی جائے گی ، اور

(۴) عصبات میں تقسیم بہ اعتبار فی کس ہوگی۔

۲۸۳ - ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد کوئی

رد علی ذوی الفروض

عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں، باقی ماندہ ترکہ زوجین کو چھوڑ کر

دیگر ذوی الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرنے کا عمل

”رد“ کہلاتا ہے۔ مگر لازم ہوگا کہ زوجین کو صرف اسی صورت میں اس

قاعدہ سے خارج کیا جائے جب کہ بیت المال منتظم ہو۔

۲۸۴ - میت کے وہ قرابت دار جو نہ ذوی الفروض ہیں، اور نہ عصبات،

ذوی الارحام کی
تعریف

”ذوی الارحام“ کہلاتے ہیں۔

۲۸۵ - ذوی الفروض کے عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد

ذوی الارحام کی
میراث

میراث کے مستحق ذوی الارحام ہوتے ہیں۔

۲۸۶ - ذوی الارحام کی ترتیب توریث حسب ذیل ہے :-

ذوی الارحام کی
ترتیب توریث

(۱) جو میت کی طرف منسوب ہوں مثلاً میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کی

اولاد،

(۲) جن کی طرف میت منسوب ہو مثلاً نانا، نانا کا باپ، نانا کی ماں،

یا نانا کی نالی وغیرہ،

(۳) وہ جو میت کے ماں باپ سے منسوب ہوں مثلاً بہنوں کی اولاد،

بھائیوں کی بیٹیاں، اخیافی بھائی، بہنوں کی اولاد وغیرہ، اور

(۴) وہ جو میت کے دو جد یا دو جدہ کی طرف منسوب ہوں، یعنی دادا، نانا، یا دادی، نانی کی طرف مثلاً عینی یا اخیافی پھوپھیاں، ماسوں اور خالائین وغیرہ۔

۲۸۷۔ سابق میں مذکور وراثاء - ذوی الفروض یا عصبات یا ذوی الارحام - میں سے کوئی موجود نہ ہونے کی صورت میں ترکہ کا مستحق وہ مولی الموالات قرار پاتا ہے، جس کے ساتھ ترکہ لینے کے واسطے بطریق جائز آپس میں معاہدہ موالات کر لیا گیا ہو۔

۲۸۸۔ جب کہ متوفی نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا ہو تو مقلہ ترکہ کا مستحق ہوگا، بشرطے کہ وہ شخص مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے شخص سے ثابت النسب نہ ہو اور مقلہ نے اپنے اقرار سے تادم زیست رجوع نہ کیا ہو۔

۲۸۹۔ مورث کا کوئی وارث موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت موصی لہ جمیع المال کے حق میں نافذ العمل ہوگی۔

۲۹۰۔ جس میت کے ترکہ کا دفعات سابقہ میں مذکور کوئی مستحق موجود نہ ہو، اس کا ترکہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی ملکیت ہوگا۔

پوئیسوال باب

عول

۲۹۱۔ جب کسی میت کے ترکہ میں ذوی الفروض کے سهام کی تعداد زیادہ ہو اور ترکہ کی اکائی ان سهام کی تعداد کو ان کے حق کے مطابق پورا نہ کرسکتی ہو تو سهام میں کمی کر کے تمام ورثاء کے حق میں تقسیم کے لئے حسابی زیادتی پیدا کرنے کا نام ”عول“ ہے۔

پنٹیوال باب

حمل مفقود، سیر ولد الزنا، ولد الملاءعہ اور خنثی کی میراث

حمل کی میراث

۲۹۲ - (۱) بہ پابندی احکام متعلق نسب اولاد مندرجہ باب ۲۱ مجموعہ ہذا، متوفی کے حمل کے لئے لڑکے یا لڑکی میں سے کسی ایک فرد کا وہ حصہ روک رکھا جائے گا جس کی مقدار زیادہ ہوگی۔ یہ عمل اس وقت ہوگا جب کہ حمل متوفی کے وارثوں میں سے کسی وارث کے لئے حجب نقصان کا سبب ہو سکتا ہو، لیکن اگر حمل حجب حرمان کا سبب ہوتا ہو تو کل ترکہ تقسیم سے روک دیا جائے گا، اور قبل پیدائش بصورت تقسیم وراثت سے کفالت (Security) لی جائے گی۔

(۲) حمل اس وقت وارث ہو سکے گا جب کہ اس کا کل یا نصف سے زیادہ حصہ زندگی کی حالت میں پیدا ہوا ہو، لیکن جس صورت میں کم حصہ زندہ پیدا ہو اور زیادہ حصہ مردہ تو یہ کل مردہ تصور کیا جائے گا اور وارث نہ ہوگا، البتہ اگر حمل پر دست اندازی کی گئی ہو اور اس کے بعد حمل مردہ پیدا ہوا تو اس صورت میں وہ خود بھی وارث ہوگا اور اس کے دیگر وراثت اس کے وارث ہوں گے۔

(۳) جب کہ حمل پیدا ہو جائے تو ترکہ کا جو حصہ روک رکھا گیا ہے اگر وہ پورے حصہ کا وارث ہے تو اس کو وہ پورا حصہ دے دیا جائے گا اور اگر وہ اس کے جزو کا مستحق ہے تو وہ جزو دینے کے بعد جو باقی رہے گا، وراثت میں بقدر استحقاق تقسیم کر دیا جائے گا۔

مفقود کی میراث ۲۹۳ - (۱) مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی موت و زیست

کی کوئی اطلاع نہ ہو۔ وارثت میں اس کا حکم وہی ہے جو حمل کا ہے، یعنی اس کا حصہ میراث اس کے لئے روک رکھا جائے گا۔

(۲) اگر حاضر وراثت میں سے مفقود کسی کے لئے حاجب ہوتا ہو تو کل مال تقسیم سے روک رکھا جائے گا، اور اگر کسی کے لئے حجب حرمان کا

سبب نہیں ہوتا ہے، تو ہر وارث کو مفقود کے حصہ کے بقدر کم کر کے تقسیم کیا جائے گا، یعنی مفقود کی حیات فرض کر کے اس کے حصہ کی مقدار کے اعتبار سے۔

(۳) اگر مفقود کی حیات ثابت ہو جائے اور وہ زندہ واپس آجائے تو اس کا امانت شدہ حصہ اس کی دے دیا جائے گا۔

(۴) جب کہ اس کی موت کا حکم دے دیا جائے تو مفقود کا وہ حصہ اس کے ان موجود ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا جو موت کے حکم کے وقت موجود ہوں گے، اور موت کا حکم دینے سے قبل جن لوگوں کا انتقال ہو چکا ہوگا وہ وارث نہ ہوں گے۔

۲۹۴ - (۱) کوئی مسلمان جو کفار کی قید میں ہو اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے۔ اس کے واپس آنے تک اس کا حصہ میراث محفوظ رکھا جائے گا۔

اسیر کی میراث

(۲) اگر زندہ واپس نہ آیا تو اس کا حصہ محفوظ اس کے ورثاء کا ہوگا۔

(۳) اگر مرتد ہو گیا تو اس کے مال پر مرتد کے احکام مرتب ہوں گے۔

۲۹۵ - ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں کے اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے اور یہ عورت (ماں) اس کی اور اس کے قرابت داروں کی وارث ہوگی۔ باپ یا اس کے قرابت داروں سے میراث کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

ولد الزنا اور ولد اللعان کی میراث

۲۹۶ - (۱) خنثی اگر مرد ہے تو اس کو مرد کا حصہ میراث دیا جائے گا اور اگر عورت ہے تو اسے عورت کا حصہ میراث دیا جائے گا۔

خنثی کی میراث

(۲) اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثی مرد ہے یا عورت تو اگر مرد قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ میراث ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیا جائے گا اور اگر عورت قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ ملتا ہے تو اسے عورت قرار دیا جائے گا۔

پہتیسواں باب

موانع میراث

- ۲۹۷۔ موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ہوتا ہے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ہیں۔
- موانع میراث کی تعریف
- ۲۹۸۔ موانع میراث حسب ذیل ہیں :
- موانع میراث کی اقسام
- (الف) (۱) قتل عمد و شبہ عمد، بشرطے کہ ناحق ہو،
 (۲) اختلاف دین (مذہب)
 (۳) اختلاف دار (مملکت) اور
 (ب) (۱) ارتداد،
 (۲) اشتباہ وارث و مورث۔
- ۲۹۹۔ (۱) کوئی وارث جو مورث کے قتل عمد یا شبہ عمد کا مرتکب ہوا ہو مقتول مورث کا وارث نہ ہوگا، بشرطے کہ قتل ناحق ہو۔
 (۲) اگر قتل اپنی جان کی حفاظت کے لئے کیا گیا ہو تو قاتل محروم الارث نہ ہوگا۔
 (۳) اگر قاتل بچہ یا دیوانہ ہو تو محروم الارث نہ ہوگا۔
- قتل ناحق
- ۳۰۰۔ کافر مسلم کا اور مسلم کافر کا وارث نہ ہوگا۔
- اختلاف مذاہب
- ۳۰۱۔ غیر مسلم ذمی اور غیر مسلم حربی کے درمیان بجز حالت جنگ اختلاف مملکت مانع ارث نہ ہوگا، الا یہ کہ دوسری مملکت کا قانون اس کا مانع ہو۔
- اختلاف دارین
- ۳۰۲۔ (۱) ارتداد مانع ارث ہے۔ مرتد و مرتدہ (مرد و عورت)
- ارتداد

اپنے مسلمان ورثاء کی میراث سے محروم ہوں گے۔

(۲) ارتداد اس مال کے حق میں جو مرتد نے بعد ارتداد حاصل کیا ہو، اس کے ورثاء کے حق میں مانع ارث ہوگا۔ یہ مال بیت المال کی ملکیت ہوگا۔ البتہ مرتد کا مسلم وارث اس مال کا وارث ہوگا جو مرتد نے اسلام کی حالت میں حاصل کیا ہو۔

استثناء: مرتدہ (عورت) کا حالت اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں کا مال اس کے ورثاء کا حق ہوگا۔

۳۰۳۔ ایک ساتھ غرق ہوجانے والے یا دب کر مرجانے والے یا آگ میں جل کر مرنے والے جب کہ ان کے درمیان ورثاء کا رشتہ قائم ہوتا ہو، باہم ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، اگر ان میں یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کون پہلے فوت ہوا، اور کون اس کے بعد۔ ایسی صورت میں ان کا ترکہ ان کے ذی حیات ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

سینٹیواں باب

حجب و حرمان

۳۰۴۔ کسی شخص کے وجود کی وجہ سے دوسرے شخص کا میراث پانے سے رک جانا ”حجب“ کہلاتا ہے، وہ کل میراث سے روک دیا جائے یا جزو میراث سے۔

۳۰۵۔ حجب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حجب حرمان، اور (۲) حجب نقصان۔

۳۰۶۔ حجب کے حسب ذیل تین بنیادی اصول ہیں:-

(۱) حاجب کی میت سے بلا واسطہ قرابت داری،

(۲) حاجب کا محبوب کے مقابلے میں میت سے اقرب ہونا، اور

حجب کی تعریف

حجب کی قسمیں

حجب کے بنیادی اصول

(۳) میت سے حاجب کی قرابت کا بمقابلہ محبوب قوی تر ہونا۔

یتیم ہونے کی
میراث

۳۰۷۔ دادا یا نانا کے انتقال پر اس کے اپنے بیٹے کی موجودگی میں اس کے دوسرے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جو اس کی حیات میں وفات پا چکے ہوں) کی اولاد دادا یا نانا کے ترکہ میں میراث پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

ارثیوں بلب

مناسخہ

۳۰۸۔ ایسے وارث کے حصہ کو جو اپنے مورث کی میراث کی تقسیم سے قبل فوت ہو جائے، اس کے اپنے ورثاء کی طرف منتقل کر دینا "مناسخہ" کہلاتا ہے۔

مناسخہ .

قانون ضمانت

مع شرح

اقتیوال باب

(۱) ارکان، شرائط و موجبات وراثت

وراثت کی تعریف ۲۹۱ - وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے جس کے ذریعہ ایک متوفی کا ترکہ اس کے ورثاء کے حق میں بطریق خلافت (جانشینی) منتقل ہو جاتا ہے۔

تشریح

تمدن کی ترقی کے لئے انتقال ملکیت ضروری ہے۔ شرع اسلام میں انتقال ملکیت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری۔ انتقال ملکیت جو اختیاری طور پر صورت پذیر ہوتا ہے وہ بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ ہوتا ہے۔ بلا معاوضہ انتقال ملکیت بحالت صحت ”ہبہ“ کہلاتا ہے جب کہ بحالت مرض موت اس سے وصیت کے احکام متعلق ہو جاتے ہیں۔ موت کے بعد کے زمانے کی طرف نسبت کر کے ملکیت یا منفعت منتقل کر دیئے جانے کے ارادہ کا قطعی اظہار ”وصیت“ کہلاتا ہے۔ بالمعاوضہ انتقال ملکیت اپنی تمام صورتوں کے ساتھ ”بیع“ یا اس کے مشابہ عقود ہوتے ہیں۔

(۱) راقم نے ”اسباب“ کے بجائے ”موجبات“ کی اصطلاح اختیار کی ہے کیونکہ سبب کا موثر ہونا ضروری نہیں ہے، حالانکہ اسباب وراثت میں جن امور کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ موثر ہیں۔ اس وجہ سے ”سبب“ کی بجائے ان کو ”موجب“ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ واضح رہے کہ حنفی کتب فقہ میں وراثت کے ضمن میں اسباب اور شیعہ کتب فقہ میں موجبات کی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں، یعنی اسباب وراثت، موجبات وراثت۔

انتقال ملکیت کی دوسری صورت جو غیر اختیاری ہے وہ ملکیت کو خود بخود مورث کی طرف سے اس کے ورثاء کی جانب منتقل کر دیتی ہے جس میں مورث کے ارادہ، نیت یا اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس غیر اختیاری انتقال ملکیت کو ”وراثت“ کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک شخص کے مال کا دوسرے کے حق میں بطریق خلافت منتقل ہو جانا ”وراثت“ کہلاتا ہے۔ (۲)

انتقال ملکیت کے مذکورہ بالا دونوں طریقوں کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلے یعنی اختیاری طریقہ انتقال ملکیت میں انتقال کنندہ اور منتقل الیہ کے درمیان ایجاب و قبول اور بعض صورتوں میں مثلاً وقف میں صرف ایجاب شرط ہے، جب کہ وراثت دونوں سے مستغنی ہے۔

مراکش کے قانون الاحوال الشخصية کی دفعہ ۲۱۷ میں وراثت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ ”وراثت یہ ہے کہ مالک کی موت کے بعد حق ملکیت اس کے مستحقین کی جانب بغیر تبرع (احسان) و معاوضہ کے منتقل ہو جائے۔“

ارکان وراثت

۲۶۲ - وراثت کے حسب ذیل تین ارکان ہیں -

(۱) مورث (۲) وارث، اور (۳) ترکہ (محل وراثت)۔

تشریح

۱ - مورث :

وراثت کا پہلا رکن ”مورث“ ہے۔

وراثت کا استحقاق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ مورث کی موت حقیقتاً

یا تقدیراً یا حکماً واقع ہو چکی ہو۔

(۲) الاختیار لتعلیل المختار (فقہ حنفی)، عبداللہ بن محمود بن مودود (م ۸۶۸۳)، مطبعة المصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۵۱/۸۱۳۷۰ع، جزء ۵، ص ۸۵ (کتاب الفرائض) :
”انتقال مال الغير الى الغير علی سبیل الخلافة۔“

حقیقتاً موت یہ ہے کہ حقیقی زندگی کا رشتہ حقیقتاً منقطع ہو جائے، یعنی سورث کی روح یقینی طور پر اس کے جسم سے نکل چکی ہو۔

تقدیراً موت یہ ہے کہ میت کو زندہ تصور کرتے ہوئے اس کے بعد حقیقی موت واقع قرار دی جائے، مثلاً جنین (رحم مادر میں بچہ) کسی جنایت (دست اندازی) کے ذریعہ ماں کے بطن سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔

حکماً موت یہ ہے کہ حقیقی زندگی کے رشتہ کو حکم شرعی کے تحت منقطع قرار دیا جائے، مثلاً حاکم نے مفقود الخبر شخص کے بارے میں اس کی موت کا حکم دے دیا ہو یا مرتد کو ارتداد کے وقت سے مردہ قرار دے دیا جائے۔

قانون مصری:

دفعہ ۱ - وراثت کا استحقاق سورث کی حقیقی یا بحکم حاکم موت سے پیدا ہوتا ہے۔

قانون شام:

دفعہ ۲۶۰ - (۱) سورث کی حقیقی یا حکمی موت کے بعد وراثت کا استحقاق پیدا ہوگا۔

قانون تونس:

دفعہ ۸۵ - سورث کی حقیقی یا حکمی موت کے بعد بشرط حیات وارث بوقت موت سورث میراث کا استحقاق پیدا ہوگا۔

قانون مراکش:

دفعہ ۲۱۸ - وراثت کا استحقاق سورث کی حقیقی یا حکمی موت اور وارث کی اس وقت زندگی کے تحقق کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

دفعہ ۲۱۹ - حکمی موت یہ ہے کہ اس شخص کی زندگی اور موت کا کوئی پتہ نہ چل سکے یا اس کی زندگی نامعلوم ہونے پر حاکم اس کی موت (واقع ہو جانے) کا حکم دے دے (یعنی اسے مردہ قرار دے دے)۔

۲۔ وارث :

وراثت کا دوسرا رکن ”وارث“ ہے۔ ”وارث“ کا لفظ ”ارث“ سے مشتق ہے۔ ارث کے لغوی معنی ”بقیہ“ کے ہیں۔ (۳) نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے، ”انکم علی ارث من ارث ابراہیم“ یعنی تم اس باقی دین پر ہو جو تمہارے باپ حضرت ابراہیم کے دین سے باقی رہا ہے۔ وارث کو وارث اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مورث کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ گویا وہ مورث کے خاندان کا ایسا باقی فرد ہے جو مورث کے سال میں اس کا قائم مقام ہے۔ (۴)

مورث کی موت کے ساتھ ہی وارث کی حیات کا تعین ضروری ہے۔ خواہ وہ حقیقتاً زندہ ہو یا تقدیراً زندہ تصور کر لیا گیا ہو مثلاً وہ بچہ جو رحم مادر میں ہو۔ چنانچہ حمل کی میراث اس کو زندہ تصور کر کے علیحدہ رکھ دی جائے گی اور اس کے زندہ پیدا ہونے کے بعد اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ اگر کسی نے حمل کو ایسا صدمہ پہنچایا جس کے نتیجہ میں وہ مردہ حالت میں پیدا ہوا تو ایسی صورت میں اس کو زندہ پیدا ہونے والا تصور کیا جائے گا اور وہ وارث ہوگا۔ (۵) البتہ بعض ایسی صورتوں میں جہاں مورث کے مرنے کے ساتھ وارث کے زندہ ہونے کا پتہ نہیں چل سکتا، (باہم) توارث نہ ہوگا، جیسا کہ ایک ساتھ ڈوب کر مر جانے والے، جل کر مر جانے والے، عمارت میں دب کر مر جانے والے۔ (۶)

قانون مصر :

دفعہ ۲۔ وراثت کے استحقاق کے لئے مورث کی حقیقی یا حکمی موت کے وقت وارث کا ذی حیات ہونا ضروری ہے۔

(۳) القاموس المحيط، مجدالدین محمد الفیروز آبادی، مطبع مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۵۲/۸۱۳۷۱ ج ۱، ص ۱۶۷ (مادہ ارث)۔

(۴) الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، مطبوعہ مصر، جز ۵، ص ۸۵، ”والارث فی اللغة البقاء، . . . وسمی الوارث لبقائه بعد المورث“۔

(۵) میراث حمل کی تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو ۳۵ و ان باب ما بعد۔

(۶) احکام التركات و الموارث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، دارالفکر العربی، مصر، س۔ ن، صفحہ ۱۱۱، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۳۶ و ان باب، ما بعد، بحث اشتباه وارث و مورث، کتاب هذا۔

اور حمل وراثت کا اس وقت مستحق ہوگا، جب کہ اس میں دفعہ ۳۳ قانون ہذا میں بیان کردہ شرائط موجود ہوں۔

قانون شام :

۲۶۰ - (۲) وراثت کے استحقاق کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وارث سورث کی موت کے وقت زندہ موجود ہو یا جس وقت حاکم نے (سورث کی) موت کا حکم دیا ہو، وارث زندہ موجود ہو، اور حمل اس وقت وارث ہوگا جب کہ اس میں وہ تمام شرائط جو دفعہ ۲۳۶ میں بیان کی گئی ہیں، پائی جائیں۔

۳ - ترکہ (محل وراثت) :

وراثت کا تیسرا رکن ”ترکہ“ (محل وراثت) ہے۔

”ترکہ“ کا لفظ ”ترک“ سے مشتق ہے اور ”متروک“ کے معنی میں ہے۔ متروک کے لغوی معنی ہیں ”چھوڑی ہوئی چیز۔ (۷)

علم فرائض کی اصطلاح میں ”ترکہ“ وہ مال ہے جو میت (سورث) اپنے بعد اپنی شرعی مملوکات کی شکل میں چھوڑ جائے۔ بحرالرائق میں ترکہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ ”ترکہ سے وہ مال مراد ہے جو میت اپنے بعد چھوڑ جائے اور دوسرے معین شخص کا اصل شے (متروکہ) کے ساتھ کوئی حق متعلق نہ ہو۔ (۸) یہی تعریف سید شریف جرجانی کی کتاب ”شریفیہ“ (شرح سراجیہ) کے حاشیہ پر تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق سے نقل کی گئی ہے۔ (۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مال سے متعین طور پر کسی غیر کا حق متعلق ہو اس وقت تک وہ مال ترکہ میں داخل نہ ہوگا جب تک کہ اس حق غیر کا ایفاء نہ ہو جائے۔ یعنی اس دوسرے شخص کا حق ادا نہ کر دیا جائے

(۷) التركة و التركة الشئ المتروک و منه تركة الميت، (المنجد، لوئیس معلوف، المطبعة (الکافر لیکية، بیروت، ۱۹۲۷ع، ص ۵۹)۔

(۸) ”المراد من التركة ما ترکه الميت خالیاً عن تعلق حق الغير بعینه“، البحرالرائق، فقہ حنفی، ابن نجیم، زین الدین احمد ابن ابراہیم (م ۵۹۷) دارالکتب العربیة الکبری، مصر، ۱۳۳۳ھ، ج ۸، ص ۳۸۹ (کتاب الفرائض)۔

(۹) الشریفیہ، (شرح سراجیہ)، سید شریف جرجانی (م ۵۸۱۶)، (فقہ حنفی)، قرآن محل کراچی، ص-ن، صفحہ ۳، (حاشیہ)۔

چنانچہ ترکہ یا متروکہ وہ مال و متاع ہے جو کوئی شخص چھوڑ مرے اور اسکی اپنی جائز ملکیت ہو، خواہ اس شے مملوکہ پر میت کا قبضہ نہ ہو ہو۔ بنا بریں جہاد کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر مجاہد مرجائے تو مال غنیمت میں اس کا حصہ اس کا متروکہ شمار ہوگا جو اس کے وراثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ بشرطیکہ مال غنیمت دارالاسلام میں آچکا ہو۔ یہاں فقہاء نے تاکد حق کو ملکیت کے قائم مقام قرار دیا ہے (۹ الف) اسی طرح وہ شے جو اس کی ملکیت میں موت کے بعد داخل ہوئی ہو مگر جس کا سبب ملک اس کی حیات میں قائم ہوچکا ہو وہ شے بھی ترکہ میں داخل سمجھی جائے گی۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے جال لگایا تھا کہ مر گیا۔ مرنے کے بعد اس جال میں شکار آپھنسا، یہ شکار ترکہ میں شامل ہوگا۔ (۱۰) یا ایک شخص نے کسی کمپنی کے حصص خریدنے کی درخواست دی تھی کہ مر گیا، انتقال کے بعد حصص الاٹ کئے گئے، ایسی صورت میں حصص ترکہ شمار ہوں گے۔

ترکہ کے سلسلہ میں چند مزید صورتیں :

- (۱) ایسا مال جو میت کو حاصل ہوا ہو مگر شریعت نے اس پر مال ہونے کا حکم نہیں لگایا، وہ شرعاً ترکہ شمار نہ ہوگا، جیسے ذخیرہ شراب۔
- (۲) جو مال میت نے کسی دوسرے کا غصب کیا ہو، یا چوری یا خیانت کے ذریعہ حاصل کیا ہو، وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہوگا، کیونکہ شریعت نے اس پر میت کی جائز ملک ہونے کا حکم نہیں لگایا، اگر وراثہ نے ایسے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا تو وہ اس کے خود ذمہ دار ہوں گے اور اللہ کے نزدیک وہ گناہگار ہوں گے۔ جس طرح میت سے ان مالوں کو اس حالت پر چھوڑ جانے پر سواخذہ ہوگا اسی طرح وراثہ سے ان مالوں کو مالکوں کی جانب نہ پہنچانے اور میت کا مال سمجھ کر تقسیم کر لینے میں سواخذہ ہوگا۔

(۹- الف) ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ جلد ۳ ص ۲۰-۳۱۹

(۱۰) التركة و الميراث في الاسلام (فقہ عام)، اڈکتور محمد یوسف موسی، مطبوعہ دارالکتب العربی

مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۷۲۔

(۳) جو شے میت نے خریدی تھی لیکن قیمت ادا کر کے اس کو اپنی تحویل (قبضہ) میں نہ لیا تھا، وہ شے ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ البتہ اگر میت نے اس شے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا مگر قیمت ہنوز ادا نہ کی تھی تو وہ شے میت کے ترکہ میں داخل ہوگی اور اس شے کی قیمت میت کے مجموعی ترکہ پر قرض (دین) ہوگی جو بائع کو بقاعدہ قرض (دین) ادا کی جائے گی۔

(۴) اگر میت کی کوئی شے یا جائداد کسی کے پاس رہن ہو اور اس قدر مال میت نے نہ چھوڑا ہو کہ زر رہن ادا کر کے اس شے یا جائداد مرہونہ کا انفکاک رہن کرایا جاسکے تو وہ شے یا جائداد میت کے ترکہ میں داخل نہ ہوگی، البتہ مرتہن کے اس شے یا جائداد کو فروخت کر دینے کے بعد اگر کوئی رقم باقی بچے تو وہ رقم ترکہ شمار ہوگی۔

(۵) میت کی پنشن جو اس کی زندگی میں حکومت یا کسی ادارہ کے ذمہ واجب ہو چکی تھی، وہ میت کا ترکہ شمار ہوگی۔ مفتی محمد صابر صاحب نے اپنی کتاب مشکوٰۃ السراج (مکتبہ تھانوی کراچی) میں علماء محققین کے فتوے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پنشن میت کا حق نہیں بلکہ انعام ہے لہذا میت کا متروکہ شمار نہ ہوگی۔ راقم الحروف کے نزدیک صورت اس سے مختلف ہے۔ شرائط ملازمت میں پنشن کی صراحت بطور ایک "اضافی فائدہ" کے ہوتی ہے، جو حسب قواعد، ملازمت کی ایک مقررہ مدت کے اختتام پر ملازم کا حق قرار پاتی ہے، اور یہ حق قابل چارہ جوئی عدالت ہو جاتا ہے۔ بلا سبب جائز پنشن کی مراعت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ ایک قسم کی مراعات ہے لیکن اس کا اسماً مراعت ہونا حکومت کے ذمہ اس کے وجوب کو ساقط نہیں کرتا، اور نہ اس کے وجوب کے منافی ہے کیونکہ حکومت یا ادارہ کے ذمہ پنشن کی ادائیگی بر بناء معاہدہ ملازمت و قانون نافذہ ملازم کا ایک متعین حق ہے جو اس کو ایک مدت تک ملازمت اختیار کئے رہنے پر حاصل ہو جاتا ہے۔

پریوی کونسل نے برطانوی دور حکومت میں ہندوستانی سرکاری ملازمین کی تنخواہ کو بھی عطیہ (bounty) قرار دیا تھا (ملاحظہ ہو ہائی کمشنر

آف انڈیا بنام آئی۔ ایم۔ لال۔ پی۔ ایل۔ ڈی۔ ۱۹۴۸ پریوی کونسل ص ۱۵۰) جس کا عکس خود ہماری فیڈرل کورٹ پاکستان کے فیصلہ پاکستان بنام معراج الدین، مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۹ء میں جھلکتا ہے لیکن یہ نظریہ غلامانہ ذہنیت کا آئینہ دار تھا چنانچہ بمقدمہ فیڈریشن آف پاکستان بنام اے۔ ڈبلو۔ آئزک مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۷۰ء سپریم کورٹ ۴۱۵ قدیم لفظہ نظر سے اختلاف اور فیڈرل کورٹ پاکستان کے مذکورہ فیصلہ کو منسوخ کرتے ہوئے تنخواہ کو ملازم کا حق قرار دیا گیا۔ اسی پر گریجویٹی (gratuity) کی رقم کو قیاس کیا جا سکتا ہے، جو ایک مدت ملازمت کی بلا اعتراض تکمیل پر ملازم کا حق قرار پاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تنخواہ کا حق ”جاری“ اور پنشن و گریجویٹی کا حق معلق، موقوف اور مشروط ہوتا ہے، لیکن شرط کی تکمیل پر وہ وجود میں آکر قابل نفاذ ہوجاتا ہے۔

جو اصحاب اپنی زندگی میں اپنی پنشن یا گریجویٹی کی رقم کسی عزیز وارث یا غیر وارث کے نام حکومت یا ادارہ کے دفتر میں لکھوا جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں شخص کو دی جائے اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس بارے میں اس کا حکم وصیت کا ہوگا، اگر شخص نام زد کردہ غیر وارث ہے، بشرطیکہ متوفی کی ہدایت سے مالکانہ تصرف ظاہر ہوتا ہو اور اگر صرف وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تو تمام ورثاء کا حق اس سے متعلق ہوگا، البتہ میت کے شیعہ ہونے کی صورت میں اس کا حکم دونوں صورتوں میں وصیت کا برقرار رہے گا، کیونکہ شیعہ فقہ کی رو سے ترکہ کی ایک تنہائی تک وصیت بحق وارث بھی جائز ہوتی ہے۔ یہی صورت پراویڈنٹ کی ہوگی۔

(۶) البتہ بیمہ کی رقم کی صورت ذرا مختلف ہے۔ اول تو اس لئے کہ بیمہ زندگی شرعاً ناجائز ہے کیونکہ وہ جوئے (قمار) کے حکم میں ہے لہذا شرعاً بیمہ کی رقم میت کے ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ اگر ورثاء اس رقم کو آپس میں بحصہ شرعی تقسیم کر لیں تو ان کا یہ فعل اپنا ذاتی ہوگا اور وہ اللہ کے سامنے گنہ گار ہوں گے۔ میت کی اپنی ادا کردہ رقم اس کا ترکہ شمار ہوگی۔

اگر میت نے کسی شخص کو اس رقم کے لئے نام زد (Nominee) قرار دیا ہو تو یہ شخص ناسزد خود اپنے حق میں اس رقم کی وصولی کا حقدار ہوگا۔ شرعی احکام وصیت یا وراثت سے اس کا تعلق نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ مال شریعت کی نگاہ میں حرام ہے اس لئے وہ مال ترکہ کا اہل اور وراثت کا محل بننے کی شرعی صلاحیت سے محروم قرار دیا جائے گا۔ میت کی اپنی ادا کردہ رقم وراثت میں قابل تقسیم ہوگی۔

نوٹ: راقم الحروف نے مجموعہ قوانین اسلام کی سابقہ جلد (چہارم) قانون وصیت (صفحات ۴۹-۱۳۴۸) میں اس مسئلہ پر جو اظہار رائے کیا ہے اس میں خود متروکہ کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کی بحث کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہاں بیمہ کی رقم کے سلسلہ میں جو بیان کیا گیا ہے وہ رائج الوقت قانون اور وراثت کے مطالبہ کی صورت میں ہے۔

(۷) میت کا کسی حادثہ میں دوران انجام دہی کار منصبی انتقال ہو جائے تو از روئے قانون نافذ الوقت مالک کی طرف سے اس کے وراثت کو اس کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ یا میت کی وفات ریل یا ہوائی جہاز کے سفر میں ریلوے یا ہوائی کمپنی کے ارکان کی غفلت یا کوتاہی سے کسی حادثہ کا شکار ہو کر واقع ہو جائے تو کمپنیاں اس کے وراثت کو معاوضہ دینے کی از روئے قانون پابند ہوتی ہیں، یا بعض اوقات بلووں یا ہنگاموں میں کچھ بے گناہ لوگ اپنی جانیں کھو بیٹھتے ہیں اور حکومت میت کے وراثت کو مالی معاوضہ ادا کرتی ہے یا کسی کار یا بس یا ٹرک کی زد میں آکر ڈرائیور کی تیز رفتاری اور غفلت کی بناء پر موت ہو جائے تو ان سوٹر گاڑیوں کے مالکان پر معاوضہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں وراثت کو ملنے والی رقم میت کا ترکہ نہیں ہوتی، بلکہ وراثت اس رقم کو میت کے نمائندگان قانونی ہونے کی حیثیت سے بحق خود از روئے قانون نافذ الوقت وصول کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ وراثت قانونی کی تعیین بھی قانون نافذ الوقت کے تحت کردی جاتی ہے۔

راقم الحروف کی رائے میں میت کے مسلمان ہونے کی صورت میں وراثت کی تعیین اسلامی قانون کے مطابق ہونی چاہئے اس سے صلہ رحمی کے جذبہ کو تقویت ہوگی نیز ان کل صورتوں میں اسلامی قانون دیات و جنايات متعلق

ہونا چاہیے۔

مختلف مذاہب فقہ میں ترکہ کی تعریف

حنفیہ :

حنفیہ کے نزدیک ترکہ میت کے ان اموال سے عبارت ہے جن سے کسی غیر شخص کا حق دین (قرضہ) متعلق نہ ہو۔ (۱۱) چنانچہ وہ شے جس سے کسی غیر شخص کا حق دین مثلاً رهن وغیرہ متعلق ہو ترکہ کی مندرجہ بالا تعریف کی رو سے اس وقت تک ترکہ میں داخل نہیں ہو سکتی جب تک کہ دین رهن ادا نہ کر دیا جائے یا خود اس شے سے وصول نہ کر لیا جائے۔

مالکیہ :

مالکیہ کے نزدیک بھی میت کے ترکہ میں سے وہ حق غیر جو کسی عین شے سے متعلق ہو، ترکہ کی تعریف سے خارج شمار ہوگا جیسے شے مرہونہ۔ (۱۲)

شافعیہ :

شافعی فقہاء کے نزدیک ہر وہ چیز جو انسان کی زندگی میں اس کی اپنی ملکیت تھی اور اس نے اپنی موت کے بعد اس کو اپنے پیچھے چھوڑا خواہ اس میں سے ہو یا حقوق میں سے ہو، ترکہ کہلائے گی۔ (۱۳) البتہ صاحب مغنی المحتاج کی عبارت میں یہ صراحت ملتی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی اگر شے متروکہ سے کسی غیر کا حق، مثلاً رهن، متعلق ہو تو وہ شے ترکہ نہ کہلائے گی جب تک کہ حق غیر اس شے سے ساقط یا ادا نہ ہو جائے۔ (۱۴)

(۱۱) البحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۴ھ، ج ۸، ص ۳۸۹۔

(۱۲) یدرج من ترکة الميت حق تعلق بعین المرہون، (جواہر الاکلیل، شرح مختصر خلیل، الآبی عبدالسمیع، مطبعة المصطفی البابی الحلبي مصر، ۱۳۶۶ھ، جلد ۲، ص ۳۲۷، (کتاب الفرائض)۔
الترکة والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف، محولہ بالا، ص ۷۲۔

(۱۳) التركة و المیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۷۲۔

(۱۴) مغنی المحتاج شرح المنہاج، الشریینی شیخ محمد الخطیب، مطبوعہ مصطفی البابی الحلبي، مصر، ۱۳۷۷ھ، ج ۳، ص ۲ (کتاب الفرائض)۔

حنبلیہ :

یہی صورت حنبلی فقہاء کے نزدیک ہے۔ ان کے نزدیک بھی ترکہ وہ حق ہے جو میت نے اپنے بعد چھوڑا ہو۔ اسی سبب سے اس کو ”ورثہ“ کہا جاتا ہے۔ (۱۵)

ظاہریہ :

ظاہریہ فرقے کے امام ابن حزم کا مسلک احناف کے مطابق ہے۔ (۱۶)

شیعہ :

شیعی فقہاء کے نزدیک میت کا چھوڑا ہوا مال اگرچہ ترکہ شمار ہوگا، لیکن اگر وہ مال دین میں مستغرق ہے تو وہ صرف حکماً مورث کی ملکیت مانا جائے گا اور بوجہ بار رہن و رثاء کی طرف منتقل نہ ہوگا اور اگر مستغرق نہیں ہے تو بعد ادائیگی دین و رثاء میں تقسیم ہو جائے گا۔ (۱۷)

دو نقطہ ہائے نظر :

مندرجہ بالا اجمالی تعریفات سے دو نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ترکہ صرف اسوال کو کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ترکہ میں اسوال اور حقوق دونوں شامل ہیں۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ ترکہ کی تعریف میں اسوال اور حقوق دونوں کو (باستثناء حقوق شخصی بعض مشلاً حق ولایت) داخل کرتے ہیں اور اپنے مسلک کی تائید میں حضور (صلعم) کی حدیث ”من ترک مالاً او حقاً فلورثته“ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ ”حقاً“ محفوظ نہیں ہے اور جو محفوظ نہیں ہے وہ دلیل نہیں بن سکتا۔ (۱۸)

(۱۵) التركة و الميراث في الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، مطبوعه مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۷۲۔

(۱۶) المحلی، ابو محمد ابن حزم الظاہری، (م ۴۵۶) ۵، مطبعة الامام، قاہرہ، ج ۶، ص ۳۰۹ (ماخوذ)۔

(۱۷) شرائع الاسلام، المحلی، نجم الدین (م ۴۷۴) ۵، مطبوعه بیروت، القسم الرابع، ص ۱۸۳ (ماخوذ)۔

(۱۸) التركة و الميراث في الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، مطبوعه مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۷۲۔

راقم الحروف کے نزدیک اس امر سے قطع نظر کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ حقاً محفوظ ہے یا نہیں، حقاً کا لفظ مال ہی کو مستلزم قرار دیا جانا چاہئے بشرطیکہ وہ حق مالی ہو، مال کی جنس سے ہو، کیونکہ اگر لفظ حقاً کو مال کے معانی قرار دیا جائے تو اس سے مراد حق مجردہ یا حق محض یا حق شخصی (مخالف مال) ہوگا جس میں توریث جاری کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

جہاں تک اسوال کے ترکہ ہونے کا تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ حقوق ترکہ میں شامل ہیں یا نہیں۔

حقوق :

فقہاء امت نے لفظ ”حقوق“ کو متعدد معانی میں استعمال کیا ہے۔ بالعموم اس کا اطلاق نفس ملک، مصالح اور منافع پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر ایسی عین شے یا امر جس میں شریعت نے انسان کو اس کے مطالبہ کا مجاز بنایا ہو، کسی دوسرے کے تصرف سے محفوظ رکھا ہو یا کسی دوسرے کو عطا کر دینے یا دے دینے یا اس کے ذمہ سے ساقط کر دینے یا معاف کر دینے کی آزادانہ اجازت دی ہو، اس پر ”حق“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی لفظ ”حق“ عین شے اور مملوکہ منافع کے مقابلے میں محض ایسی مصلحت پر بولا جاتا ہے جس کو شریعت نے موجود و ثابت قرار دیا ہو، اور خارج میں سوائے اس شرعی اعتبار کے اس کا کوئی حسی وجود نہ ہو بلکہ صرف شارع نے اس کو موجود و ثابت قرار دیا ہو جیسے کہ مکان مشفوعہ میں شفیع کے لئے شفعہ کا حق، یا مقتول کے اولیاء (۱۹) کے لئے قاتل سے قصاص کا حق، یا شوہر کے لئے زوجہ کو طلاق دینے کا حق۔ یہ تمام حقوق اعتباری ہیں، جن کے لئے کوئی خارجی وجود نہیں ہوتا بلکہ صرف شریعت کے اعتبار و فرض کر لینے سے یہ حقوق موجود و ثابت متصور ہوتے ہیں۔

(۱۹) قرآن حکیم میں مقتول کی دیت و قصاص کے سلسلہ میں ”ولی“ کا لفظ آیا ہے جس کی جمع ”اولیاء“ آتی ہے۔ لفظ ولی، ” سے ذہن فوری طور پر ”وارث“ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ لیکن قرآن پاک لفظ ”ولی“ کے استعمال سے دیت یا قصاص کے مطالبہ کو صرف وراثت تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ولی کی وسیع تر اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ مقتول کی دیت یا قصاص کا مطالبہ مقتول کا ولی کر سکتا ہے، خواہ وہ وارث ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ مقتول کا کوئی وارث زندہ نہ ہونے کی صورت میں اسٹیٹ مقتول کی ولی ہوگی۔ (مؤلف)۔

کتب فقہ کے مطالعہ سے حقوق کی حسب ذیل چند قسمیں سامنے آتی ہیں:

(۱) حق مالی محض (۲) حق تابع مال یا متعلق مال یا بمعنی مال (۳) حق شخصی

محض

(۱) حق مالی محض:

وہ حق جو محض مال ہی ہو یعنی عین مال ہو۔

(۲) حق تابع مال یا متعلق مال:

وہ حق جو مال کے تابع ہو جیسے اشیاء سے استفادہ کرنے کا حق جو عین شے کے تابع ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں، عین شے سے حقیقی منفعت و مطلوب حاصل کرنے کا حق تابع مال کہلانے کا مثلاً حق سکونت یا حق انفکاک رہن یا زمین میں کھیتی کرنے کا حق۔

حق بمعنی مال:

ایسا حق اگرچہ خود عین شے نہیں ہوتا مگر اس کے مانند متصور ہوتا ہے یعنی اگرچہ وہ حق فی نفسہ مال نہیں، لیکن یا تو مال کے لوازم میں سے ہے یا مال کے ساتھ متصل ہے یا اس کو امداد و استحکام پہنچانے والا ہے، اور اس طرح اصل شے سے استفادہ کی قیمت میں اضافے کا موجب ہوتا ہے جیسے حق گزر، آب، حق میرابی، حق علو (اوپر جانے کے لئے زینہ پر چڑھنے کا حق)۔
خیار عیب، خیار فوت وصف مرغوب، خیار تعیین تمام حقوق حنفیہ کے نزدیک تابع مال ہیں اور قابل ارث ہیں۔ دیگر آئمہ کے نزدیک بھی یہ حقوق قابل ارث ہیں

(۳) حق شخصی محض:

وہ حق جو محض شخص کی اپنی ذات سے متعلق ہو اور جس میں مالی عنصر بالکل موجود نہ ہو، جیسے کہ ماں کا حق حضانت یا باپ کا بچے کی ذات و مال کا حق ولایت یا شوہر کا اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا حق یا شوہر کا اپنی زوجہ سے استمتاع (فائدہ اٹھانے) کا حق۔ اس قسم کے حقوق شخصی میں تمام آئمہ و فقہاء عدم میراث کے قائل ہیں۔

تجزیہ

وہ حقوق جو مالی ہیں یا مال کے تابع ہیں ان کے ترکہ میں شامل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ دراصل وہ مال ہی کے لوازم میں سے ہیں۔ البتہ وہ حقوق جو بالکلیہ غیر مالی ہیں، اور مورث کی اپنی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں میراث جاری نہیں ہو سکتی، جیسے واہب کا اپنے ہبہ میں رجوع کرنے کا اختیار یا ماں کا حق حضانت یا باپ کا حق ولایت، اختیار شرط یا اختیار رویت (۲۰) لیکن وہ حق جو اگرچہ شخصی ہیں مگر اپنی نوعیت کے اعتبار سے مالی بھی ہیں ترکہ میں شامل ہوں گے یا نہیں، اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ حق جو مال اور حق شخصی دونوں سے مشابہ ہو، ”حق مشابہ مال و ذات شخصی“، کہا جا سکتا ہے۔ ایسا حق نہ محض مالی ہوتا ہے اور نہ محض شخصی۔ جیسے کہ ایک قرض دار کا میعاد معینہ میں قرض ادا کرنے کا حق۔ یہ ایک اعتبار سے حق مالی ہے اور دوسرے اعتبار سے حق شخصی ہے۔ اس اعتبار سے کہ قرض خواہ نے مقروض کی شخصیت، اس کے حالات اور باہمی تعلقات کے پیش نظر اس کے ساتھ سلوک کرنے کی غرض سے یہ رعایت دی تھی، مقروض کا حق شخصی قرار پاتا ہے، جو ناقابل انتقال ہے، اور مقروض کی موت کے فوراً بعد وہ میعاد معین (جو ابھی نہ گزری ہو) ساقط ہو کر قرضہ فوری واجب الادا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس اعتبار سے کہ لوگوں میں عام رواج پایا جاتا ہے کہ موجل (deferred) قرضہ عموماً معجل (Prompt) قرضے کے مقابلے میں اپنی مقدار کے لحاظ سے زیادہ ہوا کرتا ہے اور یہ مدت ادائیگی اس زیادتی مقدار کے مقابلے میں متصور ہوتی ہے، اس لئے قرضہ کا ایک معینہ مدت میں ادا کرنے کا حق محض شخصی نہیں بلکہ ”مالی“ بھی ہے، جو اس مقروض کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کو منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح فروخت کنندہ اور خریدار کا حق اختیار بیع جسکو اختیار شرط بھی کہتے ہیں ”حقوق مشابہ مال و ذات شخصی“، میں شامل ہیں۔

(۲۰) اختیار شرط اور حیار رویت کو احناف کے نزدیک ”حق شخصی محض“ قرار دیا گیا ہے (مؤلف)۔

در اصل یہ امر کہ حق مشابہ مال و ذات شخصی ترکہ میں شامل ہے یا نہیں، اس حق کے مالی او غیر مالی ہونے کی بحث کو اس کی تمام ترجیبات کے ساتھ اپنی تہہ میں لئے ہوئے ہے۔

حقوق کی اس توضیح و تفصیل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ وہ تمام اسوال (منقولہ و غیر منقولہ) جن کا مورث اپنی حیات میں مالک تھا اور حقوق مالی محض یا تابع مال مورث کے انتقال کے بعد وراثت میں ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اور ورثاء بطریق خلافت ان کے مالک و وارث ہوں گے۔ اسی طرح حقوق شخصی محض کے بارے میں بھی تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ ایسے حقوق مورث سے ورثاء کی طرف بطور وراثت منتقل نہ ہوں گے۔ البتہ جیسا کہ سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے، فقہاء کرام کا ایسے حقوق میں جو حقوق مالی و حقوق شخصی ہر دو سے مشابہت رکھتے ہیں، قابل وراثت ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن فقہاء نے ان حقوق کی مالی حیثیت کو ان کے شخصی ہونے پر ترجیح دی ہے وہ ان کے وراثت میں منتقل ہونے کے قائل ہیں اور جو ان کے شخصی ہونے کو ترجیح دیتے ہیں وہ ان کے وراثت میں ورثاء کی طرف منتقل ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

جمہور فقہاء کا مسلک ہے کہ یہ حقوق (مشابہ مال و ذات شخصی) وراثت میں مورث سے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے جب کہ حنفی فقہاء اور ابو محمد بن حزم ظاہری کا یہ مسلک ہے کہ ان میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ چنانچہ ان کے نزدیک (بطور مثال) حق شفعہ باوجود مطالبہ شفعہ، عدالت کے فیصلہ سے پہلے ”ناقابل توریث“ ہوگا۔ چنانچہ احناف اور امام ابن حزم کے نزدیک شفعہ کے مطالبہ کے بعد عدالت کے فیصلے سے قبل اگر شفعہ کا انتقال ہو گیا تو شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا اور ورثاء کو شفعہ کا حق وراثت میں منتقل نہ ہوگا۔ چونکہ احناف اور امام ابن حزم ظاہری کے نزدیک یہ تمام خیارات انسان کے ارادہ اور اس کی رغبت پر مبنی تھے جو اس کے فوت ہونے کے ساتھ معدوم ہو گئے، اس لئے وہ ناقابل ارث ہیں۔ ان کے سوا دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ خیارات مورث سے منتقل ہو کر اس کے ورثاء

کو وراثت کے ذریعہ حاصل ہو جائیں گے۔ ائمہ ثلاثہ و جمہور فقہاء حق شفعہ کو زمین کے ساتھ بطور خادم اور معاون کے قرار دیتے ہوئے اس کو مال سے متعلق ٹھہراتے ہیں، جب کہ حنفیہ اس کو صرف ایک شخصی ارادہ کہہ کر ناقابل ارث قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ارادہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ بالفاظ دیگر حنفی فقہاء اور امام ابن حزم نے ان حقوق کے ”شخصی پہلو“ کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔ جب کہ دیگر ائمہ نے ان حقوق کے ”مالی پہلو“ کو فوقیت دے کر ان کو قابل ارث قرار دیا ہے۔

نتیجہ فکر :

راقم الحروف کے نزدیک حق شفعہ کے قابل ارث ہونے یا نہ ہونے میں فیصلہ کن عنصر محض مورث کا ارادہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا حق ہے جو فی الحقیقت زمین سے متعلق اور مال کے معنی میں ہے اور بالآخر مورث کے اہل و عیال (ورثاء) کے مالی مفاد کے لئے ہے۔ اس لئے یہ حق قابل ارث قرار دیا جانا چاہئے اور اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ کی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے کہ اگر مطالبہ شفعہ کے بعد شفیع کا انتقال ہوا تو اب چونکہ حق ثابت تھا لہذا وہ حق شفیع کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اکثر اسلامی ممالک میں بھی اسی کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ چنانچہ مصر میں بھی از روئے قانون مجریہ ۱۹۳۹ ع حق شفعہ کو مالی حق قرار دے کر دوسرے مالی حقوق کی طرح قابل ارث قرار دے دیا گیا ہے۔ (۲۱) پاکستان میں بھی از روئے پنجاب شفعہ ایکٹ ۱۹۱۳ ع و صوبہ سرحد شفعہ ایکٹ ۱۹۵۰ ع حق شفعہ قابل ارث ہے۔ (حق شفعہ کے قابل توریث ہونے کے بارے میں تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو مجموعہ قوانین اسلام، مؤلف ہذا، جلد ششم ”قانون شفعہ“)

منافع محض :

حقوق کی بحث نامکمل رہ جائے گی اگر ”منافع محض“ کا ذکر نہ کیا جائے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ”منافع محض“ اسوال کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ان میں وراثت جاری ہوگی۔ مگر حنفیہ کے نزدیک ”منافع محض“ قابل توریث

(۲۱) احکام الموارث، عمر عبداللہ، (فقہ عام)، مطبوعہ دارالمعارف مصر، ۱۳۸۰/۱۹۶۰ ع ص ۲۱
ان قررت محكمة النقص فی ۸ یونیہ سنۃ ۱۹۳۹ ع ان حق الشفعة یورث۔

نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک وہ اسوال نہیں ہیں اور نہ اسوال کے درجہ میں ہیں، خواہ یہ منافع عوض کے ذریعہ حاصل ہوں، جیسا کہ اجارے کے عقد میں ہوتا ہے یا بغیر عوض کے حاصل ہوں، جیسا کہ وصیت میں ہوتا ہے۔

چنانچہ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور لیث بن سعد کے نزدیک اگر کسی شخص نے زمین یا مکان یا دوکان ایک مدت معینہ تک کے لئے اجارے پر لی ہو اور مدت پوری ہونے سے پہلے مستاجر (اجارہ پر لینے والا) فوت ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کے حق میں مکان میں ایک معینہ مدت کے لئے سکونت کی وصیت کی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے موصی لہ کا انتقال ہو جائے تو اس کی موت سے وصیت ختم ہو جائے گی، وراثہ کی طرف منتقل نہ ہوگی اور ان (ورثاء) کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ وصیت کے تحت بقیہ مدت تک مکان میں سکونت اختیار کریں۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ اور ابو ثور کے نزدیک متعاقدین (کرایہ پر لینے یا دینے والے) کے فوت ہوجانے سے عقد اجارہ فاسد نہیں ہوتا، بلکہ وراثہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ دراصل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد اجارہ ان عقود لازمہ میں داخل ہے، جو دونوں فریق کے ذمہ لازم ہوجاتے ہیں اور کسی کی موت کی بناء پر فسخ نہیں ہوا کرتے الا یہ کہ کوئی ایسا سبب پایا جائے جس سے عقد لازم فسخ ہوجایا کرتا ہے مثلاً عیب یا جو چیز استیفائے منفعت کا محل تھی معدوم ہوجائے یا منفعت کے قابل نہ رہے۔ (۲۲)

تجزیہ :

احناف کے نزدیک مستاجر کی موت کے بعد اس کے متعلقین کو ضرر پہنچنے کا خطرہ ہے تو حاکم کو عقد اجارہ باقی رکھنے کا حکم دینے کا حق حاصل ہوگا بلکہ بعض حالات میں یہی اولیٰ ہوگا کہ باقی رکھنے کا حکم دے۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر کسی شخص نے زراعت کے لئے ایک

(۲۲) بداية المجتهد نهاية المقتصد (فقہ اربعہ)، ابن رشد (م ۵۰۹۵)، مطبع المصطفیٰ البابی العلبی،

مصر ۱۹۶۰ء، ج ۲، ص ۲۳۰۔

رحمة الامة بر حاشية الميزان الكبرى (فقہ اربعہ) عبدالوہاب الشعرانی، (م ۱۹۷۳)، مطبعة

المصطفیٰ البابی العلبی، مصر، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء، ج ۱، ص ۲۲۱۔

معین مدت کے لئے اراضی اجارے پر لی ہو اور اس مدت کے اندر مستاجر فوت ہو جائے درآنحالیکہ اراضی میں کھیتی قائم ہو جو کٹائی کی حد کو نہ پہنچے ہو تو اس کھیتی کو اراضی میں اس وقت تک چھوڑے رکھا جائے گا جب تک وہ کٹنے کے قابل ہو جائے، اور مستاجر کے ورثاء پر اس اجرت کا ادا کرنا لازم ہوگا جو اجارے میں متعین کی گئی ہوگی، کیوں کہ اگر ایسی صورت میں کھیتی کاٹ دینے کا حکم دیا جائے تو مستاجر کو ضرر پہنچے گا اور اگر بغیر اجرت کے کھیتی قائم رہنے کا حکم دیا جائے تو آجر کے ورثاء کو ضرر پہنچے گا، لہذا دونوں ضرر کا دفعیہ اسی طرح ممکن ہوگا کہ کھیتی قائم رہے اور اجرت ورثاء کو ادا کی جائے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی ذات کے لئے عقد اجارہ واقع ہوا ہے اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو اجارہ باطل ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی عذر پیش آجائے تو اجارہ فاسد و باطل نہ کیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستاجر کی موت کے بعد اگر آجر اور مستاجر کے ورثاء نے اس عقد کے باقی رکھنے پر اظہار رضامندی کر دیا تو اجارہ قائم رہے گا اور یہ ایسا ہوگا جیسا کہ ایک جدید عقد وجود میں آگیا ہو۔ (۲۳)

چنانچہ احناف کے نقطہ نظر کے بموجب جس معاہدہ کے ذریعہ منفعت حاصل کی جا رہی ہو اگر اس معاہدہ کے فوراً ختم ہو جانے سے کسی فریق کے ورثاء یا ان کے فریق مقابل کو ضرر پہنچتا ہو تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ورثاء یا فریق مقابل کے درمیان کسی جائز جدید معاہدہ شرعی کے انعقاد کے ذریعہ اس ضرر کو دور کیا جائے اور ضرر کے دور ہونے کے وقت تک اس جدید معاہدہ کی مدت مقرر کر دی جائے۔ مدت مقررہ کے انقضاء پر اس معاہدہ کو ختم سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد فریقین اگر باہم راضی ہوں تو دوبارہ معاہدہ کر لیں، بصورت دیگر معاہدہ مختتم متصور ہوگا، الا یہ کہ معاہدہ سے اس کے خلاف منشاء ظاہر ہوتی ہو۔ مثلاً ایک شخص نے زمین کھیتی باڑی کے لئے کرایہ پر لی تھی یا مکان سکونت کے لئے لیا تھا لیکن مدت پوری ہونے سے قبل مستاجر کا انتقال ہو گیا زمین میں فصل کھڑی ہوئی ہے

(۲۳) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۵۸۷)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۴، ص ۲۳-۲۲۲۔

جو اپنی تکمیل کو نہیں پہنچتی ہے۔ ایسی صورت میں مستاجر مرحوم کے معاہدہ کو 'بقول حنفیہ، فوراً باطل قرار دینے سے مستاجر کے وراثت کا نقصان لازم آتا ہے، اگر زمین سے فصل کو جدا کیا جاتا ہے یا مرحوم کے وراثت کو فوری طور پر مکان کے تخلیہ کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اول صورت میں فصل ضائع ہوگی اور دوسری صورت میں مکان کا فوری مل جانا دشوار ہوگا۔ لہذا از روئے قانون، معاہدہ کو ایک معینہ مدت کے لئے جاری یا تجدید شدہ تصور کیا جائے یا حاکم پر واجب قرار دیا جائے کہ وہ مستاجر کے وراثت اور مالک زمین یا صاحب مکان کے مابین اس وقت تک کے لئے جدید معاہدہ اجارہ کرادے جس وقت تک فصل کاٹنے کے قابل اور دوسرا مکان سکونت کے لئے مہیا ہونا ممکن ہو اور مدت ختم ہونے پر فریقین کو اختیار دیا جائے کہ یا وہ پھر معاہدہ کرلیں یا زمین اور مکان کا تخلیہ کردیں۔

نتیجہ فکر :

راقم الحروف کے نزدیک اگر معاہدہ اجارہ میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ فریقین کی تعریف میں ان کے وراثت قانونی بھی شامل ہیں تو عقد اجارہ کسی فریق کی موت سے فسخ نہیں ہونا چاہئے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں کرایہ پر لی ہوئی شہری غیر منقولہ جائدادوں میں حق کرایہ داری کو قابل ارث قرار دیا گیا ہے۔ (۲۴) کیونکہ موجودہ دور میں غیر منقولہ جائدادوں کی شدید قلت ہے، اور تجارتی و معاشی اہمیت کے پیش نظر ایسا کرنا لابدی ہے۔ دراصل منافع کی بذریعہ وراثت منتقلی معاشرہ کے عرف و عادت پر مبنی ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر جدید عہد کے تقاضوں سے قریب تر نظر آتا ہے۔

ترکہ کا وجود :

استحقاق میراث کے لئے ترکہ کا وجود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

Section 2 (i) of West Pakistan Urban Rent Restriction Ordinance (vi) (۲۴) 1959-"tenant" means — and includes (b) The wife and children of a deceased tenant.

چنانچہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اپنے اسواں یا حقوق مالی میں سے کوئی شے قابل توریث نہ چھوڑے تو سرے سے میراث کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور اگر میت نے بلا ترکہ اپنے ذمہ کوئی قرضہ چھوڑا ہو تو وراثہ پر یہ قرض لازم نہ ہوگا کیونکہ دائن (قرض خواہ) کا حق ترکہ سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ وراثہ کی ذات سے۔ لہذا ایسی صورت میں وارث کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوگا۔ ترکہ موجود نہ ہونے کے باوجود اگر وارث اپنے مورث کے ذمہ قرض کی ادائیگی کرتا ہے تو اس کا یہ عمل تبرع (احسان) کہلائے گا جس کے لئے وہ آخرت میں عنداللہ ماجور ہوگا۔

ترکہ کے موجود ہونے کی صورت میں اس کا شرعاً حلال ہونا ضروری ہے۔ بنا بریں شرعاً حرام اشیاء یا حقوق مالی کا شمار ازروئے شرع ترکہ میں نہیں کیا جا سکتا، مثلاً شراب کا ذخیرہ، گھوڑ دوڑ (ریس) کا جیتا ہوا روپیہ وغیرہ۔

وضاحت :

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تریعت اسلام کی رو سے جو اسواں و حقوق حرام ہیں لیکن کسی مسلم ملک (مثلاً پاکستان) نے اپنے رائج الوقت قوانین کے ذریعہ ان اسواں و حقوق کو قانونی حیثیت دے رکھی ہے مثلاً شراب کا ذخیرہ، لائری اور ریس میں جیتا ہوا روپیہ سود اور بیمہ کی رقم اور فلمیں وغیرہ، انکا کیا ہوگا ؟

اس سلسلہ میں یہ وضاحت کافی ہے کہ جن ممالک میں لائری یا ریس کا کاروبار، شراب فروشی، سودی لین دین اور بیمہ کو قانونی تحفظ حاصل ہے ان ممالک میں وراثہ کو متوفی کے ان مملوکات کو ترکہ میں شامل کرانے اور مقدمہ حصص کے مطابق تقسیم کرانے کا اختیار ان ممالک میں رائج قانون کی بناء پر حاصل ہے۔ بحرالرائق میں لکھا ہے کہ ”اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کا متروکہ (بطور مثال) شراب ہو یا ظلم و تعدی اور رشوت کے ذریعہ حاصل شدہ مال ہو تو وراثہ کے لئے واجب ہوگا کہ اس متروکہ میں سے کچھ بھی نہ لیں اور یہی ان کے لئے واجب ہے۔ اور

اگر ان اموال کے اصلی مالکوں کو جانتے ہوں تو ان کو لوٹا دیں اور اگر نہ جانتے ہوں تو صدقہ کر دیں،،- (۲۵) اس عبارت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حرام مال میں وراثت کا اجراء وراثہ کے حق میں حلال نہیں۔ اگر وہ مال وراثہ لے لیں تو وہ گناہ کے مرتکب ہوں گے اور بطور کفارہ وہ مال واجب التصدق ہوگا۔

۳۶۲ - میراث کی تین شرطیں ہیں :-

شرائط وراثت

- (۱) مورث کی حقیقی یا حکمی موت کا ثبوت
- (۲) مورث کی موت کے بعد وارث کی حقیقی یا حکمی حیات کا ثبوت، اور
- (۳) قرابت کی نوعیت اور درجہ جس میں مورث اور وارث جمع ہوں۔

تشریح

ارکان کی طرح میراث کے استحقاق کی بھی تین شرطیں ہیں :-

- (۱) یہ کہ مورث حقیقتاً، تقدیراً یا حکماً کسی ایک طریقہ پر مرچکا ہو۔
- (۲) یہ کہ وارث مورث کی موت کے وقت زندہ ہو یا زندہ تصور کیا گیا ہو۔
- (۳) یہ کہ ترکہ (قابل ارث) موجود ہو، اور کوئی امر مانع ارث موجود نہ ہو۔

لیکن استحقاق وراثت میت کی تجہیز و تکفین، قرضوں کی ادائیگی اور ایک تمہائی کی حد تک جائز وصیتوں کے اجراء کے بعد ہی عمل پذیر ہو سکتا ہے۔- (۲۶)

۲۶۳ - شرع اسلام میں وراثت کے دو موجبات ہیں :-
(۱) نسب، اور (۲) سبب (زوجیت)

موجبات وراثت

(۲۵) البحر الرائق، زین الدین ابراہیم ابن نجیم (۵۹۷۰)، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۳ھ، باب الکراہیۃ ج ۷، ص ۲۰۱۔

(۲۶) ”یبدأ من ترکة الميت تجہیزہ و دفنہ ثم تقضى ديونہ ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقى بعد الدين ثم يقسم الباقي بين الورثة،، مجمع الانهر، (فقہ حنفی)، داماد آفندی (م ۱۰۷۸ھ)، دارالطباعة العامرة، مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۳۷-۳۸، کتاب الفرائض۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

تشریح

۱- نسب :

نسب سے مراد وہ حقیقی قرابت ہے جو مورث اور وارث کے درمیان بذریعہ صلب قائم ہوتی ہے خواہ وہ قرابت اقرار کنندہ کے اقرار ہی سے کیوں نہ ثابت ہو، جیسے کہ مقلدہ بالنسب۔

نسبی قرابت کی تین قسمیں ہیں:-

(الف) وہ جو میت کی طرف منسوب ہوں یعنی میت کے فروع

(اولاد) خواہ کتنے ہی زیرین درجے کے ہوں۔

(ب) وہ جن کی طرف میت منسوب ہو یعنی میت کے اصول

(والدین) اور اجداد و جدات (دادا دادی) خواہ کتنے ہی بالائی درجے میں ہوں۔

(ج) فروع و اصول کے علاوہ دیگر تمام اقارب یعنی حواشی و

جوانب (بہن، بھائی، چچا وغیرہ)۔

۲- سبب (زوجیت) :

سبب زوجیت (۲۷) وہ تعلق ہے جو میت اور وارث کے درمیان بذریعہ

نکاح صحیح قائم ہوا ہو۔ بشرطیکہ یہ سبب (زوجیت) مورث کی وفات کے وقت بھی

”وانه يقتضى تاخر القسمة من الدين و الوصية : . . . فهذه الحقوق الاربعة تتعلق بتركة الميت على هذا الترتيب“، الاختيار لتعليل المختار، (فقه حنفی)، عبدالله بن محمود بن مودود، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۱/۱۳۷۰ع، جزء ۵، ص ۸۵ (کتاب الفرائض)۔

(۲۷) قدیم کتب فقہ میں سببی میراث کی دو قسمیں ہیں کی گئی ہیں: ایک زوجیت اور دوسرے ولاء (البحر الرائق، مصر، ج ۸، ص ۳۸۸)۔

”ولاء“ کی صورت عہد حاضر میں ناپید ہے۔ اس لئے متن قانون اور اصل کتاب میں صرف ایک سبب ”زوجیت“ کا ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ تاریخی طور پر ولاء کا اجمالاً ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔ ”ولاء“ کے لفظی معنی ”معاونت کرنا“ ہیں۔ یہ لفظ ”قرب“ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ فقہی اصطلاح میں اس کے معنی ”تناصر“ یعنی ”باہمی تعاون“ کے ہیں۔

قائم موجود ہو۔ نکاح فاسد یا باطل میں مابین زوجین میراث جاری نہیں

عناہ میں مذکور ہے کہ ”ولاء وہ باہمی معاونت ہے جو وراثت اور دیت (خون بہا) کا موجب ہو۔ (بحر الرائق، جلد ۸، ص ۶۵ و مجمع الانہر، جلد ۲، ص ۴۲۳)۔ ولاء کی دو قسمیں ہیں: ایک ولاء عتق اور دوسری ولاء مولات۔

۱۔ ولاء عتق: ”ایک شخص کے دوسرے کو آزاد کرنے کے تعلق (قرب) سے جو حق حاصل ہوتا ہے اس کو ولاء عتق کہتے ہیں جب کہ مورث کو وارث نے آزاد کیا ہو۔ ولاء عتق میں اعلیٰ (اپنے اسفل) (فقہی اصطلاح میں آزاد کرنے والے کو اعلیٰ اور آزاد ہونے والے کو اسفل کہتے ہیں) کا وارث ہوتا ہے۔ اسفل اپنے اعلیٰ کا وارث نہیں ہوتا۔ مثلاً زید نے ایک غلام الف آزاد کیا جو خود مختار ہو گیا۔ اس غلام الف کی ولاء زید اور اس کے عصبیات نسبی کے لئے ہوگی یعنی الف کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبیات میں سے نہ ہو تو زید اس کی میراث پانے کا مستحق ہوگا اور اگر الف کے انتقال سے قبل زید فوت ہو گیا تو ولاء زید کے عصبیات کو حاصل ہوگی۔ اسی طرح اگر الف نے اپنے آزاد ہونے کے بعد بذات خود کوئی غلام ب آزاد کیا تو اس ب کی ولاء بھی، بشرط عدم وراثت ب و الف، زید اور اس کے عصبیات نسبی کی طرف منتقل ہوگی۔ (بحر الرائق، ج ۸، ص ۶۵) (مجمع الانہر، ج ۲، ص ۴۲۳) آج کل ولاء بذریعہ عتق مفقود ہے اس لئے اس ”سبب وراثت“ کا محض تاریخی و علمی حیثیت سے مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

ولاء مولات: شرعاً مورث اور وارث کے درمیان عقد (معاہدہ) کی بناء پر تعلق بھی بعض صورتوں میں میراث کا سبب ہوتا ہے۔

ولاء مولات کی صورت یہ ہے کہ ایک مشرک الف ایک مسلمان ب کے ہاتھ پر ایمان لایا اور پھر اسی شخص مسلم سے یہ معاہدہ کر لیا کہ تم میرے مولا ہو۔ اگر میں مرجاؤں تو تم میرے وارث ہو گے اور کوئی جرم کر بیٹھوں تو دیت کی ذمہ داری تم پر ہوگی اور دوسرے نے اس کی اس بات کو قبول کر لیا تو یہ عقد مولات صحیح ہوگا اور اس کے ذریعہ وراثت کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر الف ب کے ہاتھ پر اسلام لایا اور عقد مولات کسی دوسرے مسلم سے کیا تب بھی ان دونوں کے درمیان معاہدہ صحیح ہوگا۔ شمس الائمہ امام سرخسی نے کہا ہے کہ ”یہ شرط نہیں ہے کہ جس مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا ہو اسی سے مولات کا معاہدہ کیا جائے بلکہ کسی دوسرے سے بھی کیا جاسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مولات کا معاہدہ کرنے والے کے اپنے حقیقی شرعی وراثت موجود نہ ہوں۔ اگر اس کے اپنے ذوی الفروض و عصبیات موجود ہوں تو (معاہدہ کے باوجود) مولا مولات وارث نہ ہوگا۔ یہ مسلک احناف کا ہے جس کے قائلین حضرت عمر، حضرت علی اور ابن مسعود وغیرہم ہیں۔ (ماخوذ از الشریفیہ، (شرح سراجیہ) صص ۱۰-۹)، مجمع الانہر ج ۲، ص ۴۲۷، الاختیار لتعلیل المختار جزء ۴، ص ۴۴، البحر الرائق ج ۸، ص ۶۸) امام شعبی و امام شافعی ولاء مولات کے قائل نہیں ہیں۔ یہی مذہب زید ابن ثابت کا ہے۔ امام مالک و احمد بن حنبل کا بھی وہی مسلک ہے جو امام شافعی کا ہے۔ (المغنی، ابن قدامہ المقدسی (م ۶۲۰ ع) مطبعة المنار، مصر، ۱۳۳۸ھ (فقہ جنبلی) ج ۷، ص ۲۷۸)، بدایة المجتہد و نہایة المقتصد (فقہ اربعہ) ج ۲، ص ۳۱۲، المدونة الكبرى امام سخون (م ۳۴۰) (فقہ مالکی) جزء ۸، ص ۷۳ مطبعة السعادة، مصر ۱۳۲۴ھ امام ابو محمد ابن حزم ظاہری بھی اپنے مسلک میں ولاء مولات کے قائل نہیں معلوم ہوتے۔ (المحلی، فقہ ظاہری، جزء ۶، ص ۳۰۸، امام ابو محمد علی ابن حزم م (۵۴۵ھ)، مطبعة الامام، مصر، جزء ۶، ص ۶، کتاب الموارث)۔ البتہ امامیہ کے نزدیک ولاء مولات کے ذریعہ وراثت جاری

ہوتی۔ (۲۸) اسی طرح مصاہرت (سسرالی رشتہ داری) کا تعلق وراثت کا سبب نہیں ہوا کرتا۔ یعنی شوہر یا زوجہ کی جانب سے قرابت وراثت کا سبب نہیں بن سکتی۔ الا یہ کہ ان کے درمیان زوجیت کے علاوہ کوئی اور قرابت بھی ہو۔

قانون مصر :

دفعہ ۷۔ وراثت کے اسباب زوجیت، قرابت اور عصویت سببی ہیں۔ زوجیت کے تعلق سے وراثت بصورت فرضیت ہوگی۔

قرابت کی وراثت کبھی بطور فرض یا عصویت یا ہر دو طریق یا بذریعہ رشتہ رحم ہوگی، مگر اس میں حجب اور رد کے قواعد کو ملحوظ رکھنا ہوگا، لہذا جب کسی وارث میں وراثت کی دو جہتیں موجود ہوں گی، وہ ان دونوں کے لحاظ سے دفعہ ۱۴ تا ۳۷ کی رعایت کے ساتھ وارث ہوگا۔

قانون شام :

دفعہ ۲۶۳ (۱)۔ اسباب وراثت زوجیت اور قرابت ہیں۔

(۲)۔ وراثت کے تین طریقے ہیں۔ وہ فرائض جو کتاب اللہ سے متعین ہیں، یا عصویت یا رحمی تعلق۔

(۳)۔ ازدواجی تعلق کی وراثت فرض کے طریق پر ہوگی۔

(۴)۔ جو وراثت قرابت کے تعلق سے ہوگی، کبھی بطریق فرض ہوگی،

کبھی بطریق عصویت اور کبھی دونوں طریق سے، یا رحمی تعلق کی وجہ سے، پس جس وقت کسی وارث میں وراثت کے دو سبب موجود ہوں گے تو وہ دونوں

ہوگی اس کو فقہاء امامیہ نے ولاء تضمن بالجریہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ بلکہ فقہاء امامیہ موالات کی ایک تیسری قسم کے بھی قائل ہیں جس کو ”ولاء امامت“ کہا جاتا ہے یعنی امام وقت کی ولاء۔ (شرائع الاسلام، فقہ شیعہ، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۹۴) ولاء موالات میں بھی ولاء عتیق کی طرح اعلیٰ اپنے اسفل کا وارث ہوگا، الا یہ کہ دونوں جانب سے اس کے برعکس معاہدہ ہوا ہو، ایسی صورت میں اسفل بھی اعلیٰ کا وارث ہوگا۔ (الدر المنتقی شرح الملتقی) فقہ حنفی علاء الدین الحصفی، مصر، ج ۲، ص ۴۲۸۔

(۲۸) الدر المنتقی (شرح الملتقی، فقہ حنفی)، علاء الدین الحصفی (م ۱۰۸۸)، بر حاشیہ مجمع الانہر، دارالمطبعة العاصیہ، مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۷: ”فلا توارث بفساد ولا باطل اجماء“، مجموعہ قوانین اسلام، مؤلف ہذا کراچی، ۱۹۶۵ء، ج ۱، ص ۱۵۴۔

(سبب سے) وراثت کا مستحق ہوگا، لیکن دفعات ۲۷۱ و ۲۹۶ کی رعایت کرنا لازم ہوگا۔

قانون مراکش :

۲۲۴ - وراثت کے اسباب کا تقرر چونکہ شریعت کی جانب سے ہے کسی عقد کے ذریعہ ان کا حصول نہیں ہوتا، نہ وصیت کی اثر اندازی ہو سکتی ہے، اس لئے وارث یا مورث کو وراثت کی کسی صفت سے تنزل اختیار کر کے کسی غیر کی جانب منتقل کرنے کا حق نہیں ہوتا۔

۲۲۵ - وراثت کا سبب زوجیت یا قرابت ہے۔

۲۲۶ - قرابت چھ جہتوں میں منحصر ہے : ابوت، اور اسوت (ماں ہونا) جدیت (دادا، دادی) ہونا، بنوۃ (اولادی سلسلہ)، اخوۃ (بھائی یا بہن ہونا) عمویۃ (پھوپھی ہونا)۔

۲۲۷ - استحقاق وراثت کے لئے حسب ذیل امور شرط ہیں :-

- (۱) مورث کی حقیقی یا حکمی موت۔
- (۲) مورث کی ہر دو موت کے وقت وارث کی حیات کا متحقق ہونا، اور
- (۳) جہت وراثت کا علم۔



بتیسواں باب

حقوق متعلق ترکہ

حقوق متعلق بہ ترکہ ۲۶۵ - میت کے مال کے ساتھ حسب ذیل حقوق متعلق ہوتے ہیں جن میں بعض پر بعض مقدم ہیں :-

(۱) - میت کی تجمہیز و تکفین

(۲) الف - میت کے ترکہ (عین شئی) سے حقوق خیر کا ایفاء،

(ب) - میت کے ترکہ سے اس کے ذمہ (دیون) کی ادائیگی، اور

(۳) - تمام دیون کی ادائیگی کے بعد مابقی ترکہ میں ایک تہائی کی حد تک غیر وارث کے حق میں وصیت کا نفاذ، اگر میت کی وصیت موجود ہو اور شرعاً قابل نفاذ ہو۔

توضیح :- وصیت کے ایک تہائی سے زائد یا وارث کے حق میں وصیت ہونے کی صورت میں اس کا نفاذ وراثت کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

استثناء - موصی کے شیعہ ہونے کی صورت میں وارث کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت بلا اجازت وراثت جائز و قابل نفاذ ہوگی۔

۴ - مابقی ترکہ کی کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں وراثت میں تقسیم ہوگی۔

تشریح

میت کے ترکہ سے قبل از وراثت حسب ذیل امور متعلق ہوتے ہیں :-

(۱) تجمہیز و تکفین (۲) ادائیگی دیون (۳) نفاذ وصیت

۱ - الف) تجمہیز و تکفین :

ایک مسلمان کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ سے فی الفور جو حقوق

متعلق ہو جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) میت کا اپنا حق (۲) میت پر دوسروں کا حق۔

میت کا اپنا حق :

میت کا اپنا سب سے پہلا حق اس کی تجہیز و تکفین ہے۔ تجہیز ایک عام لفظ ہے جس میں تکفین و تدفین کے تمام اخراجات شامل ہیں۔ یہ لفظ حنفی فقہ میں تکفین کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، لیکن مقصد دونوں کا ایک ہے۔ تجہیز کے بعد تکفین یا تدفین کے لفظ کا استعمال لفظ عام کے بعد خاص کا استعمال ہے۔ بعض اصحاب کے نزدیک ادائیگی قرض تجہیز پر مقدم ہے جیسا کہ ملا مسکین نے بیان کیا ہے لیکن تجہیز پر قرض مقدم ہونے کی روایت غیر صحیح ہے۔ اصح یہی ہے کہ تجہیز و تکفین قرض پر مقدم ہے۔ (۱) اس لئے سب سے پہلے میت کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی۔

اس کی دو دلیلیں ہیں :-

(الف) بر بنائے سنت (ب) از روئے قیاس۔

(الف) دلیل پر بنائے سنت :

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز جنازہ پڑھانے کے وقت دریافت فرماتے تھے کہ میت پر قرض تو نہیں ہے ! اگر جواب اثبات میں ہوتا تو آپ بذات خود نماز نہ پڑھاتے بلکہ کسی صحابی سے فرمادیتے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود مسلمانوں کو دوران حیات قرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرنا اور اس کی اہمیت کا احساس دلانا تھا، نہ یہ کہ قرض میت کی تجہیز پر مقدم ہے۔ حضرت حمزہ جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو آپ نے ان کے دفن سے پہلے قرض کے متعلق کوئی استفسار نہ فرمایا۔ اس روایت سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تجہیز و تکفین پر قرض مقدم نہیں ہے۔ (۲)

(۱) الدر المنتقی، علاء الدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۶۔

(۲) المبسوط، امام شمس الدین سرخسی (م ۸۳۳ھ)، (فقہ حنفی)، مطبعة السعادة، مصر، ۱۳۲۳ھ،

ج ۲۹، ص ۱۳۶۔

علاوہ ازیں، تجہیز کے بعد ہی نماز میت کا مرحلہ سامنے آتا ہے۔ لہذا حدیث میں خود اس بات کی دلیل موجود ہے کہ تجہیز مقدم ہے۔ آنحضرت ص نے فعل تجہیز کو برقرار رکھا، لہذا تجہیز کا ادائیگی دین پر مقدم ہونا منصوص ہو گیا۔

(ب) دلیل از روئے قیاس :

موت کے بعد میت کا کفن وہ حیثیت رکھتا ہے جو اس کی زندگی میں اس کے عام لباس کی ہوتی ہے۔ جس طرح ایک قرض خواہ کے قرضہ کے عوض قرض دار کے جسم کا لباس قرق اور فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ (۳) اسی طرح موت کے بعد قرضے کی ادائیگی پر اس کے کفن دفن کا انتظام مقدم ہوگا۔ (۴) البتہ تجہیز و تکفین میں ترکہ اور اس کی زندگی کے اوسط لباس کا لحاظ رکھا جائے گا نہ کمی کی جائے گی اور نہ اسراف۔ (۵)

زوجہ کی تجہیز و تکفین کے اخراجات :

حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق زوجہ کی تجہیز بجمیع اجزاء (مکمل طور پر) شوہر کے ذمہ ہوگی۔ (۶) اور زوجہ کی تجہیز کے اخراجات کا خود شوہر ذمہ دار ہوگا۔ چنانچہ زوجہ کے ترکہ میں سے

(۳) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، ج ۲۹، ص ۱۳۶۔

(۴) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔

مجمع الانہر، داماد آفندی (م ۱۰۸۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۳۶۔

بحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۸۹۔

الاختیار لتعلیل المختار، محولہ بالا، جزء ۱۵، ص ۸۵۔

(۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔

مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۶۔

الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، جزء ۱۵، ص ۸۵۔

الشریفیہ، (شرح سراجیہ)، سید شریف جرجانی، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، ص ۵۔

بحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۸۹۔

(۶) الدر المنتقی، علاء الدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۶۔

المہذب، (فقہ شافعی)، ابی اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، (م ۸۷۶ھ)

مطبع مصطفیٰ البابی العلبی، مصر، ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ع، ج ۱، ص ۳۷-۱۳۶۔

اس کی تجہیز کے اخراجات وضع نہیں کئے جائیں گے، اگرچہ زوجہ مالدار ہو، کیونکہ زوجہ سے تعلق زوجیت ہی کے سبب شوہر اپنی زوجہ کا وارث ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ (بخلاف عام حنفی ائمہ و فقہاء) اور امام مالک و احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ اگر زوجہ کا اپنا مال موجود ہو تو اس سے تجہیز و تکفین کی جائے اور اگر اس کا مال موجود نہ ہو تو امام مالک کے نزدیک زوجہ کی تجہیز و تکفین شوہر پر واجب ہے۔ امام محمد بن حسن الشیبانی بیت المال سے تجہیز و تکفین کے قائل ہیں، لیکن مفتی بہ اول قول ہے۔ ائمہ احناف کا البتہ اس میں اتفاق ہے کہ اگر شوہر تنگست ہو تو زوجہ کی تجہیز کے اخراجات بیت المال سے ادا کئے جائیں گے۔ اس مسئلہ میں شافعی مذہب یہ ہے کہ کفن کا محل ترکہ ہے اگر میت نے ترکہ نہ چھوڑا تو تجہیز اس کے ذمہ ہے جس کا ذمہ میت کا نفقہ ہے۔ امام احمد بن حنبل کا صحیح قول یہ ہے کہ شوہر پر زوجہ کی تجہیز و تکفین کے اخراجات کسی حال میں واجب نہیں۔ (۷) یہی مسلک اکثر اصحاب مالکیہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے۔ چنانچہ مالکیہ اور حنبلیہ مکاتیب فقہ کے نزدیک زوجہ کی تجہیز اس کے اپنے مال سے ہوگی، خواہ شوہر مالدار ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تجہیز و تکفین زوجہ کے نفقہ کی قبیل سے ہے جو مرد کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ چونکہ موت کے سبب نفقہ کا وجوب منقطع ہو جاتا ہے اس لئے تجہیز کی ذمہ داری بھی شوہر پر عائد نہیں کی جاسکتی، الا یہ کہ عورت کا مال (ترکہ) تجہیز کے لئے ناکافی ہو۔

نتیجہ فکر :

راقم الحروف کے نزدیک مالکیہ اور حنبلیہ کی یہ دلیل متناقض ہے، کیونکہ اس کا مقدمہ اولیٰ یہ ہے کہ تجہیز نفقہ کی قبیل سے ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ موت کے بعد تجہیز نفقہ کی جگہ لے گی، کیونکہ زندگی میں تو بہر حال تجہیز نفقہ کی نہ قائم مقام ہوسکتی ہے اور نہ اس کی جگہ لے سکتی ہے۔ اس

(۷) المیزان الكبرى (فقہ اربعہ)، عبدالوہاب الشعرانی (م ۱۹۷۳)، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبي،

مصر، ۱۳۵۹/۱۹۳۰ع، ج ۱، ص ۲۲۲۔

المحرر فی الفقہ الحنبلی، مجدالدین ابو البرکات، عبدالسلام (م ۱۹۵۲)، مطبع السنة المحمدیہ،

مصر، ۱۳۶۹/۱۹۵۰ع، ج ۱، ص ۱۹۲۔

لئے اگر تجہیز نفقہ کی قبیل سے ہے تو موت کے بعد واجب ہوگی ورنہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تجہیز موت کے بعد شوہر کے ذمہ واجب نہیں اور زندگی میں تجہیز کا کوئی محل نہ ہوگا تو نفقہ کی قبیل سے ہونے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے! اس لئے اگر مالکیہ اور حنبلیہ کا مقدمہ اولیٰ راست ہے تو تجہیز کی ذمہ داری بھی نفقہ کی طرح شوہر کے ذمہ واجب ہونی چاہئے۔

بالفاظ دیگر، زندگی میں زوجہ کی ضروریات کی تکمیل کے اخراجات کو نفقہ کہا جاتا ہے جب کہ مرنے کے بعد اس کی ضروریات کو تجہیز کا نام دیا گیا ہے۔ جس طرح زوجہ کی زندگی میں اس کی ضروریات کی تکمیل شوہر کے ذمہ تھی، اسی طرح زوجہ کے مرنے کے بعد اس کی ضرورت یعنی تکفین و تدفین کی تجہیز شوہر کے ذمہ ہونی چاہئے۔ حنابلہ کا یہ استدلال کہ یہ نفقہ کی قبیل سے ہے اور چونکہ نفقہ کی ذمہ داری زندگی تک ہے اس لئے مرنے کے بعد تجہیز کی ذمہ داری شوہر پر عائد نہ ہوگی، یوں بھی غلط ہے کیونکہ زوجہ کے انتقال کے فوری بعد رشتہ زوجیت اپنے اثر و نتیجہ کے اعتبار سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتا اور متعدد شرعی مقاصد کے لئے وہ قائم تصور کیا جاتا ہے بلکہ بعض شرعی مقاصد خود زوجہ کی موت سے شروع ہوتے ہیں جیسے کہ وراثت۔

میت کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی:

اگر میت کے ذمہ زکوٰۃ یا کفارہ ادا کرنا باقی ہے تو وہ، شافعی علماء کے نزدیک، تجہیز و تکفین سے پہلے ادا کرنا لازم ہے لیکن حنفی علماء کے نزدیک چونکہ موت کے بعد زکوٰۃ (یا کفارہ) میت کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے زکوٰۃ یا کفارہ کی ادائیگی لازم نہیں، البتہ اگر متوفی نے زکوٰۃ یا کفارہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو تجہیز و تکفین و ادائے قرض کے بعد جو مال باقی بچے اس میں سے تہائی کی حد تک بطور وصیت عمل کیا جاسکتا ہے۔ (۸) اس سلسلے میں تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

(۸) الشریفیہ (شرح سراجیہ)، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۔
الترکات و المیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسیٰ، مطبوعہ قاہرہ، ص ۱۱۳۔

۲ (ب) - میت پر دوسروں کا حق :

میت پر دوسروں کے جو حقوق ہوتے ہیں، فقہاء نے ان کی دو قسمیں بیان کی ہیں :-

۱ - حقوق اللہ -

۲ - حقوق العباد -

شریعت میں میت کے ذمہ حقوق کی مندرجہ بالا دو بڑی قسمیں ہیں - ایک حقوق اللہ مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ اور دوسرے حقوق العباد مثلاً دوسروں کے دیون (قرضے) وغیرہ۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مابین ترجیح :

اس سلسلے میں پہلا مسئلہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان وجوب و ترجیح کا ہے - احناف کے نزدیک حقوق اللہ میت کی وفات کے ساتھ ہی اس سے باہر طور متعلق نہیں رہے کہ مال متروکہ سے ان حقوق کی ادائیگی کے لئے شرعاً مال لیا جائے - مثال کے طور پر ایک مسلمان مر گیا، اس پر حج فرض تھا جو اس نے ادا نہیں کیا یا کفارہ واجب تھا جو اس نے پورا نہیں کیا یا زکوٰۃ واجب الادا تھی - یہ تمام وجوب و ذمہ داریاں اس کی وفات کے سبب اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئیں، الا یہ کہ اگر اس نے ان کی ادائیگی کے لئے وصیت کی ہو تو بمطابقت احکام وصیت ترکہ کی ایک تہائی کی حد تک عمل درآمد کیا جاسکتا ہے -

احناف کا نقطہ نظر :

احناف کے نزدیک حقوق العباد کی صورت حقوق اللہ سے مختلف ہے - شرعاً ان کی ادائیگی وراثت پر میت کے ترکہ میں سے لازم ہے - از روئے حکم قرآنی (۹) حقوق العباد کی ادائیگی اور وصیتوں کے اجراء کے بعد ہی وراثت کے درمیان میراث تقسیم کی جاسکتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ

میت کے ذمہ لوگوں کے حقوق اس کا جسم ٹھنڈا ہوجانے سے پہلے ادا کر دو (۱۰)۔
احناف اپنے اس موقف کی تائید میں چند دلیلیں پیش کرتے ہیں :-

- (۱) پہلی دلیل یہ کہ دین کی اصلیت اہل شرع کے عرف میں یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی ذمہ داری کی بناء پر مال دینا واجب ہو، مگر زکوٰۃ میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ اس مال کو بغیر کسی بدل کے دے دینا ہے۔ اسی بناء پر فقہائے احناف زکوٰۃ اور کفارہ کو ”دین“ شمار نہیں کرتے۔ (۱۱)
- (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے، اس لئے بندوں کا حق ہی ترکہ سے متعلق ہونا انسب ہے الا یہ کہ اگر مورث وصیت کر گیا ہو تو بندوں کے قرضوں کی ادائیگی کی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے وصیت پر عمل کیا جائے گا اور تجہیز و تکفین اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو ترکہ بچ رہے گا اس کے ایک تہائی کی حد تک بطور وصیت عمل کیا جائے گا۔ (۱۲)
- (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ عبادت میں مکلف کی نیت اور اس کا فعل رکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ موت کے ساتھ ہی اس کی نیت اور فعل دونوں فوت ہوجاتے ہیں جس کی بناء پر وجوب باقی نہیں رہتا۔ (۱۳) اس کے برخلاف حقوق العباد کی ادائیگی میں نیت اور فعل شرط نہیں۔ مثال کے طور پر قرض خواہ کے ہاتھ میں مقروض کا کوئی مال مقروض کی بلا اجازت آجائے تو وہ اس کو اپنے پاس رکھ کر قرض دار کے ذمہ قرض کے حساب میں محسوب کر سکتا ہے۔

(۹) ۱۱: ۴ (النساء م) ”من بعد وصیة یوسی بہا و دین۔“

(۱۰) التركة والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا ص ۱۱۲۔

(۱۱) احکام التركات و الموارث (فقہ عام)، ابو زہرہ، دارالفکر العربی، مصر، ص ۳۹۔

(۱۲) الدار المتقی، علاء الدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۶۔

(۱۳) المبسوط، امام سرخسی (۵۰۸۲)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔

تبیین الحقائق (شرح کنز الدقائق)، زبلی، امام فخرالدین عثمان (م ۵۷۳ھ)، (فقہ حنفی)،

الطبعة الاسیریہ مصر، ۱۰-۱۳۱۳ھ، ج ۳، ص ۲۳۰۔

ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر :

اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ اور امام ابن حزم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت سے حقوق اللہ کی ادائیگی ساقط نہیں ہوتی۔ چنانچہ مالکی فقہاء کے نزدیک حقوق العباد کے بعد حقوق اللہ ادا کئے جائیں گے۔ یعنی تجہیز و تکفین کے بعد لوگوں کے قرضے ادا کئے جائیں گے اس کے بعد حقوق اللہ مثلاً زکوٰۃ فطرہ اور کفارات، جن کا اقرار میت نے اپنی صحت کی حالت میں کیا ہو، ادا کئے جائیں گے، خواہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس کے برخلاف شافعی فقہاء حقوق اللہ کی ادائیگی کو حقوق العباد پر مقدم رکھتے ہیں جب کہ دونوں کی ادائیگی کے لئے ترکہ ناکافی ہو۔ حنبلی فقہاء حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ وہ دونوں کو ایک ساتھ (ترکہ کی مقدار کے مطابق) ادا کرنے کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ دین مطلق بالعين کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔ امام ابن حزم نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ شدت اختیار کی ہے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلے حقوق اللہ ادا کئے جائیں گے اس کے بعد حقوق العباد اور اس کے بعد میت کو کفن دیا جائے گا۔ اگر مال باقی نہ بچے تو اس کے کفن کی ذمہ داری ان پر ہوگی جو اس وقت موجود ہوں، خواہ قرضخواہان یا کوئی اور۔ (۱۴)

امام ابن حزم کی دلیل :

شافعی علماء اور امام ابن حزم جو ادائیگی کے معاملہ میں حقوق اللہ کو حقوق العباد پر ترجیح دینے کے قائل ہیں، اپنے نقطہ نظر کی تائید میں

(۱۴) التركة والميراث في الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، محوله بالا، ص ۱۱۳۔
البدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، الكلباني، امام علاء الدين (م ۵۵۸۷)، مطبعة الجمالية، مصر، ۱۳۲۸ھ ج ۲، ص ۵۳۔
احكام التركات و الموارث، ابوزهره، محوله بالا، مصر ص ۳۹-۳۷۔
الميزان الكبرى، علامه شعراني، مطبوعه مصر، ج ۱، ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔
المحل، ابن حزم (م ۵۴۵۶) مطبوعه مصر، ۱۳۵۲ھ ج ۶، ص ۳۰۹۔

حضور علیہ السلام کے ارشادات ”اللہ کا دین زیادہ مستحق ہے کہ ادا کیا جائے، اور ”اللہ کا دین ادا کرو کہ وہ ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔ (۱۵) پیش کرتے ہیں، -

تعزیه و نتیجہ فکر:

صاحب مشکوٰۃ نے کتاب ”المناسک“ میں صحیح بخاری و مسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک مرد حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی مگر وہ نذر پوری کئے بغیر مر گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟ حضور نے فرمایا کہ اگر تیری بہن پر کسی کا دین ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہ کرتا؟ اس نے جواب دیا کہ بے شک میں ادا کرتا۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ کا دین ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔ (۱۶) امام شافعی اور امام ابن حزم اس حدیث کے ظاہر معنی پر مسئلہ کی بنیاد رکھتے ہوئے حقوق اللہ کو حقوق العباد پر فوقیت دیتے ہیں، جب کہ حنفیہ صرف وصیت کی صورت میں حقوق اللہ کی ادائیگی پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس مرد کا فعل تبرعاً تھا، یعنی اس نے اپنی بہن کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا، جس سے اس فعل کا واجب ہونا لازم نہیں آتا۔

بہر کیف، اولیٰ یہ ہے کہ وراثت متوفی کے ذمہ واجب الادا زکوٰۃ کو ادا کر دین، ورنہ متوفی سے آخرت میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے ذمہ واجب الادا زکوٰۃ اپنی زندگی کے دوران کیوں ادا نہیں کی، یا مرنے کے بعد اس کی ادائیگی کی وصیت کیوں نہ چھوڑی۔

(۱۵) ”دین اللہ احق ان یقضی“ ”اقضوا اللہ فہو حق بالوفاء“، یہ احادیث مع اسناد ابن حزم نے اپنی مندرجہ ذیل تصنیف کی کتاب الصیام و الزکوٰۃ و الحج میں بالتفصیل روایت کی ہیں۔ المعلی، ابن حزم، ج ۶، ص ۳۰۹۔

(۱۶) ”عن ابن عباس قال اتی رجل النبی صلعم، فقال ان اختی نذرت ان تحج و انہامات فقال النبی صلعم لوکان علیہا دین اکت قاضیة قال نعم، قال فاقض دین اللہ فہو حق بالقضاء، (متفق علیہ) (بخاری، ج ۲، ص ۹۹۱، باب الایمان و النذور)۔

(۱۷) مشکوٰۃ المصابیح، اصح المطابع کراچی، صفحہ ۲۲۱ (حاشیہ)

میت پر دوسروں کے حقوق کی بھی دو قسمیں ہیں :-

(۱) قرض متعلق بالعين (نفس شئ) (۱۸)

قرض سادہ (عام)۔

قرض متعلق بالعين :

اگر قرض متعلق بالعين ہو یعنی قرضہ کسی خاص شئ سے متعلق ہو (مثلاً رهن) اور میت کی ملکیت میں سوائے مرہونہ شئ کے کچھ نہ ہو تو سب سے پہلے اس شئ (مرہونہ) کو فروخت کر کے (یا بطریق دیگر رهن سے چھڑا کر) مرتہن کا قرض ادا کیا جائے گا۔ یہ حق تجہیز پر بھی مقدم ہے کیونکہ اس کا تعلق بوجہ حق غیر ایسے معین مال سے ہے جس کا ابھی ترکہ میت میں شمار نہیں ہوا۔ (۱۹)

قرض سادہ (عام) بذمہ میت :

تجہیز و تکفین جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، میت کے ترکہ سے متعلق حقوق میں سب سے پہلا حق ہے۔ تجہیز و تکفین کے بعد میت کے ذمہ جو قرض واجب ہو اس کی ادائیگی کا ترکہ سے متعلق دوسرا حق ہوتا ہے۔ چنانچہ میت پر قرضہ ہونے کی صورت میں قرض خواہان کا حق وصولی کل ترکہ سے متعلق ہو جاتا ہے، (۲۰) اگر وہ قرض حالت صحت کا ہے یا دوران مرض صریح اقرار یا شہادت سے ثابت شدہ ہے۔ (۲۱)

(۱۸) Corpus of property.

(۱۹) ردالمحتار (شرح تنویر الابصار)، ابن عابدین، محمد امین (م ۱۲۵۲)، مطبع مصطفی البابی، مصر، ۱۳۲۷ھ ج ۱۵، ص ۵۳۵۔

(۲۰) ”کل حق للغير تعلق بعین التركة فانه مقدم علی تکفینہ کالدین المتعلق بالمرہون“، (الشریفہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۴۰)۔

”ثم يبدأ بقضاء دينه من جميع ماله الباقی بعد التجہیز و تکفین“، (الشریفہ، محولہ بالا، ص ۵)۔
”و علی کل فئتها ما يتعلق بعین التركة و بجزء منها مالا يكون كذلك بل هي ديون مرحلة متعلقه بالذمة و عدها، التركة و الميراث فی الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، محولہ بالا، ص ۱۱۲)۔

(۲۱) ”فان كان الكل دين الصحة اعني ما كان ثابتا بالبينه او بالاقرار فی زمان الصحة، الشریفہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶)۔

ادائی قرض وصیت پر مقدم ہے:

وصیت کے ذمہ قرضہ کی ادائی وصیت پر مقدم ہے۔ اگرچہ قرآن پاک میں بہ لحاظ ترتیب وصیت کا ذکر پہلے آیا ہے۔ (۲۲) لیکن اول تو قرآن پاک میں احکام کی ترتیب بیان ان کی تنفیذ میں تقدم و تاخر کا سبب نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی نے فرمایا کہ ”میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ آپ وصیت (کی اجرائی) سے پہلے قرضہ کی ادائی شروع فرماتے تھے۔“ (۲۳) قرضے کی وصیت پر مقدم ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ قرضہ کی ادائی فرض ہے جب کہ وصیت کرنا فی نفسہ ایک فعل تبرع (احسان کا معاملہ) ہے۔ ایسی صورت میں قرضہ کا وصیت سے پہلے ادا کرنا ظاہر ہے۔ (۲۴) قیاس بھی اس کا مقتضی ہے۔

قرضوں کی ادائی میں تقدم و تاخر:

فقہاء نے حقوق العباد کے سلسلے میں دین کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک دین الصحت اور دوسرے دین المرض۔ یہ تقسیم حنفی فقہاء کے نزدیک ہے جو حقیقت میں فقہی باریک بینی پر دلالت کرتی ہے۔ دین الصحت جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اپنی مشہور کتاب ”رد المحتار“ (جس کا حوالہ آگے آ رہا ہے) میں لکھا ہے کہ وہ قرض ہے جو شہادت سے ثابت شدہ ہو، خواہ وہ قرض حالت صحت کا ہو یا حالت مرض کا، دونوں صورتوں میں برابر ہے۔ نیز وہ قرض جو حالت صحت میں اقرار سے ثابت ہو وہ حالت صحت کا قرض کہلائے گا۔ اور جو قرض بحالت مرض موت وصیت کا اقراری ہو (یعنی شہادت یا معائنہ سے ثابت شدہ نہ ہو) وہ دین المرض کہلائے گا۔ جہاں تک ان دیوں کی ادائی کا تعلق ہے ان میں یہ فرق رکھا گیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد دین الصحت کو دین المرض کے مقابلہ میں ادا کرنے میں تقدم حاصل ہوگا۔

(۲۲) ”من بعد وصیة یوصون بہا اودین“، (۴ : ۱۲، النساء کل م)۔

(۲۳) ”وقد شہدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم الدین علی الوصیة“، (البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا ج ۸، ص ۳۸۹)۔

الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، جزء ۵، ص ۸۶، ۸۵۔
(۲۴) ”ولان الدین واجب ابتداء و الوصیة تبرع والبداءة بالواجب اولی“۔ (البحر الرائق، ابن نجیم محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۸۹)۔

المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔

الشریفیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۔

احکام الترتکات و الموارث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۳۷۔

لیکن دین المرض جو بحالت مرض موت میت کے صرف اقرار سے ثابت ہو اس کو وصیت شمار کیا جائے گا اور اس کے وصیت ہونے کی حیثیت سے ترکہ کی ایک تہائی کی حد تک قابل عمل ہوگا۔

علماء احناف نے یہ تفریق اس بنیاد پر کی ہے کہ اول تو اس دین کا سوائے اقرار میت بحالت مرض موت اور کوئی ذریعہ اس کے ثبوت کا نہیں، دوسرے مشاہدہ میں بارہا آیا ہے کہ لوگ بوقت مرگ اپنے مالی معاملات میں تغافل سے کام لے کر دوسرے مستحق ورثاء کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی محض اقرار میت بحالت مرض موت سے قرضہ ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے مشاہدہ کے بموجب انسان اپنے آخری وقت میں اللہ سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے اس لئے ان کے نزدیک اس کے اقرار کو جھوٹ کی تہمت سے محفوظ رکھتے ہوئے دین المرض کو دین الصحت کے برابر سمجھا جائے گا، اگرچہ دین المرض کے ثبوت میں میت کے اپنے اقرار بحالت مرض موت کے سوا کچھ نہ ہو۔ چنانچہ اس امر میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر تمام قرضے حالت صحت کے ہوں تو سب قرضوں کو مساوی درجہ میں ادا کیا جائے گا۔ کسی کو کسی پر تقدم حاصل نہ ہوگا لیکن اگر تمام دیون حالت مرض کے ہوں تو ان سب قرضوں کو مساوی طور پر ادا کیا جائے گا ادائیگی میں کسی کو کسی پر تقدم حاصل نہیں ہوگا۔ اس طرح اگر بعض قرضے حالت صحت کے اور بعض حالت مرض کے ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ مرض کی حالت کے قرضے گواہی یا حالت صحت کے اقرار سے ثابت ہیں یا صرف مریض کے بحالت مرض اقرار شدہ ہیں۔ اگر اقرار حالت مرض کے قرضے یا شہادت (ورثاء) کے مشاہدے کے ساتھ ثابت ہوں تو قرضہ صحت اور قرضہ مرض دونوں مساوی درجہ کے حامل ہوں گے۔ لیکن اگر قرضہ مرض صرف مریض کا اقرار شدہ ہو تو احناف کے نزدیک اسے قرضہ مرض الموت کے مقابلہ میں قرضہ صحت کی ادائیگی مقدم ہوگی۔ (۲۵) (اگرچہ قرضوں کے ساتھ حق ادا لازم ہونے میں قرضہ صحت اور قرضہ مرض دونوں برابر ہیں)۔ بطور مثال :

(۲۵) رد المحتار، محمد امین ابن عابدین (م ۱۲۵۲)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ھ ج ۱۵ ص ۵۳۶۔
الشریفیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۔

(۱) ایک شخص فوت ہو گیا اور بعد تہیز و تکفین مبلغ دو ہزار روپے ترکہ میں باقی بچا اور اسی کے بقدر قرضہ صحت ہے نیز قرضہ اقرار بحالت مرض ایک ہزار ہے (جس کی ماسوائے اقرار کوئی اور شہادت نہیں) تو احناف کے نزدیک قرضہ صحت پہلے ادا کیا جائے گا اور ترکہ باقی نہ ہونے کے سبب قرض خواہاں اقراری (بحالت مرض) محروم رہیں گے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں قرض خواہوں کو ان کے قرضوں کے تناسب سے ملے گا۔

(۲) اس کی ایک اور صورت یہ ہے کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور تہیز و تکفین کے بعد کل تین ہزار روپیہ نقد باقی چھوڑا۔ دو ہزار قرضہ صحت اور ایک ہزار قرضہ کا اقرار بحالت مرض ہے تو احناف کے نزدیک دو ہزار قرضہ بحالت صحت ادا کرنے کے بعد ایک ہزار کا تہائی بطور وصیت بحق قرض خواہ واجب ہوگا۔ (۲۶)۔ اقرار قرضہ مذکور بحالت مرض موت مریض پر حجت ہوگا نہ کہ وراثت کے خلاف بھی۔ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ دونوں قرضوں کو بطور قرض صحت ادا کرنے کے قائل ہیں اس صورت میں ان کے نزدیک وراثت کے لئے کچھ نہ بچے گا۔

ابو زہرہ کی تصریحات :

ابو زہرہ نے اپنی کتاب ”احکام التركات و الموارثت“ میں قرضوں کی ادائیگی کے تقدم و تاخر کے بارے میں لکھا ہے کہ جو قرضے اشیاء معینہ سے متعلق نہ ہوں وہ حالت صحت میں مشاہدہ، شہادت یا اقرار سے ثابت ہوں یا حالت مرض میں شہادت سے ثابت ہوں یا مریض نے مرض موت کی حالت میں کوئی ایسا عمل کیا جس کا سبب واضح تھا مثلاً کوئی شے خریدی یا کسی سے قرض لیا (جس کا علم ہر متعلق شخص کو ہوا) یہ تمام قرضے حالت صحت کے قرضوں کے درجے میں متصور ہوں گے، لیکن جو قرضے مرض کی حالت

(۲۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابو زہرہ محولہ بالا ص ۱۵ - ۱۴ -

میں محض مریض کے اقرار سے ثابت ہوں اور ان کی کوئی دوسری دلیل موجود نہ ہو، حالت مرض کے قرضے کہلائیں گے (۲۷)

یہ تفریق محض احناف کے نزدیک ہے، دیگر فقہاء کی کتابوں میں ایسی کوئی تفصیل موجود نہیں۔ ان کے نزدیک ہر قسم کے قرضے میت کے ترکہ سے مساوی درجہ میں متعلق ہوتے ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک اس ضمن میں احناف کا نقطہ نظر دقت نظری اور فقہی باریک بینی پر مبنی ہے اور قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔

ایک سوال؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مورث کی حالت مرض موت میں وراثہ کا حق جو اسواں مورث سے متعلق ہو جاتا ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ آیا وہ حق بطریق ملک ہے یا بطریق اعتراض۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ حق بطریق ملک ہے جب کہ دوسری جماعت کے نقطہ نظر کے مطابق یہ ایک حق اعتراض ہے جو بحالت مرض موت پیدا ہوتا ہے، البتہ موت کے بعد بطریق ملک "ثابت" ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں متاخرین کا نقطہ نظر زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وارث اپنا حق اعتراض میرث کے دوران حیات استعمال نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف ایک قرض خواہ اپنے حق اعتراض کو حالت مرض موت اور غیر حالت مرض موت دونوں حالتوں میں اپنے قرضہ کی حد تک استعمال کر سکتا ہے اور اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ قرض خواہ کا حق مورث کے اسواں کی مالیت سے بطریق ملک ثابت ہوتا ہے۔

دراصل مورث مرض الموت کی حالت میں جو مالی تصرف کرتا ہے ان تصرفات سے وراثہ کے حقوق کا اس طریقہ پر تحفظ کیا گیا ہے کہ وہ تصرفات مالی ترکہ کے ایک تہائی سے زائد نہ ہوں۔ الا یہ کہ وہ تصرفات مورث نے اپنی حاجت اصلی کی تکمیل کی غرض سے کئے ہوں۔ اسی طرح قرض خواہوں کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر تصرفات میں غبن فاحش یعنی

حد درجہ بے اعتدالی ثابت ہو تو وہ تصرفات ناجائز قرار پائیں گے، خواہ ترکہ قرض سے زائد ہو یا نہ ہو اسی طرح اگر مدیون نے اپنی حالت مرض موت میں کوئی جائداد کسی کو ہبہ یا بیع کی ہو جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ ہبہ یا بیع قرض خواہ کے حق کو متاثر کرنے کے لئے کی گئی ہے، تو قرض خواہ نہ صرف مورث کی زندگی میں بلکہ اس کی موت کے بعد بھی اس معاملت کو ناجائز قرار دلواسکتا ہے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک حقوق متعلق بہ ترکہ کی بحث میں سب سے پہلا درجہ حق متعلق بالعين کا ہے۔ اس کے بعد تجهیز و تکفین کا نمبر آتا ہے اور بعد ازاں حقوق العباد، یعنی قرضہ جات بذمہ میت کی ادائیگی کی جائے گی، بشرطیکہ وہ قرضہ شہادت، معائنہ یا میت کے اقرار بحالت صحت سے ثابت شدہ ہوں۔ حقوق اللہ میت کے ترکہ سے متعلق نہ ہونے کے سبب صرف وصیت کئے جانے کی صورت میں عمل پذیر ہو سکیں گے۔ یعنی حقوق العباد کے بعد وصیت اور سب سے آخر میں ورثاء کے درمیان ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

مالکیہ کے نزدیک حق متعلق بالعين کی ادائیگی اور تجهیز و تکفین کے بعد حقوق العباد (غیر متعلق بالعين) خواہ وہ دین الصحت ہو یا دین المرض ادا کئے جائیں گے۔ اس کے بعد حقوق اللہ، پھر وصیت اور اس کے بعد میراث کا درجہ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک تجهیز و تکفین کے بعد حقوق اللہ کو سب پر فوقیت ہے۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد خواہ قرضہ صحت ہو یا قرضہ مرض، اس کے بعد وصیت اور بعد ازاں میراث۔

حنبلیہ کے نزدیک سب سے پہلے تجهیز و تکفین، اس کے بعد قرض متعلق بالعين کی ادائیگی، پھر حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ایک ساتھ ادائیگی (ترکہ کم ہونے کی صورت میں بقدر تناسب کمی کے ساتھ)، پھر وصیت اور ما بعد میراث۔

ظاہریہ کے نزدیک سب سے پہلے حقوق اللہ ادا کئے جائیں گے پھر حقوق العباد اس کے بعد تہیز و تکفین، بعد ازاں وصیت اور پھر میراث۔

ادائی قرض تک ترکہ کی حالت:

احناف کے نزدیک میت کا ترکہ، کل یا جزء، جب تک اس سے قرض متعلق ہے وراثت کی ملکیت (تصرف) کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ جمہور احناف کے نزدیک جب دین (قرض) ترکہ پر محیط ہو تو وہ وارث کی ملکیت کا مانع ہوگا، اور جب محیط نہ ہو تب بھی۔ امام ابو حنیفہ کا ایک قول یہی ہے، البتہ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دین تمام ترکہ پر محیط نہ ہونے کی صورت میں مالک کی ملکیت کا کسی حالت میں مانع نہیں ہوتا، کیونکہ وارث ترکہ میں مورث کا نائب ہوتا ہے اور تمام مال میت کی حیات میں اس (میت) کا مملوکہ تھا، مع اس کے کہ وہ قرض کے ساتھ مشغول ہو، جیسا کہ مرہون ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ لہذا اسی طریقہ سے وارث کی ملکیت ہوگا۔ اس مسئلہ میں جمہور احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”من بعد وصیة یوصی بها اودین“ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے میراث کا وقت دین اور وصیت کی ادائیگی کے بعد مقرر فرمایا ہے۔ حکم اپنے وقت سے پہلے ثابت نہیں ہوا کرتا (لہذا وراثت کا حکم قرضوں کی ادائیگی سے پہلے ثابت نہ ہوگا)۔ بنا بریں (صرف) معنوی اعتبار سے قرض دار کا حال مورث کی حیات کے حال کے مطابق ہوگا۔ علاوہ ازیں وارث اس مال میں نائب ہوتا ہے، جو مورث کی حاجت سے فاضل ہو، لیکن جو مال میت کی حاجت میں مشغول ہو اس مال میں وارث اس کا خلیفہ نہیں ہوتا، چنانچہ اگر دین ترکہ پر محیط ہے تو مال مورث کی حاجت میں مشغول ہوگا اور اصیل کی موجودگی نائب کے حق میں ظہور حکم کے لئے مانع ہوگی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس حالت میں ترکہ بغیر مالک کے مملوک سمجھا جائے گا بلکہ دائن (قرض خواہ) کی ملکیت اس مال کی مالیت میں تصور کی جائے گی۔ یہ حکم مدیون (میت) کی حاجت کی بناء پر ہے۔ (۲۸)

جمہور شافعیہ کے نظریہ کے مطابق مورث کے فوت ہوتے ہی ترکہ

(۲۸) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔

کی ملکیت وراثت کی طرف منتقل ہو کر ثابت ہو جاتی ہے، لیکن ترکہ سے قرضوں کا تعلق قائم رہتا ہے۔ ان کے نزدیک ترکہ کا میت کی حاجت میں مشغول رہنا وراثت کی ملکیت کے تحقق کے لئے مانع نہیں ہوتا، جس طرح کہ مورث کی زندگی میں اس کے مال سے رہن کا تعلق اس کی ملکیت میں مانع نہیں ہوتا۔ البتہ ادائیگی حقوق کے وقت قرض خواہان کا حق وراثت کے حق پر مقدم ہوگا۔ امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت بھی اسی کے مطابق ہے اور شیعہ امامیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲۹)

اسلامی قانون کی انفرادیت :

اسلامی قانون غالباً دیگر نظام ہائے قانون کے مقابلے میں منفرد قانون ہے جو میت کے مفادات و ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو ایک قانونی حیثیت دیتا ہے اور اس غرض کے لئے میت کو حکمی طور پر زندہ تصور کرتا ہے۔ چنانچہ حکمی طور پر اس کو اس وقت تک زندہ تصور کیا جاتا ہے جب تک اس کی ضروریات پایہ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں۔ یعنی اس کی تہییز و تکفین اور تدفین، اس کے ذمہ قرضوں کی ادائیگی، وصیتوں کا اجراء، وصول طلب قرضوں کی وصولی اور وراثت میں ترکہ کی تقسیم کے امور مکمل نہ ہو جائیں۔ گویا وہ اس وقت تک حکماً زندہ تصور کیا جاتا ہے جب تک کہ اس کے ترکہ سے متعلق جملہ شرعی امور انجام کو نہ پہنچ جائیں۔ اس کی بناء پر یہ ہے کہ اسلامی قانون محض ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ اس دنیا میں تعلقات ظاہری ہی کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ انسان کے اس کی زندگی میں اور موت کے بعد خدا سے تعلق کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

بطور مثال میت کے ذمہ قرضوں کی عدم ادائیگی اس کی اخروی نجات کے لئے ایک رکاوٹ ہے، اس لئے مرنے کے باوجود اس کی ضرورت۔ قرضوں کی ادائیگی قائم رہتی ہے اور جب تک اس کی ضروریات قائم رہتی ہیں اس کو حکماً زندہ تصور کیا جاتا ہے۔

صاحب کفایہ شارح ہدایہ نے لکھا ہے کہ ”میت کے قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے اجراء کی ضروریات کے تعلق سے ہم میت کو زندہ اور اپنی جائداد و املاک کا (حکماً) مالک تصور کرتے ہیں۔ (۳۰)“

تقریباً یہی بات صاحب عنایہ (۳۱) اور ابن عابدین دوم (۳۲) نے بھی لکھی ہے۔

اصول فقہ کے ماہرین (اصولیین) بھی میت کی قانونی شخصیت کو بالکل معدوم تصور نہیں کرتے، کیونکہ میت کے حقوق اور مالی ذمہ داریاں فی الفور معدوم نہیں ہو جاتیں۔ چنانچہ موت کے باوجود وہ شخص ان حقوق کا جن کا انشاء (وجود) اس کی زندگی میں متحقق ہو چکا تھا، مستحق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زندگی میں جال لگایا اور مرگیا، اور بعد مرگ اس جال میں شکار آپہنسا تو وہ شکار متوفی کی ملکیت ہوگا یا زمین میں پودا لگایا، بعد مرگ بار آور ہوا، وہ پودا و پھل متوفی کی ملکیت میں شمار ہوگا۔ اسی طرح وہ مالی ذمہ داریاں جو زندگی میں پیدا ہو چکی تھیں، محض موت کے سبب ساقط نہیں ہوتیں، ان کی ادائیگی اور تکمیل کی ذمہ داری بھی اس کے ترکہ پر قائم رہتی ہے۔ یعنی وہ ذمہ داریاں اس کی ذات سے اس کے ترکہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، (۳۳)

(۳۰) کفایہ (شرح ہدایہ)، محمود بن عبید اللہ (م ۵۷۴)، مطبوعہ بمبئی، ۱۲۷۹ھ، ج ۳، ص ۳۰۰۔

”ولہذا قدرنا المیت بعد موتہ حیا و مالکا لاموالہ فیما یحتاج الی قضاء دینہ و تنفیذ وصیتہ۔“

(۳۱) عنایہ (شرح ہدایہ)، الباہرتی، اکمل الدین محمد ابن محمود (م ۵۷۸)، مطبوعہ کلکتہ،

۱۸۳۰ھ، ج ۳، ص ۱۳۷۔ ”انزلنا المیت حیا فی حق بقاء التركة علی حکم ملکہ فیما اذا کان

علیہ دین مستغرق و فی حق تجهیز التکفین و تنفیذ الوصایا فی الثلث۔“

(۳۲) قرۃ العیون الاخیار (ردالمختار، ابن عابدین دوم، محمد علاء الدین (م ۱۳۰۶ھ) مطبوعہ مصر،

۱۲۹۹ھ، ج ۲، ص ۳۶ (المیت یعطی حکم الحی فی الاشیاء التجهیز و التکفین و قضاء الدین

و تنفیذ الوصیة۔)۔

المبسوط، سرخسی، محولاً بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔ ”لیکون حال الدین کحال حیات المورث فی

المعنی و لکن تبقى ملكية المديون فی ماله حکماً لبقاء حاجتہ۔“

(۳۳) التركات و الميراث فی الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، محولہ بالا، ص ۷۲۔

”والدين يتحول من الذمة الی التركة، (كشف الاسرار (شرح بزدوی)، عبدالعزیز ابن احمد

(م ۵۷۳)، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۳۰۸ھ، ج ۳، صص ۲۰-۳۱۱۔

”والذمة خربت بالموت فان ترک مالا انتقل الدین الیہ، (منار الانوار، النسفی، عبد الله ابن

احمد ابن محمود (م ۵۷۱)، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۳۱۳ھ، ص ۳۳۹۔

”لان الدین بالذمة يتعلق بالتركة اذ الذمة خربت بالموت، (درر الاحکام، ملا خسرو، محمد ابن

فراس ز (م ۸۸۵)، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۳۲۰ھ، ج ۲، ص ۳۵۱۔

احکام التركات و الموارث، ابو زهرہ، محولہ بالا، ص ۲۹۔

اگر ترکہ موجود ہو۔ اسی بناء پر اسلامی فقہ میں حق المیت اور ”دین علی المیت“ کی اصطلاحیں برابر استعمال کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر جو قرض اس کی ذات پر واجب تھا وہ اب (بسبب وفات) اس کے ترکہ کی مالیت سے متعلق ہو گیا۔ چنانچہ قرض خواہ کا حق اس کے ترکہ کی مالیت سے متعلق ہو کر زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔

چونکہ موت کے سبب وہ شخص ادائیگی قرض سے بالکل عاجز ہو جاتا ہے اس لئے اس کے مفادات کی نگہداری اور ضرورتوں کی تکمیل کی ذمہ داری ”اس کے ترکہ کی حد تک“، اس کے ورثاء پر عائد ہو جاتی ہے۔ جس طرح مرض الموت ”جنون، نابالغی اور غائب (غیر مفقود) ہو جانے کے سبب اس کے حقوق و فرائض کی تکمیل کی ذمہ داری اس کے ولی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے یا جس طرح مرض الموت کے دوران قرض خواہان اور ورثاء کے حقوق اس کے ترکہ سے متعلق ہو جاتے ہیں اسی طرح موت کے بعد کی بھی صورت ہوتی ہے۔

قرآن پاک نے صاف و صریح الفاظ میں ورثاء کے حق کو ”من بعد وصیة یوصون بہا اودین“، فرما کر میت کے مفاد اور ضرورت کو اولیت دی ہے۔ اسی بناء پر فقہاء شافعیہ اور امامیہ قرض خواہان (اور وصی لہ) کے موجود ہونے کی صورت میں میت کے کل ترکہ کو ”رهن شرعی“، (۳۴) قرار دیتے ہیں۔ (۳۵) اور میت کے اسی مفاد و ضرورت کے اصول کے تحت ان کے نزدیک موجل قرضہ موت کے سبب فوری واجب الادا ہو جاتا ہے۔ (۳۶) اور اسی ضرورت کے سبب ترکہ کو میت کی حکمی ملکیت میں تصور کیا جاتا

(۳۴) رهن شرعی کی اصطلاح رهن عام سے مختلف ہے۔ رهن عام یا سادہ متعلق بالعین یعنی کسی مخصوص شے سے متعلق ہوتا ہے جب کہ رهن شرعی کی اصطلاح متروکہ کی مالیت سے بحکم شرعی متعلق کی گئی ہے۔

(۳۵) ”الترکہ انما جعلت رہنا بدین المیت نظراً لِحاجتہ . . . احوط للمیت ان یمتنع علی هذا تصرف الوارث فیہ جزماً“ (نہایۃ المحتاج، للربلی، محمد ابن احمد (م ۱۰۰۳ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۲ھ، ج ۳، ص ۳۹۵۔

(۳۶) کتاب الام، الشافعی، محمد ابن ادريس، (م ۲۰۳ھ) مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر، ۱۹۶۱ع ج ۳، ص ۲۱۲۔

ہے۔ (۳۷) چنانچہ میت کی حاجتوں کی تکمیل کی شرط کے ساتھ ترکہ میں ورثاء کا حق متعلق ہوتا ہے، جیسا کہ متعدد کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ (۳۸)

نتیجہ فکر:

اگرچہ شافعی فقہاء حنفیوں کے ”حکمی حیات“ کے تصور کو کلی طور پر قبول نہیں کرتے لیکن وہ میت کے حاجتوں اور ان کی تکمیل کے منکر نہیں۔ وہ اس لئے ”رهن شرعی (Legal mortgage) کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ میت کے ذمہ قرض ہونے کی صورت میں (باعبار مالیت) تمام ترکہ (بعد تجہیز و تکفین) قرض خواہاں کے حق میں خود بخود میت کی ضرورت کے سبب ”من جهة الشرع“ رهن ہوجاتا ہے۔ (۳۹) جس کے نتیجہ میں ورثاء اس وقت تک اپنے حقوق ملکیت آزادانہ طور پر استعمال نہیں کر سکتے، جب تک کہ وہ میت کے ترکہ میں سے تمام قرضے اور واجبات ادا نہ کر دیں۔

اگرچہ شافعی فقہاء اس موقع پر ایک مختلف اصطلاح استعمال کرتے ہیں لیکن وہ بالنتیجہ حنفیہ سے متفق نظر آتے ہیں۔ دراصل احناف کے نزدیک موت کے سبب قرضہ ذمہ میت سے منتقل ہو کر ترکہ میت سے متعلق ہوجانے کا یہ

(۳۷) ”ان التركة قبل القسمة مبقاة علی ملک الميت“ (المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔
”حوائجہ و قضاء الدین منها ولا یزول ملکہ“ (کفایہ، محمود بن عبید اللہ، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۷۔

”المیت جعل کا المالك حکماً لقیام حاجتہ الی قضاء دیونہ“ (عنایہ، بابر تری، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۷۳، اسی قسم کا مضمون جلد ۳، ص ۲۰۰ پر بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۳۸) ”حق الورثة یتعلق بالترکہ بشرط الفراغ عن الحاجة“ (الهدایہ، مرغینانی، برهان الدین (م ۵۰۹۳)، قرآن محل کراچی، ج ۳، ص ۲۳۲ (کتاب الاقرار)۔

”حق الورثة یتعلق بالترکہ الا بعد الفراغ عما یحتاج الیه (المیت)“، القہستانی، شمس الدین محمد (م ۵۹۰۰) جامع الرموز، مطبوعہ کازان، ۱۸۹۸ع، ج ۳، ص ۴۰۰۔

”ثم اجماع المسلمین ان لا وصیة ولا میراث الا بعد الدین“، (کتاب الام، شافعی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۰۰۔

”ولا یسلم للوارث شیئی من التركة الا بعد قضاء الدین“، (المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۵۹۔

”والوارث انما یتحق المیراث اذا استغنی المورث“، (البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۸۸۔

(۳۹) ۳۵ ما سبق۔

مطلب ہے کہ قرضہ ترکہ کی قیمت و مالیت سے متعلق ہوجاتا ہے نہ کہ خود اصل اشیاء سے۔ شافعی فقہاء قرضہ کے ترکہ میت سے متعلق ہوجانے کے سلسلہ میں ”رہن شرعی“ کی جو اصطلاح استعمال کرتے ہیں وہ ”عام یا سادہ رہن“ کی اصطلاح سے مختلف ہے کیونکہ عام رہن میں قرضہ کا تعلق براہ راست اس شے یا اشیاء سے قائم ہو جاتا ہے جو قرضہ میں رہن کی گئی ہوں، جب کہ رہن شرعی میں ایسی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ دراصل شافعی فقہاء اس اصطلاح کے استعمال سے قرضہ اور ترکہ میت کے درمیان تعلق کو استحکام بخشنا چاہتے ہیں۔ ان کی اس مخصوص اصطلاح کے پیش نظر رہن کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں ایک رہن شرعی اور دوسری رہن العباد، کیونکہ رہن شرعی کی اصطلاح اس امر کی مقتضی ہے کہ بلا نیت و فعل شخص شرع رہن کا اعتبار کرے جب کہ رہن العباد کی صورت میں رہن فریقین (راہن و مرتہن) کے مخصوص عمل سے وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ نتیجہ کے اعتبار سے شافعی فقہاء کی اصطلاح میں رہن شرعی کا تعلق صرف ترکہ کی قیمت و مالیت سے ہی قائم تصور کیا جاسکتا ہے نہ کہ اصل شے سے۔ بنا بریں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ باعتبار نتیجہ احناف اور شافعیہ کے درمیان قرضوں کے ترکہ میت سے متعلق ہوجانے کے نقطہ نظر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ (۴۰) مالکی فقہاء کے یہاں بھی تقریباً یہی صورت ہے۔ اگرچہ وہ بین طور پر ”حکمی حیات“ کے قائل نہیں ہیں اور ان کے نزدیک مورث کے مرنے ہی اس کے ترکہ میں ورثاء کا حق ملکیت قائم ہوجاتا ہے، لیکن ورثاء اس میں تصرف نہیں کرسکتے تا وقتیکہ تمام قرضہ جات وغیرہ ادا نہ ہوجائیں۔ بالفاظ دیگر، مورث کی وفات کے وقت سے ورثاء کا حق ملکیت متروکہ میں قائم ہوجاتا ہے لیکن جب تک قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کا اجراء نہ ہوجائے اس وقت تک وہ اپنے حصص تقسیم کرسکتے ہیں اور نہ فروخت کرنے کے مجاز ہیں۔ ایک لحاظ سے مالکی و شافعی نقطہ نظر کے بموجب نتیجہ کے اعتبار سے بھی تا ادائیگی قرضہ ورثاء کی ملکیت موقوف کہی جاسکتی ہے کیونکہ وہ اس میں تصرف کے مجاز نہیں ہیں۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک بھی یہی صورت ہے۔

(۴۰) کتاب الام، امام شافعی، محولہ بالا، جلد ۴، صص ۱۰۱ - ۱۰۰ (ماخوذ)۔

اس مسئلہ میں شیعہ امامیہ کا مسلک حنفی اور شافعی نظریات کا مرکب ہے۔ وہ احناف کی متابعت میں میت کو ”حیاً تقدیراً“ یعنی میت کو حکمی طور پر زندہ اور متروکہ کا مالک تصور کرتے ہیں، اور شافعی نقطہ نظر کے مطابق متروکہ کو شرعاً مرہونہ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک بھی قرضہ جات وغیرہ کی ادائیگی تک وراثت مالک نہیں ہوتے بلکہ وہ (اس وقت تک کے لئے) واجبات کی ادائیگی اور جائداد کا انتظام کرتے ہیں، جب تک قرضہ جات وغیرہ ادا نہ ہو جائیں۔

ترکہ کی مختلف حالتیں اور وراثت کے تصرفات :

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب ترکہ کی مختلف حالتوں اور ان سے متعلق وراثت کے احکام تصرف کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ ترکہ کسی صورت میں تین حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا :-

(۱) ایک یہ کہ وہ قرضوں اور وصیتوں کے مساوی ہو،

(۲) دوسرے یہ کہ ان سے کم ہو، اور

(۳) تیسرے یہ کہ ان سے زیادہ ہو۔

اگر ترکہ قرضوں اور وصیتوں کے مساوی ہے تو وراثت کا حق مالکیت متروکہ میں قائم ہونے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۴۱) وراثت کے حق ملکیت کے تعلق سے یہی صورت اس وقت ہوگی جب کہ میت کا ترکہ قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کی تکمیل کے لئے کافی نہ ہو۔

پہلی صورت میں جب کہ میت کا متروکہ (مال) اس کے قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے اجراء کے لئے کافی ہو تو وراثت ان قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے اجراء کا انتظام کرنے کے مستحق ہوں گے۔ دوسری صورت میں جب کہ

(۴۱) ”الترکہ مستفرقة بالدين حتى لا يبقى للوارث بعد الدين“ (فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ فتاویٰ

عالمگیری، قاضی خان، فخرالدین الحسن ابن منصور، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، ص ۵۵۸

”ان الدين يمنع وقوع الملك للوارث“، (الهدایة، کتاب الصلح (حاشیہ) مرغینانی، محولہ بالا،

ج ۳، ص ۲۵۷۔

متروکہ میت کے دیون و وصایا کی تکمیل کے لئے ناکافی ہو تو وراثہ کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ اس متروکہ میں کسی قسم کا تصرف کریں، خواہ وہ بذمہ میت قرضوں کی ادائیگی ہی کے لئے کیوں نہ ہو، الا بہ کہ قرض خواہ کی رضامندی حاصل کر لی گئی ہو۔ (۴۲) ایسی صورت میں صرف حاکم عدالت یا وصی (جس کو میت نے مقرر کیا ہو) اس میں تصرف کا مجاز ہوگا۔ (۴۳) وراثہ فروخت کرنے، تصفیہ کرنے یا آپس میں جائیداد تقسیم کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ (۴۴) اگر ایسا کریں گے تو ان کا فعل باطل ہوگا کیونکہ وہ سرے سے اس جائیداد کے مالک ہی نہ تھے۔ (۴۵) البتہ قرض خواہاں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ چاہیں تو اس معاملت سے کلیتاً انکار کر دیں یا اس (بیع) کو جائز تسلیم کر لیں۔ سوخرالذکر صورت میں اگر بیع بازار کی صحیح قیمت کے مطابق ہے تو وہ وارث سے قیمت حاصل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ وارث اگر قیمت فروخت قرض خواہ کو ادا نہ کرے تو وہ خریدار سے طلب کرنے کے مجاز ہونگے اور خریدار اسکا ذمہ دار ہوگا۔ (۴۶)

ایسی صورت میں خریدار وارث (بائع) کے خلاف نقصان کی پابہ جائی کا حق رکھتا ہے۔ اس کی مثال بیع فضولی کی ہے۔ کیونکہ وارث نے ایک ایسی شے کی بیع کی جس میں وہ حق ملکیت نہ رکھتا تھا اور تصرف کا مجاز نہ تھا کیونکہ اس شے سے قرض خواہاں کا حق متعلق ہو چکا تھا۔ البتہ اگر وراثہ

(۴۲) "اذا كان الدين مستغرقاً للتركة فلان الورثة لا يملكون التركة ولا ينفذ تصرفهم فيها، (المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۱۵، ص ۵۹)۔"

(۴۳) "لان ولاية البيع للقاضي اذا كانت التركة قد احاط بها الدين ولا يملك الوارث البيع، (البحر الرائق، ابن نجيم، محولہ بالا، ج ۲، ص ۵۲، مسائل شتی)۔"

(۴۴) "وان كان على الميت دين مستغرق لا يجوز الصلح ولا القسمة لان التركة لم يملكها الوارث، (الهداية، مرغینانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۷ - کتاب الصلح)۔"

"لو على الميت دين مستغرق لم يجوز الصلح ولا القسمة اذ وارثه لم يملك تركته، (جامع الفصولین، قاضی سماوہ، محمود بن اسرائیل (م ۵۸۲۳)، مطبوعہ بولاق مصر، ۱۳۰۰ھ، ج ۲، ص ۲۳)۔"

(۴۵) البحر الرائق، ابن نجيم، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۶۲۔

(۴۶) "بيعة الوارث موقوف على رضا الغرماء، (ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۲۹۳ھ، محولہ بالا، جلد ۴، ص ۵۲۷)۔"

چاہیں تو وہ تمام جائداد کو واگزار کرانے کا اختیار رکھتے ہیں اور تمام قرضے ادا کر کے جائداد کے مالک ہو سکتے ہیں (نہ کہ بقدر مالیت جائداد)۔ چنانچہ اگر وراثہ ایسا کریں تو قرض خواہاں قرضہ کی ادائیگی قبول کرنے کے پابند ہوں گے وہ ترکہ کی کسی مخصوص شے کا دعویٰ نہیں کر سکتے کیونکہ حق وصولی قرض دراصل متروکہ کی ”مالیت“ سے متعلق ہے۔ ترکہ کی کسی ”مخصوص شے“ سے متعلق نہیں ہے، مگر ایسی صورت میں لازم ہے کہ وراثہ کل قرضے ادا کریں محض ترکہ کی مالیت کے بقدر ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔

اگر ترکہ ذمہ داریوں سے زائد ہو یعنی قرضہ کی ادائیگی اور وصیت کی تکمیل کے بعد ترکہ میں سے کچھ بچ رہتا ہو جس کے وراثہ مستحق قرار پائیں تو ایسی صورت میں وراثہ کی ملکیت اور تصرف کے استحقاق کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں :-

۱ - پہلا نقطہ: نظر ”بربنائے قیاس“ یہ ہے کہ جب تک تمام قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کی تکمیل نہ ہو جائے اس وقت تک وراثہ اس (متروکہ) کے مالک قرار نہیں دئے جا سکتے۔ کیونکہ قرضے یا وصیت کسی مخصوص شے یا ترکہ کے مخصوص (علیحدہ شدہ) حصے سے متعلق نہیں ہیں بلکہ کل ترکہ میں ان کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور چونکہ میت کی حاجتیں (قرض و وصیت) موجود ہیں لہذا حکمی طور پر اس کو زندہ تصور کیا جائے گا اور اس کی حاجتوں کی تکمیل کے بعد ہی وراثہ تصرف کے مجاز ہوں گے۔ چنانچہ وراثہ نہ بیع کر سکتے ہیں اور نہ خود آپس میں تقسیم یا تصفیہ کر سکتے ہیں تاآنکہ میت کے ذمہ تمام قرضوں کی ادائیگی اور اس کی وصیتوں کی تکمیل نہ ہو جائے۔ (۴۷)

۲ - دوسرا نقطہ نظر ”بربنائے استحسان“ یہ ہے کہ اگرچہ وراثہ کی ملکیت کا براہ راست سبب ایسا ترکہ ہے جس میں دوسرے کا حق متعلق نہ ہو لیکن اگر قرضہ مقدار میں تھوڑا ہو جس کے لئے آسانی سے ترکہ کا ایک حصہ

علیحدہ کر کے باقی ترکہ وراثہ تقسیم کر لیں تو یہ میت کے حق میں بھی بہتر ہوگا، کیونکہ اب جائداد کے اتلاف کے خود وراثہ ذمہ دار ہوں گے۔ نیز ترکہ کی ملکیت موقوف نہ رہے گی جو نہ صرف قرض خواہان بلکہ وراثہ کے حق میں بھی ضرر رساں ہے۔ چنانچہ اگر ترکہ کا کوئی حصہ دین میں مشغول ہو تو اس حصہ کی حد تک وراثہ مالک اور تصرف کے مجاز نہ ہوں گے البتہ غیر مشغول حصہ میں وہ تصرف کے مجاز ہوں گے۔

فقہاء کی اکثریت اس نظریہ کی تائید میں نظر آتی ہے کہ وہ قرضے جو میت کے متروکہ سے ادا کئے جائیں گے ان کی نوعیت ان قرضوں کی سی ہے جو کسی مرہونہ شے سے متعلق ہوں۔ جس طرح راہن شے مرہونہ میں مالک ہونے کے باوجود اس کی بیع نہیں کر سکتا، اسی طرح وراثہ بھی بیع نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر متروکہ کافی سے زائد ہو تو اس صورت میں قرضہ کی ادائیگی کا مناسب انتظام کرنے کے بعد وراثہ کے باقی ترکہ میں مالکانہ تصرف کرنے سے قرض خواہان کو ضرر پہنچنے کا احتمال نہیں رہتا اور میت کی حاجتیں بھی تکمیل پذیر ہو جاتی ہیں۔ لہذا ما بقی ترکہ کی تقسیم میں کوئی مضائقہ نہیں۔ راقم الحروف کا نقطہ نظر بھی اس سے متفق ہے۔ حکم قرآنی ”من بعد وصیة یوصی بہا اودین“، کا مقصود وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد وراثہ کے حصوں کی تقسیم عمل میں لانا ہے، جس سے وراثہ کے درمیان تقسیم ترکہ کو قبل از ادائیگی قرض و وصیت روکنے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہوں کے حق معرض خطر میں نہ پڑ جائیں۔ لیکن اگر قرض کے بقدر ترکہ کا ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا اور باقی ترکہ وراثہ میں تقسیم ہو جائے تو اس سے قرض خواہان کا حق متاثر ہونے کا خطرہ باقی نہیں رہتا، بشرطے کہ تمام قرضے حقیقتاً ادا کر دئے جائیں۔

چنانچہ اگر ترکہ قرضوں سے زائد ہو تو وراثہ قبل از تقسیم متروکہ کی ملکیت میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی وارث دوسرے وراثہ کی اجازت کے بغیر ان کے حصے بھی منتقل کر دے تو اس کا فعل ناجائز ہوگا، البتہ اس کو اپنے حصے کی حد تک بیع کا اختیار ہے، بشرطے کہ قرض خواہان کے لئے ترکہ

کا مناسب حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہو اور قرضہ حقیقتاً ادا بھی کر دیا جائے۔ اسی طرح ایک وارث میت کا کل حق جو کسی کے ذمہ واجب ہو وصول کرنے کا مجاز نہیں۔ چنانچہ اگر میت کے مقروض نے کسی ایک وارث کا حصہ دوسرے کو دے دیا تو دوسرے ورثاء کا حق ساقط نہ ہوگا، وہ اب بھی مقروض سے اپنے حصے کے بقدر مطالبہ کر سکتے ہیں۔

اس صورت میں جب کہ ترکہ قرضوں سے زائد ہو اور ورثاء آپس میں تقسیم کر لیں اور بعد کو کوئی نیا قرضہ میت کے ذمہ ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں قرض خواہ کو اس تقسیم یا بیع کے باطل قرار دلانے کا حق حاصل ہوگا، الا یہ کہ اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے۔ (۴۸) مصری قانون کے تحت اس قسم کے دعویٰ کی ميعاد سماعت مورث کی وفات سے تین سال تک مقرر کی گئی ہے۔ یہی مدت پاکستانی قانون کے تحت ہے۔ اس مدت کے تعین میں کوئی قباحت نہیں نظر آتی، کیونکہ ایک غیر معینہ عرصہ تک ترکہ میت کو ”کھلا“ نہیں رکھا جا سکتا البتہ مدیون اور دائن کے درمیان تعلق قرض بہر حال قائم رہیگا جس کے لئے مدیون آخرت میں مواخذہ دار ہوگا۔

نتیجہ فکر:

سندرجہ بالا بحث و نظر سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ترکہ قرضہ سے زائد ہونے کی صورت میں اگرچہ ورثاء متروکہ کے مالک متصور ہوتے ہیں لیکن ان کو متروکہ میں قطعی حقیقت (absolute title) حاصل نہیں ہوتی اور اسی لئے وہ دوسرے کو بھی اپنی حقیقت منتقل نہیں کر سکتے الا یہ کہ تمام قرضے ادا کر دئے جائیں۔ چنانچہ جب تک قرضے واجب الادا ہیں، خواہ ورثاء کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، مشتری کو وارث بائع سے مکمل اور قطعی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی، اور قرض خواہان بیع کو منسوخ کرانے کے مجاز ہوں گے۔

قرض خواہان کے حقوق جو میت کی زندگی میں اس کی ذات سے متعلق تھے اس کے مرنے کے بعد از روئے قانون جائداد کی مالیت سے متعلق ہو جاتے

(۴۸) جامع الفصولین، قاضی سناوہ، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳-۲۴۔

ہیں۔ جائداد قرض خواہان کے قرضہ کے عوض بلا تخصیص رہن متصور ہوتی ہے۔ چنانچہ شافعی اور شیعہ علماء کا نقطہ نظر قرض خواہان کے حق میں اپنے اندر زیادہ تحفظ کا حامل ہے کہ قرضوں کی ادائیگی سے قبل وراثت کا جائداد کا دوسرے کے حق میں منتقل کر دینا باطل ہوگا۔ لیکن مصالح عامہ کے حصول کی خاطر حنفی اور مالکی فقہاء اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطے کہ قرضے ادا کردئے جائیں۔ لیکن دونوں نقطہ ہائے نظر میں اپنے اثر کے اعتبار سے وہی فرق ہے جو باطل (void) اور قابل ابطال (voidable) میں ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں حنفی نقطہ نظر مصالح عامہ سے زیادہ قریب ہے۔

اسلامی اور مغربی قوانین انتقال جائداد میں فرق :

عہد حاضر میں اسلامی قانون انتقال جائداد اور مغربی قانون انتقال جائداد کے درمیان ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے میت کے وارث سے میت کا متروکہ بالعوض حاصل کر لیا جب کہ میت کے قرضے ادا نہ کئے گئے ہوں تو شریعت اسلامی کے تحت وہ مشتری قطعی حقیقت حاصل نہیں کر سکتا۔ قرض خواہان اس بیع کو منسوخ کرا سکتے ہیں۔ اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وارث قرض سے واقف تھا یا نہیں، خواہ خریدار نے نیک نیتی کے ساتھ ہی جائداد کیوں نہ خریدی ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خود وارث کو قطعی ملکیت حاصل نہیں، اس لئے وہ قطعی ملکیت کیوں کر منتقل کر سکتا ہے! الا یہ کہ تمام قرضے ادا کردئے جائیں۔ یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی ہے کہ: ”تا ادائیگی قرض میراث نہیں ہے“، (۴۹) جو حکم قرآنی وومن بعد وصیۃ یوصی بہا اودین، (۵۰) پر قائم ہے۔ تاکہ میت کے ذمہ دوسروں کے جو حقوق ہیں وہ پہلے ادا ہو جائیں اور میت کی روح عذاب آخرت سے نجات پائے۔ اس کے برخلاف مغربی قانون انتقال جائداد کے تحت مندرجہ بالا صورت میں ایسی جائداد میں جو نیک نیتی کے ساتھ خریدی گئی ہو، خریدار کا حق ملکیت متاثر نہ ہوگا۔

خریداری بہ نیک نیتی کا اصول اور شرعی اطلاق :

اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ جس شخص نے نیک نیتی کے ساتھ

(۴۹) لا میراث قبل قضاء الدین -

(۵۰) ۱۱: ۴ (النساء م) -

جائداد حاصل کی ہو، قرض خواہ قرضے کی عدم ادائیگی کے سبب اس بیع کو منسوخ کیوں کر کر سکتا ہے؟ مغربی قانون کے تحت نیک نیتی کے سبب خریدار کو تحفظ حاصل ہے، (ملاحظہ ہو دفعہ ۲۷ قانون دادرسی مختص اور دفعہ ۴۸ قانون انتقال جائداد نافذ الوقت جو انگریزی قانون پر مبنی ہے)۔ لیکن اسلامی قانون اس ضمن میں یہ نقطہ نظر رکھتا ہے کہ واقفیت یا عدم واقفیت کے ذریعہ کسی فعل کی قانونی قدر، جس کا تعلق حق سے ہو، تبدیل نہیں کی جاسکتی۔ دوسرے یہ کہ اس متروکہ (کی مالیت) سے قرض خواہان کا حق خریدار سے قبل متعلق ہو چکا تھا۔ اس لئے حسن نیت یا عدم علم کے باوجود قرض خواہ بیع کو منسوخ کرانے کا حق رکھتا ہے۔ آلا یہ کہ اس کا قرضہ بے باق کر دیا جائے، جو میت کے ذمہ واجب الادا ہے۔ چونکہ اسلامی قانون میں بذریعہ عدالت جبری انتظام ترکہ کا قانون رائج نہیں ہے اس لئے میت کی نجات اور قرض خواہان کے حق کے تحفظ کے لئے وراثت کو قرض کی ادائیگی اور وصیت سے موخر کر دیا گیا ہے۔

تجویز:

عہد حاضر میں جب کہ مسلم معاشرہ کی عام اخلاقی حالت انتہائی گرچی ہے یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اگرچہ اسلامی قانون نے قرض خواہان کو مناسب تحفظات دئے ہیں، لیکن معاشرتی حالت اور موجودہ عدالتی ڈھانچے کے پیش نظر وہ احکام بڑی حد تک ”بے اثر“ ثابت ہو رہے ہیں، لہذا شرعی حدود میں رہتے ہوئے جبری انتظام ترکہ کا قانون بنانا مناسب ہوگا۔ وراثت پر قانوناً لازم قرار دیا جائے کہ وہ تجہیز و تکفین کے بعد ایک معینہ مدت کے اندر میت کی جملہ اسلاک و جائداد و قرضہ جات و وصایا کی تفصیلات سے عدالت کو آگہ کریں اور عدالت اپنی نگرانی میں جملہ شرعی امور انجام دلائے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، بالخصوص قرض خواہان ”ورثاء“ کی ”حکمت عملیوں“ سے محفوظ رہیں۔ اور خود میت بھی عذاب اخروی سے نجات پائے۔ فی الوقت اختیاری انتظام ترکہ کا جو قانون رائج ہے وہ نہ صرف غیر اطمینان بخش ہے بلکہ قرض خواہان کے حقوق کے تحفظ کے تصور ہی سے عاری ہے۔

کیونکہ مورث کی وفات، جملہ ورثاء کے نام و پتے اور ستروکہ کی تفصیلات سے بالعموم قرض خواہان ناواقف ہوتے ہیں۔ یہ صورت بڑے تجارتی شہروں میں عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے جو جدید صنعتی عہد کا لازمہ ہے۔

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر:

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں برصغیر ہند و پاکستان میں اس مسئلے سے متعلق عدالتی فیصلوں (۵۱) کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرضوں کی ادائیگی، تقسیم ترکہ سے قبل ترکہ کی حالت اور ورثاء کے حقوق کے سلسلے میں عدالتوں کے پیش نظر بالعموم انگریزی قانون کے اصول و قواعد رہے ہیں اور بلا کسی دانستہ کوشش کے بلکہ غیر محسوس طور پر یہ اصول و قواعد اسلامی قانون وراثت و جانشینی کا جزو خیال کئے جانے لگے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلے میں عدالتی فیصلوں کے ذریعہ جو اینگلو محمدن لاء وجود میں آیا اس کے تحت میت کے حکمی طور پر زندہ قرار دئے جانے کا تصور ایک اجنبی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

غیر منقسم ہندوستان کے سب سے پہلے اور غالباً مشہور ترین مسلمان جج جناب جسٹس محمود کے خیال کے مطابق جیسا کہ انہوں نے بمقدمہ جعفری بیگم بنام امیر محمد خان قرار دیا، ایک مسلمان کی وفات پر ترکہ فوری طور پر اس کے ورثاء کے حق میں منتقل ہو جاتا ہے محض اس بناء پر کہ میت کے ترکہ میں سے قرضے واجب الادا ہیں، وراثت معطل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان کے خیال میں قرضوں کی موجودگی، خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت، بالکل غیر متعلق ہے۔ دراصل جسٹس محمود پریوی کونسل کے اس فیصلے سے متاثر ہوئے جو اس نے بضاعت حسین بنام دولی چند (۵۲) کے مقدمہ میں دیا تھا کہ ایک وارث بلا لحاظ اس امر کے کہ میت کے ذمہ قرضہ واجب الادا ہے اپنے حصہ

Assamthem Nasaa Bibi V/s Roy Latchmooput Singh (1878) 4 Cal. 142 (۵۱)

Jafri Begum V/s Amir Mohamad Khan (1885) 7. All. 822;

Khursheetbibi V/s Kesso Vinayak (1887) 12 Bom. 101;

Darvalara V/s Bhimajje Bhond (1885) 20 Bom. 335;

Pathammabi V/s Vittel Ummachabi (1902) 26 Mad. 734.

Dazayet V/s Doolichand (1878) 51 A. 211

وراثت کو فروخت کرنے کا مستحق ہے اور خریدار کو صحیح حقیقت منتقل ہو جاتی ہے۔ پریوی کونسل کا یہ فیصلہ وحید النساء بنام شبراتی (۵۳) کے مقدمہ پر سببی ہے جو زیادہ تر انگریزی قانون سے متاثر ہے۔ غیر منقسم ہندوستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اکثر فیصلے اسی اصول کی مطابقت میں ہوتے رہے ہیں۔ (۵۴)

پریوی کونسل نے ایک اور مقدمہ جان محمد بنام کرم چند میں قرار دیا کہ ”ایک مسلمان متوفی کے ورثاء میں سے کوئی ایک وارث خواہ وہ متوفی کی کل املاک و جائداد پر قابض کیوں نہ ہو، اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ دیگر شریک ورثاء کے حصے کسی کے حق میں منتقل کر دے خواہ ایسا کرنا متوفی کے قرضوں کی ادائیگی کے مقصد کے تحت ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اگر وہ کسی ایسی جائداد کو جو مرحوم کا ترکہ ہے اور اس کے قبضہ میں ہے متوفی کے قرضوں کی ادائیگی کے سلسلے میں منتقل کرتا ہے تو یہ فروخت جائداد میں صرف اس کے اپنے مفاد کی حد تک نافذ ہو گی۔ دوسرے ورثاء یا متوفی کے داینین اس کے پابند نہ ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جو بلا وصیت مرجائے تو اس کی جائداد و املاک اس کے مرتے ہی اس کے ورثاء کے حق میں منتقل ہو جاتی ہے جو اپنے حصوں کے انفرادی طور پر مالک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے حقوق کرایہ داران مشترک (Tenants-in-common) کے حقوق کے مشابہ ہوتے ہیں نہ کہ ایک ہندو خاندان مشترکہ کے ارکان کی طرح۔“ (۵۵)

Waheedunnisa V/s Shubraton (1870) 6 Bengal Law Report P. 54; (۵۳)
 Awais V/s Harshabai (1885) ILR All 716. Dallumal V/s Hari Da (1901) (۵۴)
 ILR 23 All 263. Campbell V/s Delancy 1863 Rep. P. 509. Abdul Khadir
 V/s Chindambaram Chattiyar (1908) 32 Mad 276. Abdul Majeed V/s
 Krishnamachariar (1917) 40 Mad. 243. Bhagarerthi Raj V/s Roshan Bai
 (1918) 43 Bom. 412 Kazim Ali V/s Sadiq Ali (1938) 65 I. A. 219. Bilandi
 Sbini V/s Begum Noor AIR 1943 Peshawar 62. Faizullah Khan V/s
 Abdul Jabbar AIR 1943 Peshawar 65. Ibrahim Abubakr V/s Tekchand
 AIR 1953 SC 2981. PID 1947 Privy Council, 62. (۵۵)
 AIR 1918 Madras, 1049.

پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیس نے بحیثیت جج لاہور ہائی کورٹ بمقدمہ محبوب عالم بنام رضیہ بیگم قرار دیا کہ ”قرآن پاک اس امر پر بہت زور دیتا ہے کہ متوفی کی جائداد وراثت کے درمیان تقسیم ہونے سے پہلے متوفی کے ذمہ جو قرضے ہیں ان کی ادائیگی کی جائے اور اس کی وصیتوں کی تکمیل کی جائے۔“ اسی مقدمہ میں جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی (مرحوم) نے قرار دیا کہ ”ما بقی ترکہ کا متوفی کے وراثت میں تقسیم ہونا ایک فرض ہے جو ترکہ سے متعلق ہے، بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ ترکہ متوفی کی وفات کے وقت ہی سے وراثت کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ متوفی کی جائداد اس کی وفات کے فوراً بعد اس کے وراثت کو پہنچ جاتی ہے بڑی حد تک قرآن کے اس حکم استناعی سے مربوط ہے کہ ایک وارث وصیت اور قرضے کی ادائیگی کے بعد ہی مابقی ترکہ پانے کا مستحق ہوتا ہے۔ (۵۶)

اس ضمن میں ایک اور صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں نے یہ قرار دیا ہے کہ قبل از تقسیم ترکہ اگر ایک وارث کے قبضہ میں ہے تو اس کے خلاف کل قرضہ کی ڈگری حاصل کی جاسکتی ہے (۵۷) لیکن ترکہ تقسیم ہو جانے کے بعد بیت کے ذمہ قرضوں کی ادائیگی کے لئے ہر وارث صرف اپنے حصہ کے بقدر ذمہ دار ہے (۵۸) مثال کے طور پر اگر ترکہ

PLD 1949 Lahore 263 (۵۶)

ILR 45, Bombay 75

ILR 7, ALL 822

AIR 1938, P. Council 169

ILR 45, Bombay 75

AIR 1928 Madras 769

ILR 39 Bombay 545

28 Indian Cases 895, 41 Indian Cases 579

AIR 1942 Lahore 65

AIR 1940 Lahore 179

AIR 1933 Lahore 81 (۵۷)

ILR 1917 Mad.

ILR 4 All 361 (۵۸)

AIR 1932 All 591.

ایک لاکھ تھا اور قرضہ بیس ہزار، متوفی نے ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کو چھوڑا
ورثاء نے قرضہ ادا کئے بغیر متروکہ تقسیم کر لیا جس کے تحت بیٹے کو پچاس
ہزار اور بیٹیوں کو پچیس پچیس ہزار روپے ملے، قرض خواہ عدالت میں اپنے
بیس ہزار روپے کی وصولیابی کے لئے مقدمہ دائر کرتا ہے مگر عدم واقفیت کے
سبب مقدمہ صرف بیٹے پر کرتا ہے تو عدالت اس کے خلاف صرف قرضہ کے نصف
حصے یعنی دس ہزار روپے کی ڈگری دے گی کیونکہ اس کو کل ترکہ کا نصف
حصہ ملا ہے۔ قرض خواہ کو چاہئے تھا کہ وہ بقیہ نصف کے لئے دونوں بیٹیوں
پر مقدمہ دائر کرتا یا ان سب کو مقدمہ میں فریق بناتا۔ چنانچہ اس طرح
قرض خواہ کے لئے لازمی ہو گیا کہ تمام ورثاء کو مقدمہ کا فریق بنائے اور اگر
وہ ایسا نہیں کرتا تو عدالت اس وارث کے خلاف ڈگری نہ دے گی، جو فریق
مقدمہ نہیں ہے لیکن فقہ حنفی کے تحت وارث ترکہ کی سالت و مقدار کی اس
حد تک قرض کی ادائیگی کے لئے ذمہ دار ہوتا ہے جو اس کو ملا ہے۔ چنانچہ
اگر ایک ہی وارث کو اس قدر ترکہ مل چکا ہو جو قرض خواہ کی مطلوبہ رقم
کے لئے کافی ہے تو قرض خواہ کے لئے یہ امر لازمی نہیں کہ وہ ہر وارث کا
تعاقب کرے۔ (۵۹) صورت متذکرہ بالا میں بیٹے کو پچاس ہزار روپیہ ملا ہے
جب کہ میت کے ذمہ کل قرض بیس ہزار روپے ہے۔ حنفی فقہ کی رو سے اس
بیٹے کو ملے ہوئے ترکہ میں سے بیس ہزار روپے ادا کئے جانے کا حکم دیا
جائے گا کیونکہ مطالبہ کی تکمیل اس متروکہ کے ذریعہ مطلوب ہے جو وارث کو
میت سے ملا ہے جس کے ذمہ فی الاصل وہ روپیہ واجب الادا تھا۔ تاہم بیٹے کو یہ حق
حاصل ہوگا کہ وہ بعد ادائیگی قرض دیگر ورثاء سے ان کے حصے کے بقدر رقم وصول کرسکے۔

البتہ شافعی فقہاء کے نزدیک ہر وارث اپنے حصے کے بقدر قرضوں کی
ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے جب کہ ترکہ ورثاء میں تقسیم کر لیا گیا ہو۔ (۶۰) اس
ضمن میں تعلیمات قرآنی کے پیش نظر حنفی نقطہ نظر اقرب الی الصحت نظر آتا ہے۔

(۵۹) جامع الفصولین، قاضی سماوہ، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳۔
میراث کے دعووں اور ان کی مختلف شکلوں کو قاضی سماوہ نے جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کی کتاب متذکرہ بالا، ج ۲، ص ۲۲-۲۳۔
(۶۰) ”اما علی نظریۃ الشافعیۃ فانہ تصح القسمة، و یصح علی قول بعضهم تصرف کل وارث فی حصتہ
قبل القسمة اذا ادى ما علیہا من دین . . . ان مذهب الشافعیۃ یسوغ تجزیۃ الضمان
بمقدار حصص الوارثین، (احکام التركات و الموارث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۳۲)۔“

نتیجہ فکر:

نتیجہ کے طور پر بر صغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا رجحان یہ قرار پایا کہ وراثت یا کوئی وارث اپنا حصہ وراثت بلا ادائیگی قرض منتقل کر دے تو اس کا یہ فعل جائز ہوگا اور خریدار بہ حسن نیت (Bonafide Purchaser) کی حقیقت متاثر نہ ہوگی۔ یہ اصول بلا استثناء اختیار کیا گیا، خواہ قرضے ترکہ سے کم ہوں یا زیادہ۔ بالخصوص اگر قرضہ ترکہ کے مقابلے میں زائد یا اس کے برابر ہو تو یہ اصول نہ صرف اسلامی قانون بلکہ عام انصاف کے اصول کے بھی خلاف نظر آتا ہے۔ اس سے نہ صرف حکم قرآنی ”من بعد وصیة یوصی بہا اودین“ کی خلاف ورزی ہوتی ہے بلکہ قرض خواہان کے حقوق بھی متاثر ہوتے ہیں۔ صحیح اسلامی قانون کی روشنی میں قرضے اور وصیت کی ادائیگی کے بعد ہی ورثے کی تقسیم یا کسی دوسرے کے حق میں انتقال جائز ہو سکتا ہے، بالخصوص جب کہ قرضے ترکہ کے مقابلے میں زائد ہوں۔ جبری انتظام ترکہ کی جو تجویز سطور بالا میں پیش کی گئی ہے وہ اپنے اندر بڑی حد تک اس صورت حال کا سدباب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ رائج الوقت قانون (۶۱) موجودہ معاشرتی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے۔

۳ - وصیت :

ترکہ سے متعلق حقوق میں بہ لحاظ ترتیب وصیت تیسرا حق ہے۔ قرضہ کی ادائیگی کے بعد جو مال ترکہ سے بچ رہے (نہ کہ کل مال ترکہ سے) اس میں سے ایک تہائی کی حد تک وصیت جاری کی جا سکتی ہے۔ وصیت تہائی مال سے زائد ہونے کی صورت میں اگر وراثت اجازت دیں تو نافذ ہوگی۔ اجازت صرف ان وراثت کی معتبر ہوگی جو اجازت کے اہل ہوں یعنی عاقل و بالغ ہوں۔ نابالغ یا اس کے ولی کی اجازت درست نہیں۔ (۶۲) نیز یہ کہ یہ اجازت مورث کی

(۶۱) قانون جانشینی مجریہ ۱۹۲۵ ع

ضابطہ دیوانی مجریہ ۱۹۰۸ ع

دفعات متعلق کاروائی انتظام ترکہ۔

(۶۲) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۴۸۹۔

الدر المنتقى، علاء الدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۵۔

الدر المختار بر حاشیہ ردالمحتار، علاء الدین حصکفی، دارالکتب العربیة الکبریٰ، مصر، ۱۳۲۷ھ

ج ۵، ص ۴۶۳۔

وفات کے بعد دی گئی ہو۔

فقہاء نے وصیت کی حسب ذیل دو قسمیں کی ہیں :-

۱ - وصیت معین، اور

۲ - وصیت مطلق۔

وصیت معین :

وصیت معین سے یہ مراد ہے کہ کسی مخصوص شے کی وصیت کی جائے۔

وصیت مطلق :

وصیت مطلق سے یہ مراد ہے کہ وصیت کے ذریعہ کوئی شے معین

نہ ہو۔ (۶۳)

وصیت معین و مطلق میں تقدم و تاخر :

فقہاء متقدمین کی کتابوں میں وصیت معین اور وصیت مطلق کی تقدم و تاخر کے بارے میں بھی مختلف آراء ملتے ہیں چنانچہ ایک رائے یہ ہے کہ اگر وصیت کسی کے حق میں ایک معین شے کے بارے میں کی جائے تو وہ مقدم ہوگی اور اگر وصیت مطلق ہو یعنی کسی مخصوص شے کی تعیین نہ کی گئی ہو تو ایسی صورت میں موصیٰ لہ وراثہ کے ساتھ جملہ اشیاء کی تقسیم میں شریک ہو سکے گا، لیکن متاخرین کے نقطہ نظر کے بموجب ہر قسم کی وصیت خواہ وہ معین شے سے متعلق ہو یا مطلق ہو، وراثت پر مقدم ہوگی۔ چنانچہ ردالمحتار میں لکھا ہے ”صحیح یہ ہے کہ وصیت مطلق بھی میراث پر مقدم ہے اور یہی درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”من بعد وصیة یوصیٰ بہا اودین“ فرما کر وصیت کو میراث پر مقدم فرمایا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی وصیت، خواہ معین ہو یا مطلق، میراث پر مقدم ہوگی۔ چنانچہ اصح یہ ہے کہ تجہیز و تکفین اور ادائیگی قرض کے بعد جو بچ رہے، اس میں حسب شرع ہر قسم کی وصیت پر عمل کیا جائے گا اور اس (وصیت) کے بعد جو باقی رہے وہ شرع کے مطابق وراثہ میں تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرضہ و وصیت کے بعد

(۶۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۷

رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ۱۳۲۷ھ، ج ۵، ص ۵۳۷۔

ورثاء اور ان کے حصوں کی تصریح فرمائی ہے۔ (۶۴) اس کی ایک اور دلیل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قرآن پاک کی آیت ”من بعد وصیة“ میں وصیت کا لفظ ”نکرہ“ استعمال کیا گیا ہے جو وصیت معین اور وصیت مطلق دونوں کو شامل ہے

ورثاء کی غیر موجودگی میں وصیت کا نفاذ :

اس امر میں احناف کا اتفاق ہے کہ اگر میت کا کوئی وارث مستحق ترکہ موجود نہ ہو تو میت کے ذمہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے ترکہ سے میت کی وصیت پوری کی جائے گی، خواہ وہ کتنی ہی مقدار کی کیوں نہ ہو (کیونکہ اس سے کسی وارث کا حق متاثر نہیں ہوتا جو فی نفسہ اس کے ایک تہائی سے زائد ہونے کی حد تک اس کے نفاذ میں ممانع تھا)۔ اس مسئلہ میں امام مالک اور امام اوزاعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک تہائی سے زائد وصیت باطل ہوگی۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبل سے اس بارے میں دو مختلف روایتیں ہیں، جن میں عدم صحت کا قول ضعیف ہے۔ (۶۵) اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سعد ابن ابی وقاص کی حدیث کے ذریعہ ایک تہائی کی قید اس مصلحت کے پیش نظر لگائی گئی ہے کہ ورثاء کو اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لئے دوسروں کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ جب کوئی وارث سرے سے موجود ہی نہیں تو ایک تہائی کی حد مقرر کرنے کی علت نہ پائی گئی، اس لئے موصی لہ کے کل ترکہ کے استحقاق

(۶۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۷۔

رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ۱۳۲۷ھ، ج ۵، ص ۵۳۷۔

(۶۵) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱۔

بداية المجتهد، ابن رشد (۵۹۵ھ) مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۳۳۶ (کتاب الوصایا)۔

و اما اختلافهم فی جواز الوصیة باكثر من الثلث لمن لا وارث له فان مالكا قال لا یجوز ذلك

والاوزاعی اختلف فیہ قول احمد، و اجاز ذلك ابو حنیفة و اسحاق و هو قول ابن مسعود۔

ابو اسحاق ابراهیم الفیروز آبادی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۵۷ کتاب الوصایا:

”و اما اذا اوصی بما زاد علی الثلث فان لم یکن له وارث بطلت الوصیة فیما زاد علی الثلث لان

ماله میراث للمسلمین ولا یجوز له منهم“۔

ابو زہرہ نے اپنی کتاب ”احکام التركات“ ص ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ اس امر میں ائمہ اربعہ

کا اتفاق ہے کہ اگر میت کا کوئی وارث مستحق ترکہ موجود نہ ہو تو میت کے ذمہ قرض

ادا کرنے کے بعد اس ترکہ سے میت کی وصیت پوری کی جائے گی خواہ وہ کتنی ہی مقدار کی

کیوں نہ ہو۔ ابو زہرہ کی یہ عبارت مندرجہ بالا حوالہ جات کے پیش نظر غلط معلوم ہوتی ہے۔

میں کوئی امر مانع موجود نہیں، جب کہ امام مالک و شافعی کی دایل یہ ہے کہ وصیت ایک عبادت ہے جس کی حد بطور رکن کے مقرر ہے اس لئے اگر میت کے وارث موجود نہ ہوں تو تمام مسلمین بمنزلہ وراثہ قرار پائیں گے۔ اسی طرح ایسی صورت میں جب کہ میت کا کوئی وارث موجود ہو تو ایک تہائی سے زائد کے لئے وصیت صحیح یا باطل ہونے میں بھی ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ احناف اور حنابلہ کے نزدیک ایک تہائی کی حد تک وصیت مطلقاً صحیح ہوگی اور ایک تہائی سے زائد میں وراثہ کی اجازت کے بعد نافذ ہوگی۔ شافعیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک زائد از ثلث وصیت باطل ہوگی۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر وراثہ نے اجازت دی تو یہ خود وراثہ کی طرف سے ان کا اپنا عمل احسان (تبرع) متصور ہوگا۔ میت سے بطور وصیت اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ (۶۶)

احناف و حنابلہ اور شافعیہ و بعض مالکیہ کے درمیان اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ احناف اور حنابلہ وراثہ کی موجودگی کو ”انعقاد وصیت“ کے لئے مانع قرار نہیں دیتے بلکہ زائد از ثلث میں وراثہ کی موجودگی کو ”نفاذ وصیت“ میں مانع قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف شافعیہ اور بعض مالکیہ وراثہ کی موجودگی کو ”انعقاد وصیت“ ہی کے لئے مانع ٹھہراتے ہیں جب کہ وہ وصیت ایک تہائی سے زائد تر کہ میں کی جائے۔

اس اختلاف کی بنیاد سعد ابن ابی وقاص رضی کی حدیث ہے۔ حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اس حدیث کے ذریعہ ایک تہائی سے زائد وصیت کے نفاذ کو رد کیا گیا ہے جب کہ شافعیہ و مالکیہ اس کے ظاہری معنی کے پیش نظر ایسی وصیت کو جو وراثہ کی موجودگی میں ایک تہائی سے زائد کے لئے کی جائے منعقد ہی تصور نہیں کرتے، گویا مالکیہ و شافعیہ صورت مذکورہ میں ”علت وصیت“ کی نفی کرتے ہیں جب کہ حنفیہ و حنابلہ وراثہ کی موجودگی کو

(۶۶) احکام الترتکات و الموارث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۰۱۔

المحرر فی الفقہ الحنبلی، ابو البرکات، مجدالدین، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۷۶۔

جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل (فقہ مالکی)، الابی، صالح عبدالسمیع، مطبعة مصطفی البابی

العلبی، مصر، ۱۹۳۷ء، ج ۲، ص ۳۱۸۔

المہذب، فقہ شافعی، ابو اسحاق ابراہیم الفیروزآبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۵۷۔

ایک تہائی سے زائد ہونے کی صورت میں صرف ”تائیر وصیت“ میں مانع قرار دیتے ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک حنفیہ و حنابلہ کا نقطہ نظر قرین صواب ہے۔ چنانچہ وصیت ایک تہائی سے زائد ہونے کی صورت میں بھی باطل و غیر نافذ قرار نہ پائے گی بلکہ تہائی کی حد تک نافذ قرار دی جائے گی الا یہ کہ زائد کی حد تک ورثاء راضی ہوں۔ یہی رائے بحرالرائق میں بیان کردہ علامہ ابن نجیم کی عبارتوں سے مستنبط ہوتی ہے۔ (۶۷)

وصیت کی حد :

وصیت کے لئے ترکہ میں (بعد تجہیز و تکفین و ادائیگی قرض) ”ایک تہائی کی حد“ کے سلسلے میں کتب احادیث میں کئی روایتیں ملتی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یا رسول اللہ (صلعم)! میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہے۔ اجازت دیجئے کہ میں اپنے کل مال کی وصیت کروں، آپ نے فرمایا نہیں، عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کروں؟ آپ نے فرمایا ”نہیں“، سعد نے کہا ”ایک تہائی کی اجازت دیجئے“، فرمایا ”خیر تہائی مال کی وصیت کر دو اگرچہ یہ بھی بہت ہے۔“ تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ جاؤ اور دوسرے لوگ ان کی کفالت کریں۔ (۶۸)

(۶۷) البحرالرائق، ابن نجیم، محوہ بالا، ج ۸، ص ۴۰۳، ۴۰۹ اور ۳۵۰ (کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال و الوصیۃ بالخدمۃ و السكنی)۔

(۶۸) صحیح مسلم بشرح نووی، امام مسلم، ابو الحسن (م ۵۲۶۱)، المطبعة المصریہ، ۱۹۲۴ ع جز ۱۱، ص ۸۲-۷۶۔

”حدثنا یحییٰ بن یحییٰ التمیمی اخبرنا ابراہیم بن سعد عن ابن شہاب عن عامر ابن سعد عن ابيه قال عادنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجة الوداع من وجع اشغیت منه علی الموت فقلت یا رسول اللہ بلغنی ماتری من الوجع و انی ذومال ولا یرثنی الا بنتی افا تصدق بثلثی مالی قال لا قلت افا تصدق بشرطہ قال لا قلت الثالث قال الثلث و الثلث کثیر انک ان تذر وراثتک اغنیاء خیر من ان تزرهم عالیۃ یتکفون الناس . . الخ“

امام مسلم نے چند دیگر اسناد سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

صحیح البخاری، امام بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۵۲۵۶)، مطبوعہ اصح المطابع کراچی،

۱۳۸۱/۱۹۶۱ ع، ج ۱، ص ۳۸۳۔

”حدثنا ابو نعیم ثنا سفیان عن سعد بن ابراہیم عن عامر بن سعد بن ابی وقاص قال جاء النبی

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ”کاش لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتہائی پر آجائیں،“ اس لئے کہ آنحضرت (صلعم) نے تہائی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ (۶۹)

حضرت علی کا قول ہے کہ مجھے ایک تہائی کے مقابلے میں ایک چوتہائی اور ایک چوتہائی کے مقابلے میں پانچواں حصہ وصیت کرنے والا شخص زیادہ محبوب ہے۔ یہی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (۷۰)

وارث کے حق میں وصیت :

قرآن پاک میں وصیت کے سلسلے میں حسب ذیل آیات نازل ہوئی ہیں :-

۱۔ تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی پر موت کے اسباب و آثار ظاہر ہونے لگیں اور تم مال کثیر چھوڑو تو والدین اور عزیز و اقارب کے لئے وصیت کر دو، ساتھ عدل کے (یہ عمل) متقیوں پر حق (ثابت) ہے۔ پس جس کسی شخص نے اس وصیت کو سننے کے بعد بدلا تو اس (تبدیلی) کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اسے بدلتے ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اگر کوئی شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی زیادتی یا معصیت کا اندیشہ کرے اور اس میں (اس بناء پر) اصلاح کرے تو اس پر

صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی وانا بمکة وهو یکرہ ان یموت بالارض الی ہاجر منها فقال یرحم اللہ ابن عفرہ قلت یا رسول اللہ اوصی بمالی کلہ قال لا قلت الشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعہم عالیة یتکفون الناس فی ایدیہم . . . الخ۔

امام بخاری نے مزید اسناد سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

(۶۹) امام بخاری، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۸۳۔

”حدثنا قتبة بن سعید ثنا سفیان عن هشام بن عروة عن ایہ عن ابن عباس قال لو غص الناس الی الربع لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الثلث و الثلث کبیر او کثیر۔“

صحیح مسلم، شرح نووی، امام مسلم، ابو الحسن، محولہ بالا، جز ۱۱، ص ۸۲۔

”حدثنی ابراہیم ابن موسی الرازی اخبرنا عیسی، یعنی ابن یونس“ و حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ و ابو کریب قالا حدثنا و کعب و حدثنا ابو کریب حدثنا ابن نمیر کلہم عن هشام ابن عروة عن ایہ عن ابن عباس قال لو ان الناس غصوا من الثلث الی الربع فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الثلث و الثلث کثیر۔“

(۷۰) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۳۳۔

- کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔ (۷۱)
- ۲۔ ”وہ لوگ جو تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیبیاں چھوڑ جائیں ان کی ازواج کے لئے وصیت ثابت ہے کہ وہ ایک سال تک اپنے گھروں سے نہ نکلیں اور اگر نکلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں، جو وہ اپنے نفس کے معاملے میں کریں۔ اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ (۷۲)
- ۳۔ وصیت یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔ (۷۳)

”خیر“ کے معنی :

آیت نمبر ۱ محولہ بالا میں مفسرین نے ”خیر“ کے معنی مال کے لئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ وصیت ہر صورت میں مشروع ہے،

(۷۱) ۲ : ۱۸۰ (البقرہ م) -

”کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین۔ فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم۔ فمن خاف من موص جنفاً او اثمناً فاصلح بینہم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔“

تفسیر جلالین بر حاشیہ بیضاوی، السیوطی، جلال الدین (م ۱۹۱۱ء)، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۵۸/۱۹۳۹ع، جلد ۱، ص ۸۹۔

تفسیر الکشاف، علامہ زحشری، مطبوعہ بیروت، ج ۱، ص ۲۴۴۔

تفسیر النسفی، النسفی، عبداللہ بن احمد محمود (م ۱۰۷۱ء)، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۹۲۔

(۷۲) ۲ : ۲۴ (البقرہ م) -

”و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً وصیۃ لاوزاجہم متاعاً الی العول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسہن من معروف واللہ عزیز حکیم۔“

(۷۳) ۴ : ۱۲ (النساء م) -

”من بعد وصیۃ یوصین بہا او دین۔“

دین اور وصیت کے تعلق سے قرآن میں اسی حکم کو سورۃ النساء میں صیغوں کے فرق کے ساتھ سات جگہ بیان فرمایا گیا ہے، ملاحظہ ہو آیات ۱۱ و ۱۲۔

تفسیر بیضاوی، البیضاوی، عبداللہ بن عمر (م ۷۹۱ء) مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۵۸/۱۹۳۹ع، ج ۱، ص ۸۹۔

تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، اسمعیل بن عمر (م ۷۷۴ء) مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی، بار دوم، ص ۳۰ (اردو ترجمہ)۔

تفسیر کشاف (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل)، الزحشری، محمود بن عمر (م ۵۲۸ء) مطبوعہ بیروت، سنہ ندارد، ج ۱، ص ۲۲۳۔

تفسیر نسفی (مدارک التنزیل و حقایق التاویل)، النسفی (م ۱۰۷۱ء)، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۹۲۔

کیونکہ میراث تھوڑے اور زیادہ ہر مال میں جاری ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت علی رضہ اور حضرت عائشہ رضہ کے قول کے بموجب یہاں ”خیر“ کے معنی ”مال کثیر“ کے ہیں تاکہ وراثت کی حق تلفی نہ ہو۔ یہی قول امام زہری کا ہے۔ چنانچہ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ مال زیادہ مقدار میں ہو تو غیر وارث ذوی القربی، یتامی اور مساکین کے حق میں وصیت کی جائے، ورنہ نہیں۔

”بالمعروف“ کی تشریح:

”بالمعروف“ کی تشریح بھی فقہاء مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ وصیت

۱۔ عدل کے ساتھ ہو،

۲۔ تنہائی سے زائد نہ ہو،

۳۔ غریب کے حق میں کی جائے، اور

۴۔ مالدار کے لئے نہ ہو۔

مفسرین قرآن کی آراء:

مفسرین نے لکھا ہے کہ اقرباء والدین کیلئے وصیت کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا، جو میراث کی آیت (۷۴) سے منسوخ ہو گیا (۷۵) جس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ”ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه الا لاوصیۃ لوارث“ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا، اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ (۷۶)

(۷۴) ۴: ۴ (النساء م)۔

”یوصیکم اللہ فی اولادکم“۔

(۷۵) تفسیر جلالین، برحاشیہ بیضاوی، السيوطی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹۔

تفسیر بیضاوی، البيضاوی، عبد اللہ بن عمر، محولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹۔

(۷۶) سنن، ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (۵۲۷۵م) مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز، سنہ ندارد، کراچی، ص ۳۹۶۔

سنن، ابن ماجہ، محمد ابن یزید الربیع (م ۵۲۷۳)، اصح المطابع، کراچی، سنہ ندارد، ص ۱۹۳۔

جامع، ترمذی، محمد ابن عیسیٰ (م ۵۲۷۹)، اصح المطابع کراچی، سنہ ندارد، ص ۳۰۸۔

سنن، نسائی، عبدالرحمن ابن احمد (م ۵۳۰۳) مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز، سنہ ندارد، کراچی، ص ۱۱۱۔

علامہ زمخشری کی رائے :

تفسیر الکشاف کے مصنف علامہ زمخشری نے اس موقع پر مذکورہ بالا حدیث (لا وصیة لوارث) کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ، اگرچہ یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے لیکن تمام فقہاء است نے اس کو قبول کیا ہے جس کی بناء پر یہ حدیث متواتر کا درجہ پاگئی، کیونکہ فقہاء صحابہ و تابعین کسی حدیث کو اسی صورت میں متفقاً قبول کریں گے جب کہ وہ ان کے نزدیک انتہائی درجہ صحت کو پہنچ چکی ہو۔ ”اس لئے یہ حدیث ”وصیت للوارث“ والی آیت کے لئے ناسخ ہوسکتی ہے۔

علامہ بیضاوی کا نقطہ نظر:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے ”کہ اس حدیث کے ذریعہ وصیت کی آیت کے ناسخ ہونے کے بارے میں ہم کو اعتراض ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہونے کی بناء پر قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی ہے۔ نسخ کے لئے ضروری ہے کہ ناسخ قوت میں یا تو منسوخ سے قوی تر ہو یا کم از کم مساوی ہو، اور خبر واحد کچھ قوت نہیں رکھتی۔ قرآن کی آیت قطعی الثبوت ہے اور خبر واحد ظنی“۔ (۷۷)

علامہ بیضاوی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ ”میراث کی آیت وصیت کی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے وصیت کی آیت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ میراث کی آیت وصیت کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (۷۸) (یعنی وصیت پوری کرنے کے بعد میراث تقسیم ہوگی)۔ بیضاوی نے (غالباً زمخشری کا جواب دیتے ہوئے) مزید لکھا ہے کہ ”خیر واحد است کے قبول کر لینے سے خبر متواتر کا درجہ نہیں پاتی۔ زیادہ سے زیادہ خبر مشہور کے درجے میں ہوجائے گی، جو متواتر سے کم درجہ میں ہے۔ (۷۹) بیضاوی نے اپنے

(۷۷) بیضاوی کا یہ اعتراض اس وقت وارد ہوتا ہے جب کہ حدیث کو ناسخ قرار دیا جائے لیکن اگر اس حدیث کو مواریث کی آیت کی تفسیر قرار دیا جائے تو اس وقت قرآن کی ایک آیت کا نسخ قرآن کی دوسری آیت ہی سے ہوگا اور حدیث محض دوسری آیت کے نسخ ہونے کی تفسیر قرار پائے گی، جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے۔ (مولف)

(۷۸) تفسیر بیضاوی، البیضاوی، عبد اللہ ابن عمر، مولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹۔

(۷۹) ایضاً۔

قول کی تائید میں بعض ان مفسرین کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے جو الفاظ ”وصیۃ للوالدین والاقربین“ کو ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ پر محمول کرتے ہیں اور اس طرح اس آیت کو نسخ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ سے اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت مراد لیتے ہیں جو آیت وصیت میں مذکور ہے اور اس طرح دونوں آیتوں کو حکماً ساتھ ملا کر پڑھنے سے نسخ و منسوخ کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔ (۸۰)

علامہ ابن کثیر کی رائے :

اس مسئلہ میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس آیت وصیۃ للوالدین والاقربین میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کا حکم ہے۔ یہ حکم میراث کے حکم سے پہلے واجب تھا۔ میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر، ابو موسیٰ اشعری، سعید بن المسیب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عکرمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حبان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور زہری یہ سب حضرات بھی آیت وصیت ”للوالدین والاقربین“ کو حکماً منسوخ کہتے ہیں۔

بعض مفسرین و فقہاء کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے۔ اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ چنانچہ ابن عباس، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد کا مسلک یہی ہے۔ ان حضرات کے اس قول کی بناء پر متاخرین فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت وصیت کلیہً منسوخ قرار نہیں پاتی، کیونکہ میراث کی آیت سے وہ لوگ اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کر دیا ہے اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ

(۸۰) بیضاوی، عبداللہ ابن عمر، محولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹۔

مدارک التنزیل و حقائق التاویل معروف بہ ”تفسیر نسفی“ نسفی عبداللہ بن احمد بن محمود

(م ۱۰۷)، مطبعة عیسیٰ البابی، مصر، ج ۱، ص ۹۲۔

الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل معروف بہ تفسیر کشاف، الزمخشری، محمود بن عمر (م ۵۲۸)

مطبوعہ بیروت، سنہ ندارد، ج ۱، ص ۲۳-۲۲۳۔

لفظ ”اقربین“، عام ہے اس میں سب ہی قرابت دار شامل ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو۔ لہذا وصیت کا حکم ان قرابت داروں کے لئے قائم رہا جو وارث نہیں ہیں اور ان کے حکم میں قائم نہ رہا جو وارث ہیں۔ اس طرح یہ کہنا کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا، غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ والدین اور ورثہ پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا ممنوع قرار پاتا ہے۔ کیونکہ میراث والی آیت کا حکم مستقل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض اور واجب ہے۔ اس سبب سے آیت وصیت کا حکم بطور واجب اٹھ جاتا ہے اور صرف وہ قرابت دار جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے مال کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنا بطور استحباب باقی رہ جاتا ہے۔ (۸۱)

تفسیر خازن :

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ ”زبانہ جاہلیت کے لوگ فخر و مباہات کی خاطر بعید رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کرتے تھے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو محتاج اور تنگدست چھوڑ جایا کرتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے قرابت داروں کے حق میں وصیت کرنا واجب کر دیا۔ پھر یہ آیت، میراث والی آیت سے منسوخ ہو گئی۔ (۸۲)

امام رازی کا استدلال :

”وصیت بحق وارث کے مسئلے میں علماء مفسرین میں امام رازی علیہ الرحمۃ نے پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں : -

”علماء نے آیت وصیت کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ وصیت والدین و اقرباء کے لئے مستحب ہے اور دوسری جماعت اس کے وجوب کی قائل ہے۔ ان لوگوں کا استدلال مذکورہ آیت کے لفظ ”کتب“ اور ”علیکم“ سے اس طرح ہے کہ یہ دونوں لفظ ”وجوب“ پر دلالت

(۸۱) تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ)، ابن کثیر، اسمعیل بن عمر (م ۵۷۷۳ - ۱۳۷۳ ع)، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، ج ۱، ص ۲۹-۳۰۔

(۸۲) لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بہ ”تفسیر الخازن“، علاء الدین علی بن محمد (م ۵۷۲۵)، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۷۵/۱۹۵۵ ع، ج ۱، ص ۳۹-۱۳۸۔

کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس وجوب کی تاکید اس طرح بھی فرمادی ہے کہ آیت کے آخر میں فرمایا ”حقاً علی المتقین“، (یعنی متقین پر وصیت کرنا حق ہے) اس کے بعد وصیت کے واجب ہونے کے قائلین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی یا نہیں۔

پہلی بحث - آیت وصیت منسوخ نہیں ہوئی :

ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ انہوں نے اپنے قول پر حسب ذیل چند طریقوں سے استدلال کیا ہے :-

۱۔ پہلا طریقہ استدلال یہ ہے کہ وصیت کی آیت سوارث کی آیت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ دونوں آیتیں (اپنے اپنے حکم میں اس طرح) جمع ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو والدین اور اقربین کے متعلق وصیت کی ہے اسی طرح تم پر (دوسروں کے لئے) وصیت کرنا بھی واجب کر دیا گیا۔ (یعنی ہر دو وصیتوں پر اپنی اپنی حیثیت میں عمل کیا جائے)۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس شخص کی موت کا وقت قریب آگیا ہو، اس کے لئے یہ واجب ہے کہ جو حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان کے حق میں مقررہ حصوں کی وصیت کر دے، اور ان کی مقدار اور حصوں میں کمی نہ کرے۔

۲۔ دوسرا طریقہ استدلال یہ ہے کہ میراث کے ذریعہ ترکہ دلانے اور وصیت کے ذریعہ دلانے میں کوئی تضاد نہیں۔ ایک حصہ (میراث) خدا کا عطیہ ہے اور دوسرا حصہ (وصیت) میت کا عطیہ ہے۔ لہذا وارث کے لئے دونوں عطیوں کو جمع فرما دیا گیا اور دونوں آیتوں کا حکم برقرار رہا۔

۳۔ تیسرا طریقہ استدلال یہ ہے کہ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ دونوں آیتوں میں تضاد ہے تو پھر یہ قرار دے سکتے ہیں کہ میراث کی آیت وصیت کی آیت کی مخصص (تخصیص پیدا کرنے والی) ہے نہ کہ ناسخ (اس کو منسوخ کرنے والی)۔ چنانچہ اب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وصیت کی آیت والدین اور تمام اقرباء کے حق میں عام تھی۔ میراث کی آیت نے ایسے قریبی کو وصیت

سے خارج کر دیا جو وارث بھی ہو، البتہ وہ قریبی بدستور وصیت کے حکم میں داخل رہا جو باوجود قریبی ہونے کے وارث نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے والدین کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وارث ہوں اور دوسری یہ کہ وہ وارث نہ ہوں مثلاً جب کہ وہ دین میں اختلاف رکھتے ہوں یا کسی کے غلام ہوں یا قتل کے مرتکب ہو گئے ہوں۔ پھر بعض وراثت سے ایسے ہوتے ہیں کہ محبوب کر دینے والے کی بناء پر ساقط ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ساقط نہیں ہو سکتے یا جب کہ کسی صورت میں ان سے اعلیٰ طبقہ کا وارث موجود ہو تو ساقط ہو جاتے ہیں، ورنہ نہیں ہوتے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو ذوی الارحام ہونے کی حیثیت سے ساقط رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے وارثوں میں سے جو کوئی فرد بھی جس حال میں وارث ہوگا اس کے حق میں وصیت جائز نہ ہوگی اور جب وارث نہ ہوگا تو جائز ہوگی تاکہ صلہ رحمی کا تقاضہ پورا ہو سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کو پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ (۸۳)

دوسری بحث - آیت وصیت منسوخ ہے:

امام رازی آگے لکھتے ہیں کہ ”جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ آیت وصیت منسوخ ہے ان کے قول کے پیش نظر اس مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وصیت کی آیت کس دلیل سے منسوخ ہے؟ اس امر میں ان حضرات کا اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں چند وجوہ سے استدلال کیا جاتا ہے :-

۱۔ پہلی وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اہل وراثت کا بذات خود میت کے مال میں حصہ مقرر فرمایا ہے اور ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا اور بس۔

لیکن یہ دلیل بعید از عقل ہے کیونکہ بہ امر ممتنع تو نہیں ہے کہ جس کا حصہ بذریعہ وراثت مقرر کر دیا جائے پھر اس کو وصیت کے ذریعہ مزید

(۸۳) ۱ : ۴ (سورۃ النساء م)۔

”واتقوا اللہ الذی تسألون بہ والا رحام“۔

۱۶ : ۹۰ (النحل ک)۔

”ان اللہ یا مبر بالعدل و الاحسان و ابتاء ذی القربی“۔

حصہ نہ دلایا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ میراث کی آیت وصیت کی آیت میں تخصیص پیدا کرنے والی ہے، نہ یہ کہ اس کو منسوخ کرنے والی ہے، مثلاً کوئی کہنے والا یہ کہے کہ جس صورت میں کہ ”سیت نے والدین کے ماسوا کوئی دوسرا وارث نہ چھوڑا ہو تو سیت کا تمام مال والدین کو وراثت کے ذریعہ پہنچ جائے گا اور وصیت کے لئے کچھ باقی نہ رہے گا۔ مگر یہ تخصیص کہلائے گی تفسیح نہ کہلائے گی۔

۲۔ دوسری وجہ استدلال یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ وسلم کے فرمان ”الا لا وصیة لوارث“ سے منسوخ قرار دیا جائے۔ یہ قول اگرچہ اقرب الی القبول ہو سکتا ہے، لیکن یہاں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن کا نسخ جائز نہیں۔ اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے لیکن اسے آئمہ نے قبولیت میں ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، اور اس طرح یہ متواتر کے درجے تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے اور دعویٰ کر سکتا ہے کہ آئمہ نے اس حدیث کو یا بطریقہ ظن قبول کیا ہوگا یا بطریقہ قطعیت۔ اگر اول صورت ہے تو یہ ہمیں تسلیم ہے، مگر اس صورت میں اس امر پر آئمہ کا اجماع تصور کیا جائے گا کہ یہ حدیث خبر واحد ہے، لہذا قرآن کا اس کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز نہیں، اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے تو اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ اگر اس حدیث کے خبر واحد ہونے کے باوجود ہم یہ کہیں کہ اس کے قطعی ہونے کی بناء پر اس کو قبول کیا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے خطا پر اجماع قائم کر لیا، اور ایسا کہنا جائز نہیں۔

۳۔ تیسری وجہ استدلال یہ ہے کہ کہا جائے کہ وصیت کی آیت کو اجماع نے منسوخ کر دیا۔

لیکن اجماع ایسی دلیل نہیں ہوتی جس سے قرآن کو منسوخ کیا جا سکے، بلکہ اجماع اس امر کی دلیل ہوا کرتا ہے کہ نسخ کی دلیل موجود ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ دلیل کو ترک کر کے محض اجماع کے دلیل ہونے پر اکتفا کر لیا جائے۔

نیز قائل یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ است میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں تو پھر اجماع کے انعقاد کا دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت کو قیاس کی بناء پر منسوخ مانا جائے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر یہ وصیت واجب ہوتی تو اگر میت کی طرف سے کوئی وصیت نہ ہوتی اس صورت میں بھی اقرباء کا حق ساقط نہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ قرضوں کی صورت میں ہے کہ جب میت نے ان کی ادائیگی کی وصیت نہ کی ہو (تب بھی دائینین اپنے دین کے مستحق ہوتے ہیں)، لیکن (قرضوں کی ادائیگی کے برخلاف) ہم دیکھتے ہیں کہ اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر یہ اقرباء کسی شے کے مستحق نہیں ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”من بعد وصیة یوصی بہا اودین“، اس آیت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ اگر وصیت نہ کی گئی ہو اور دین موجود نہ ہو تو تمام مال وراثت کا ہوگا۔

تیسری بحث - صرف وارث کے لئے منسوخ :

جو لوگ اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ان کا باہم اس طرح بھی اختلاف ہے کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ آیت وصیت ہر قریبی وارث اور غیر وارث کے حق میں منسوخ ہو چکی۔ اکثر مفسرین فقہاء کا قول یہی ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ آیت وصیت وارث کے حق میں منسوخ ہے اور غیر وارث (قربت دار) کے حق میں منسوخ نہیں ہے، بلکہ ان کے حق میں وصیت ثابت و برقرار ہے۔ یہ مسلک حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد کا ہے۔ یہاں تک کہ ضحاک نے کہا ہے :

”جو شخص اقرباء کے حق میں وصیت کئے بغیر مر گیا تو اس معصیت کے فعل سے اس کے نیک عمل ختم ہو جاتے ہیں“۔

طاؤس نے کہا ہے :

”اگر کسی نے غیر شخص کے لئے وصیت کی ہو تو اس وصیت کو رد

کردیا جائے گا اور اس وصیت کو غیر وارث اقرباء کے حق میں لازم کر دیا جائے گا،۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک غیر وارث اقرباء کے حق میں اس آیت کا حکم بحیثیت وجوب وصیت باقی ہے۔ ان حضرات کی طرف سے اس اصول پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں :-

پہلی دلیل :

سواریت کی آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فرمان ” لا وصیة لوارث“، اور اسی طرح اجماع اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ اس مقام پر (منسوخ ہونے پر) اجماع قطعی اس لئے موجود نہیں ہے کہ نسخ کے مخالفین اور موافقین (قدیم و جدید) ہر زمانہ میں رہے ہیں۔ لہذا یہ ضروری ہوا کہ آیت کو ایسے قرابت دار کے حق میں جو وارث نہ ہوتا ہو، باقی رکھا جائے۔

دوسری دلیل :

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس کے بارے میں وصیت کرنا چاہے تو بغیر وصیت کے دو راتیں (بھی) گزارے۔ (۸۴) اور ہم سب کا اس پر اجماع ہے کہ غیر قرابت دار کے لئے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ غیر وارث قرابت دار کے لئے وصیت کرنا واجب قرار دیا جائے۔ اور اس وجوب کے لئے سنت کو قرآن کا سوکد تصور کیا جائے۔ لیکن جمہور جو وارث کے حق میں وصیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ان کی بہترین دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ”من بعد وصیة یوصی بہا اودین“ ہے۔ اس آیت کے متعلق پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ اگر میت کے ذمہ قرض نہ ہو اور نہ کوئی وصیت کی گئی ہو تو سارا ترکہ مطابق حصص شرعی وراثت

(۸۴) صحیح مسلم، بشرح نووی، امام مسلم، ابوالحسن، محولہ بالا، جز ۶، (کتاب الوصیة)، ص ۷۷
”ما حق امرئی مسلم له شی یربدان یوصی فیہ بیت لیلین الا و وصیته مکتوبۃ عنده۔“

میں تقسیم ہو جائے گا، جس سے ثابت ہوا کہ وصیت واجب نہیں ہے۔

تیسری دلیل :

جو لوگ غیر وارث قرابت دار کے حق میں اس آیت کو منسوخ نہیں تصور کرتے ان کے درمیان بھی دو مقام پر اختلاف ہے :-

(اول) حضرت ابن مسعود سے منقول ہے کہ ایسے اقرباء میں وصیت کے لئے ”الافقر فا الافقر“ کا طریقہ اختیار کیا جائے اور حسن بصری کے نزدیک غنی و فقیر دونوں یکساں درجہ رکھتے ہیں۔

(دوم) دوسرا اختلاف حسن اور خالد بن زید و عبدالملک بن یعلیٰ حضرات کا ہے۔ یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر میت نے غیر وارث قرابت دار کے موجود ہوتے ہوئے کسی اجنبی کے حق میں وصیت کی ہو تو مال موصی بھی اس اجنبی کو نہ دیا جائے، اور طاؤس سے منقول ہے کہ وصیت کا پورا مال اجنبی (موصی لہ) سے پھیر کر قرابت دار غیر وارث لوگوں کو دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۸۵)

علامہ قرطبی :

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس مسئلے پر مختصر مگر جامع بحث کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ”فقد ظہران وجوب الوصیۃ للاقربین الوارثین منسوخ بالسنة و انہا مستند المجمعین“ کہ بلا شبہ یہ امر ظاہر ہو گیا کہ وارث اقربا کے حق میں وصیت کا وجوب سنت کے ذریعہ منسوخ ہو گیا اور تمام اجماع کرنے والے علماء و فقہاء نے اسی سنت سے استدلال کیا ہے۔ (۸۶)

احادیث نبوی :

”وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں“ کے مسئلہ پر کتب احادیث میں

(۸۵) التفسیر الکبیر، الرازی، عبدالرحمن محمد ابو بکر (م ۵۶۰۶)، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۸ع، ج ۵،

صص ۶۹-۶۷۔

(۸۶) جامع الاحکام القرآن (معروف بہ تفسیر قرطبی)، محمد ابن احمد القرطبی (م ۵۶۷۱)، مطبوعہ

دارالکتب المصریہ، ۱۹۳۳ع، ج ۲، صص ۳۳-۳۳۔

متعدد روایات موجود ہیں اور ہر روایت بلحاظ معنی متفق ہے، اگرچہ ان روایات کے متون میں کہیں کہیں لفظی فرق پایا جاتا ہے۔ دارقطنی نے اس سلسلے میں متعدد احادیث اپنی سنن میں روایت کی ہیں۔ (۸۷) چنانچہ دارقطنی کی بیان کردہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے ”لا یجوز الوصیۃ للوارث“، اور دوسری روایت میں ہے ”لا یجوز لوارث وصیۃ“، دارقطنی نے عمرو بن خارجہ سے بھی دو روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک روایت میں ہے ”لا وصیۃ لوارث“، دوسری روایت میں ہے ”فلا یجوز لوارث وصیۃ“، یہ عبارت ابن عباس کی دوسری مذکورہ روایت کے فقرہ سے متفق ہے ایک اور روایت دارقطنی نے حضرت جعفر بن محمد کی ان کے والد سے نقل کی ہے جس کی عبارت ہے ”لا وصیۃ لوارث“، یہ عبارت عمرو بن خارجہ کی اول روایت سے متحد ہے۔

بیہقی نے بھی اسی مضمون کی احادیث کو اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔ (۸۸) حضرت ابو امامہ سے جو روایت مروی ہے اس کے الفاظ ہیں ”فلا

(۸۷) سنن، دارقطنی، علی ابن عمر (م ۳۸۵ھ)، مطبعة انصاری دہلی، ۱۳۱۰ھ، ص ۸۹-۳۸۸
 ”(نا) ابوبکر نیسا پوری (نا) یوسف بن سعید (نا) حجاج عن عطاء عن ابن عباس قال -
 قال: ”رسول الله صلعم لا یجوز الوصیۃ للوارث الا ان یشاء الوارث“، - (نا) عبید اللہ
 بن عبدالصمد بن المہدی (نا) محمد بن عمرو بن خالد (نا) ابی عن یونس بن راشد
 عن عطاء الخراسانی عن عکرمۃ عن ابی عباس قال قال: ”رسول الله صلعم الا لا یجوز لوارث
 وصیۃ الا ان یشاء الوارث“، -

(نا) علی بن ابراہیم بن عیسیٰ (نا) احمد بن محمد بن الماسرجسی (نا) عمر بن زرارۃ (نا) زیاد
 بن عبداللہ (نا) اسمعیل بن مسلم عن الحسن بن عمرو بن خارجہ قال قال: ”رسول الله صلعم
 لا وصیۃ لوارث الا ان یجیز الوارث“، -

(نا) احمد بن محمد بن زیاد (نا) عبدالرحمن بن مرزوق (نا) عبدالوہاب (نا) سعید عن قتادہ
 عن شہر بن حوشب عن عبدالرحمن بن غنم عن عمرو بن خارجہ قال: ”خطبنا رسول الله صلعم
 بمعنی فقال ان الله عزوجل قد قسم لكل انسان نصیبہ من المیراث فلا یجوز لوارث وصیۃ الا من
 الثلث“، -

(نا) احمد بن کامل (نا) عبید بن کثیر (نا) عباد بن یعقوب (نا) نوح بن دراج عن ابان ابن تغلب
 عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال قال: ”رسول الله صلعم لا وصیۃ لوارث ولا اقرار بدین“، -

(۸۸) البیہقی، احمد بن الحسین (م ۳۵۸ھ)، السنن الکبریٰ، مطبوعہ دائرۃ المعارف، دکن، ۱۹۵۳ع،
 ج ۶، ص ۴۱۲ اور ۶۳-۲۶۳ -

قد اخبرنا ابوبکر مورک عن عبداللہ بن جعفر ثنا یونس بن حبیب ثنا ابو داؤد ثنا اسمعیل بن عیاش
 عن شرحبیل بن مسلم الخولانی سمع ابو امامۃ یقول شہدت رسول الله صلعم فی حجة الوداع
 مقنعة یقول -

وصیۃ لوارث، جو حضرات ابن عباس اور عمرو بن خارجه کی مذکورہ دو روایات سے متفق ہے، ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کی عبارت ہے ”لا يجوز الوصیۃ لوارث، یہ فقرہ دارقطنی کی بیان کردہ ابن عباس والی روایت سے متفق ہے، اگرچہ اس حدیث کو منقطع کہا گیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس سے اس کے راوی عطاء خراسانی ہیں جن کو حضرت ابن عباس سے سماعت حاصل نہ تھی۔ لیکن دوسری سند میں عطاء خراسانی کے بعد حضرت ابن عباس اور ان کے درسیان حضرت عکرمہ کا اضافہ مروی ہے، اس لئے یہ حدیث متصل قرار پاگئی۔

ابو داؤد نے اپنی سنن میں اس مسئلہ سے متعلق دو باب مقرر کر کے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ (۸۹) جس کی عبارت یہ ہے ”فلا وصیۃ لوارث، چنانچہ

”ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصیۃ لوارث،۔“

انا ابو عبدالله الحافظ اخبرني عبدالرحمن بن الحسن القاضي ثنا ابراهيم الحسين ثنا آدم بن ابي اياس ثنا ورقاء عن ابن ابي نجيج عن عطاء بن ابي رباح عن ابن عباس في قول عزوجل ”يوصيكم الله في اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين“، قال كان الميراث للولد و كانت الوصیۃ للوالدين والا قريبن فنسخ الله من ذلك ما احب فجعل للولد الذكر مثل حظ الانثيين و جعل للوالدين السدس و جعل للزوج النصف و الربع و جعل للمرأة الربع و الثمن رواه البخاري عن محمد بن يوسف عن ورقاء،۔“

انا ابو متوكل احمد بن محمد بن احمد بن الحارث الفقيه انا علي بن عمر الحافظ ثنا ابوبكر النيسابوري ثنا يوسف بن سعيد ثنا حجاج ثنا ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس قال قال : ”رسول الله صلعم : لا يجوز الوصیۃ لوارث الا ان يشاء الورثة،۔“ عطاء هذا هو الخراساني لم يدرك ابن عباس ولم يره قاله ابو داؤد السجستاني وغيره و قدروى من وجه آخر عنه عن عكرمة عن ابن عباس،۔“

(اخبرنا) ابو عبدالله الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب، انا الربيع بن سليمان انا الشافعي، انا ابن عبينه عن سليمان الاحول عن مجاهد ان رسول الله صلعم قال : لا وصیۃ لوارث، (قال الشافعي وروى بعض الشاميين حديثا ليس محل شبهة اهل شام بان بعض رجاله مجهولون عن النبي صلعم فروبنا منقطعاً و اعتمدنا على حديث اهل المغازی عامة ان النبي صلى الله قال عام الفتح لا وصیۃ لوارث و اجماع العامة على هذا القول،۔“

اس روایت میں فتح مکہ کے دن آنحضرت کا یہ فرمانا دیگر تمام روایات کے خلاف ہے۔ دیگر تمام روایات و اہل مغازی سے حجة الوداع کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کتابت کی غلطی ہو یا امام شافعی کو یاد نہ رہا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۸۹) سنن، ابو داؤد، سليمان بن اشعث، محوله بالا، ص ۳۹۶ (باب الوصایا)

حدثنا عبدالوهاب بن جده قال قال ابن عياش عن شرحبيل بن مسلم قال سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله صلعم يقول ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصیۃ لوارث،۔“

”احمد بن محمد المروزی حدثنی علی بن حسین بن واقد عن ابيه عن يزيد النحوی عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ ان ترك خبراً و الوصیۃ للوالدين و الاقربین فكانت الوصیۃ كذلك حتى نسختها آية الميراث،۔“

یہ عبارت دارقطنی کی دو روایات اور بیہقی کی ایک روایت سے متفق ہے۔

امام ترمذی نے بھی اس مسئلہ سے متعلق احادیث کو باب ”لا وصیة لوارث“ کے تحت روایت کیا ہے۔ (۹۰) چنانچہ ایک روایت حضرت ابو امامہ باہلی کی اور دوسری حضرت عمرو بن خارجة کی نقل کی ہے۔ ان دونوں کی عبارت میں بھی ”لا وصیة لوارث“ ہے۔ جو مذکورہ بالا تین روایات سے متحد و متفق ہے، اس طرح پانچ متون اس عبارت میں متفق ہوئے۔

امام نسائی نے بھی بعینہ اسی سند سے عمرو بن خارجة سے تین حدیثیں نقل کی ہیں (۹۱) ان میں دو روایتوں کا متن ”لا وصیة لوارث“ ہے جو مذکورہ بالا پانچ احادیث کے متن سے متفق ہے اور ایک متن ”فلا یجوز لوارث وصیة“ ہے جو دارقطنی کی بیان کردہ حضرت ابن عباس سے ایک روایت سے اور عمرو بن خارجة کی ایک روایت سے اور بیہقی کی ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت سے متفق ہے۔ اس طرح تین روایتیں اس متن میں متفق ہیں۔

ابن ماجہ نے بھی اس مسئلہ سے متعلق احادیث روایت کی ہیں۔ (۹۲)

(۹۰) ”حدثنا هناد و علی بن حجر قالا اخبرنا اسماعیل بن عیاش نا شرحبیل بن مسلم الخولانی عن ابی امامة الباهلی قال سمعت رسول الله صلعم يقول فی خطبة عام حجة الوداع ان الله تبارک و تعالی قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث، الولد للفراش و للعاهر الحجر و جسامهم علی الله تعالی و من ادعی الی غیر ابيه او انتمی الی غیر موالیه فعليه لعنة الله التابعة الی يوم القيامة لا تنفق امرأة من بیت زوجها الا باذن زوجها فقيل یا رسول الله ولا الطعام قال ذاك افضل اموالنا و قال العارية مودة و المنحة مردودة و الدين مقضى و الزعيم غارم، و فی الباب عن عمرو بن خارجة و انس بن مالک هذا حدیث حسن، و قد روى عن ابی امامة عن النبی صلعم من غیر هذا الوجه و رواية اسمعيل بن عیاش عن اهل الاعراق و اهل الحجاز ليس بذالك ینفرد به لانه روى عنهم مناكیر و روايته عن اهل الشام اصح هكذا اقال محمد بن اسمعيل سمعت احمد بن الحسن يقول قال احمد بن حنبل اسمعيل بن عیاش اصلح عندنا من بقية الخ“۔

(۹۱) ”حدثنا قتيبة نا ابو عوانة عن قتادة عن شهر بن حوشب عن عبدالرحمن ابن غنم عن عمرو بن خارجة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب علی ناقته و انا تحت جرائها وھی تنقص بجرانها و ان لعابها لیسيل بین کتفی فسمعتہ يقول ان الله عزوجل اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث والولد للفراش و للعاهر الحجر، هذا حدیث حسن صحیح“۔

(۹۲) سنن، نسائی، عبدالرحمن ابن احمد، محوله بالا، جز ۲، ص ۱۱۱۔
”اخبرنا اسمعيل بن مسعود قال ثنا خالد قال حدثنا شعبة قال ثنا قتادة عن شهر بن حوشب الخ“۔
”اخبرنا عتبة بن عبدالله المروزی قال اخبرنا عبدالله بن المبارك قال اخبرنا اسمعيل بن ابی خالد عن قتاده عن عمرو بن خارجة الخ“۔

سنن، ابن ماجہ، محمد ابن یزید الربیع، محوله بالا، صص ۹۵ - ۱۹۳۔

”ثنا ابو بکر بن ابی شیبہ ثنا یزید بن ہارون انبانا سعید بن ابی عروبة عن قتاده الخ“۔

”حدثنا هشام بن عمار ثنا محمد بن شعيب بن شابور ثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن سعید بن سعید انه حدثنا عن انس بن مالک قال انی تحت ناقة رسول الله صلعم یسيل علی لعابها انی سمعتہ يقول ان الله قد اعطی کل ذی حق حقه الا لا وصیة لوارث“۔

چنانچہ ایک حدیث عمرو بن خارجه رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ ہیں ”فلا یجوز لوارث وصیۃ“، دوسری حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت کی ہے جس کے متن میں ہے ”لاوصیۃ لوارث“، تیسری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کی عبارت میں بھی ”لا وصیۃ لوارث“ ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی ایک روایت کا متن دارقطنی اور بیہقی کی مذکورہ تین روایتوں سے متفق ہے اور دو حدیثوں کا متن مذکورہ بالا سات احادیث سے متفق ہے۔

بیان کردہ کل روایات کا جائزہ لینے کے بعد باسانی اس نتیجہ تک پہنچا جاسکتا ہے کہ ”لا وصیۃ لوارث“ میں کل نو روایات متفق ہیں اور ”لا یجوز لوارث“ میں کل چار روایتیں متفق ہیں۔ اور دو روایتیں ”لا یجوز الوصیۃ لوارث“ کی عبارت میں متفق ہیں۔ لیکن ان عبارتوں کا اختلاف حدیث کے منشاء اور مقصد میں کوئی فرق نہیں پیدا کرتا۔ تمام عبارتوں کا منشاء یہی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت ناجائز و نادرست ہے۔ احادیث کے نو متن ایسے ہیں جن میں لاء نفی جنس استعمال کیا گیا ہے جو اس امر کا مقتضی ہے کہ وارث سے وصیت کی ماہیت اور اس کی جنس کی نفی کردی گئی ہے، یعنی وصیت کا چھوٹا، بڑا یا اوسط کوئی فرد وارث کے حق میں جائز نہ ہوگا۔ چار متون میں ”لا یجوز لوارث وصیۃ“ کی عبارت ہے جس میں ”وصیۃ“ کا لفظ نکرہ سیاق نفی میں آیا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ جب نکرہ سیاق نفی میں واقع ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث ”لا یجوز لوارث وصیۃ“ کے معنی یہ ہونے کہ وارث کے حق میں وصیت کا کوئی فرد جائز نہیں۔ یعنی خواہ وصیت کثیر مال کی ہو یا قلیل مال کی۔ اور یہ معنی ”لا وصیۃ لوارث“ سے متفق ہیں، البتہ دو روایتوں میں وصیت کے لفظ کو معرفہ باللام، ”الوصیت“، ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے معرفہ لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سابقہ احادیث سے بلحاظ معنی کچھ اختلاف ہو۔ کیونکہ یہ الف لام الوصیت میں جنسی بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی ہوں گے، وارث کے حق میں جنس وصیت جائز نہیں۔ اور الف لام استغراقی بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اس عبارت کے وہی معنی ہوں گے جو نکرہ کے سیاق نفی میں آنے سے ہوا کرتے ہیں۔ یعنی وارث کے لئے وصیت کا کوئی فرد جائز نہیں۔ چنانچہ اس توضیحی بیان

سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ احادیث کی تمام عبارتیں معنوی حیثیت میں متعدد ہیں۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ”الوصیۃ“ میں جس طرح الف لام جنسی یا استغراقی ہو سکتا ہے اسی طرح یہ احتمال بھی ہے کہ یہ الف لام عہد خارجی ہو اور اس سے وصیت کی ایک مخصوص قسم و فرد مراد ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر الف لام تعریفی کو عہدی تصور کیا جائے تب بھی اس سے اس وصیت کی طرف اشارہ ہوگا جس کو کتاب اللہ میں وراثت کی آیت کے نزول سے قبل لازم کیا گیا تھا۔ یعنی ”اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیران الوصیۃ للوالدین والاقربین“ کی جانب۔ چنانچہ حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ وصیت جو کتاب اللہ میں ”اذا حضر احد کم الموت“ سے واجب کی گئی تھی اب لازم نہیں۔ چنانچہ اس صورت میں بھی وارث کے حق میں وصیت کا ناجائز ہونا ثابت ہوگا۔

وارث اقرباء کے حق میں وصیت کے متعلق فقہاء کرام کی آراء:

علامہ ابن رشد نے ”بداية المجتهد“ میں لکھا ہے کہ فقہاء امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ (۹۳) البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ میت کے اقرباء کے موجود ہوتے ہوئے غیر شخص کو وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ حسن و طاؤس فرماتے ہیں کہ ”غیر وارث اقرباء“ کے ہوتے ہوئے اجنبی کے حق میں وصیت جائز نہیں بلکہ یہ وصیت ان اقرباء کی طرف پھیر دی جائے گی۔ اسحاق کا قول بھی یہی ہے۔

وارث اقرباء کے حق میں وصیت کے باطل ہونے پر اجماع کے ساتھ اس پر بھی اتفاق ہے کہ وارث کے حق میں میت کے وراثت کی اجازت دے دیں تو وصیت نافذ کر دی جائے گی۔ البتہ اہل ظاہر اور امام سزنی وراثت کی اجازت کے بعد بھی جواز کے قائل نہیں ہیں۔ اور امام شعرانی نے میزان الكبرى

(۹۳) بداية المجتهد، ابن رشد (م ۵۰۹۵)، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، ۱۹۶۰ء، ج ۲

میں امام زہری کو بھی اس قول میں اہل ظاہر کے ساتھ شامل کیا ہے۔ (۹۴) لیکن اصح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت موصی (وصیت کرنے والے) کی وفات کے بعد دیگر ورثاء کی رضامندی سے قابل نفاذ ہوگی۔ البتہ موصی کی زندگی میں دیگر ورثاء کی رضامندی کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حنفیہ :

المبسوط میں امام سرخسی نے لکھا ہے کہ آیت ”کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الخ“ کے متعلق اکثر مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں اس وقت تک تھا جب تک کہ موارث کی آیت نازل نہ ہوئی تھی جو آیت موارث کے نزول کے بعد منسوخ ہو گیا، البتہ اس کے ناسخ ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔ ابوبکر رازی کا خیال ہے کہ آیت وصیت کا حکم، ”من بعد وصیة یوصی بہا اودین“ کے ذریعہ منسوخ ہوا، کیونکہ اس آیت میں اس امر پر نص موجود ہے کہ میراث وصیت کے بعد تقسیم کی جائے، نیز وصیت کا لفظ نکرہ وارد ہوا ہے، لہذا والدین اور اقربین کے لئے وصیت ثابت تھی تو ایسی صورت میں وصیت کو ”معرفة باللام“ لاکر میراث کا ذکر اس کے بعد کرنا چاہئے تھا، کیونکہ وصیت ایک معین امر تھا۔ یہی قول امام شافعی کا ہے، اگرچہ ان کے مذہب میں سنت کے ذریعہ کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں۔ امام رازی کتاب اللہ کا نسخ سنت متواترہ کے ما سوا دیگر اقسام سنت سے جائز نہیں سمجھتے، لیکن اکثر حنفی علماء فرماتے ہیں کہ وصیت کا مذکورہ بالا قرآنی حکم رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد سے منسوخ ہو گیا کہ ”ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه الا وصية لوارث“۔ یہ مشہور حدیث ہے جس کو علماء نے قبول کرتے ہوئے اس پر متواتر عمل کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس قسم کی حدیث سے نسخ جائز ہوتا ہے۔ کیونکہ جس حدیث کو علماء امت قبول و عمل میں تسلسل بخشیں وہ حدیث ایسی تصور کی جاتی ہے گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو (خود) من لیا گیا ہو۔ چنانچہ اگر ہم خود حضور (صلعم) کو اس طرح فرماتے سن لیتے کہ ”یہ آیت باعتبار حکم منسوخ ہو گئی، اس کے حکم پر عمل نہ کرنا“ تو اس وقت

(۹۴) میزان الكبرى، امام شعرانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۰۵۔

ہمارے لئے (آیت پر) عمل کرنا جائز نہ ہوتا۔ حضرت ابو قلابہ نے اس حدیث کو مذکورہ الفاظ سے روایت کیا ہے اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ زائد ہیں ”الا ان یجیز الورثۃ، ان الفاظ کی زیادتی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی وصیت کے جواز کی نفی ہے، وصیت کے ثبوت کی نفی نہیں ہے۔ جواز کی نفی کے ساتھ یہ لازم ہے کہ فرضیت اور وجوب کی بھی نفی ہو جائے۔ مذکورہ حدیث جس سند سے روایت کی گئی ہے اگرچہ اس سند سے وہ مرسل ہے، لیکن ہمارے نزدیک مرسل حدیث حجت ہوتی ہے، جس طرح کہ مسند حدیث قابل حجت ہوا کرتی ہے، بلکہ استدلالی حیثیت میں مرسل حدیث مسند حدیث سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ راوی جب کسی حدیث کے متن کو محض ایک شخص سے سنتا ہے تو اس شخص کے نام کا محفوظ کر لینا اس کے لئے مشکل نہیں ہوتا، لیکن اگر کثیر تعداد میں اشخاص سے سنتا ہے تو ان سب کا محفوظ کر لینا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، اس لئے وہ ارسال اختیار کر لیتا ہے، گویا کسی مشہور راوی کا ارسال اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ حدیث انتہائی درجے میں مشہور ہو چکی تھی،“۔ (۹۵)

مندرجہ بالا اقتباس سے جو حنفی نقطہ نظر واضح ہو کر سامنے آتا ہے یہ ہے کہ وصیت کی آیت قرآن کی آیت میراث کے ذریعہ منسوخ ہو گئی نیز سنت سے بھی، کیونکہ احناف کے نزدیک سنت مشہورہ حتیٰ کہ احادیث مرسلہ سے بھی نسخ جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ سنت سے کتاب اللہ کے نسخ کے قائل نہیں ہیں لیکن چونکہ وصیت کی آیت کے منسوخ ہونے میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ میراث کی آیت سے منسوخ ہوئی ہے اور حدیث مذکورہ اس کا بیان ہے یا تائید کرتی ہے۔ نیز اس حدیث پر جمہور کا اجماع ہو چکا ہے اس لئے وہ قابل عمل ہو گئی اور آیت کا نسخ صحیح متصور ہوگا۔

مالکیہ:

امام مالک کے نزدیک بھی وصیت کی آیت میراث کی آیت سے منسوخ ہے اور سنت ثابتہ سے یہ امر ثابت ہے کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں

الا یہ کہ دیگر وراثت اجازت دے دیں۔ (۹۶)

شافعیہ :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں متعدد مقامات پر اس مسئلے میں گفتگو فرمائی ہے۔ چنانچہ ”باب ما نسخ من الوصایا، میں فرمایا ہے کہ ”بعض اہل علم بالقرآن (مفسرین) کا فرمانا ہے کہ والدین اور وارث اقرباء کے حق میں وصیت کرنا منسوخ ہو گیا۔ اور غیر وارث اقرباء کی وصیت میں اختلاف ہے۔ زیادہ تر اہل علم جن سے میری ملاقات ہوئی اور جن سے مجھ کو علم حاصل ہوا یہ فرماتے رہے کہ وصیت منسوخ ہو گئی، اس لئے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب کہ وصیت کے ذریعہ ہی ترکہ دیا جاتا تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے وراثت کا بذات خود تعین فرما دیا، تو اب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ جو کچھ ان حضرات نے کہا ہے، انشاء اللہ ایسا ہی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آپ کے قول کی کیا دلیل ہے، تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”ولا بویہ اکل واحد منها السدس، الا یہ۔ کہ ماں باپ میں سے ہر ایک کے واسطے چھٹا حصہ ہے۔ ہم سے ابن عیینہ نے بواسطہ سلیمان الاحول حضرت مجاہد سے روایت کیا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ”لا وصیۃ لوارث، اور جو کچھ میں نے بیان کیا کہ سواریت کی آیت ”لا وصیۃ لوارث، سے منسوخ ہے، اس میں میری ملاقات اور میرے علم کی حد تک کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کا حکم دیا تھا جب وہ آیت وصیت سواریت کی آیت سے منسوخ ہو گئی اور سنت نے بھی اس کی تائید کردی کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اور یہ بتادیا کہ وصیت غیر وارث کے لئے کی جا سکتی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وراثت کے لئے وصیت جائز نہیں اور یہ قوی طور پر ثابت ہو گیا کہ غیر وارث کے لئے وصیت ثابت ہے۔ اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ والدین اور دوسرے ایسے قرابت دار جو کسی وقت میں وارث نہ ہوں تو ان کے حق

(۹۶) شرح موطا الامام مالک، الزرقانی، محمد بن عبدالباقی (م ۱۱۲۲ھ)، مطبعة مصطفى البابی،

مصر، ۱۳۸۱/۱۹۶۲ع، ج ۳، ص ۳۸۰۔
المسوی (شرح موطا، امام مالک)، ولی اللہ دہلوی، شاہ، (م ۱۱۷۶ھ) مطبعة السلفیہ، مکہ
معظمہ، ۱۳۵۱ھ، ج ۲، ص ۷۹

یہی وصیت جائز ہوگی۔ یعنی ان کا وارث ہونا ان کے حق میں وصیت کو باطل کرتا ہے لیکن اگر وارث نہ ہوں تو وصیت باطل نہ ہوگی۔ الخ (۹۷) اس کے بعد پھر امام شافعی نے ”باب الوصیۃ للوارث“ کے عنوان کے تحت فرمایا ہے کہ ”مغازی کے عام اہل علم جن سے سیری ملاقات ہوئی ان کو واضح طور پر یہ نقل کرتے پایا کہ فتح مکہ کے سال میں رسول اللہ (صلعم) نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا ”لا وصیۃ لوارث“، اور اس حکم میں علماء کے درمیان مجھے کوئی اختلاف نظر نہ آیا۔ (۹۸)

پھر امام شافعی نے دوبارہ صفحہ ۱۱۲ پر ”باب الوصیۃ للوارث“ کا عنوان قائم کر کے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً“، ”الآیۃ“، اور سواریت کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ولا یوہ لکل واحد منہما السدس“، الآیۃ یہاں یہ اسکاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں حکموں کو اس طرح جمع کر دیا جائے کہ والدین اور اقرباء دونوں حکم میں شامل ہوں۔ اس طرح وصیت کنندہ پر واجب ہو کہ وہ ان لوگوں کے لئے وصیت بھی کر دے تاکہ یہ لوگ وصیت کے ذریعہ وصیت کا حصہ حاصل کر لیں اور وراثت کے ذریعہ وراثت کا حصہ بھی لے لیں۔ دوسرا اسکاں یہ ہے کہ وصیت کا حکم بالکل منسوخ ہو چکا ہو۔ صرف وراثت ان کے حق میں باقی رہی ہو۔ لہذا ہم نے اس پر یہ دلیل موجود پائی کہ والدین اور وارث اقرباء کے حق میں وصیت سواریت کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو وہ روایات ہیں جو اگرچہ مغازی کے راویان کی سندوں سے متصل نہیں ہیں (بلکہ مرسل ہیں) جن کے منجملہ ایک وہی سابقہ روایت جو حضرت مجاہد کی ہے۔ اس کے ماسوا ہم کو ایک متصل روایت بھی پہونچی ہے جو دوسرے راوی سے مروی ہے۔ پھر تمام مقامات کے اہل علم میں سے کسی کو ہم نے ایسا نہ پایا جس نے اس حکم میں اختلاف کیا ہو کہ والدین کے حق میں وصیت سواریت کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ لیکن منسوخ ہونے کے بعد دو احتمال مزید پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ فی نفسہ وصیت منسوخ

(۹۷) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۹۹-۹۸۔

(۹۸) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۰۸۔

ہو اور اب وصیت کرنا بالکل جائز ہی نہ ہو بلکہ باطل ہو اور اگر کی جائے تو اس کو رد کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ فی نفسہ باطل نہ ہو بلکہ واجب ہونا منسوخ کر دیا گیا ہو۔ اس حالت میں اگر کوئی میت وصیت کر دے تو صحیح ہو سکتی ہے اور جس صورت میں کہ میت نے والدین کے لئے وصیت کی ہو اور اس کے بعد وارثوں نے بھی اس کی اجازت دے دی ہو تو ایسی صورت میں جو مال والدین کو ملے گا وہ مال وصیت کی بناء پر نہ ملے گا بلکہ وہ درحقیقت وراثت کی طرف سے تبرعاً (بطور احسان) دیا گیا متصور ہوگا۔ کیونکہ وصیت کا حکم تو ہم والدین کے حق میں باطل قرار دے چکے ہیں۔ لہذا کتاب اللہ کا حکم والدین کی وصیت کے حق میں منسوخ قرار پایا۔ چنانچہ جب والدین وارث ہوتے ہیں (تو وصیت ان کے حق میں باطل ہوتی ہے) تو اس پر ہم نے دیگر اقرباء وارثین کو قیاس کر لیا (کہ جب یہ وارث ہوں گے تو وصیت ان کے حق میں باطل ہوگی)۔ یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

امام شافعی مزید فرماتے ہیں کہ ”مختصر یہ کہ ہم نے نص (کتاب اللہ) اور سنت و قیاس کے ذریعہ وراثت کے حق میں وصیت کو باطل قرار دیا اور غیر وارث اقربین و اجنبی لوگوں کے لئے جائز قرار دیا، خواہ کوئی بھی ہوں۔ اب وصیت میں اصل وہ لوگ قرار پائیں گے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصل قرار پائے یعنی غیر وارث اقرباء اور اجنبی۔ لہذا جو شخص میت کا وارث ہوگا اس کے حق میں وصیت کو میں باطل قرار دوں گا اور جو وارث نہ ہوگا اس کے حق میں صحیح قرار دوں گا اور میرے نزدیک یہ طریقہ موجود بھی ہے۔ (۹۹)

حنبلیہ :

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ و علماء حنبلیہ کا مسلک بھی آئمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق ہے اور ان کے بھی تقریباً وہی دلائل ہیں جن کو آئمہ مذکورہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ ان کے نزدیک بھی

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ (۱۰۰)

امامیہ :

امامیہ کے نزدیک وراثت کے لئے وصیت جائز ہے۔ علامہ حلی نے شرائع الاسلام میں فرمایا ہے کہ اجنبی اور وارث (دونوں) کے لئے وصیت جائز ہے (۱۰۱) البتہ کتاب مذکور کے دوسرے مقام کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامیہ کے نزدیک بھی وصیت کے مال کی مقدار ایک تہائی سے زائد کسی حالت میں نہ ہونی چاہئے۔ ایک تہائی سے زائد کی وصیت باطل ہوگی۔ (۱۰۲)

ظاہریہ :

علامہ ابن حزم ظاہری نے اپنی کتاب ”المحلی“ میں لکھا ہے کہ ”وارث کے لئے وصیت بالکل جائز نہیں۔ چنانچہ اگر مرنے والے نے کسی غیر وارث کے لئے وصیت کی مگر شخص موصی لہ موصی کے موت کے وقت وارث کا درجہ پا جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر وارث کے لئے وصیت کی تھی (جو جائز نہ تھی) اور پھر یہ وارث غیر وارث کا درجہ پا گیا، تب بھی وصیت باطل ہوگئی، کیونکہ وصیت کے وقت ہی وصیت باطل تھی، خواہ وراثت اجازت دیں یا نہ دیں (ان کی اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا)۔ (۱۰۳)

جواز و نفاذ وصیت :

امام مالک کے نزدیک وصیت کے جائز یا ناجائز ہونے کے سلسلے میں یوم تنفیذ کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ یوم وفات کا۔ (۱۰۴) ابن حزم کے نزدیک

(۱۰۰) المختصر الخرقی، الخرقی، عمر بن الحسین (م ۳۳۴ھ)، المكتبة الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۴ھ
۱۹۶۳ع، ص ۱۱۱ (کتاب الوصایا)۔

(۱۰۱) شرائع الاسلام، نجم الدین ابو جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۱، القسم الثانی، ص ۲۶۲۔

(۱۰۲) شرائع الاسلام، نجم الدین ابو جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۱، القسم الثانی، ص ۲۵۹۔

(۱۰۳) المحلی، امام ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۸۶۔

(۱۰۴) جواهر الاکلیل، شرح مختصر خلیل، صالح عبدالسمیع، مطبعة مصطفی البابی مصر، ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ع، ج ۲، ص ۳۱۸۔

المحلی، امام ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۸۶۔

اگر وارث بوقت مرگ موصی غیر وارث کا درجہ پا جائے، تب بھی وصیت باطل ہوگی۔ (۱۰۵) (کیونکہ وہ من ابتداء باطل تھی)۔

راقم الحروف کے نزدیک امام ابن حزم کا نقطہ نظر درست نہیں۔ جو امر عارض وصیت کے جواز میں مانع تھا وہ ہٹ گیا تو وصیت کے نفاذ میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اس لئے اعتبار یوم تنفیذ کا کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ وصیت کے نفاذ کا سوال موت کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے اور جب نفاذ کے وقت میں موصی لہ وارث نہیں ہے تو وصیت نافذ قرار دی جانی چاہئے۔ سزید برآں وصیت کے جواز یا عدم جواز کا قطعی اور فیصلہ کن وقت موصی کی وفات کے فوری بعد ہے کیونکہ موصی کی موت ہی سے ایجاب وصیت قطعی ہوتا ہے اور نفاذ وصیت کا وقت بھی موصی کی موت کے بعد ہوتا ہے اس لئے موصی لہ کا وارث یا غیر وارث ہونا نفاذ وصیت کے وقت معتبر ہونا چاہئے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ ظاہریہ کے نزدیک وراثت کی اجازت کے بعد بھی وصیت جائز نہ ہوگی۔ حالانکہ راقم الحروف نے اس سلسلے کی جو احادیث سطور بالا میں نقل کی ہیں، ان میں وارث کے حق میں وصیت کی سماعت کے بعد بعض روایات میں یہ جملہ بھی منقول ہے ”الا ان یشاء الورثۃ“، یا ”الا ان یجیز الورثۃ“، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظاہریہ نے ”الا ان یشاء الورثۃ“، کو کتاب اللہ کے مخالف تصور کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ”لا وصیۃ لوارث“ کے ذریعہ جو کہ بظاہر کلام رسول ہے (لیکن درحقیقت وحی خفی کے ذریعہ اللہ کا حکم ہے) وصیت کی ماہیت اور جنس کی نفی کردی گئی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول کی زبان مبارک سے خود اس کو باطل قرار دے دیا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ باطل فرمائے اس کو مخلوق کی اجازت صحیح قرار نہیں دے سکتی۔ البتہ ابن حزم نے اسی مقام پر فرمایا ہے کہ ”اگر وراثت نے اجازت دے دی تو یہ بذات خود وراثت کی طرف سے ہبہ تصور کیا جائے گا۔ (۱۰۶) جیسا کہ امام شافعی کا مسلک بھی ہے۔

(۱۰۵) المعلی، امام ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۸۶۔

(۱۰۶) المعلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۸۶۔

ایک اشتباہ:

دارقطنی کی ایک روایت میں جس کو انہوں نے عمرو بن خارجه سے، ان کی اپنی سند کے ذریعہ روایت کیا ہے یہ جملہ بھی آیا ہے ”الا من الثلث“، یعنی وارث کے حق میں وصیت نہیں مگر یہ کہ ایک تہائی کے اندر ہو۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک تہائی کی حد تک وارث کے حق میں وصیت جائز ہے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ اتنے حصے میں وراثت کی اجازت کی ضرورت نہیں، خواہ اجازت دیں یا نہ دیں، ایک تہائی کی حد تک وصیت جائز ہو گی۔ حالانکہ وراثت کے حق میں بغیر اجازت وراثت کسی مقدار کی وصیت جائز نہیں۔ اور جتنی روایات میں ”الا ان یشاء الورثة“، ہے، ان تمام روایات سے اس جملہ کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ وارث کے حق میں وصیت صرف اس وقت صحیح ہوگی جب کہ وراثت اجازت دے دیں ورنہ نہ ہوگی۔

دراصل یہ الفاظ ”الا من الثلث“، صرف دارقطنی کی ایک روایت میں مذکور ہیں۔ باقی آئمہ حدیث کی روایات اس فقرہ سے خالی ہیں۔ دیگر روایات کے راویان اس روایت کے راوی قتادہ تک متحد ہیں۔ قتادہ سے نیچے کے راوی مختلف ہیں۔ قتادہ سے نیچے راوی سعید ہیں۔ چنانچہ حضرت قتادہ سے ان سعید کے ماسوا جتنے روایت کرنے والے ہیں ان میں سے کسی نے اس جملہ کو اپنی حدیث میں روایت نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں قتادہ سے ابو عوانہ نے روایت کیا ہے، نسائی کی ایک سند میں بھی ابو عوانہ ہیں، دوسری سند میں شعبہ ہیں، تیسری میں اسمعیل بن ابی خالد ہیں، ان میں سے کوئی راوی قتادہ اور ان کے اعلیٰ راویوں سے اس جملہ کی روایت نہیں کرتا۔ البتہ ابن ماجہ کی سند میں قتادہ سے نیچے راوی سعید بن ابی عروہ موجود ہیں لیکن اس حدیث میں بھی یہ جملہ موجود نہیں بلکہ دوسری تفصیل آتی ہے۔ چونکہ دارقطنی نے اپنی سند میں محض ”سعید“ کہا ہے، ان کی کوئی نسبت نہیں بیان کی، اس لئے معلوم نہیں کہ یہ کون سعید ہیں۔ اگر یہ وہی سعید ابن ابی عروہ ہیں جن سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے تو وہاں ان کی روایت میں یہ جملہ موجود نہیں۔ اور اگر وہ سعید نہیں ہیں تو کون سے سعید ہیں، معلوم نہیں۔

بہر کیف یہ اضافہ دیگر کثیر روایتوں کے مقابلے میں منکر یا شاذ یا معلول کے درجہ کا ہے اور ناقابل قبول ہے۔

نیز یہ کہ اگر یہ وہی سعید بن عروہ ہیں جن سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جس میں یہ جملہ موجود نہیں تو ابن ماجہ کی روایت دارقطنی کی روایت کے مقابلے میں مرجح ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ نے راوی کو اس کی نسبت کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں دارقطنی کی اس سند کے مقابلے میں دیگر احادیث کی اسناد بھی قوی ہیں۔ ان کے تمام راوی معروف و مشہور ہیں، اس لئے محض دارقطنی کا سعید سے مروی یہ اضافہ صرف نظر کر دیا جائے گا۔

تجزیہ :

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں اپنے باب کا عنوان ”لا وصیۃ لوارث“ کے الفاظ سے قائم کیا ہے۔ یہ جملہ محدثین کی روایت کا ہی ایک حصہ ہے۔ امام بخاری اس عنوان کے تحت بذات خود ایسی روایت نہیں لائے ہیں جس کا بعینہ متن ”لا وصیۃ لوارث“ ہو بلکہ حضرت عطاء کے واسطے سے حضرت ابن عباس کا یہ اثر روایت کیا ہے ”کہ عطا نے ابن عباس سے روایت کیا کہ ابن عباس نے فرمایا کہ اولاً مال اولاد کے لئے تھا اور والدین کے حق میں وصیت تھی پس اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جس کو جس طرح پسند فرمایا منسوخ کر دیا، لہذا لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے $\frac{1}{6}$ اور زوجہ کے لئے $\frac{1}{8}$ یا $\frac{1}{4}$ اور شوہر کے لئے $\frac{1}{2}$ یا $\frac{1}{3}$ حصہ مقرر کر دیا۔“ صاحب فتح الباری نے اس کی شرح میں لکھا ہے (۱۰۷) کہ ”بخاری کا ترجمۃ الباب، لا وصیۃ لوارث، ایک مرفوع حدیث کا فقرہ ہے۔ چونکہ اس حدیث کے روایت کنندگان امام بخاری کی شرط کے مطابق پورے نہ اترتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے طریقہ کے مطابق متن حدیث کے الفاظ کو اپنے باب کا عنوان مقرر فرما دیا اور ترمذی و ابو داؤد

(۱۰۷) صحیح، بخاری، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۸۳۔

”عن عطاء عن ابن عباس قال كان المال للولد و كانت الوصیۃ للوالدین ففسخ اللہ من ذلك ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین، وجعل للابوین لكل واحد منهما السدس و جعل للمرأة الثمن و الربع و للزوج الشطر و الربع“۔

وغیر ہما نے اس حدیث کا متن اپنی سندوں سے روایت کیا ہے جو کہ حضرت ابو اسامہ سے باین عبارت ہے ”سمعت رسول اللہ صلعم يقول فی خطبته فی حجة الوداع : ان الله قد اعطى كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث،“۔ اس حدیث کی سند کے ایک راوی اسمعیل بن عیاش ہیں جن کی روایت کو شامی مشائخ سے ائمہ کی ایک جماعت نے مکمل قوی بتایا ہے۔ ان ائمہ کے منجملہ امام احمد بن حنبل اور امام بخاری بھی ہیں اور اس حدیث کو اسمعیل بن عیاش نے شرحبیل بن مسلم سے روایت کیا ہے جو کہ شامی مشائخ میں محدثین کے نزدیک ثقہ شیخ ہیں اور ترمذی کے استخراج میں ان کا بصراحت ذکر موجود ہے۔ خود ترمذی نے اس حدیث کے متعلق ”حدیث حسن“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں نیز ترمذی اور نسائی نے اسی متن حدیث کو عمرو ابن خارجہ سے روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے حضرت انس سے اور دارقطنی نے عمرو بن شعیب اور حضرت جابر سے بھی روایت کیا ہے اور حضرت جابر کی روایت کے متعلق کہا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ان احادیث کی اسناد کے بارے میں اگرچہ محدثین نے گفتگو کی ہے لیکن مجموعی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کی اصل ثابت ہے بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الام“ میں کہا ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت تواتر کو پہنچ چکی ہے، چنانچہ فرمایا ہے ”ہم نے اہل فتویٰ اور ان تمام اہل علم بالمغازی قرشیین کو جن سے ہم سنتے رہے ہیں اس روایت کو نقل کرتے پایا، نیز ان کے ماسوا دوسرے حضرات کو بھی۔ ان میں سے کسی کا آنحضرت صلعم کے اس فرمان کو سال فتح مکہ میں ارشاد فرمانے سے اختلاف نہیں ہے اور جن اہل علم نے ان حضرات سے ملاقات کی وہ سب اس کو مسلسل روایت کرتے چلے آئے ہیں اس لئے یہ روایت ”نقل کافہ عن کافہ“، قرار پائی جو کہ خبر واحد سے قوی تر ہوا کرتی ہے، لیکن امام فخرالدین رازی نے اس قول پر اعتراض کیا ہے، اور بالفرض اس کو تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سنت کے ذریعہ نسخ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں امام شافعی کے نزدیک نسخ بذریعہ سنت نہیں بلکہ اس مسئلہ میں ان کے نزدیک اجماع حجت ہے جس کی امام شافعی

نے تصریح بھی کی ہے۔ وارث کے حق میں وصیت صحیح نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے لئے اب وصیت کرنا واجب نہیں رہا، البتہ اگر ورثاء اجازت دے دیں تو وصیت نافذ ہوگی۔

دارقطنی نے بذریعہ ابن جریج بواسطہ عطاء ابن عباس سے اس حدیث کو مرفوع روایت کیا ہے جس کا متن یہ ہے ”لا تجوز وصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ“، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ یہ حدیث باین معنی معلول کہی جا سکتی ہے، کہ سند میں راوی کا نام بغیر نسبت صرف (عطا) کہہ کر روایت کیا گیا ہے، جس کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عطاء خراسانی ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح ہیں۔ واللہ اعلم۔ امام بخاری نے بھی اسی علت کے پیش نظر اس متن حدیث کو سنداً روایت نہیں کیا بلکہ حدیث کے متن کو اپنے باب کا عنوان کر دیا، (اور یہ عنوان مقرر کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ اصل متن بخاری کے نزدیک بھی ثابت الاصل ہے) اور عطا بن ابی رباح کی موقوف روایت حضرت ابن عباس سے بیان کر دی۔ چنانچہ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے، لیکن دوسری روایات کے سبب جو اسی مضمون کو ادا کرتی ہیں حکماً مرفوع قرار پاگئی۔

اسلامی ممالک میں قانون سازی :

بعض اسلامی ممالک بشمول مصر، شام، عراق، تیونس میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا گیا ہے کہ دادا کے لئے وصیت ایسے غیر وارث پوتے اور پوتیوں کے حق میں کرنا واجب ہے جن کا باپ اس دادا کی زندگی میں فوت ہوچکا ہو۔ چنانچہ دفعہ ۷۶ قانون الوصیۃ، ۱۹۴۶ع مصر میں کہا گیا ہے کہ ”اگر میت نے اپنے اس بیٹے کی اولاد کے لئے جو اس کی حیات میں انتقال کر چکا تھا، خواہ یہ انتقال حکماً ہی کیوں نہ ہو، اس حصہ کی جو بیٹا زندہ ہونے کی حالت میں ہاتا، وصیت نہ کی ہو تو (قانوناً) یہ لازم ہوگا کہ اس اولاد کے لئے میت کے ترکہ سے اس کے باپ کے حصہ کے بقدر ایک تہائی کی حدود میں وصیت موجود قرار دی جائے، بشرطے کہ یہ اولاد اس حالت میں غیر وارث ہو اور میت (دادا،

دادی) نے کسی دوسرے طریقہ (تصرف) سے اس اندازے کے مطابق جو قانوناً اس کے لئے مقرر تھا، مال نہ دیا ہو اور اگر کچھ مال دیا ہو لیکن وہ قانونی مقدار سے کم ہو تو اس کمی کے پورا کرنے کی حد تک قانوناً وصیت لازمی قرار دے کر کمی کے بقدر اس کو پورا کیا جائے گا۔ (۱۰۸)

البتہ اسلامی ممالک کے جبری وصیت سے متعلق وضع کردہ قوانین سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ یتیم پوتیاں (سیت کے بیٹے کی موجودگی میں) وارث نہیں ہوتے۔ کیونکہ اگر مرحوم بیٹے کا حصہ ایک تہائی سے کم ہوتا ہے تو حصہ کے مطابق وصیت قرار دی جائے گی اور اگر حصہ ایک تہائی سے زائد ہے تو ایک تہائی کی حد تک عمل کیا جائے گا نیز یہ کہ وصیت واجبہ میں موصی لہ کے غیر وارث ہونے کی شرط خود ایک واضح ثبوت ہے، جس کے اطلاق کو محض یتیم پوتیوں تک محدود رکھنا اجتہاد پر مبنی نظر آتا ہے۔ البتہ دفعہ ۱۳ قانون الوصیۃ، ۱۹۴۶ ع مصر کے تحت یہ امر جائز قرار دیا گیا ہے کہ موصی اپنے ترکہ کی تقسیم و تخصیص اپنے سب یا بعض ورثاء کے درمیان بذریعہ وصیت کر سکتا ہے چہ خواہ بعض کے حق میں ان کے شرعی حصہ سے اضافہ ہی کیوں نہ اختیار کیا گیا ہو، بشرطے کہ وہ اضافہ ایک تہائی سے متجاوز نہ ہو نیز یہ کہ اس وصیت کے نفاذ کے لئے ورثاء کی اجازت کی ضرورت نہ ہوگی۔ (۱۰۹) چنانچہ مصر میں وصیت کا جو قانون بنایا گیا ہے اس کی تحت بالنتیجہ وارث کے حق میں وصیت (اختیاری) جائز قرار دی گئی ہے۔

(۱۰۸) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ابی الفضل (م ۸۵۲)، مطبعة مصطفى البابی مصر، ۱۳۷۸/۱۹۶۹ ع، ج ۶، ص ۲-۳۰۱۔

(۱۰۹) اذا لم یوص المیت لفرع ولده الذی مات فی حیاته اومات معه ولو حکما بمثل ماکان یستحقه هذا الولد میراثاً فی ترکته لو کان حیا عند موته وجبت للفرع فی التركة وصیة بقدر هذا النصیب فی حدود الثلث بشرط ان یکون غیر وارث والا یکون المیت قدر اعطاه بغیر عوض من طریق تصرف آخر قدر ما یجب له، وان کان اعطاه اقل منه وجبت له وصیة بقدر ما یکمله۔۔۔

”تصح الوصیة بقسمة اعوان التركة علی ورثة الموصی بحیث یمین لكل وارث او لبعض الورثة قدر نصیبه و تكون لازمة سوغة الموصی، فاذا زادت قسمة عین لاه حدهم علی استحقاقه فی التركة کانت الزیادة وصیة۔۔۔“

جدید نقطہ نظر :

چنانچہ جدید نقطہ نظر یہ ہے کہ سب سے پہلے تقسیم ترکہ کے قرآنی احکام وصیت کے ذریعہ نافذ ہونے اور آیت وصیت نازل ہوئی۔ لیکن وصیت کا یہ حکم اقرباء اور والدین کے حصص کے اعتبار سے غیر معین تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے اسی آیت وصیت میں عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے یہ پابندی لگادی کہ اگر کوئی موصی غیر عادلانہ طریقہ پر وصیت کرجائے تو اہل اختیار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وصیت کو بدل کر تقاضائے عدل کے مطابق کر دیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار جس میں موصی کو وصیت کا پورا اختیار دے دیا گیا تھا عملی زندگی میں دشواریوں کے بغیر چلنا مشکل تھا، لہذا مشیت ایزدی کا تقاضہ ہوا کہ والدین اور اقربین کے حصوں کا قانون میراث کے ذریعے تعین کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ وصیت کو بھی جائز رکھا، جس کی تعیین رسول اکرم نے ایک تمہائی تک فرمادی۔ چنانچہ آیت سواریت اور آیت وصیت کے مطالعہ سے یہ امور واضح ہوتے ہیں :-

۱۔ میراث کے طے شدہ حصے لازمی طور پر والدین اور اقرباء کو ملیں گے۔

۲۔ یہ حصے کم سے کم ہیں اور موصی وصیت کے ذریعہ عدل کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان مقررہ حصوں کے علاوہ بذریعہ وصیت دے سکتا ہے۔

۳۔ موصی کو یہ اجازت ہے کہ وہ چاہے تو وصیت عدیم المال وارثوں کے حق میں کرے اور چاہے تو کسی غیر وارث یا کسی جائز خیراتی مد میں دے دے۔

نتیجہ فکر:

اگرچہ بظاہر یہ امر اقرب الی العدل معلوم ہوگا کہ وصیت عدیم المال قرابت داروں کے حق میں کی جائے، خواہ وہ وارث ہی

کیوں نہ ہو، لیکن آیت میراث کے ذریعہ وراثت کے حصوں کے تعیین کے بعد وصیت غیر وارث ہی کے حق میں بطور استعجاب ثابت ہے۔ بہر کیف، اسی بنیاد پر بعض ممالک اسلامیہ بالخصوص مصر نے وارث کے حق میں وصیت کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی غیر وارث ذوی الفروض یعنی یتیم ہوتے، یتیموں کے حق میں وصیت کو واجب قرار دیا ہے۔ (یتیم ہوتے ہوتیوں کے حق میں وصیت واجبہ کے نافذالوقت قانون سے متعلق تفصیلی بحث باب ۳۷ ”حجب و حرمان“ کے تحت آرہی ہے)۔

مندرجہ بالا مباحث پر غور و فکر کے بعد راقم الحروف اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ حدیث ”لاوصیة لوارث“ بوجہ تلقی است (یعنی قبول است) درجہ شہرت کو پہنچ گئی اور آیت وصیت ”کتب علیکم“ مطلق ہے اور آیت مطلق کی تخصیص خبر مشہور کے ساتھ بالاتفاق حنفیہ و شافعیہ درست ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی، ”لا وصیة لوارث“، خبر مشہور ہونے کے سبب اصل آیت وصیت غیر وارث کے حق میں وصیت کرنے کے حکم پر قائم رہے گی، لیکن یہ حکم واجب نہیں بلکہ استعجاب کے درجہ میں ہوگا۔ اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ ”کتب“ کا لفظ فرض واجب اور مستحب سب کو شامل ہے اور دوسرے یہ کہ اگر یہ لفظ اپنے حکم میں (صرف) واجب ہے تو پھر وصیت نہ کرنے کی صورت میں غیر وارث ذوی القربی، یتیمی و مساکین کے حق میں وصیت کا وجوب ثابت قرار دینا ہوگا، لیکن آیت وصیت اور آیات میراث کے مجموعی مطالعہ، رسول اکرم کی احادیث، اجماع اور است کے تعامل کے پیش نظر وصیت کا حکم بربنائے استعجاب غیر وارث ہی کے حق میں ثابت ہوتا ہے۔ اجنبی کے مقابلہ میں غیر وارث قرابت دار کا حق اولیٰ اور افضل ہے۔

ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر :

برصغیر ہند و پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں بھی وصیت کے بارے میں اس امر پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ وصیت وارث کے حق میں (بلا اجازت دیگر وراثت) جائز نہیں۔ نیز یہ کہ اجنبی (غیر وارث) کے حق میں بھی وصیت

ایک تہائی سے زائد نہیں کی جاسکتی ہے۔ (۱۱۰) البتہ موصی کے شیعہ فرقہ سے متعلق ہونے کی صورت میں وارث کے حق میں وصیت بلا اجازت دیگر ورثاء جائز و قابل نفاذ ہوگی۔

مصری قانون :

دفعہ ۴ - ترکہ کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر ہوگی :-

۱ - میت کی تجہیز و تکفین کے اخراجات (جس قدر کافی ہوں) اور میت پر جن لوگوں کا نان نفقہ واجب ہو اس کی ادائیگی،

۲ - میت کے ذمہ قرضوں کی ادائیگی،

۳ - شرعی مقررہ حد تک وصیت کا اجراء،

اس کے بعد بقیہ ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

اگر میت کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ کی تقسیم کا طریقہ حسب ذیل طریقہ پر ہوگا :-

۱ - جس شخص کے لئے میت نے نسب کا اقرار کیا ہو۔

۲ - حد شرعی سے زائد کی وصیت کا اجراء۔

جب یہ بھی موجود نہ ہوں تو اب ترکہ خزانہ عامرہ کا حق ہوگا۔

(۱۱۰) 2 Cal 184.

3 Cal 683 (1903)

39 IC 83

42 A11 497 = 61I. C. 947.

54 A11 93

136 I.C. 454

(1916) 41 Bom 377

(1932) 59 I.A. 74.

AIR 1933 Oudh 142 = 150 IC 330.

AIR 1934 Lah. 427 = 153 IC 33

AIR 1944 Oudh 139 = 216 IC 276

PLD 1958 Kar. 420

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۲ - (۱) ترکہ کی تقسیم حسب ذیل ترتیب پر کی جائے گی :-

(الف) میت کی تجہیز و تکفین اور جن لوگوں کا نفقہ میت کے ذمہ شرعاً بمقدار شرعی واجب ہو،

(ب) میت پر جو قرضے ہوں،

(ج) وصیت واجبہ کا اجراء،

(د) وصیت اختیاری کا اجراء،

(ه) قانون ہذا کے بموجب سواریت کی تقسیم کا لازم ہونا۔

(۲) جب کہ کوئی وارث موجود نہ ہو تو ترتیب سواریت حسب ذیل ہوگی :-

(الف) وہ شخص وراثت کا مستحق ہوگا جس کے حق میں میت نے اپنے نسب کا اقرار کیا ہو،

(ب) اس وصیت کا اجراء جو اس مقدار سے زائد ہو جو شرعاً وصیت کے لئے مقرر کی گئی ہے،

(ج) جب کہ مذکورہ بالا میں سے کسی کا وجود نہ ہو تو ترکہ کا مال خزانہ عامرہ کا حق ہوگا۔

تہونس کا قانون :

دفعہ ۸۷ - ترکہ کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر ہوگی :-

(الف) اولاً ان حقوق کی ادائیگی جو ترکہ کی ذات سے متعلق ہوں،

(ب) تجہیز و تکفین کے مصارف،

(ج) ان قرضوں کی ادائیگی جو میت کے ذمہ ہوں،

(د) وصیت صحیحہ کا اجراء،

(ه) تقسیم میراث،

اگر میت کا کوئی وارث موجود ہو تو پھر ترکہ سرکاری خزانہ کا حق ہوگا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۳ - ترکہ سے حسب ذیل حقوق متعلق ہوں گے :-

(۱) وہ حقوق جو ترکہ کی ذات سے متعلق ہوں۔

(۲) میت کی مروجہ شرعی تجہیز و تکفین۔

(۳) میت پر ثابت شدہ قرضوں کی ادائیگی۔

(۴) وصیت صحیحہ کا اجراء۔

(۵) قانون ہذا کے مطابق تقسیم وراثت اور جب کوئی وارث

موجود نہ ہو تو ترکہ بیت المال کا حق ہوگا۔

خلاصہ کلام :

سندرجہ بالا بحث کی روشنی میں حقوق متعلق بہ ترکہ کی ترتیب حسب

ذیل ہوگی :-

۱ - میت کی تجہیز و تکفین۔

۲ - تجہیز و تکفین کے بعد میت کے وہ قرضے ادا کئے جائیں گے جن

سے بندوں کا حق متعلق ہو یعنی حقوق العباد کی ادائیگی کی جائے گی۔

جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے ان کی ادائیگی، بسبب موت میت کے ذمہ سے

ساقط ہو جائے گی اور ترکہ سے متعلق نہ ہوگی۔ ان کا ادا کرنا وراثت پر لازم

نہ ہوگا۔ لیکن اولیٰ یہ نہ وراثت میت کے مال میں سے ادا کریں۔

۳ - میت کے ذمہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد مابقی ترکہ کے ایک تہائی کی

حد تک غیر وارث قرابت دار یا اجنبی کے حق میں (جیسی صورت ہو)

سیت کی وصیتوں کی تعمیل کی جائے گی۔ وصیت کے ایک تہائی سے زائد ہونے کی صورت میں اگر وراثت ایک تہائی سے زائد میں وصیت جاری کرنے پر رضامند ہوں تو ایک تہائی مال سے زائد میں بھی وصیت جاری کی جاسکتی ہے۔ سیت اپنے مال میں سے حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے بھی وصیت کر سکتی ہے مثلاً نذر، کفارہ، حج وغیرہ۔ ان پر وصیت کے احکام کا اطلاق ہوگا۔

۴۔ تجہیز و تکفین، قرضوں کی ادائیگی اور شرع کے مطابق وصیتوں کے اجراء کے بعد باقی ترکہ ان وراثت میں تقسیم کیا جائے گا جنکا حق وراثت کتاب و سنت اور اجماع است سے ثابت ہے۔ تفصیلات کتاب کے آئندہ ابواب میں پیش کی گئی ہیں۔



تینتیسواں باب

مستحقین میراث

ترتیب میراث	۲۶۶ - علی الترتیب حسب ذیل افراد ترکہ کے مستحق ہوں گے :-
(۱)	ذوی الفروض
(۲)	عصبات
(۳)	عصبہ نہ ہونے کی صورت میں رد علی ذوی الفروض
(۴)	ذوی الارحام
(۵)	مولی الموات
(۶)	مقرلہ ، بالنسب
(۷)	موصی لہ بجمیع مال، اور
(۸)	بیت المال -

تشریح

تجهیز و تکفین، ادائیگی قرض و اجرائے وصیت کے بعد میراث کے مستحقین کے بارے میں اسلامی فقہی مکاتب کے درمیان بہ لحاظ افراد و ترتیب اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف نہ صرف سنی و شیعہ فقہ کے درمیان ہے بلکہ سنی فقہ کے مکاتب فکر کے درمیان بھی ہے۔ احناف نے مستحقین میراث کے دائرہ کو دیگر مذاہب فقہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ وسعت بخشی ہے۔ سطور ذیل میں بلحاظ افراد و ترتیب تمام فقہی مذاہب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حنفیہ :

احناف کے نزدیک ترکہ کے مستحق دس قسم کے لوگ ہیں جن کی

ترتیب حسب ذیل ہے :

- (۱) ذوی الفروض (۲) عصبۃ نسبی (۳) عصبۃ سببی یعنی مولائے عتاقہ
- (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبات (بنفسہ) (۵) رد علی ذوی الفروض (یعنی ذوی الفروض نسبی میں ان کے حقوق (حصص) کے بقدر باقی ماندہ ترکہ کی تقسیم)
- (۶) ذوی الارحام (۷) مولى الموالات (۸) مقلہ بالنسب (یعنی جس کے لئے مورث نے نسب کا اقرار کیا ہو اور اس کا نسب کسی سے ثابت شدہ نہ ہو (جب کہ مقر (مورث) اپنے اقرار پر تادم زیست قائم رہا ہو) ، (۹) موصی لہ بجمع مال یعنی جس کے واسطے میت نے تمام مال کی وصیت کی ہو ، اور (۱۰) بیت المال - (۱)

مالکیہ :

- فقہاء مالکیہ کے نزدیک مستحقین ترکہ کی ترتیب حسب ذیل ہے :
- (۱) ذوی الفروض ، (۲) عصبۃ نسبی ، (۳) عصبۃ سببی یعنی مولائے عتاقہ ، (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبات (بنفسہ) ، (۵) رد علی ذوی الفروض ، (۶) بیت المال (بشرط صحت انتظام) اور (۷) ذوی الارحام (جب کہ بیت المال کا انتظام عدل پر مبنی نہ ہو) - (۲) :

شافعیہ :

- علماء شافعیہ کے نزدیک مستحقین میراث کی ترتیب حسب ذیل ہے -
- (۱) ذوی الفروض (۲) عصبۃ نسبی ، (۳) عصبۃ سببی یعنی مولائے عتاقہ ، (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبات (بنفسہ) ، (۵) بیت المال ، اور (۶) ذوی الارحام (جب کہ بیت المال منتظم نہ ہو) - (۳) :

(۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۱۱-۸ رد المحتار، ابن عابدین،

محولہ بالا، ج ۵، صص ۳۱-۵۳۸ مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۷-۷۷

(۲) جواهر الاکلیل شرح مختصر خلیل، الابن، صالح عبدالسمیع (فقہ مالکی) مطبوعہ مصطفی البابی

مصر، ۱۳۶۶/۱۹۴۷ع، ج ۲، صص ۳۲-۳۲۸ -

(۳) المہذب، فقہ شافعی ابراہیم بن علی الفیروز آبادی، محولہ بالا، ج ۲، صص ۳۲-۲۵ -

حنبلیہ:

علماء حنبلیہ کے نزدیک مستحقین سیراث کی ترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصبہ نسبی، (۳) عصبہ سببی یعنی مولائے عتاقہ، (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبیات (بنفسہ)، (۵) مولاء، موالات (۶) رد علی ذوی الفروض، (۷) ذوی الارحام، اور (۸) بیت المال۔ (۴) :

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک وراثت کے دو اقسام ہیں:

(۱) وراثت سببی یعنی وہ وراثت جن کا رشتہ بذریعہ نکاح قائم ہو، مثلاً شوہر و زوجہ۔

(۲) وراثت نسبی یعنی وہ وراثت جن کا سیت سے تعلق بذریعہ نسب ہو۔

متذکرہ بالا دونوں اقسام کے تحت حسب ذیل ترتیب قائم کی گئی ہے :-

(۱) ذوی الفروض (۲) عصبیات (۳) مولی العتاقہ، (۴) ذکور عصبیات معتق، (۵) مولی الموالات (مولی تضمن بالجریہ)، (۶) رد علی ذوی الفروض، (۷) ذوی الارحام، اور (۸) ولاء امام۔ (۵)

شیعی وراثت بہ اعتبار استحقاق تین طبقوں میں تقسیم کیے گئے ہیں اور ہر طبقہ دو درجوں میں منقسم ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

طبقہ اول:

(الف) والدین،

(ب) اولاد، دراوولاد، (خواہ کتنی ہی زیرین پشت کی کیوں نہ ہو)۔

طبقہ دوم:

(الف) اجداد (خواہ کتنی ہی بالا درجہ میں کیوں نہ ہوں)،

(۴) المحرر فی الفقہ الحنبلی، مجدالدین ابو البرکات، عبدالسلام، محولہ بالا، ج ۱، ص ۹۷-۳۹۴-

(۵) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلّی، محولہ بالا، جلد ۲، القسم الرابع، ص ۹۴-۱۹۲-

(ب) بھائی، بہن اور ان کی اولاد، در اولاد (خواہ کتنے ہی زیریں پشت میں ہوں)۔

طبقہ سوم :

(الف) چچا اور (ب) ماسوں۔

شیعی فقہ کی رو سے طبقہ اول، طبقہ دوم اور طبقہ سوم کے وراثت کو محروم کرتا ہے اور طبقہ دوم طبقہ سوم کے وراثت کو محروم کرتا ہے لیکن ہر طبقہ کے دونوں درجہ کے وراثت ایک ساتھ میراث لیتے ہیں البتہ ہر درجہ میں اقرب ابعاد کو محروم کرتا ہے۔ (۶)

ظاہریہ :

ظاہریہ مسلک کے بموجب وراثت کی درجہ بندی حسب ذیل طریق پر کی گئی ہے :

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصباء، (۳) مولا عتاقہ، (۴) مولا عتاقہ کے عصباء، (۵) مقلہ بالنسب، (۶) بیت المال۔ (۷)

راقم الحروف نے ذیل میں ہر فرد مستحق میراث کی تفصیل مرتب کرنے کے سلسلے میں حنفی مسلک کے مطابق اول الذکر ترتیب اختیار کی ہے، جس کے ضمن میں دیگر سکتیب فقہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حنفی فقہ میں میراث کے مستحق افراد کی تعداد سب سے زیادہ ہے جس کے احاطے میں دیگر فقہی مذاہب فقہ کے افراد مستحقین میراث بھی آجاتے ہیں۔ البتہ قانون کی دفعات اور ان کی تشریحات مرتب کرتے وقت صرف ان مستحقین میراث کا لحاظ رکھا گیا ہے جو عہد حاضر میں وراثت پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مولا عتاقہ، اس کے ذکور عصباء اور مولائے مولات کی میراث سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

(۶) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، جلد ۲، القسم الرابع، ص ۹۴ - ۱۹۲ -

(۷) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، جلد ۶، ص ۳۱۲، ۳۲۱ اور ۳۲۴ -

ورثاء نسبی کی اقسام ۲۶۷ - ورثاء نسبی کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) ذوی الفروض ،

(۲) عصباء ، اور

(۳) ذوی الارحام -

تشریح

علم میراث کی اصطلاح میں ذوی الفروض یا اصحاب الفرائض وہ قرابت دار ورثاء کہلاتے ہیں جن کے حصے میت کے ترکہ میں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقرر فرما دئے ہیں۔ ان میں وہ ورثاء بھی شامل ہیں جن کے لئے ایک حالت میں (بطور مثال) نصف اور دوسری حالت میں چوتھائی مقرر ہے۔ فقہاء کرام نے ذوی الفروض کی تعریف اس طرح بیان کی ہے کہ ”ذی فرض“ وہ وارث ہے جس کے واسطے قرآن مجید میں یا حدیث میں یا بالاجماع کوئی حصہ معین ہو۔ (۸)

”فروض“ یا ”فرائض“ جمع ہیں ”فریضہ“ کی، جس کے معنی ہیں ”مقررہ“، ”معینہ“۔ ذوی جمع ہے ذو کی، جس کے معنی ہیں صاحب، مالک۔ اس طرح لغت کے اعتبار سے ذی فرض اگرچہ ہر حصہ دار کو کہا جاسکتا ہے لیکن علم میراث کی اصطلاح میں ”ذی فرض“ سے ایک معین حصہ دار مراد لیا جاتا ہے جس کا حصہ کتاب و سنت یا اجماع سے ثابت ہو۔

ذوی الفروض یا اصحاب فرائض دوسرے تمام ورثاء پر مقدم ہیں، کیونکہ اول تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے اپنی کتاب میں بیان فرمادئے ہیں اور دوسرے رسول اکرم ص نے تصریح فرمادی ہے کہ ”اصحاب فرائض“ کو سب

(۸) الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، جز ۵، ص ۸۶ : ”ہم کل من کان له سهم مقدر فی کتاب اللہ تعالیٰ او فی سنة رسولہ او بالاجماع۔“

المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، جلد ۲۹، ص ۱۳۸ ”اصحاب الفرائض ہم الذین لهم سهام مقدرۃ ثابتۃ بالکتاب والسنة او الاجماع“۔

الشریفیہ، شرح سراجیہ، شریف حرجانی، محولہ بالا، ص ۲۸، ”وہم الذین لهم سهام مقدرۃ فی کتاب اللہ او سنة رسولہ او الاجماع“۔

سے پہلے ان کے حصے دو پھر جو بیچ رہے وہ اولیٰ مذکر کے لئے ہے۔ (۹)
جس سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ سب سے پہلے ان ورثاء کو حصے دیئے جائیں
گے جو از روئے قرآن، سنت و اجماع معین ہیں۔

۲۔ عصبات :

علم المیراث کی اصطلاح میں میت کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو
”عصبہ“ کہتے ہیں جیسے بیٹا، بھائی و بہن وغیرہ۔ ذوی الفروض کو ان کے
مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بیچ رہتا ہے وہ عصبات کا حق ہوتا ہے۔
اس کے مقابل انگریزی اصطلاح Residuary استعمال ہے لیکن یہ اصطلاح
صرف عصبہ کی ”حقیقت“ کی طرف اشارہ کرتی ہے خود عصبہ کی ”حقیقت“ کی
طرف رہ نمائی نہیں کرتی، بنا برین یہ انگریزی اصطلاح ناقص ہے اور صحیح معنی
میں ”عصبہ“ کی تعریف کا احاطہ نہیں کرتی۔

۳۔ ذوی الارحام :

میت کے وہ تمام قرابت دار ذوی الارحام کہلاتے ہیں جو نہ ذوی
الفروض ہوں اور نہ عصبات جیسے ماموں، خالہ وغیرہ۔

۲۶۸۔ ذوی الفروض کی دو قسمیں ہیں :-
(الف) مہیبی، اور (ب) لہبی۔

ذوی الفروض کی
اقسام

(۹) صحیح البخاری، امام بخاری، محمد بن اسمعیل، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۷ ”الحقوا الفرائض
باہلہا فما بقی فہولاولیٰ رجل ذکر“۔

صحیح مسلم بشرح نووی، امام مسلم، ابو الحسن، محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۵۲، ”اقسموا المال بین
اہل الفرائض علی کتاب اللہ فما ترکت الفرائض فلاولیٰ رجل ذکر“۔

فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، محولہ بالا، جلد ۱۰، ص ۱۲۔

نیل الاوطار (شرح منتقى الاخبار)، شوکانی، محمد بن علی (م ۱۲۵۰ھ) مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر،
۱۹۶۱ع، ج ۶، ص ۵۹۔

عمدة القاری، عینی، بدرالدین (م ۸۵۰ھ)، (شرح صحیح بخاری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۸ھ، ج ۲۳،
ص ۲۳۶۔

تشریح

الف - ذوی الفروض سببی :

ذوی الفروض سببی وہ ہیں جن کا باہمی تعلق زوجیت کے سبب ہو۔

یہ دو ہیں :

(۱) شوھر اور (۲) زوجہ -

شوھر سے زوجہ کو یا شوھر کو زوجہ سے میراث پانے کا سبب نکاح ہے، جو ایک سببی تعلق ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان نکاح صحیح ہو اور بوقت مرگ وہ نکاح حقیقتاً یا حکماً قائم ہو۔ فاسد یا باطل نکاح کی صورت میں باہم توارث نہیں ہوتا اس پر اجماع ہے۔ (۱۰) بعض اوقات شوھر اپنی زوجہ کا نسبی تعلق کے ذریعہ بھی وارث ہوتا ہے۔

ب - ذوی الفروض نسبی :

ذوی الفروض نسبی وہ ہیں جن کا تعلق میت سے نسب کے ذریعہ ہو۔

ذوی الفروض نسبی دس ہیں :-

(۱) باپ (۲) ماں (۳) بیٹی (۴) پوتی (۵) حقیقی بہن (۶) علالتی بہن،

(۷) اخیافی بھائی (۸) اخیافی بہن (۹) دادا اور (۱۰) دادی۔

ذوی الفروض نسبی کو ذوی الفروض سببی پر بلحاظ رتبہ تقدم حاصل ہے کیونکہ عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں باقی ترکہ (جو ذوی الفروض نسبی و سببی کو ان کے معین حصے دینے کے بعد) بچے وہ حنفی، حنبلی اور شیعہ

(۱۰) در المنتقى بر حاشیہ مجمع الانهر، علاء الدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۷ "فلا توارث بفساد ولا باطل اجماعاً، -

احکام التركات والموارث (فقہ عام)، ابو زھرہ، محولہ بالا، صص ۳۲ - ۱۳۱ -

الترکة والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۱۵۳ -

مجموعہ قوانین اسلام، ڈاکٹر تنزیل الرحمن (مؤلف کتاب ہذا)، ج ۱، صص ۳۷، ۱۵۱، ۱۵۳ -

سکاتیب فقہ کی رو سے ذوی الفروض سببی یعنی زوجین پر رد نہیں کیا جاتا، ماسوا چند استثنائی صورتوں کے، جن کا ذکر ”رد علی ذوی الفروض“ کے تحت کیا گیا ہے۔

فرداً فرداً جملہ ذوی الفروض کی میراث کا تفصیلی ذکر آگے آ رہا ہے۔

مصری قانون :

دفعہ ۸ - وارث کے لئے جو حصہ (شرعاً) ترکہ میں مقرر کر دیا گیا ہے وہ فرض کہلاتا ہے، تقسیم ترکہ میں ذوی الفروض سے ابتداء کی جائے گی۔ یہ ذوی الفروض باپ، جد صحیح، مان (خواہ کتنے ہی اوپر کے ہوں)، اخیافی بھائی، اخیافی بہن، شوہر، زوجہ، بیٹیاں، پوتیاں، (خواہ کتنے ہی نیچے کی ہوں) حقیقی بہنیں، علاتی بہنیں، جدہ صحیحہ (اوپر تک) ہیں۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۵ - (۱) فرض وہ حصہ ہے جو ترکہ میں وارث کے لئے متعین کر دیا گیا ہو، اور ترکہ کی تقسیم میں اصحاب فرائض سے ابتدا کی جائے گی، جو حسب ذیل ہیں :

”باپ، عصبی دادا (خواہ کتنا ہی اوپر کا ہو) مادری بھائی، مادری بہن، شوہر، زوجہ، بیٹیاں پوتیاں، (خواہ کتنے ہی نیچے کی ہوں) حقیقی بہنیں، پدری بہنیں، مان، جدہ ثابتہ خواہ کتنے اوپر کی کیوں نہ ہو۔“

(۲) عصبی جد وہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان کوئی عورت نسبت کا سبب نہ ہو۔ اگر اس کی میت کی جانب نسبت کرنے میں کسی عورت کو دخل ہوا تو یہ جد رحمی کہلائے گا۔

جدہ ثابتہ وہ جدہ ہے جس کے اور میت کے درمیان کوئی جد رحمی نسبت کا ذریعہ نہ ہو۔

تیونس کا قانون :

دفعہ ۸۹ - وارث دو قسم کے ہیں - صاحبان فرض و صاحبان عصوت۔

دفعہ ۹۰ - مردوں کی جنس سے حسب ذیل لوگ وارث ہیں :

- (۱) باپ (۲) دادا خواہ کتنا ہی اوپر کا ہو، بشرطے کہ عورت کے سلسلے سے نہ ہو (۳) بیٹا (۴) نیچے تک پوتا (۵) حقیقی یا پدری یا مادری بھائی،
- (۶) حقیقی بھائی یا پدری بھائی کا بیٹا (۷) حقیقی یا پدری چچا (۸) حقیقی یا پدری چچا کا بیٹا اور (۹) شوہر۔

عورتوں کی جنس سے حسب ذیل وارث ہیں :

- (۱) ماں (۲) جدہ صحیحہ خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو (۳) بیٹی
- (۴) نیچے تک کی پوتی (۵) حقیقی یا پدری یا مادری ہمیشہ (۶) زوجہ۔

دفعہ ۹۱ - فرض وہ حصہ ہے جو میت کے ترکہ میں مقرر کر دیا گیا ہے۔
تقسیم وراثت میں اصحاب فروض کو مقدم کیا جائے گا مردوں میں سے باپ
باپ کا باپ (اوپر تک) مادری بھائی، اور شوہر۔

اور عورتوں میں سے ماں اور جدہ اوپر تک، بیٹی، پوتی نیچے تک،
حقیقی بہن، مادری بہن اور زوجہ۔

دفعہ ۹۲ - فرض حصص کی تعداد چھ ہے۔ نصف، چوتھائی، آٹھواں،
دوتھائی، ایک تہائی، اور چھٹا۔

دفعہ ۹۳ - نصف حصہ کے مستحق پانچ افراد ہیں :

- (۱) شوہر جب کہ بیوی کی کوئی مذکر یا مونث اولاد نہ ہو،
- (۲) بیٹی جب کہ میت کی مذکر یا مونث اولاد نہ ہو،
- (۳) پوتی جب کہ میت کی صلبی اولاد اور پوتا موجود نہ ہو،
- (۴) حقیقی ہمیشہ جب کہ میت کا باپ، بیٹا، بیٹی، اور پوتا، پوتی،
اور حقیقی بھائی نہ ہو،

(۵) پدری ہمیشہ جب کہ تنہا ہو، حقیقی بہن یا مذکورہ بالا میں
سے کوئی وارث نہ ہو اور پدری بھائی و بہن بھی نہ ہوں۔

دفعہ ۹۴ - چوتھائی حصہ کے مستحق دو شخص ہیں :

- (۱) شوہر جب کہ زوجہ کی اولاد موجود ہو،
 (۲) زوجہ جب کہ شوہر کی کسی قسم کی اولاد نہ ہو۔
 دفعہ ۹۵ - ۱/۸ (آٹھواں) حصہ زوجہ کا ہوگا جب کہ شوہر کا بیٹا یا بیٹی
 موجود ہو۔

دفعہ ۹۶ - دو تہائی حصے کے مستحق چار فرد ہیں :

- (۱) دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں جب کہ میت کا لڑکا نہ ہو،
 (۲) پوتیاں جب کہ میت کا بیٹا اور صلیبی بیٹی نہ ہو یا پوتا نہ ہو،
 (۳) حقیقی ہم شیرین جب کہ میت کا باپ، صلیبی بیٹا، یا بیٹی اور حقیقی
 بھائی موجود نہ ہو،
 (۴) مادری ہم شیرین جب کہ مذکورہ حقیقی افراد موجود نہ ہوں
 اور پدری بھائی بھی نہ ہو۔

دفعہ ۹۷ - ۱/۳ (ایک تہائی) حصہ کے مستحق تین افراد ہیں :

- (۱) ماں جب کہ میت کی نہ تو صلیبی اولاد کسی قسم کی ہو اور
 نہ دو یا دو سے زیادہ بھائی موجود ہوں،
 (۲) جب کہ صرف متعدد مادری بھائی ہوں اور باپ، دادا،
 بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، موجود نہ ہوں،
 (۳) دادا جب کہ اس کے ہمراہ میت کے بھائی ہوں تو پورے ایک تہائی
 کا مستحق ہوگا۔

دفعہ ۹۸ - چھٹے حصہ کے مستحق سات افراد ہیں :

- (۱) باپ جب کہ میت کا بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، موجود ہو،
 (۲) ماں جب کہ میت کا بیٹا، پوتا، اور دو یا زائد وارث ہوں یا
 محجوب ہوں،
 (۳) پوتی جب کہ ایک بیٹی کے ہمراہ ہو اور اس کے ہمراہ پوتا بھی
 موجود نہ ہو،

- (۴) پدری ہمیشہ جب کہ اس کے ہمراہ حقیقی ہمیشہ موجود ہو اور باپ بیٹا، بیٹی اور پدری بھائی موجود نہ ہوں،
- (۵) مادری بھائی بشرطے کہ تنہا ہو، اور میت کا باپ، دادا، بیٹا، پوتا، پوتی، موجود نہ ہوں،
- (۶) تنہا جدہ خواہ ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے ہو، جب دونوں جمع ہوں تو چھٹا حصہ ہی دونوں میں تقسیم کیا جائے گا، بشرطے کہ ایک ہی درجہ کی ہوں یا مادری بعید بھی ہوں لیکن مادری جدہ قریب تر ہوئی تو چھٹے حصہ کی مستحق ہوگی، اور
- (۷) جد جب کہ بیٹا، یا پوتا موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو۔

مراکشی قانون :

- دفعہ ۲۳۱ - وارثوں کی تین قسمیں ہیں : وارث بحصہ فرضی فقط، اور وارث بعصبت اور وارث بحصہ فرض و عصبت۔
- ۲۳۲ - فرض وہ حصہ ہے جو وارث کے لئے معین کر دیا گیا ہے، اور ترکہ کی تقسیم میں صاحب فرض وارث کو مقدم کیا جائے گا۔
- ۲۳۳ - حب کہ ذوی الفروض میں سے کوئی موجود نہ ہو، یا موجود ہو لیکن ترکہ (فرائض حصص کے بعد) باقی رہتا ہو تو کل ترکہ یا زائد بقیہ ترکہ ذوی الفروض کے بعد نسبی عصبہ کا حق ہوگا۔
- ۲۳۴ - اصحاب فرائض وارث چھ ہیں : ماں، جدہ، زوج، زوجہ، مادری بھائی اور مادری بہن۔
- ۲۳۵ - وارث باعصبت فقط سات ہیں : بیٹا، پوتا، حقیقی و پدری بھائی، چچا، چچا کا بیٹا، اور بیٹائی کا بیٹا۔
- ۲۳۶ - جو افراد فرض اور عصوبت دونوں ذریعہ سے وارث ہوتے ہیں : دو ہیں باپ، دادا۔

۲۳۷ - جن ورثاء میں فرض اور عصویت دونوں جمع نہیں ہوتے، چار ہیں : بیٹی، پوتی، حقیقی ہمشرہ اور پدری ہمشرہ۔

۲۳۸ - جو فرض حصے معین ہیں وہ چھ ہیں : نصف، چوتھائی، آٹھواں، دوتھائی، ایک تہائی، چھٹا۔

۲۳۹ - نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

(۱) زوج، جب کہ زوجہ کی نرینہ یا مونث اولاد موجود نہ ہو،
(۲) بیٹی، جب کہ اس کے ساتھ میت کا بیٹا یا دوسری بیٹی موجود نہ ہو،

(۳) پوتی، جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو،

(۴) حقیقی ہمشرہ، جب کہ میت کا باپ، بیٹا یا بیٹی، اور پوتا، پوتی اور حقیقی بھائی موجود نہ ہوں، اور

(۵) پدری ہمشرہ، جب کہ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشرہ کے ساتھ بیان کیا گیا، اور پدری بھائی اور پدری بہن بھی موجود نہ ہوں۔

۲۴۰ - چوتھائی فرض کے مستحق دو فرد ہیں :

(۱) زوج جب کہ زوجہ کی کسی قسم کی اولاد موجود ہو، اور

(۲) زوجہ، جب کہ شوہر کی کسی قسم کی اولاد موجود نہ ہو۔

۲۴۱ - آٹھواں فرض (حصہ) کا مستحق وارث ایک ہے : زوجہ جب کہ زوج کی کسی قسم کی اولاد موجود ہو۔

۲۴۲ - دوتھائی کے مستحق چار فرد ہیں :

(۱) دو یا زائد بیٹیاں جب کہ میت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو،

(۲) دو یا زائد پوتیاں، جب کہ میت کا صلبی بیٹا، یا بیٹی، یا پوتا، موجود نہ ہو،

(۳) دو یا زائد حقیقی ہمشرین، بشرطے کہ میت کا باپ، صلبی بیٹا

بیٹی، حقیقی بھائی موجود نہ ہو، اور

(۴) دو یا دو سے زائد پدری ہمشرین، بشرطے کہ ان کے ساتھ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشیروں میں بیان کیا گیا ہے اور مادری بھائی بھی موجود نہ ہو

۲۴۳ - تمہائی کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں :

(۱) میت کی ماں، بشرطے کہ میت کی کسی قسم کی اولاد اور دو یا زائد بھائی موجود نہ ہوں،

(۲) مادری بھائی، بشرطے کہ متعدد ہوں اور میت کا باپ اور نانا، صلیبی کسی قسم کی اولاد اور پوتا، پوتی موجود نہ ہوں، اور

(۳) جد جب کہ میت کے بھائیوں کے ساتھ ہو تو اس کا حصہ تمہائی ہوگا۔

۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق سات وارث ہوتے ہیں :

(۱) باپ، جب کہ میت کا بیٹا، یا پوتا یا دو یا زائد بھائی بصورت وارث موجود ہوں،

(۲) ماں، جب کہ میت کی کسی قسم کی اولاد یا دو اور دو سے زائد بھائی بہنیں کسی قسم کے بھی موجود ہوں،

(۳) پوتی، جب کہ اس کے ساتھ میت کی ایک بیٹی موجود اور پوتا موجود نہ ہو،

(۴) پدری ہمشرہ، بشرطے کہ اس کے ہمراہ میت کی حقیقی ہمشرہ ہو، اور میت کا باپ اور کسی قسم کی اولاد، اور پدری بھائی موجود نہ ہوں،

(۵) مادری بھائی، بشرطے کہ تنہا ہو خواہ مرد ہو یا عورت اور بشرطے کہ اس کے ساتھ میت کا باپ دادا، اور کسی قسم کی اولاد موجود نہ ہو،

(۶) اور جد، جب کہ تنہا ہو، خواہ دادی ہو یا نانی، اگر دونوں موجود ہوں تو چھٹا حصہ دونوں میں تقسیم کیا جائے گا جب کہ

درجہ میں مساوی ہوں یا نانی بعیدہ ہو، لیکن اگر نانی قریب ہے اور دادی بعیدہ ہو تو کل چھٹا نانی کا حق ہوگا، اور (۷) دادا، جب کہ میت کا بیٹا، یا پوتا، موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو۔

الف - ذوی الفروض سببی کی میراث

۲۶۹ - شوہر کی میراث کی دو حالتیں ہیں :-

شوہر کی میراث

- (۱) زوجہ متوفیہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو کل ترکہ کا نصف ملے گا، اور
- (۲) زوجہ متوفیہ کی اولاد موجود ہونے کی صورت میں شوہر کل ترکہ کا چوتھائی پائے گا۔

توضیح :- جس اولاد کی وجہ سے شوہر (یا زوجہ) کے حصہ میں کدی واقع ہوئی ہے، وہ بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی یا پوتے کا بیٹا یا بیٹی یا پرپوتا یا پڑپوتی ہیں (خواہ کتنے ہی زیرین پشت میں ہوں)۔ اس میں بیٹی کی اولاد شامل نہیں ہے۔

تشریح

شوہر سے مراد میت کا شوہر ہے۔ زوجہ کی میراث میں حصہ پانے کے لئے شوہر کی دو حالتیں ہیں :-

- ۱۔ ایک یہ کہ جب زوجہ متوفیہ کے کوئی بیٹا (خواہ کتنی ہی زیرین پشت کا ہو) یا بیٹی موجود ہو تو کل ترکہ کا چوتھائی حصہ شوہر کو ملے گا۔ البتہ اگر کوئی بیٹا (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ کا کیوں نہ ہو) یا کوئی بیٹی نہ ہو تو شوہر کو کل ترکہ کا نصف ملے گا۔

اس کی بنیاد قرآن کریم میں سورہ نساء (۱۱) کی آیت کا وہ حصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”تم (شوہروں) کے واسطے نصف ہے

(۱۱) ۴ : ۱۲ (النساء م) :

”ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لهن ولد، فان کان لهن ولد فلکم الربع ما ترکن“۔

اس میں جو تمہاری بیبیاں چھوڑیں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کے کوئی اولاد ہو تو پھر جو ترکہ وہ چھوڑیں اس میں تمہارے واسطے ایک چوتھائی ہے،۔ شوہر و زوجہ کا حق کبھی کلیۃ ساقط نہیں ہوتا، البتہ اولاد کے (ذی فرض یا عصبہ) موجود ہونے کے سبب حجب نقصان واقع ہو جاتا ہے یعنی حصہ میں کمی آ جاتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جس اولاد کی وجہ سے زوجہ یا شوہر کے حصے میں کمی آتی ہے وہ بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی یا پوتے کا بیٹا یا بیٹی یعنی پرپوتا یا پر پوتی ہیں۔ لفظ ”ولد“ میں بیٹی کی اولاد (خواہ مذکر ہو یا مؤنث) شامل نہیں۔ (۱۲) چنانچہ میت کی بیٹی کی اولاد یعنی نواسہ، نواسی یا نواسی کی اولاد (ذوی الارحام) ہوں تو اس وجہ سے زوجہ یا شوہر کی حصے میں کمی نہ آئے گی۔

زوجین میں سے کوئی کسی کو محبوب نہیں کرتا۔

میراث شوہر پر عول کا اثر :

شوہر کا مندرجہ بالا مقررہ حصہ اس صورت میں ہے جب کہ ذوی الفروض کے حصوں کے بقدر ترکہ پوری اکائی پر تقسیم ہو جائے لیکن اگر ذوی الفروض کے درمیان ترکہ پوری اکائی میں تقسیم نہ ہو سکتا ہو تو پھر ”عول“ کے ذریعہ شوہر کے حصہ میں بھی کمی واقع ہو جائے گی، مثلاً مسئلہ شریحہ میں جس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، ماں، دو حقیقی بہنیں، اور دو اخیافی بہنوں کو چھوڑا تو اصل مسئلہ چھ سے دس کی طرف عول کر جائے گا اور تقسیم اس طرح ہو گی کہ شوہر کو بجائے $\frac{3}{6}$ کے $\frac{3}{10}$ ملے گا۔ ماں کو $\frac{1}{10}$ حقیقی بہنوں کو $\frac{3}{10}$ اور اخیافی بہنوں کو $\frac{2}{10}$ ملے گا (عول کے مسئلہ پر تفصیلی بحث علیحدہ آرہی ہے)۔

چند استثنائی صورتیں :

اگر شوہر نے بحالت مرض موت اپنی زوجہ کو طلاق دی اور دوران عدت زوجہ کا انتقال ہو گیا تو شوہر اس کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ زوال نکاح

کا سبب خود شوہر تھا۔ (۱۳)

اگر شوہر نے بحالت صحت اپنی زوجہ کو بلا قید وقت تین طلاق تفویض کیں اور زوجہ نے اس حق کو اپنی حالت مرض میں استعمال کیا اور خود کو طلاق بائن دے دی جیسا کہ اس کو اختیار دیا گیا تھا، اور پھر عدت کے اندر مرض کی حالت میں مرگئی تو شوہر کو اس کی میراث ملے گی۔ لیکن اگر اس دوران میں شوہر مرگیا تو وہ اس کی وارث نہ ہو گی کیونکہ طلاق بائن کے ذریعہ سبب ارث یعنی زوجیت کو زائل کرنے کی وہ (زوجہ) خود ذمہ دار ہے۔ (۱۴)

زوجین پر رد :

زوجین کی میراث کے مسئلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اگر ترکہ ذوی الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد بچ رہے اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک بقیہ ترکہ صرف ذوی الفروض نسبی پر رد کیا جاتا ہے۔ زوجین پر، بجز چند استثنائی صورتوں کے، رد نہیں کیا جاتا۔ (تفصیل ”رد“ کے باب میں آرہی ہے)۔

مصری قانون :

دفعہ ۱۱ - جب کہ میت کا بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو تو شوہر کا چوتھائی حصہ فرض ہوگا، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں نصف ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۸ - اگر میت کا بیٹا یا پوتا نیچے تک موجود نہ ہو تو شوہر کو ترکہ کا نصف ملے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۱ - شوہر کی دو حالتیں ہیں :

(۱) $\frac{1}{2}$ جب کہ میت کی اولاد بیٹا یا اولاد کی اولاد، پوتا موجود نہ ہو،

(۱۳) احکام الموارث فی الشریعة الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۲۶ -

(۱۴) احکام الموارث فی الشریعة الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۲۶ -

(۲) ۱/۴ جب کہ مذکورہ افراد موجود ہوں۔

زوجہ کی میراث ۲۷۰ - زوجہ کی میراث کی دو حالتیں ہیں :

(۱) شوہر متوفی کی اولاد در اولاد نہ ہونے کی صورت میں کل ترکہ کا چوتھائی پانے کی مستحق ہوگی ، اور

(۲) اولاد یا در اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ پانے کی مستحق ہوگی۔

توضیح :- (۱) ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں متذکرہ بالا حصہ سب بیویوں میں برابر تقسیم ہوگا۔

(۲) اولاد کی توضیح جو دفعہ سابق میں کی گئی ہے اس کا اطلاق دفعہ ہذا پر بھی کیا جائے گا۔

تشریح

زوجہ سے مراد سیت کی زوجہ ہے۔ زوجہ بھی اپنے شوہر سے نکاح کے ذریعہ سببی تعلق کی بناء پر اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے بشرطے کہ نکاح صحیح ہو اور بوقت مرگ نکاح حقیقتاً یا حکماً (۱۵) قائم ہو خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ فاسد یا باطل نکاح کی صورت میں (باہم) توارث نہ ہوگا۔ اسی طرح اختلاف دین کے سبب زوجہ وارث نہ ہوگی مثلاً یہ کہ شوہر مسلمان ہو اور زوجہ کتابیہ۔ (۱۶)

زوجہ کتابیہ کے وارث نہ ہونے کا حکم زوجہ مسلمہ و زوجہ کتابیہ کے درمیان فرق مراتب پر مبنی ہے۔ اسی فرق مراتب کے بناء پر زوجہ مسلمہ

(۱۵) حکماً نکاح قائم ہونے کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے طلاق رجعی دی ہو طلاق رجعی میں عدت ختم ہونے تک نکاح قائم رہتا ہے۔ (مولف)۔

(۱۶) احکام التزکات و الموارث (فقہ عام) ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۴۲ - ۴۱ - احکام الموارث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ۱۲۴

مجموعہ قوانین اسلام، مواف کتاب ہذا، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۷۔

حرہ، زوجہ مسلمہ کنیزہ اور زوجہ غیر مسلمہ (کتایہ) کے درمیان متعدد احکام میں امتیاز روا رکھا گیا ہے۔ مثلاً زوجہ حرہ مسلمہ نکاح صحیح کے بعد محصنہ ہوتی ہے جس پر زنا کی مقررہ حد جاری کی جاتی ہے جب کہ زوجہ کنیزہ کے لئے حرہ مسلمہ کے مقابلہ میں نصف حد (سزا) ہے لیکن زوجہ کتایہ محصنہ شمار نہیں ہوتی اور اس پر حد زنا جاری نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں زوجہ مسلمہ حرہ اور زوجہ کنیزہ باوجود یکہ اسلام اور زوجیت میں یکساں درجہ رکھتی ہیں لیکن آزادی اور غلامی کی صفات کی تفریق سے دونوں کے حکم میں فرق کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح زوجہ مسلمہ اور زوجہ کتایہ اگرچہ صفت زوجیت میں یکساں ہیں لیکن اختلاف دین کے سبب حکم میراث میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔

زوجہ کے استحقاق میراث کی حالتیں :

استحقاق میراث کے لئے شوہر کی طرح زوجہ کی بھی دو حالتیں ہیں :

- ۱۔ ایک یہ کہ میت کے کوئی اولاد نہ موجود ہو، اور
- ۲۔ دوسری یہ کہ اولاد موجود ہو، خواہ وہ اولاد میت کی کسی بھی زوجہ سے ہو۔

پہلی صورت میں زوجہ چوتھائی ترکہ کی مستحق ہوگی جب کہ دوسری صورت میں آٹھویں حصے کی مستحق قرار پائے گی۔ جہاں حصوں کا تقرر صرف رشتہ کی بنیاد پر ہے اور تعداد کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے وہاں اصول یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے بعض وراثاء کو جہاں ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہو مجموعی طور پر اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا کہ ان میں سے ایک ہی وارث کو ملتا ہے۔ چنانچہ اگر میت کی زوجات ایک سے زائد ہوں تو سب حسب تصریح چوتھائی یا آٹھویں حصے میں (جیسی بھی صورت ہو) باہم شریک ہوں گی۔ (۱۷) اس اصول کا اطلاق زوجہ کے علاوہ دادی اور نانی پر بھی ہوتا ہے۔

(۱۷) مختصر الطحاوی، الطحاوی، احمد محمد سلامہ (م ۵۲۲)، مطبوعہ دائرة المعارف دکن،

زوجہ کے حصہ کی بنیاد قرآن پاک کی اس آیت پر ہے کہ ”بیویوں کے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو تم چھوڑو بشرطے کہ تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ہے“۔ (۱۸) اگر بیٹا (میت کا) قاتل ہو یا غیر مسلم ہو یا مرتد ہو جائے تو اس صورت میں شرعاً اس کا وجود عدم کے برابر متصور ہوگا اور زوجہ یا شوہر (جیسی صورت ہو) کا حصہ کم نہ ہوگا۔ (۱۹)

زوجہ کی میراث اور عول :

زوجہ کے معین حصہ کی بھی وہی صورت ہے جیسا کہ شوہر کی میراث کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ ترکہ ذوی الفروض کے درمیان پوری اکائی میں تقسیم ہو جاتا ہو۔ چنانچہ اکائی میں تقسیم نہ ہو سکے کی صورت میں عول کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر شوہر نے اپنے پیچھے بیوی، باپ، ماں اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ اصل مسئلہ ۲۴ سے ۲۷ کی طرف عول کر جائے گا اور بیوی کو ۳/۲۴ کے بجائے ۳/۲۷ باپ کو ۴/۲۷ ماں کو ۴/۲۷ اور بیٹیوں کو ۱۶/۲۷ ملے گا۔ (عول کے مسئلہ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے)۔

زوجہ کی میراث کی شرائط :

زوجہ کی میراث کے مندرجہ بالا احکام اس صورت میں متعلق ہوں گے جب کہ شوہر کی وفات کے وقت نکاح حقیقتاً یا حکماً قائم ہو۔ البتہ اگر شوہر نے بحالت صحت اپنی زوجہ کو طلاق رجعی دی اور ابھی وہ عورت عدت ہی میں تھی کہ اس مرد کا انتقال ہو گیا تو وہ عورت اس مرد کی وارث ہوگی کیوں کہ طلاق رجعی سے نکاح ختم عدت پر منقطع ہوتا ہے لیکن اگر طلاق بائن دی تو وارث نہیں ہوگی کیونکہ طلاق بائن کے سبب نکاح فی الفور ختم ہو گیا تھا، اور چونکہ طلاق بحالت صحت دی گئی تھی اس لئے عدت کے دوران مرد کے وفات پا جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور زوجہ وارث نہ ہوگی۔ (۲۰) یا نکاح

(۱۸) ۴ : ۱۲ (النساء م) :

”ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم“

(۱۹) الشریفیہ، شرح سراچیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۴۹ -

(۲۰) احکام التركات و الموارث (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۳ -

خلع، مبارات یا عدالتی تفریق کے ذریعہ (بحکم طلاق بائن) فسخ ہو گیا اور اس کے بعد شوہر کا انتقال ہوا تب بھی زوجہ وارث نہ ہو گی کیونکہ مندرجہ بالا صورتوں میں بھی رشتہ نکاح قبل از وفات زائل اور منقطع ہو چکا تھا۔ لیکن اگر شوہر نے زوجہ کو بحالت مرض موت طلاق بائن یا مغلظہ دی اور شوہر عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد مر گیا تو ان صورتوں میں میراث کے احکام میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ (۲۱) احناف کے نزدیک عدت کے دوران شوہر کے مر جانے کی صورت میں وارث ہوگی۔

مرض الموت کی تعریف :

مجلة الاحكام العدلیہ کی دفعہ ۱۵۹۵ میں مرض الموت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ ”وہ مرض جس میں موت کا خوف غالب ہوتا ہے اور مریض جب کہ مرد ہو تو مرض کی موجودگی میں مکان سے باہر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں نکلنے سے عاجز ہو، اور اگر مریض عورت ہو تو گھر کے کام کاج سے عاجز ہو، نیز یہ کہ اسی حالت میں ایک سال گزرنے سے پہلے انتقال کر جائے، بلا امتیاز اس کے کہ وہ صاحب فراش ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اس کا مرض طول پکڑ جائے اور بحالت مرض ایک سال گزر جائے درآن حالے کہ مرض ایک حالت پر قائم ہو تو وہ شخص تندرست کے حکم میں ہوگا اور اس کے تصرفات ایک تندرست شخص کے تصرفات کے مانند ہوں گے، جبکہ اس شخص کے مرض نے نہ تو شدت پکڑی ہو اور نہ اس کی حالت تبدیلی ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس کا مرض شدت پکڑ جائے اور اس کی حالت بدل جائے اور بالآخر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو حالت بدل جانے کے وقت سے انتقال تک اس کے حال کا اعتبار بطور مرض موت کے کیا جائے گا۔ (۲۲)

کتب فقہ میں طلاق بحالت مرض موت کو اس حالت سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں ہلاکت کا غالب امکان یا خوف پایا جاتا ہو اور مرد عورت کو

(۲۱) مجموعہ قوانین اسلام، مولف کتاب ہذا، ج ۲، مطبوعہ راولپنڈی، ۱۹۶۷ء، ص ۳۶-۳۷۔

(۲۲) مجلہ میں بیان شدہ مرض الموت کی یہ تعریف مالی معاملات سے متعلق ہے اور کتب فقہ میں وراثت ہی کی بحث سے اخذ کی گئی ہے جس کے تحت اکثر مالی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ (مؤلف)۔

طلاق دے کر عورت کے حق میں میراث سے بھاگنا چاہتا ہو۔ (۲۳) اسی لئے فقہی اصطلاح میں اسے ”طلاق الفار“ سے موسوم کیا گیا ہے یعنی بھاگنے والے کی طلاق۔

فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ مرض الموت کی تعریف یہ ہے کہ مرض اور غیر مرض کے مقابلہ میں ہلاکت کا غالب امکان ہو اور بیماری نے اتنا عاجز کر رکھا ہو کہ وہ مرد اس بناء پر اپنے معاملات کے سلسلہ میں گھر سے باہر نہ جاسکتا ہو اور ضروری کاروبار انجام نہ دے سکتا ہو۔ عورت کے حق میں حد مرض یہ ہے کہ وہ گھر کا کام کاج کرنے سے معذور ہو جائے۔ (۲۴)

مرض الموت کی شرائط:

- ۱ - مرض میں موت کا غالب امکان موجود ہو،
- ۲ - مریض کے دماغ میں اس مرض سے مرجانے کا خدشہ ہو، (۲۵)
- ۳ - مرض کے سبب مرد یا عورت اپنے تمام امور کو انجام دینے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ (۲۶) مثلاً مرد گھر سے باہر نہ نکل سکے اور عورت گھر کے کام کاج سے معذور ہو جائے۔

مرض الموت کیا ہے؟ اس سلسلے میں ہماری پاکستانی عدالتوں نے بھی جو اظہار خیال کیا ہے وہ اکثر فقہاء کی تشریحات کے مطابق ہے۔ چنانچہ بمقدمہ شمشاد علی شاہ بنام سید حسن شاہ (۲۷) سپریم کورٹ پاکستان نے قرار دیا کہ مرض الموت کے تعین کے لئے عدالت کو یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا ہبہ (۲۸)

(۲۳) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۷
الحالة التي يصير بها الرجل فاراً بالطلاق . . . ما يغلب فيها الهلاك اي خوفه،
(۲۴) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۸
(۲۵) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۸
(۲۶) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۸
فتح القدیر، ابن ہمام، کمال الدین (م ۵۶۸)، مطبعة المصطفى البابی، مصر، ۱۳۵۶ھ، ج ۳، ص ۱۵۵

(۲۷) پی ایل ڈی، ۱۹۶۳ع، سپریم کورٹ، ۱۴۳
(۲۸) یہ مقدمہ اگرچہ ہبہ بحالت مرض موت سے متعلق ہے لیکن مرض الموت کے سلسلے میں جو بحث کی گئی ہے اس کا اطلاق بعض دیگر احکام پر بھی کیا جاسکتا ہے۔

موت کے فوری خطرے کے احساس کے دباؤ کے تحت کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس امر کو طے کرنے کے لئے کہ کیا ایک بیمار شخص کے ہبہ پر مرض الموت کے اصول کا اطلاق ہو سکتا ہے عدالت کو حسب ذیل حقائق پر غور کرنا چاہئے :-

۱۔ کیا مرض کی حالت اور نوعیت ایسی تھی کہ جو بیمار شخص کے ذہن میں اس یقین کو تقویت پہنچانے والی تھی کہ اس مرض سے موت واقع ہو جائے گی یا موت کے خوف کو پیدا کرتی تھی؟

۲۔ کیا واہب ہبہ کے وقت ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا جو اس کی موت کا فوری سبب ہوا؟

۳۔ کیا بیماری ایسی تھی جو اس کو حسب معمول مشاغل کی ادائیگی سے ناقابل بنانے والی تھی۔ ایک ایسی صورت حال جو بیمار کے ذہن میں موت کا خوف پیدا کر سکتی تھی۔

۴۔ کیا وہ بیماری اتنے عرصے تک جاری رہی کہ اس کے ختم ہونے یا فوری ہلاکت کے خوف کو کم کرنے والی تھی یا یہ کہ بیمار کو اس مصیبت کا خوگر بنانے والی تھی۔

جسٹس کی کاؤس نے اندر جہ بالا مقدمہ شمشاد علی شاہ بنام حسن شاہ میں اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ ”بعض شرحوں اور فیصلوں میں ہبہ بحالت مرض الموت کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ مرض الموت کے اصول کے اطلاق کے لئے ضروری ہے کہ سرت حقیقت میں مرض کے سبب سے ہوئی ہو۔ فاضل جج نے لکھا ہے کہ میں اس سے متفق نہیں ہوں، اگر ایک شخص سریع تپ دق میں (galloping tuberculosis) میں مبتلا ہو اور اس لئے جب اس نے ہبہ کیا تو موت کے خوف میں مبتلا تھا لیکن وہ شخص کسی دوسرے کے ہاتھ سے گولی سے مارا جائے یا کسی حادثہ میں مرجائے یا ہیضے یا کسی (دیگر) وبائی مرض میں ہبہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مرجائے تو میں ایسی کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ایسی صورت میں مرض الموت کے اصول کا اطلاق نہ کیا جائے۔“

جناب جسٹس کیکاؤس کا یہ استدلال صحیح معلوم ہوتا ہے اگرچہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں کہ اس کی موت اسی مرض میں دوران مدت عدت یقیناً واقع ہو جاتی اس لئے اسکا کسی حادثہ میں مرنا، اس مرض الموت میں مرنے کے مترادف نہ خیال کیا جانا چاہیے کیونکہ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ تپدق، فالج اور سل وغیرہ کے مریض تین ماہ سے زائد تک زندہ رہتے ہیں، لیکن یہاں انشاء فعل طلاق مرض الموت کی حالت میں ہونے کے سبب طلاق المریض کا حکم دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ بوقت مرگ مرض الموت قائم تھا، اور عورت عدت میں تھی۔

مرض الموت کی مدت :

فقہاء نے مرض کی اہمیت کے اعتبار سے مرض کی مدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سل اور فالج کے امراض ترقی کرتے جائیں تو مرض کی حالت کبھی جائے گی، لیکن جب مرض ٹھہر جائے یعنی ترقی نہ کرے تو فقہاء کے نزدیک اس کو حالت صحت کہا جائے گا۔ (۲۹)

میراث پر مرض الموت میں طلاق رجعی کا اثر:

ائمہ اربعہ اور فقہاء کا اس امر میں بالکل اتفاق ہے کہ اگر مریض نے مرض الموت کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور جب کہ اس کی بیوی عدت میں تھی، وہ فوت ہو گیا تو وہ عورت اپنے شوہر کی وارث ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کے سبب نکاح باقی تھا، زوجین پر نکاح کے احکام مرتب ہوں گے۔ (۳۰)

بعالت مرض موت میراث پر طلاق بائن کا اثر:

البتہ طلاق بائن کی صورت میں عورت کے میراث پانے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۲۹) رد المحتار، ابن عابدین (م ۵۱۲۵۲)، مطبوعہ مصر، ۵۱۲۵۶، ج ۲، ص ۳۳۵۔

فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۵۔

(۳۰) فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۵۔

شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، مطبوعہ طهران، ج ۲، القسم الثالث، (کتاب الطلاق) ص ۵۸۔

حنفی مکتبہ قانون :

حنفی فقہ کی رو سے اگر کسی مرد نے مرض الموت کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق بائن دی اور پھر مرد عورت کی عدت کے دوران اس مرض کی حالت میں مر گیا تو وہ عورت ورثہ کی مستحق ہوگی، خواہ یہ طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر وہ مرد عدت ختم ہونے کے بعد مرا تو وہ عورت وارث نہ ہوگی۔ (۳۱)

ابن عباس، ابن المسيب، ابن شبرہ، اوزاعی، ثوری، ابراہیم نخعی، حماد، لیث، طاؤس اور شریح سے بھی قول مروی ہے اور یہی قول حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (۳۲)

امام محمد کا قول :

امام محمد اپنی کتاب موطا میں امام مالک سے روایت کرتے ہیں : کہ عبدالرحمن ابن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دی درآن حالے کہ وہ خود مریض تھے (ان کا انتقال ہو گیا تو) حضرت عثمان نے ان کی بیوی کو ان کا وارث قرار دیا جب کہ اس کی عدت ختم ہو چکی تھی۔ (۳۳) احناف کے نزدیک اس روایت کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عثمان نے وراثت کا فیصلہ عدت گزرنے کے بعد کیا تھا۔ اس حدیث سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ موت عدت گزرنے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ امام محمد مندرجہ بالا روایت بیان کرتے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عورت اس وقت وارث قرار دی جائے گی، جب کہ وہ عدت میں (اور مرد مر جائے)۔ چنانچہ اگر مرد کی وفات سے پہلے عدت

(۳۱) رد المحتار، ابن عابدین، محمد امین، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۵۔

بداية المجتهد، ابن رشد، محولہ بالا، مصر ۱۲۵۶ھ، ج ۲، ص ۸۲۔

(۳۲) موطا، امام محمد، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، سن ندارد، صص ۵۸-۲۵۷ (باب طلاق المریض)۔

بحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ، ج ۳، ص ۲۶۶۔

(۳۳) موطا، امام محمد، محولہ بالا، (باب طلاق المریض)، صص ۵۸-۲۵۷۔

”اخبیرنا مالک اخبیرنا الزہری عن طلحة بن عبد اللہ بن عوف ان عبد الرحمن ابن عوف طلق امراته وهو مریض فورثها عثمان منه بعد ما انقضت عدتها“۔

گذرچکی ہو تو وہ عورت وارث نہ ہوگی۔ امام محمد نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت عمر کا ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالت مرض میں تین طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عمر نے قاضی شریح کو لکھا کہ اگر وہ عورت عدت میں ہو تو اس کو ورثہ دو، اگر عورت کی عدت گزرچکی ہو تو اس عورت کے لئے کوئی ورثہ نہیں۔ امام محمد لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ (۳۴)

شمس الائمہ امام سرخسی اپنی مشہور کتاب ”المبسوط“ میں لکھتے ہیں کہ ”جب مریض نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں یا ایک طلاق بائن دی، پھر مر گیا جب کہ (زوجہ) عدت میں تھی تو از روئے قیاس وہ عورت ورثہ کی مستحق نہ ہوگی لیکن استحساناً وارث ہوگی۔ لیکن ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے سبب حق وراثت کو پسند کیا (کیونکہ) قیاس اجماع صحابہ کے سبب ترک کر دیا جاتا ہے۔ (۳۵)

امام مالک کا قول :

امام مالک سے منقول ہے کہ ہر ایک طلاق میں جو مرض کی حالت میں واقع کی گئی ہو عورت میراث پانے کی مستحق ہوگی، بشرطے کہ شوہر اسی مرض میں مرا ہو۔ (۳۶)

امام شافعی کے اقوال :

طلاق مریض اور عورت کے میراث پانے کے سلسلے میں امام شافعی کے دو قول بیان کئے جاتے ہیں :-

۱۔ ایک یہ کہ عورت وارث ہوگی کیونکہ مرد کے فعل طلاق کا اثر حالت مرض موت میں ایک قاتل کے فعل قتل کی مانند ہے۔ بناء برین اس

(۳۴) موطا، امام محمد، محولہ بالا، صص ۵۸-۲۵۷۔

(۳۵) المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۵۵۔

(۳۶) المدونة، امام سحنون، محولہ بالا، ج ۵، ص ۳۳۔

”قال مالک كل طلاق واقع في المرض فالمرث للمرأة اذا مات من ذلك المرض و بسبه كان ذلك اهما، -

بداية المجتهد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۸۳-۸۲۔

کا فعل اپنے نتیجہ کے اعتبار سے بے اثر رہے گا اور عورت ورثہ سے محروم نہ ہوگی۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اگر مرد نے مرض الموت میں طلاق بائن دی اور اسی مرض میں مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی کیوں کہ اس وقت نکاح ختم ہو چکا تھا لہذا ورثہ پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ (۳۷)

لیکن امام شافعی کا آخری قول عدم توارث کے حق میں بیان کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر:

امام احمد بن حنبل، ابن ابی لیلی، اسحق اور ابو عبید کے نزدیک اگر شوہر اسی مرض میں مرا ہو تو عورت وارث ہوگی، خواہ عدت گزر چکی ہو، بشرطے کہ اس عورت نے دوسرے سے نکاح نہ کیا ہو۔ (۳۸) لیکن امام مالک اور لیث کے نزدیک عورت باوجود نکاح ثانی وارث ہوگی۔

وجہ اختلاف:

مندرجہ بالا مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کی دلیل یہ ہے کہ نکاح ثانی کی صورت میں عورت پہلے خاوند کی میراث حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ وہ (عورت) زوجیت کی بناء پر وارث قرار دی جا سکتی تھی اور اب نکاح ثانی کے سبب دونوں (متوفی مرد اور عورت) کے درمیان ایک اور زوجیت حائل ہو گئی۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بیک وقت دو مردوں کی زوجہ ہے۔

(۳۷) المہذب، ابراہیم بن علی الفیروزآبادی، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ھ، ج ۲، ص ۲۷۔

بداية المجتهد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، صص ۸۲-۸۳۔

احکام التركات والموارث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۳۶۔

الترکة والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۱۰۶۔

مجمع الانہر، داماد آندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۲۸۔

(۳۸) احکام التركات والموارث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۳۷۔

فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۰۰۔

بداية المجتهد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۸۲۔

المحرر فی الفقہ الحنبلی، ابو البرکات مجدالدین، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۱۱:

”وان ابانہا فی مرض موتہ المخوف منها بقصد حرمانہا عنہ (الامام احمد) ترثہ مالم تزوج“۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ طلاق دینے والا عورت کی وراثت سے بھاگنا چاہتا تھا، لہذا اس کی بیوی خواہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے تب بھی پہلے شوہر کی وارث ہوگی، کیونکہ شوہر اسے ورثہ سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ ارادہ موجب گناہ ہے لہذا اس کی مخالفت کی جائے گی، اور اس عورت کو نکاح ثانی کر لینے کے باوجود پہلے شوہر کا وارث قرار دیا جائے گا۔

شیعہ فرقہ کا مسلک :

شیعہ علماء کے نزدیک اگر شوہر تاریخ طلاق سے ایک سال کے اندر مرجائے تو عورت وارث ہوگی، خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن بشرطے کہ اس دوران میں عورت نے دوسرا نکاح نہ کر لیا ہو۔ اگر اس ایک سال کے عرصے میں اس عورت نے نکاح کر لیا تو پہلے شوہر سے اس کا حق وراثت ختم ہو جائے گا۔ (۳۹)

لیکن اگر شوہر اس مرض سے تندرست ہو جائے جس مرض کی حالت میں اس نے عورت کو طلاق دی مگر پھر بیمار پڑ جائے اور مرجائے تو ایسی صورت میں عورت اسی وقت ورثہ کی حقدار ہوگی جب کہ مرض سے تندرستی، پھر بیماری اور وفات سب امور طلاق رجعی کی عدت یعنی تین ماہ میں وقوع پذیر ہو جائیں۔ (۴۰) اور زوجہ حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک۔

ظاہری مسلک :

فقہاء ظاہریہ چونکہ تعلیل نصوص کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ غایات و مقاصد کی بناء پر نصوص کی تعیین کے قائل ہیں اس لئے وہ مرض الموت میں

(۳۹) محملن لاء، سید امیر علی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۵ع، چھٹا ایڈیشن، ص ۵۴-۵۳۔

ڈائجسٹ آف محملن لاء، بیلی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ع، جلد ۲، ص ۴۴-۳۳۔

السرائر، شیخ محمد ادریس، مطبوعہ ایران، ص ۳۳۷ :

”اذا طلق الرجل امرأته و هو مریض فانها بتوارثان مادامت فی العدة فاذا انقضت عدتها ورثته ما بینهما و بین سنة مالم تتزوج فان تزوجت فلا میراث لها۔ واذ ازاد علی السنة یوم واحد لم یکن لها میراث ولا فرق فی جمیع هذه الاحکام بین ان یكون التطلاق هی الاولی او الثانية او الثالثة وسواء کان له علیها الرجعة او لم یکن فان الوراثة ثابتة بینهما۔“

(۴۰) محملن لاء، سید امیر علی، محولہ بالا، ص ۵۴-۵۳۔

ڈائجسٹ آف محملن لاء، بیلی، محولہ بالا، ص ۴۴-۳۳۔

سبتلا شخص کے تصرفات کو بحالت صحت تصرفات کی طرح درست قرار دیتے ہیں، بشرطے کہ وہ شخص عاقل اور صحیح الحواس ہو۔ ان کے نزدیک بحالت مرض موت طلاق بائن کی صورت میں عورت میراث کی مستحق نہیں، خواہ طلاق دینے والا عورت کی عدت ہی کے دوران اس مرض کی حالت میں فوت ہو گیا ہو۔

چنانچہ فقہ ظاہریہ کے زبردست و پرجوش مبلغ امام ابن حزم اپنی مشہور کتاب المحلی میں لکھتے ہیں کہ ”مریض کی طلاق تندرست آدمی کی طرح ہوتی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ مریض اگر تین طلاقیں دے یا (دو طلاق دینے کے بعد) تین میں سے آخری طلاق دے تو ان تمام صورتوں میں عورت وارث نہ ہوگی۔“ (۴۱)

امام ابن حزم آگے لکھتے ہیں کہ ”صحیح بات یہ ہے کہ جس عورت کو دوران مرض طلاق بتہ (بائتہ) دی گئی ہو یا وہ غیر مدخولہ ہو اور اس کو مرض میں طلاق دے دی جائے ان دونوں عورتوں کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح وہ عورت جسے مریض مرض موت نے طلاق رجعی دی ہو اور وہ رجوع سے قبل فوت ہو گیا تو اس عورت کو بھی ورثہ نہیں ملے گا۔ خواہ مریض علانیہ کہتا ہو کہ اس نے عورت کو ورثہ سے محروم کرنے کے لئے طلاق دی تھی۔ اس میں مریض پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ طلاق خدا کے نزدیک ایک سباح فعل ہے۔ اس سے وراثت منقطع ہو جاتی ہے اور حقوق زوجیت باقی نہیں رہتے (۴۲)

امام ابن حزم اسی اصول کی متابعت میں لکھتے ہیں کہ: ”اگر کسی شخص کو قتل کرنے یا سنگ سار کرنے کے لئے جائز یا ناجائز طور پر کھڑا کیا گیا ہو اور وہ اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی بیوی

(۴۱) المحلی، ابن حزم (م ۸۴۵۶)، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ج ۱۰، ص ۲۱۸؛
”و طلاق المریض الطلاق الصحیح، ولا فرق مات من ذالك المرض او لم يموت منه، فان كان طلاق المریض ثلاثاً او آخر ثلاث او قبل ان يطأها فمات او ماتت قبل تمام العدة او بعدھا، او كان طلاقاً رجعیاً فلم یرتجمها حتى مات او ماتت بعد تمام العدة فلا ترثه فی شی من ذلك كله ولا یرثها اصلاً۔“

(۴۲) المحلی، ابن حزم، محمولہ بالا، ج ۱۰، ص ۲۲۹۔

بھی وارث نہ ہوگی، کیونکہ کسی نص سے ایسے شخص اور دوسرے اشخاص کی طلاق کے مابین فرق و امتیاز واضح نہیں ہوتا۔ (۴۳)

تجزیہ:

ائمہ اربعہ، فرقہ شیعہ اور ظاہریہ مسلک کی آراء کا تجزیہ کرتے ہوئے راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فقہاء ظاہریہ اس مسئلے میں صحابہ کے فتاویٰ کو نظر انداز کرتے ہیں اور دیگر فقہاء کی یہ دلیل بھی درخور اعتنا نہیں سمجھتے کہ طلاق دراصل عورت کو ورثہ سے محروم کرنے کی بناء پر دی گئی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک فقہاء کی یہ رائے باطل بنیاد پر "تحکم فی الدین" ہے۔ اس مسئلے میں ظاہریہ مسلک کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ مریض کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لئے اس کے جملہ اثرات و نتائج خود بخود مرتب ہو جائیں گے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر طلاق کے جملہ اثرات و نتائج کو نافذ قرار دینے کے لئے صاحب عقل ہونا ہی ضروری اور کافی ہے تو وہ شخص جس کو سنگ سار کرنے یا قتل کرنے کے لئے لے جا یا جا رہا ہے باوجود عقل رکھنے کے یہ سمجھتا ہو کہ وہ چند لمحوں کا سہمان ہے تو اس عالم میں طلاق دینے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ طلاق دے کر اپنی زوجہ کو ورثہ سے محروم کرنا چاہتا ہے!

احناف اور دیگر ائمہ اور فقہاء جو طلاق مریض کی صورت میں عورت کی میراث کے قائل ہیں ان کے نقطہ نظر کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ ایسی حالت میں جس میں ہلاکت کا ظن غالب ہو خواہ بیماری سے، خواہ کسی اور بناء پر، شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دے کر دراصل اسے اس کے حق وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے مال کی وارث نہ ہو سکے۔ اس بناء پر فقہی اصطلاح میں ایسی طلاق کو "طلاق الفار"، سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ایسے شخص کی طلاق جو عورت کی وراثت سے بھانگنا چاہتا ہے اور اسی بناء پر ان کے نزدیک وراثت کے احکام میں عدت کے دوران ایسی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۴۳) المعلى، ابن حزم، مہولہ ہالا، ج ۱۰، ص ۲۲۹۔

چنانچہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شخص نے مرض الموت میں عورت کی رضامندی کے بغیر اسے طلاق دی اور وہ طلاق کے وقت سے لے کر شوہر کی وفات تک وارث تھی تو یہ عورت اس کی موت کے بعد عدت کے دوران اس کی وارث ہوگی۔

فقہاء کی یہ رائے اول تو حضرت عثمان، حضرت علی، اور حضرت زید بن ثابت کے اقوال کے مطابق ہے۔ دوسرے اس طرح اس غلط وسیلہ کا سدباب بھی ہو جاتا ہے کہ مرد اپنی زوجہ کو وراثت سے محروم کر سکے اور لوگ اس طرح طلاق کو حکم خداوندی (سیراث زوجہ) سے بھاگنے کا ذریعہ بنالین، خصوصاً جب کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمان و علی و عمر رضی اللہ عنہم جیسے مجتہدین صحابہ کے آثار موجود ہیں، جن کو سنن بیہقی میں امام بیہقی نے باب "ما جاء فی توريث المبتوتہ فی مرض الموت"، میں روایت کیا ہے۔ (۴۴) چنانچہ یہ مذہب اقرب الی القبول ہے کہ ایسی طلاق کو عدت کے دوران باغراض سیراث غیر موثر قرار دیا جائے۔

خاص نکتہ :

تاہم حالت مرض میں طلاق اور وراثت کے احکام کے بارے میں یہ خاص نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ زوال نکاح مرد کی جانب سے ہو یعنی فرقت مرد کی طرف سے ہو اور دوسرے یہ کہ وہ مرض جس میں طلاق دی گئی ہو مرض الموت ہو نیز یہ کہ اہلیت وراثت طلاق سے موت تک باقی رہنی چاہئے۔ چنانچہ اگر عورت نے خود طلاق کی خواہش کی یا خود تفریق حاصل کی تو ایسی صورت میں وہ مرد کی وارث نہ ہوگی اور اس کا حق ساقط متصور ہوگا۔ مثال کے طور پر عورت نے اپنی خواہش سے مرد سے خلع حاصل کیا یا طلاق تفویض کی صورت میں اپنے نفس کو اختیار کر لیا یعنی خود پر طلاق واقع کی تو ایسی صورت میں وہ عورت اس مرد کی وارث نہ ہوگی۔ خواہ شوہر مرض الموت میں مبتلا ہو اور دوران عدت اس مرض الموت میں انتقال کر جائے۔ (۴۵)

(۴۴) السنن الكبرى، بیہقی، مطبوعہ دکن، جلد ۲، ص ۳۶۲۔

(۴۵) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۹۔

فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۲۔

احکام الترتکات و الموارث، (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۴۷۔

الترتکة والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۱۵۴-۵۵۔

ہلاکت کی دوسری اغلب صورتیں :

اسی اصول کی بنیاد پر طلاق مریض کی طرح ایسی طلاق بھی عورت کے حق وراثت کو متاثر نہ کرسکے گی جو ایسی حالت میں دی جائے جس میں ہلاکت کا امکان اغلب موجود ہو مثلاً شیر سے مقابلہ کے وقت، دوران جنگ (۴۶) چاند کے سفر پر روانہ ہوتے وقت۔

مرتد ہو جانے کی صورت میں :

اگرچہ یہ عام اصول ہے کہ اگر کوئی شوہر مرتد ہو جائے تو اس کی زوجہ کی اپنے شوہر سے فرقت واقع ہو جاتی ہے (جو طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے) ایسی صورت میں زوجہ اپنے شوہر کے ترکہ کی وارث نہیں ہوتی، کیونکہ میراث کی منجملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وارث اور سوڑ ہم مذہب ہوں لیکن فقہاء نے مرتد کو بھی مریض مرض موت کے حکم میں داخل کیا ہے، چنانچہ ایسی صورت میں بھی شوہر کو "فار"، یعنی میراث زوجہ سے بھاگنے والا قرار دیا جائے گا اور عورت شوہر کے انتقال کی صورت میں میراث کی مستحق ہوگی۔ (۴۷) بشرطے کہ زوجہ شوہر کی وفات کے وقت عدت میں ہو۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مرتد کی میراث")

اسلامی ممالک میں مرض موت میں طلاق کا اثر :

عراق اور شام میں بھی مرض الموت اور ایسی حالت میں جس میں ہلاکت کا غالب امکان موجود ہو دی جانے والی طلاق کو باغراض وراثت غیر موثر قرار دیا گیا ہے۔ (۴۸) مگر عراق کے قانون میں کسی مدت کا تعین نہیں کیا

(۴۶) اسی قسم کی چند اور صورتیں مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ھ، ج ۱، ص ۳۲۸ میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

(۴۷) فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۷ و ص ۳۵۲ مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ع، ج ۱، ص ۳۲۹

(۴۸) قانون الاحوال الشخصية عراق، نمبر ۱۸۸، مجریہ ۱۹۵۹ع، دفعہ ۲۵ :

"لا يقع طلاق . . . المريض في مرض الموت او في حالة يغلب في مثلها الهلاك اذا مات في ذلك المرض او تلك الحالة و ترثه زوجته"۔

قانون الاحوال الشخصية، شام، دفعہ ۱۱۶

" . . . من باشر سببا من اسباب البينونة في مرض موته او في حالة يغلب في مثلها الهلاك طائعا بلا رضی زوجة و مات في ذلك المرض او في تلك الحالة والمرأة في العدة فهنا ترث بشرط ان تستمر اهليتها للارث من وقت الابانة الى الموت"۔

گیا اور نہ وہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ البتہ شام کے قانون میں یہ دراجت کردی گئی ہے کہ عورت شوہر کی وفات کے وقت عدت میں ہو اور اس کی اہلیت وراثت باقی ہو جو حنفی مذہب کے مطابق ہے۔ اس ضمن میں حنفی مسلک قرین صواب ہے اور عراق کے مقابلہ میں شامی قانون کی دفعہ بہتر ہے۔

چند دیگر صورتیں:

۱۔ طلاق بائن عام مرض کی حالت میں دی گئی لیکن دوران عدت وہ مرض ترقی کر کے مرض الموت کی صورت اختیار کر گیا اور اسی مرض الموت کی حالت میں شوہر نے وفات پائی تو زوجہ اس کی وارث ہوگی کیونکہ وہ مرض ابتداء سے حکماً مرض الموت مانا جائے گا۔

۲۔ طلاق بائن مرض الموت کی حالت میں دی گئی لیکن دوران عدت وہ شخص قتل کر دیا گیا یا اس نے خود کشی کر لی تب بھی عورت وارث ہوگی کیونکہ انشاء فعل طلاق مرض موت کی حالت میں ہوا تھا۔

۳۔ شوہر نے طلاق بائن مرض الموت کی حالت میں دی۔ دوران عدت اس مرض سے تندرست ہو گیا، کچھ دن بعد کسی دوسرے مرض الموت میں مبتلاء ہوا اور دوران عدت مر گیا تو زوجہ وارث نہ ہوگی کیونکہ جس مرض الموت کی حالت میں انشاء فعل ہوا تھا وہ مرض موت ثابت نہ ہوا۔

۴۔ شوہر نے طلاق بائن مرض الموت کی حالت میں دی، مگر دوران عدت تندرست ہو گیا، کچھ دن بعد اسی مرض کا دوسرا حملہ ہوا یا اس سابق مرض کے اثرات کے تحت دوسرا مرض لاحق ہو گیا جو مرض الموت ثابت ہوا اور وہ مر گیا تو ایسی صورت میں زوجہ وارث ہوگی، کیونکہ مرض ثانی پہلے مرض کا نتیجہ کہلائے گا۔

۵۔ زوجہ بوقت طلاق شوہر کے مرض کی حالت میں غیر مسلمہ تھی، بعد طلاق ایمان لے آئی، مگر شوہر کی میراث کی مستحق نہ ہوگی اور شوہر کو میراث زوجہ سے بھاگنے والا خاوند تصور نہ کیا جائے گا، کیونکہ ابتداء

جس وقت طلاق دی گئی تھی وہ میراث کی مستحق ہی نہ تھی۔ (۴۹)

۶۔ ایک زوجہ مسلمان تھی۔ شوہر نے بحالت مرض موت طلاق بائن دی۔ زوجہ مرتد ہوگئی، پھر ایمان لے آئی۔ اس کو شوہر کی میراث نہیں ملے گی کیونکہ ارتداد کے سبب اس کا حق میراث ساقط ہوگیا اور ساقط نہیں لوٹا کرتا۔ (۵۰)

زوجین کی میراث پر مبنی چند مثالیں (حنفی مسلک کے مطابق):

(الف) زوجہ نے اپنے انتقال پر —

(۱) شوہر اور اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑا تو شوہر کو نصف اور حقیقی بھائی کو نصف مل جائے گا۔

(۲) شوہر اور بیٹی کو چھوڑا، شوہر کو چوتھائی اور باقی بیٹی کو بحیثیت ذی فرض و بذریعہ رد ملے گا۔

(۳) شوہر اور نواسے، نواسی کو چھوڑا شوہر کو نصف اور باقی نواسے، نواسی کو بحیثیت ذوی الارحام ملے گا۔

(۴) شوہر، بیٹا، (جو اس کا قاتل ہے) اور علاتی بھائی کو چھوڑا، شوہر کے لئے نصف (کیونکہ بیٹے کے قاتل ہونے کے سبب شرعاً اس کا وجود اور عدم برابر ہے) اور باقی علاتی بھائی کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔ اگر بیٹا قاتل نہ ہوتا تو شوہر کو چوتھائی اور باقی بیٹے کو ملتا، اور علاتی بھائی محروم ہوجاتا۔

(ب) شوہر نے اپنے انتقال پر —

(۱) اپنی زوجہ، بیٹا، یا پوتا چھوڑا، زوجہ کو آٹھواں اور باقی بیٹے یا پوتے کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔

(۲) زوجہ، بیٹی (یا پوتی) کو چھوڑا، زوجہ کو آٹھواں اور باقی بیٹی یا پوتی کو بحیثیت ذی فرض و بذریعہ رد ملے گا۔

(۴۹) احکام الترتکات و الموارث، ابوزھرہ، محولہ بالا، ص ۴۶-۱۳۵۔
 احکام الموارث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۲۸-۱۲۷۔
 الترتکة والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسیٰ، محولہ بالا، ص ۲۷-۲۳۳۔
 (۵۰) احکام الترتکات و الموارث، ابوزھرہ، محولہ بالا، ص ۱۳۶۔

(۳) دو بیویاں اور ایک نواسہ نواسی کو چھوڑا، بیویوں کے لئے چوتھائی (جو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی) اور باقی نواسے نواسی کو بحیثیت ذوی الارحام ملے گا۔

(۴) بیوی اور حقیقی چچا کو چھوڑا، بیوی کو چوتھائی اور باقی چچا کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔

مصری قانون :

دفعہ ۱۱ (۲) - اور زوجہ بائنه کو اگرچہ وہ مطلقہ بائنه مرض موت کی ہو، زوجہ کے حکم میں اس حالت میں ہوگی، جب کہ زوجہ نے خود طلاق کا مطالبہ نہ کیا ہو اور عدت میں ہو،

جب کہ میت کا بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو تو زوجہ کا $\frac{1}{8}$ حصہ فرض ہوگا اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں $\frac{1}{4}$ ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۸ (۲) میت کی مطلقہ رجعی زوجہ کو جب کہ وہ عدت میں ہو اور میت کا بیٹا یا پوتا نیچے تک موجود نہ ہو تو $\frac{1}{4}$ ملے گا، اور بیٹے پوتے کے موجود ہونے کی صورت میں $\frac{1}{8}$ دیا جائے گا مگر طلاق مریض کی صورت میں دفعہ ۱۱۶ کے احکام کی رعایت ملحوظ رکھنا ہوگی۔

(۳) جس صورت میں کہ زوجہ متعدد ہوں تو مذکورہ فریضہ میں کل شریک ہوں گی۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۲ - ایک زوجہ یا متعدد کی دو حالتیں ہیں :

(۱) $\frac{1}{4}$ جب کہ میت کا بیٹا، یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود نہ ہو،

(۲) $\frac{1}{8}$ جب کہ مذکورہ صدر میں سے کوئی موجود ہو۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۴۰ - چوتھائی فرض کے مستحق دو فرد ہیں :

(۱) زوج جب کہ زوجہ کی کسی قسم کی اولاد موجود ہو، اور

(۲) زوجہ، جب کہ شوہر کی کسی قسم کی اولاد موجود نہ ہو۔

دفعہ ۲۴۱ - آٹھویں حصہ کا مستحق وارث ایک ہے :

(۱) زوجہ جب کہ زوج کی کسی قسم کی اولاد موجود ہو۔

عدالتی فیصلے :

جہاں تک زوجہ کے حق میراث کا تعلق ہے اہل سنت والجماعت کے تمام فرقوں کی فقہ میں ایسی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی گئی جس کی رو سے زوجہ اولاد ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں منقولہ یا غیر منقولہ جائداد میں اس کے حق وراثت پر کسی قسم کا کوئی اثر پڑتا ہو، لیکن شیعہ امامیہ فقہ کی رو سے زوجہ کے استحقاق میراث میں منقولہ اور غیر منقولہ کے درمیان امتیاز برتا گیا ہے چنانچہ بمقدمہ حسین خان بنام امیری بی بی قرار دیا گیا کہ ایک شیعہ عورت اپنے شوہر کی زمین کی اسی وقت وارث ہو سکتی ہے جب کہ اس شوہر سے اس کا کوئی بچہ شوہر کی وفات کے وقت زندہ ہو۔ (۵۱)

بمقدمہ مسماۃ نوتن جان بنام مسماۃ سہودی بیگم قرار دیا گیا کہ ایسی عورت شوہر کی منقولہ املاک کی وارث ہو سکتی ہے۔ (۵۲)

بمقدمہ مرزا علی حسین بنام ساجدہ بیگم بھی یہی قرار دیا گیا کہ ایک لاولد شیعہ عورت اپنے متوفی شوہر کی زمین میں سے کسی حصے کی مستحق نہیں۔ (۵۳)

بمقدمہ آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی قرار دیا گیا کہ ایک لاولد مسلمان شیعہ مرد کی بیوی اس کی زمین کے علاوہ اس کی املاک میں ایک چوتھائی

(۵۱) Awn 1889 192

(۵۲) 3 Agra 13

(۵۳) 21 Mad 27

حصے کی مستحق ہوگی چنانچہ وہ متوفی کی زمینوں اور عمارتوں یا ان کی مالیت کے کسی حصے کی مستحق نہ ہوگی۔ (۵۴)

بمقدمہ مظفر علی خان بنام پاروتی، شیعہ امامیہ قانون کے بموجب ایک بیوہ جس کا کوئی بچہ اس کے شوہر کی وفات کے وقت زندہ نہ ہو اپنے متوفی شوہر کی کسی غیر منقولہ جائداد میں وارث نہیں ہوتی۔ (۵۵)

بمقدمہ سید مرتضیٰ حسین بنام مسماۃ العان بی بی قرار دیا گیا کہ ایک شیعہ بیوہ جس کا اپنے متوفی شوہر سے بچہ موجود ہو، شیعہ قانون کے بموجب منقولہ اور غیر منقولہ دونوں قسم کی جائدادوں کی وارث ہوگی۔ (۵۶)

بمقدمہ دولت خاتون بنام اسینہ بی بی قرار دیا گیا کہ لاولد بیوہ شیعہ قانون کے تحت اپنے مرحوم شوہر کی صحرائی جائداد میں وارث نہیں ہوتی۔ (۵۷)

نتیجہ فکر :

شیعہ امامیہ میں زوجہ کی میراث سے متعلق اس کے لاولد ہونے کی صورت میں غیر منقولہ جائداد میں حصہ دار نہ ہونا، سماجی عوامل کی بنا پر بے سگر قرآن پاک اس قسم کی کسی تخصیص و امتیازی سلوک کو گوارا نہیں کرتا۔ لہذا راقم الحروف کی رائے میں شیعہ قانون میراث کا یہ جزو قرآن پاک کے خلاف ہے۔

۲۷۱ - میت کے باپ کی میراث کی تین حالتیں ہیں :-

باپ کی میراث

(۱) فرض مطلق، تعصیب سے خالی $\frac{1}{6}$ ہالے کا جب کہ بیٹا (زیریں درجہ تک) موجود ہو۔

(۲) فرض مع التعصیب جب کہ بیٹی یا ہوتی زہریں درجہ تک موجود ہو۔

(۳) خالص عصبہ جب کہ میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو۔

7 MLJ 115 (P. C.) (۵۴)

4 ALJ 521 Awn 1907, 221 (۵۵)

2 I.C. 671 (۵۶)

PLD 1958 W.P.(Rev.) 67 (۵۷)

ILR i898, Vol. 25 Cal. Series 9 (P.C.)

تشریح

باپ سے میت کا اصلی باپ مراد ہے جس کے نطفہ سے میت ہو۔ چنانچہ سوتیلا باپ ذی فرض نہیں ہے بلکہ وہ ماں کا شوہر کہلائے گا اور میت کا باپ نہ ہونے کے سبب اس کے ورثہ کا مستحق نہ ہوگا۔

باپ کی میراث کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اگر میت کوئی اولاد چھوڑے تو باپ اور ماں دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ (۵۸) ”اور اگر میت کے کوئی اولاد (سوجود) نہ ہو تو اس کے والدین کو (کل) میراث اس طرح ملے گی کہ (۵۹) ماں کو ایک تہائی دینے کے بعد باقی باپ کو ملے گا۔“

باپ کی میراث کی تین حالتیں :

فقہاء نے باپ کے اپنی اولاد سے میراث ہانے کی تین حالتیں بیان کی ہیں :

” (۱) صرف ذی فرض ہونا (۲) ذی فرض و عصبہ ہونا، اور (۳) صرف عصبہ ہونا۔“

۱۔ ذی فرض ہونا :

پہلی حالت صرف ذی فرض کی حیثیت سے میراث ہانے کی ہے۔ چنانچہ علماء اہل سنت کے نزدیک جب متوفی کے لڑکا یا پوتا ہو، خواہ کتنی ہی زیرین پشت میں ہو تو باپ کو بحیثیت ذی فرض ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا، جو از روئے قرآن مقرر ہے، جیسا کہ قرآن خود فرماتا ہے کہ اگر ”میت نے اولاد چھوڑی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا، (۶۰) یہی مسلک شیعہ

(۵۸) ۱۱ : ۴ (النساء م)
”ولا یورث لکل واحد منهما السلس مما ترک ان کان له ولد، -

(۵۹) ۱۱ : ۴ (النساء م)
”فان لم یکن له ولد و ورثه ابواه، -

(۶۰) ۱۱ : ۴ (النساء م)
”ولا یورث لکل واحد منهما السلس مما ترک ان کان له ولد، -

اماسیہ کا بھی ہے۔ (۶۱) مثلاً ایک شخص مر گیا اس نے باپ اور بیٹے کو چھوڑا باپ کو چھٹا حصہ اور باقی بیٹے کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔

۲ - ذی فرض و عصبہ ہونا :

دوسری حالت یہ ہے کہ ذی فرض اور عصبہ دونوں حیثیت سے باپ کو میراث ملے۔ چنانچہ اگر متوفی نے باپ کے علاوہ ایسے وارث چھوڑے جو (صرف) ذوی الفروض ہیں تو منجملہ باپ کے تمام ذوی الفروض کے حصے دے کر باقی ترکہ باپ کو بحیثیت عصبہ مل جائے گا بشرطے کہ کوئی ایسا وارث موجود نہ ہو جس کے سبب باپ کے حصہ میں کمی آجاتی ہو، مثلاً بیٹا یا پوتا موجود نہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ میت نے باپ، بیٹی یا پوتی کو چھوڑا تو اس صورت میں باپ کو چھٹا حصہ بحیثیت ذی فرض ملے گا اور بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ بحیثیت ذی فرض دے کر بقیہ چھٹا حصہ بھی باپ کو بطور عصبہ مل جائے گا۔ (۶۲) یہ مسلک اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ کا ہے۔ شیعہ اماسیہ کے نزدیک باپ کو چھٹا اور بیٹی کو نصف حصہ ملے گا اور باقی ان دونوں پر بقدر حصص رد کیا جائے گا۔ (۶۳) لیکن پاکستان کے عائلی قانون کے تحت باپ کو $\frac{1}{6}$ ، باقی کا بیٹی کو $\frac{1}{3}$ اور پوتی کو $\frac{2}{3}$ ملے گا جو اس کے مرحوم باپ کو ملتا۔ (یتیم ہوتے پوتیوں کی میراث کے سلسلہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ۳۷ حجب و حرمان)۔

اہل سنت و الجماعت کی دلیل حضور اکرم کی یہ مشہور حدیث ہے کہ ”پہلے اصحاب فرائض کو ان کے معین حصے دو، پھر جو بیچ رہے وہ اولیٰ مذکر کے لئے ہے۔“ (۶۴) شیعہ حضرات اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے اور ذوی

(۶۱) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر العلی، مطبوعہ بیروت، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۶

(۶۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۸
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۸۷

(۶۳) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر العلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۶

(۶۴) صحیح بخاری، امام بخاری، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۷ :

”الحقو الفرائض باہلہا فما ابقتہ فلاولی رجل ذکر“

صحیح مسلم، امام مسلم مع شرح نووی، محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۵۲

نیل الاوطار، علامہ شوکانی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۵۹

عمدة القاری، بدرالدین عینی، محولہ بالا، جلد ۲۳، ص ۲۳۶، ۲۳۹ اور ۲۴۱

الفروض کی موجودگی میں عصبات کو غیر مستحق قرار دیتے ہیں -

۳ - صرف عصبہ ہونا :

تیسری حالت یہ ہے کہ باپ صرف عصبہ کی حیثیت سے میراث کا مستحق ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ متوفی نے سوائے باپ کے کوئی اور وارث نہ چھوڑا ہو تو ایسی صورت میں باپ بحیثیت عصبہ کل ترکہ کا حقدار ہوگا۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت کی ہے کہ جب میت کے کوئی اولاد موجود نہ ہو تو اس کے والدین کو (کل) میراث ملے گی۔ جس میں ثلث ماں کا باقی تمام باپ کا ہوگا۔ (۶۵) "فان لم یکن له ولد و ورثہ ابواہ،، میں لفظ "ولد،، بیٹا، بیٹی دونوں شامل ہیں کیونکہ "ولد،، کے معنی مولود کے ہیں خواہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ باپ کبھی مطلقاً محبوب نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو محبوب کرتا ہے۔ یہی مسلک شیعہ امامیہ کا بھی ہے۔ (۶۶)

مصری قانون :

دفعہ ۹ - دفعہ ۲۱ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے، جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا (نیچے تک کا) موجود ہو تو باپ کا $\frac{1}{6}$ حصہ فرض ہوگا۔
دفعہ ۲۱ - جب کہ میت کا باپ یا دادا بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو $\frac{1}{6}$ فرض کا مستحق ہوگا، اور باقی بطریقہ عصوبت ہائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۶ - دفعہ ۲۸۱ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے باپ اور جد عصبی کو جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو، $\frac{1}{6}$ بطور فرضیت دیا جائے گا۔

تیونس کا قانون :

دفعہ ۹۹ - باپ کی تین حالتیں ہیں :

(۱) حصہ فرضی عصوبت سے خالی $\frac{1}{6}$ ہے جب کہ میت کا بیٹا

(۶۵) احکام الترتکات والموارث (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۷۰ -

(۶۶) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۶ -

یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو۔

(۲) حصہ فرض و حصہ عصویت جب کہ میت کی بیٹی اور نیچے تک کی کوئی پوتی موجود ہو۔

(۳) محض عصویت جب کہ میت کا نہ بیٹا موجود ہو نہ بیٹی اور نہ نیچے تک کا کوئی پوتا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۵۰۔ جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض کے حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کر لے گا۔

۲۷۲۔ میت کی ماں کی میراث کی تین حالتیں ہیں۔

ماں کی میراث

(۱) اگر میت کی اولاد یا اولاد کی اولاد (نیچے تک) موجود ہو یا دو یا دو سے زائد بھالی بہن کسی جہت میں موجود ہوں تو ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) اگر میت کے ورثاء میں زوجین میں سے کوئی ایک (شوہر یا زوجہ، جیسی صورت ہو) موجود ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ دے کر ماں کو بقیہ ترکہ کا تہالی ملے گا، جب کہ۔

(الف) اگر میت کا شوہر اور والدین ہوں، یا
(ب) میت کی زوجہ اور والدین ہوں۔

(۳) اگر صورت مذکورہ میں باپ کی بجائے دادا موجود ہو تو ماں کو کل ترکہ کا تہالی دیا جائے گا۔

تشریح

ماں سے مراد میت کی حقیقی ماں ہے۔ میت کی سوتیلی ماں میت کی میراث کی مستحق نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے درمیان (وارث اور مورث میں) نہ تعلق نسبی ہوتا ہے اور نہ تعلق نسبی۔ سوتیلی ماں میت کے باپ کی بیوی ہے جس کا میت کے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

ماں کی میراث کی تین حالتیں ہیں:

بیٹے یا بیٹی کی میراث پانے کے حق کے سلسلے میں ماں کی تین حالتیں
ہیں:

۱ - جب کہ میت کی لڑکی یا لڑکا یا پسری اولاد یا کسی قسم کے دو
بھائی بہنیں موجود ہوں تو ماں کے واسطے چھٹا حصہ ہے،

۲ - جب کہ مذکورہ بالا افراد میں سے کوئی نہ ہو تو ماں کل ترکہ
کے تہائی کی مستحق ہوگی۔

۳ - جب کہ میت کی زوجہ یا شوہر (جیسی بھی صورت ہو) موجود ہو تو
اس کا حصہ نکال کر باقی ترکہ میں ماں کا تہائی حصہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس کا مسلک نمبر ۱ میں مذکور مسلک کے خلاف
ہے۔ ان کے نزدیک دو بھائی بہن ہونے کی صورت میں ماں تہائی ترکہ کی
مستحق ہوگی، البتہ تین بھائی یا بہنوں کی موجودگی میں ماں تہائی حصے سے
محبوب ہو کر چھٹے حصے کی مستحق قرار پائے گی۔

حضرت ابن عباس اپنے نقطہ نظر کی تائید میں آیت قرآنی ”فان كان له
اخوة فلامه السدس“، (۶۷) پیش کرتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ”اخوة“،
بھائیوں کے لئے خاص ہے لیکن بطریق تغلیب بھائی بہن دونوں کے لئے بولا
جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ”وان كانوا اخوة
رجالا و نساء فلذکر مثل حظ الانثیین“، (۶۸) اس آیت کریمہ میں ”اخوة“،
ذکور اور اناث دونوں کے لئے آیا ہے نہ کہ صرف ذکور (بھائیوں) کے لئے
یعنی جب میت کے بھائی (جمع کا صیغہ) ہوں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔
حضرت ابن عباس مذکورہ بالا آیت قرآنی ”فان كان له اخوة فلامه السدس“، (۶۹)
پیش کرتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں بہن بھائی کی

(۶۷) ۴ : ۱۱۱ (النساء م) -

(۶۸) ۴ : ۱۷۶ (النساء م) -

(۶۹) ۴ : ۱۱۱ (النساء م) -

موجودگی میں ماں کو چھٹا حصہ ملنے کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں بھائیوں کی تعداد کے سلسلہ میں ”اخوة“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ”اخوة“، ”اخ“ کی جمع ہے جو دو سے زائد کے لئے آتی ہے۔ اس لئے صرف دو بھائی بہنوں کی موجودگی میں ماں کے تہائی حصے کو کم کرنے کا موجب نہیں بن سکتی۔ البتہ دو سے زائد بھائی بہنوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ تہائی سے گھٹ کر چھٹا رہ جاتا ہے۔

حضرت علی کا قول بھی عبداللہ ابن عباس کے موافق ہے۔ چنانچہ وہ بوی مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”نہر قرآنی سے ماں کے لئے تہائی واجب ہے البتہ جب میت کا بیٹا یا بیٹی موجود ہو یا اس کے تین یا تین سے زائد بھائی موجود ہوں تو اس کا حصہ تہائی سے گھٹ کر چھٹا رہ جاتا ہے۔“

اس ضمن میں احناف کی دلیل یہ ہے کہ میراث کے باب میں تشبیہ (دو) اور جمع کا ایک حکم ہوگا۔ لغت کے اعتبار سے بھی دو جمع کے حکم میں داخل ہیں۔ چنانچہ ایک کے بعد فرضیت کا حکم بدل جانے کی صورت میں دو یا دو سے زائد کے لئے یکساں حکم ہوگا، جیسا کہ بنتین (دو بیٹیوں) کی میراث تین کے مانند ہے اور اختین (دو بہنوں) کی میراث تین کی طرح ہے اور دو مادری بھائیوں کی میراث کا حکم تین کا حکم ہے۔ اس لئے جس طرح ماں تین بھائی بہن کی موجودگی میں محبوب ہو کر چھٹے حصے کی مستحق ہوتی ہے اسی طرح دو کی موجودگی میں بھی چھٹے حصے کی مستحق ہوگی۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ دو اور دو سے زائد کے لئے جماعت کا حکم ہے (۷۰) ”اخوان“ (دو بھائی) کے لئے ”اخوة“ بولا جاتا ہے۔ (۷۱)

شیعہ امامیہ مسلک :

شیعہ امامیہ مسلک کے مطابق جب کہ اولاد ذکور میں کوئی ہو یا

(۷۰) الشریفیہ، شرح سراچیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۹ :
”الاثنان فبا فوقہما جماعۃ“

(۷۱) الشریفیہ، شرح سراچیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۹ :
”الاخوان یقع علیہما اسم اخوة“ -

یا دو یا دو سے زائد حقیقی یا علاتی بہنیں یا ایک حقیقی یا علاتی اور دو ایسی بہنیں یا چار ایسی بہنیں باپ کے ساتھ ہوں تو ان کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (۷۲)

ظاہریہ مسلک :

اسام ابو محمد ابن حزم نے اس مسئلے میں ابن عباس کا مسلک اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب "المحلی"، میں لکھتے ہیں کہ "اگر میت کا ایک بھائی یا دو بھائی یا دو بہنیں یا ایک بہن یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو اور میت کی اولاد اور اولاد کی اولاد ذکور نہ ہو تو ماں کو ایک تہائی ملے گا لیکن اگر تین بھائی یا بہنیں یا مخلوط تین ہوں تو اس وقت ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (۷۳)

ڈاکٹر یوسف موسیٰ نے بھی اپنی کتاب "الترکة و المیراث فی الاسلام"، میں حضرت ابن عباس، حضرات شیعہ امامیہ اور ظاہریہ کی آراء کی جانب اپنا میلان ظاہر کیا ہے۔ (۷۴)

زیدیہ مسلک :

زیدیہ فرقہ کا اس باب میں یہ مسلک بیان کیا جاتا ہے کہ اگر اخیافی بھائی بہن ہوں تو ماں کا حصہ تہائی سے کم ہو کر چھٹا نہیں ہوگا جب کہ غیر اخیافی یعنی علاتی یا حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ تہائی سے کم ہو کر چھٹا رہ جائے گا۔ لیکن جمہور فقہاء زیدیہ کا مسلک یہ ہے کہ بھائی بہن کسی طرح کے ہوں یعنی علاتی یا اخیافی تو جب ان میں سے دو موجود ہوں خواہ بہن یا بھائی یا بہن و بھائی خواہ ایک حقیقی دوسرا علاتی، یا ایک حقیقی دوسرا اخیافی غرض کسی طرح کے ہوں تو ماں کا حصہ تہائی سے گھٹ کر چھٹا رہ جائے گا۔ (۷۵)

(۷۲) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، جلد ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۴ -

(۷۳) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۱۴ -

(۷۴) التركة والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسیٰ، محولہ بالا، ص ۲۲۵ -

(۷۵) شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۰ -

زوجہ یا شوہر کے انتقال کی صورت میں :

جمہور مسلک کے مطابق اگر زوجہ کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر، باپ اور ماں کو چھوڑا، تو شوہر کو اس کا نصف حصہ دے کر باقی کا تہائی ماں کو اور بقیہ باپ کو ملے گا۔ دوسری صورت میں جب کہ شوہر کا انتقال ہو اور اس نے اپنی زوجہ اور والدین کو چھوڑا ہو تو زوجہ کا چوتھائی حصہ نکال کر باقی کا تہائی ماں کو اور بقیہ باپ کو ملے گا۔ لیکن اگر باپ کے بجائے دادا ہو تو ماں کو کل کا تہائی ملے گا اور باقی دادا کو۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک دادا کی موجودگی میں بھی زوجہ یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد ماں بقیہ ترکہ میں تہائی کی مستحق ہوگی۔ (۷۶)

حجب و حرمان :

ماں کبھی محبوب نہیں ہوتی البتہ کبھی اپنا فرض حصہ $1/6$ اور کبھی $1/3$ کی مستحق قرار پاتی ہے، الا یہ کہ کوئی امر مانع ارث موجود ہو، بالفاظ دیگر اولاد یا متعدد بھائی، بہنوں کی موجودگی میں حجب نقصان کے ذریعہ چھٹے حصے کی مستحق ہوتی ہے ورنہ تہائی کی مستحق ہوتی ہے۔ (جس کی تفصیل سطور بالا میں بیان کی جا چکی ہے)۔ البتہ دادی، (خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے) ماں کی موجودگی میں محبوب ہوتی ہے۔ (۷۷)

مصری قانون :

دفعہ ۱۴ - ماں کا فرض حصہ $1/6$ ہے جب کہ بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو، یا دو سے زائد بھائی بہن موجود ہوں، ان حالات کے برعکس صورت میں $1/3$ حصہ ہوگا، البتہ جب کہ یہ شوہر، یا زوجہ یا باپ کے ساتھ (فقط) جمع ہوں تو فرائض حصص کے بعد بقیہ ترکے کا ایک تہائی ماں کا حصہ فرض ہوگا۔

(۷۶) شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۰
احکام الترتکات و الموارث (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۷۵ - ۷۱
(۷۷) الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۲۵، ص ۸۹

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۱ (۱) - میت کے بیٹے یا پوتے نیچے تک کے موجود ہوتے ہوئے یا دو یا زیادہ بھائی بہنوں کے موجود ہوتے ہوئے ماں کو $1/6$ ملے گا۔

(۲) مذکورہ حالات کے ماسوا حالات میں، $1/3$ دیا جائے گا الا یہ کہ جب شوہر یا زوجہ یا باپ میں سے کوئی فرد موجود ہو تو اب بقیہ ترکہ کا $1/3$ ماں کو دیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۷ - ماں کی تین حالتیں ہیں :-

(۱) $1/6$ جب کہ میت کا بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا یا دو بھائی یا زائد، خواہ کسی جہت کے ہوں حقیقی، پذیر، مادری، کوئی ہوں۔
(۲) مذکورہ افراد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو کل مال کا $1/3$ ملے گا۔

(۳) اور ماں کو شوہر یا زوجہ کا فرض حصہ دینے کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی ملے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں : اول یہ کہ میت کے بعد ماں کے ساتھ میت کے باپ، دادا، اور شوہر بھی موجود ہوں۔ دوم یہ کہ زوجہ، اور باپ، دادا، موجود ہوں۔ اور جس صورت میں کہ باپ کی جگہ دادا موجود ہوگا تو زوجہ کا فرض حصہ دینے کے بعد جو باقی رہے گا اس کا ایک تہائی ماں کو ملے گی۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۴۳ - تہائی کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں :

(۱) میت کی ماں، بشرطے کہ میت کی کسی قسم کی اولاد اور دو یا زائد بھائی موجود نہ ہوں۔

دفعہ ۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں :

(۲) ماں، جب کہ میت کی کسی قسم کی اولاد، یا دو اور دو سے زائد بھائی بہنیں کسی قسم کی بھی موجود ہوں۔

بیٹی (دختر) کی میراث کی تین حالتیں ہیں :-

(۱) ایک ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا،

(۲) دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا، اور

(۳) اگر میت کے بیٹا بھی موجود ہو تو 'لذکر مثل حظ الانثیین' کے اصول پر بیٹے کے مقابلے میں نصف ملے گا۔

توضیح :- میت کے اگر صرف بیٹی یا بیٹیاں ہوں تو بحیثیت ذوی الفروض حصہ ہاتی ہیں لیکن اگر میت کے کوئی بیٹا بھی ہو تو پھر بیٹی عصبہ ہو جائے گی۔

تشریح

بیٹی بھی ذوی الفروض میں سے ہے۔ بیٹی سے مراد وہ بیٹی ہے جو میت کے نطفہ یا بطن سے ہو۔ میت اگر مرد ہو اور اس کی بیٹی اس کی کسی جائز بیوی سے ہو تو وہ اس کی صلبی بیٹی کہلائے گی۔ اسی طرح میت اگر عورت ہے تو اس کی بیٹی جو اس کے بطن سے ہو اس کی اپنی حقیقی بیٹی ہے۔ چنانچہ یہاں بیٹی سے مراد صلبی یا حقیقی بیٹی ہے۔ اس کا حصہ بھی قرآن پاک میں مقرر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بیٹی اگر ایک ہو تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے اور اگر بیٹیاں دو سے زائد ہوں تو ان کے واسطے مال متروکہ میں سے دو تہائی ہے"۔ (۷۸)

(۷۸) ۴ : ۱۱ (النساء م)

"فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترک و ان کانت واحده فلها النصف" یہاں یہ کمان ہو سکتا ہے کہ نساء کے معنی بیٹیوں کے کیوں کر ہوئے لیکن سیاق و سباق عبارت پر غور کرنے سے یہ شک رفع ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر کے مقابلے میں انثی کا ذکر فرمایا ہے اس لیے نساء سے انثی کا ذکر مراد لیا جائے گا جو بیٹیوں پر دلالت کرتا ہے۔ (مؤلف)

بیٹی کی میراث اور مختلف مذاہب فقہ :

میت کے نطفہ سے جو بیٹیاں ہوں (خواہ میت باپ ہو یا ماں) ان کے ورثہ پانے کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مسلک کے بموجب حسب ذیل تین حالتیں ہیں :-

(۱) اگر بیٹی ایک ہو تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے۔

ظاہریہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ (۷۹) لیکن فقہ شیعہ جعفریہ اس مسئلہ میں مختلف ہے۔ چنانچہ اگر ورثاء میں ایک بیٹی اور ایک حقیقی بھائی ہو تو جب کہ ائمہ اربعہ و ظاہریہ مسلک کے بموجب بیٹی کو بحیثیت ذی فرض نصف اور بھائی کو بحیثیت عصبہ نصف ملے گا، شیعہ مسلک کے بموجب بیٹی کل ترکہ کی مستحق ہوگی۔ (۸۰) سنی مسلک قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ (۸۱)

(۲) ائمہ اربعہ کے نزدیک دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو دو تہائی ترکہ ملے گا، اگر کوئی بیٹا موجود نہ ہو۔

عام صحابہ کے قول کے بموجب اگر بیٹیاں دو ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا لیکن حضرت ابن عباس کے قول کے بموجب ان دو بیٹیوں کے واسطے بھی نصف ہے، جس طرح کہ ایک بیٹی کے لئے نصف ہے۔ وہ اپنے دعوے کی دلیل میں آیت قرآنی ”و ان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک، پیش کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے دو تہائی ترکہ کے حکم کو دو سے زیادہ بیٹیاں ہونے پر معلق کیا ہے اور معلق بالشرط وجود شرط سے پہلے معدوم ہوتا ہے۔ لہذا ان دو بیٹیوں کے لئے جب تک دو سے زائد نہ ہوں دو تہائی ترکہ کا استحقاق پیدا نہ ہوگا، بلکہ دو بیٹیوں کی صورت میں ان کو نصف ترکہ ہی دیا جائے گا۔ لیکن جسہور صحابہ اور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ بیٹیاں دو ہوں یا دو سے زائد، ان کے لئے دو تہائی حصہ ہے، جب کہ کوئی

(۷۹) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۳۰

(۸۰) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۰ اور ۸۳-۱۸۳

(۸۱) ۳: ۱۱ (النساء م)

”فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک، و ان کانت واحدة فلها النصف،“
(حدیث: عن ابن عباس قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ”الحقوا الفرائض باهلها فما ابقته فلاولی رجل ذکر،“ امام مسلم، صحیح، کتاب الفرائض -

بیٹا موجود نہ ہو۔ ان کی دلیل رسول اللہ کی یہ حدیث ہے کہ ”جابر بن عبد اللہ نے کہا: ہم رسول اللہ کے ساتھ (باہر) بازار کی طرف نکلے اس اثناء میں ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دونوں بیٹیاں سعد بن ربیع (قبیلہ خزرج کے جلیل القدر صحابی) کی ہیں جو جنگ احد میں آپ کے حق میں (جنگ کرتے ہوئے کفار کے ہاتھوں) شہید ہو گئے اور ان بیٹیوں کے چچا نے ان کے مال پر قبضہ کر لیا اور ان (بیٹیوں) کے لئے کچھ بھی رہنے نہ دیا۔ اے رسول اللہ! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مرد (عزت مندانه طور پر) اس وقت تک نکاح نہیں کرتے، جب تک لڑکیوں کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ رسول اللہ نے اس عورت سے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دے گا۔ کچھ دنوں تک صبر کرنے کے بعد سعد بن ربیع کی زوجہ روتی ہوئی آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئیں۔ ان کا رونا رحمت خداوندی کے لئے بہانہ بن گیا اور میراث کا قطعی اور آخری حکم (جو ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ سے شروع ہوتا ہے) نازل ہوا جس میں زوجہ اور بیٹیوں کا حصہ مقرر فرمادیا گیا۔ رسول کریم ص نے سعد کے بھائی کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بھائی کے مال متروکہ میں سے دو تہائی مال ان دو بیٹیوں کو اور آٹھواں حصہ زوجہ کو دے دو اور جو کچھ باقی رہے وہ تمہارا ہے۔“ رسول کریم ص کے اس فرمان کے بموجب اس تقسیم میراث سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”ان کن نساء فوق اثنتین“ سے مراد ”اثنتین فما فوقھا“، یعنی دو اور دو سے زائد ہے۔ (۸۲)

مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ رسول اللہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک بیٹی اور ایک پوتی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ دلویا تاکہ دو تہائی مکمل ہو جائے۔ اس صورت میں صرف ایک بیٹی

(۸۲) مشکوٰۃ المصابیح، بغوی، حسین بن مسعود الفراء (م ۵۰۱ھ)، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، ص ۲۶۳:

”عن جابر قال جاءت امرأة سعد بن الربیع بابتیہا من سعد بن الربیع الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ہاتان ابنتان ابنتا سعد بن الربیع قتل ابوہما معک یوم احد شہیداً و ان عمہما اخذ ما لہما ولم یدع لہما مالا ولا تنکحان الا و لہما مال قال: یقضی اللہ فی ذلک فنزلت آیۃ المیراث فبعث رسول اللہ الی عمہما فقال اعط لا بنتی سعد الثلثین واعط امہما الثمن و ما بقی فہولک۔“

کی موجودگی میں پوتی کو بیٹی کے مانند قرار دے کر دو بیٹیوں کی میراث کے حکم قرآنی کو بیٹی اور پوتی پر منطبق کر دیا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو بیٹیوں کو دو تہائی ترکہ ملے گا جب کہ کوئی بیٹا موجود نہ ہو۔

اس مسئلے میں از روئے قیاس ایک دلیل یہ بھی دی جا سکتی ہے کہ جب قرآن پاک دو بہنوں کے لئے دو تہائی حصہ قرار دیتا ہے تو پھر دو بیٹیوں کے لئے بھی دو تہائی ہی واجب ہوگا، کیونکہ بہنوں کے مقابلہ میں بیٹیاں بدرجہ اولیٰ حق دار ہیں۔

ابن عباس کی یہ دلیل کہ حکم معلق بالشرط وجود شرط کے بغیر معدوم ہوتا ہے، قابل غور ہے، اس لئے کہ تعلیق الحکم بالشرط، عدم شرط کی صورت میں صرف اثبات کے حکم کو منع کرتی ہے، نفی حکم کو واجب نہیں کرتی۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ حکم کسی اور دلیل سے ثابت کر دیا جائے۔ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس کی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے دو تہائی کے استحقاق کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ تعداد میں دو سے زائد ہوں اور جو حکم کسی شرط پر معلق ہوتا ہے اس کا وجوب اس وقت ہوتا ہے جب کہ شرط وجود میں آجائے اور شرط کے معدوم ہونے کی صورت میں حکم بھی معدوم رہے گا۔ لہذا جب بیٹیاں دو سے زائد ہوں گی تب کتاب اللہ کی شرط کا وجود ہوگا اور اس کے بعد دو تہائی کا حکم وجود میں آئے گا، اس سے قبل نہ آئے گا۔ لہذا جب دو بیٹیوں کی صورت میں شرط کا وجود نہیں (یعنی دو سے زیادہ ہونا موجود نہیں) تو دو تہائی کا حکم بھی نہیں موجود ہو سکتا ہے، اور نصف کا حکم بدستور باقی رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی کتاب اللہ کی اشارة النص اور حدیث نبوی کی عبارت النص سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”فلذکر مثل حظ الانثیین“ کے تحت مراتب اختلاف میں ادنیٰ درجہ ایک بیٹی اور ایک بیٹی کا اختلاف ہے، جس میں بالاتفاق بیٹی کو دو تہائی اور بیٹی کو ایک تہائی ترکہ ملے گا۔ اس سے اشارتاً معلوم ہوا کہ ایک بیٹا بمنزلہ دو بیٹیوں کے ہے لہذا دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ، جب کہ ان کے ساتھ کوئی

بیٹا نہ ہو، ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے ”اثنتین“ کے دو تہائی ثابت کرنے کے لئے کسی صریح نص قرآن کی ضرورت نہیں رہتی، البتہ دو بیٹیوں کی تعداد سے زائد کے لئے صراحت کی اس لئے ضرورت تھی کہ یہاں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جب ایک بیٹی کے لئے نصف ترکہ ہے اور دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی تو (گویا) ایک بیٹی کے بڑھ جانے سے چھٹا حصہ بڑھا، اس لئے ہر بیٹی کے اضافہ سے چھٹا حصہ بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گمان کو رفع کرنے کی غرض سے فرمادیا کہ ”دو سے زیادہ بیٹیوں کی صورت میں دو تہائی ترکہ ہے“ (۸۳) جو وہ آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی (بشرطے کہ کوئی بیٹا نہ ہو)۔ بالفاظ دیگر قرآن پاک صراحتاً دو سے زائد بیٹیوں کے حصہ کو دو تہائی کی حد ظاہر کر رہا ہے۔ اور یہی دو کا حکم اشارۃ النص سے بہ تائید حدیث نبوی ثابت ہو رہا ہے۔

سندرجہ بالا بحث سے قطع نظر خود ابن عباس کی روایت بھی محل نظر ہے کیونکہ ابن عبداللہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس کی یہ روایت ”کہ دو بیٹیوں کے لئے نصف ترکہ ہے“، منکر ہے، اور درجہ صحت کو نہیں پہنچتی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بھی جمہور صحابہ کی موافقت میں دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ کے قائل تھے۔ (۸۴)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک بھی دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کی صورت میں بیٹیاں دو تہائی کی مستحق ہوں گی۔ (۸۵) جب کہ طبقہ اول کے دوسرے ورثاء موجود ہوں۔

(۸۳) ”فان کن نساءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک“،

(۸۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۹-۴۰

الشریفیہ، شرح سراجیہ - سید شریف جرجانی محولہ بالا، ص ۲۱

المغنی، ابن قدامہ مقدسی، (م ۵۶۲) مطبوعہ مصر، ۱۳۴۸ھ، ج ۷، ص ۸

الترکة و المیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۸-۳۷

(۸۵) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلّی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۶

ظاہریہ :

ظاہریہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۸۶)

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ بیٹیوں کی موجودگی میں بیٹیاں عصبہ ہوجاتی ہیں اور بیٹے کے مقابلہ میں بیٹی کو نصف ملتا ہے۔ مثلاً ایک بیٹی اور ایک بیٹے کی موجودگی میں جب کہ اور کوئی وارث نہ ہو بیٹی کو تہائی اور بیٹے کو دو تہائی ملتا ہے۔ (۸۷) اس میں بالکلہ اتفاق ہے۔

مصری قانون :

دفعہ ۱۲ - دفعہ ۱۹ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے۔

(الف) حصہ فرض ایک بیٹی کا نصف ہوگا، اور دو اور ان سے زائد کی حالت میں دو تہائی ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۹۶ - دفعہ ۲۷۷ کے حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

(۱) میت کی ایک بیٹی ہونے کی حالت میں نصف ترکہ کی مستحق ہوگی اور دو یا اس سے زائد ہونے کی حالت میں دو تہائی کی مستحق ہونگی۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۳ - صلبی بیٹیوں کے تین حالات ہیں :

- (۱) نصف جب کہ تنہا ایک ہو،
- (۲) دو تہائی جب کہ دو یا دو سے زائد ہوں، اور
- (۳) جب کہ ان کے ہمراہ بھائی بھی ہو تو للذکر مثل حظ الانثیین۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۹ - نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

- (۲) بیٹی، جب کہ اس کے ساتھ میت کا بیٹا یا دوسری بیٹی موجود نہ ہو۔

(۸۶) المعلیٰ، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۱۰

(۸۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲

پاکستان کا قانون :

پاکستان کے موجودہ عائلی قانون میں پوتے کو اپنے مرحوم باپ کی میراث دلانے کے سبب بیٹی کی میراث میں بنیادی فرق پیدا ہو گیا ہے اس لئے بیٹی کے حصہ کی تعیین کے وقت ائمہ اربعہ کے اصول وراثت سے قطع نظر، مرحوم بیٹے کو زندہ تصور کرتے ہوئے حصص وراثت کی تعیین و تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے۔ اس موضوع پر تنقیدی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو باب ۳۷ "حجب و حرمان"

پوتی کی میراث

۲۷۳- پوتیوں کی میراث کی چھ حالتیں ہیں :-

- (۱) ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔
- (۲) دو یا دو سے زائد پوتیاں ہوں تو ان کو مجموعی طور پر ترکہ کا دو تہائی ملے گا، جب کہ بیٹی موجود نہ ہو،۔
- (۳) اگر میت کی ایک بیٹی موجود ہو تو بیٹی کو ترکہ کا نصف اور پوتی کو ترکہ کا $\frac{1}{6}$ دے دیا جائے گا، تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے۔
- (۴) اگر میت کی دو یا دو سے زائد بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں ساقط ہو جائیں گی۔
- (۵) الا یہ کہ ان کے درجہ میں یا ان سے نیچے درجہ میں میت کا کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتیوں کو عصبہ کر دے گا، اور باقی ماندہ ترکہ مرد کو عورت کے مقابلے میں دو گنا "للذکر مثل حظ الانثیین" کے قاعدہ کے بموجب تقسیم ہو گا۔
- (۶) میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں ساقط ہو جائیں گی بخلاف بیٹی کے۔

تشریح

پوتی بیٹی کی طرح ہے۔ (۸۸) وہ کوئی بیٹا نہ ہونے کی صورت میں اور

(۸۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲ :
 "بنات الابن کبنات الصلب، . . . "و بنات الابن کبنات الصلب فی ثبوت تلك
 الاحوال الثلث،۔"

المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۷
 شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۸۶
 "اولاد اولاد یقومون مقام آبائهم فی مقاسمۃ الابون،۔"

ایک بیٹی ہونے کی صورت میں یا بیٹی کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہوتی ہے۔

پوتی کی میراث کی حالتیں :

ائمہ اربعہ کے نزدیک پوتی کے لئے میراث پانے کی چھ حالتیں ہیں :

(۱) جب کہ بیٹا یا بیٹی موجود نہ ہو اور ایک پوتی موجود ہو تو اس کو ترکہ میں سے نصف حصہ ملے گا۔

(۲) جب کہ بیٹا یا بیٹی موجود نہ ہو اور دو یا دو سے زائد پوتیاں موجود ہوں تو ان کو مجموعی طور پر ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ملے گا۔

(۳) جب کہ بیٹا موجود نہ ہو اور ایک بیٹی اور ایک یا ایک سے زائد پوتی موجود ہوں تو بیٹی کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا اور پوتی (ایک یا ایک سے زائد) کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یعنی ایک بیٹی کی موجودگی میں ایک سے زائد پوتیاں ہونے کی صورت میں بھی ان کو مجموعی طور پر چھٹا حصہ ملے گا جو وہ آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔ یہی قول حضرت ابن مسعود کا ہے۔ (۸۹)

ظاہریہ :

یہی مسلک علامہ ابن حزم ظاہری کا ہے۔ (۹۰)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک بیٹے کی اولاد خواہ مذکر ہو یا مؤنث (لڑکا ہو یا لڑکی) بیٹے کے قائم مقام ہو کر وہی حصہ پائے گی جو اس کے باپ کا تھا۔ (۹۱)

(۸۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲

(۹۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۳۱

(۹۱) الاستبصار، محمد بن الحسن طوسی (م ۵۴۶)، مطبوعہ نجف، ۱۳۷۶/۱۹۵۶ ع ج ۲، ص ۱۶۶
شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۸۷

(۴) اگر میت کے دو بیٹیاں اور ایک یا ایک سے زائد پوتیاں موجود ہوں تو پوتی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ قرآن پاک (۹۲) اور حدیث نبوی (۹۳) کے مطابق بیٹیوں کو ترکہ میں دو تہائی حصہ مل چکا۔

اس مسئلے میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ دو بیٹیوں کا حکم مثل ایک کے ہے اس لئے دو بیٹیوں کو نصف اور چھٹا حصہ پوتی کو ملے گا لیکن بیٹی کی میراث کے سلسلے میں سابقہ بحث کی رو سے یہ درست نہیں ہے اور ان کا قول غیر مرجح ہے۔

(۵) پوتی کے ساتھ اس کا بھائی ہو (خواہ کتنی ہی زیرین پشت کا ہو) اور میت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو تو یہ پوتا پوتی کو عصبہ کردے گا اور ترکہ ان کے درمیان ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہوگا۔ اگر میت کی دو بیٹیاں اور ایک پوتا پوتی ہوں تو اس صورت میں میت کی بیٹیوں کو دو تہائی دینے کے بعد باقی پوتی اور پوتے میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہوگا۔

لیکن اس مسئلے میں ابن مسعود کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک میت کی دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتا پوتی کو عصبہ نہیں کرے گا بلکہ بقیہ کل ترکہ پوتے کو ملے گا۔ اور پوتیوں کو ترکہ میں سے کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس صورت میں باقی ترکہ اگر پوتے اور پوتی کے درمیان ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو تو بنات (بشمول پوتی) کا حق دو تہائی سے زائد ہوگا جو کہ رسول اکرم کے ارشاد ”لا یزاد حق البنات علی الثلثین“ کے بموجب بیٹیاں (جس میں پوتی بھی شامل ہے) دو تہائی سے زائد کی مستحق نہیں ہیں۔ لیکن حضرت ابن مسعود کا یہ فرمانا درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ زیادتی ممنوعہ وہ زیادتی ہے جو بطور فرضیت کے ہو۔ صورت متذکرہ میں زیادتی متحققہ بطور عصوت کے ہے نہ کہ بطور فرضیت کے، جو ممنوع نہیں ہے۔

(۹۲) ۴ : ۱۱ (النساء م) : ”وان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک“

(۹۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲

”لا یزاد حق البنات علی الثلثین“

رسول کریم کی مندرجہ بالا حدیث دراصل ”فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترك“ کی تفسیر ہے جو ذوی الفروض کے حصوں کے تعین کے ضمن میں بیان ہوئی ہے۔ (۹۴) بالفرض میت کی صرف دو بیٹیاں ہوں اور کوئی عصبہ بھی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں رد کے ذریعہ بقیہ ایک تمہائی حصہ بھی بیٹیوں کو مل جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس سے کسی طرح قرآن پاک کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے !

ابن حزم ظاہری بھی اس حکم میں حنفیہ اور دیگر ائمہ مذاہب سے متفق ہیں۔ (۹۵)

(۶) میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتی کا حق ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ بیٹا عصبہ ہونے کے سبب بقیہ ترکہ لے لیتا ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک ابعد اقرب کی موجودگی میں ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف (بیٹے کے نہ ہونے کی صورت میں) ایک بیٹی کی موجودگی میں پوتی کا حق اس لئے ساقط نہیں ہوتا کہ بیٹی ذی فرض ہونے کے سبب اپنا حصہ لیتی ہے اور دو تمہائی کی تکمیل کے لئے پوتی بیٹی کے ساتھ مل کر چھٹے حصے کی مستحق قرار پاتی ہے اور اس طرح بنات کے لئے دو تمہائی کی تکمیل ہو جاتی ہے کیونکہ قرآن پاک و حدیث نبوی میں بحیثیت ذوی الفروض دو بیٹیوں کا دو تمہائی مقرر ہے۔ (۹۶)

مصری قانون :

دفعہ ۱۲ (ب)۔ دفعہ ۱۹ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے۔

پوتیوں کے لئے مذکورہ صدر حصہ فرض ہوگا، جب کہ بیٹی یا ان سے اعلیٰ درجہ کی پوتی موجود نہ ہو، لیکن بیٹی یا اعلیٰ پوتی کے موجود ہوتے ہوئے ۱/۶ حصہ فرض ملے گا، خواہ دیگر پوتیاں تعداد میں ایک ہو یا زائد ہوں۔

(۹۴) المبسوط، امام سرخسی محولہ بالا، ج ۳۹، ص ۱۴۰

المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۹

الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲

(۹۵) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۱۳۰

(۹۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۳ :

”الا قرب یسقط حق الابعاد“

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۷ - (۲) جب کہ میت کی بیٹی یا اعلیٰ پوتی موجود نہ ہو تو بیٹے کی بیٹیوں (پوتیوں) کو مذکورہ صدر حصہ ہی دیا جائے گا (یعنی ایک ہونے کی حالت میں $1/2$ اور ایک سے زائد کی صورت میں $2/3$)

(۳) اگر میت کی (ایک) بیٹی یا اعلیٰ پوتی موجود ہو تو اس کو $1/2$ ملے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۴ - پوتیوں کا حکم بیٹیوں جیسا ہے اور ان کے چھ حالات ہیں :

(۱) تنہا ایک کے لئے $1/2$ ،

(۲) بیٹیاں نہ ہونے کی حالت میں دو یا زائد کے لئے دو تہائی،

(۳) $1/6$ جب کہ ان کے ہمراہ میت کی کوئی ایک بیٹی موجود ہو،

(۴) اگر میت کی دو یا زائد بیٹیاں موجود ہوں تو یہ وارث نہ ہوں گی

الا یہ کہ ان کے ہمراہ ان کا کوئی بھائی (پوتا) بھی ان کے درجہ کا موجود ہو،

(۵) یا ان سے نیچے کا موجود ہو تو وہ ان کو عصبہ کردے گا اور

”لذکر مثل حظ الانثیین“، تقسیم ہوگی، اور

(۶) میت کا بیٹا موجود ہونے پر ساقط ہوں گی۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۴۲ - دو تہائی کے مستحق چار فرد ہیں :

(۲) دو یا زائد پوتیاں، جب کہ میت کا صلیبی بیٹا، یا بیٹی، یا پوتا

موجود نہ ہو۔

دفعہ ۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق سات (۷) وارث ہوتے ہیں :

(۳) پوتی، جب کہ اس کے ساتھ میت کی ایک بیٹی موجود اور پوتا موجود نہ ہو۔

پاکستان کا قانون :

پاکستان کے عائلی قانون کے تحت پوتی کی میراث کی حالتوں میں تغیر واقع ہوچکا ہے۔ اس کو بحیثیت پوتی کے ورثہ نہیں ملتا بلکہ اس کو وہ حصہ ملتا ہے جو اس کے مرحوم باپ کو ملتا، اگر وہ زندہ ہوتا۔ اس موضوع پر تنقیدی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو باب ”حجیب و حرمان“،

حقیقی بہن کی میراث ۲۷۵ - میت کے کوئی بیٹا (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ میں ہو) یا باپ خواہ کتنے ہی بالائی درجہ میں ہو) نہ ہونے کی صورت میں :

- (۱) اگر ایک بہن موجود ہو تو اس کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا،
- (۲) دو یا دو سے زیادہ بہنیں درجہ ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا،

توضیح :- میت کے بیٹے یا باپ کی موجودگی میں بہن ساقط ہو جاتی ہے۔
بھائی کی موجودگی میں بہن عصبہ ہو جائے گی اور ”مرد کو عورت کے مقابلہ میں دو گنا“ کے قاعدہ کے مطابق حصہ پائے گی۔

- (۳) بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں ان کے حصے دے کر ما بقی بہن کو ملے گا، اور

- (۵) میت کے بیٹے، یا باپ کی موجودگی میں بہن ساقط ہو جائے گی۔

تشریح

حقیقی بہن اس بہن کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ اور میت کے ماں باپ ایک ہوں۔

حقیقی بہن کی میراث کی حالتیں :

حقیقی بہن کے واسطے استحقاق میراث کی چار حالتیں ہیں :

- (۱) اگر میت کے کوئی بیٹا، (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ میں ہو)

یا باپ (خواہ کتنے ہی بالا درجہ میں ہو) موجود نہ ہو اور وراثہ میں ایک بہن ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا جیسا کہ قرآن پاک ”ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك“، (۹۷) عبارت النص سے ثابت ہے۔ یہاں بہن سے حقیقی اور علاتی دونوں مراد ہیں کیونکہ میت مرد ہے۔ البتہ مادری (اخیافی) بہن کا حکم علیحدہ ہے، جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے (اخیافی بہن کا بیان آگے آ رہا ہے)۔

(۲) اگر میت کا کوئی بیٹا (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ میں ہو) یا باپ (خواہ کتنے ہی بالا درجہ میں ہو) موجود نہ ہو اور اس کے وراثہ میں دو بہنیں موجود ہوں تو دونوں کو ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے، ”ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت . . . فان كانتا اثنتين فلهما الثلثان ما ترك“، (۹۸) دو سے زائد بہنوں کا بھی یہی حکم ہے جو دلالت نص سے ثابت ہے۔

بیٹے یا پوتے کی موجودگی میں خواہ وہ کتنے ہی زیرین درجہ میں ہوں بہن محروم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح باپ کی موجودگی میں بھی بالاتفاق محروم ہو جاتی ہے۔ اور دادا کی موجودگی میں صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک محروم ہو جاتی ہے۔

(۳) حقیقی بھائی کے ساتھ بہن عصبہ ہو جائے گی اور ”لذاکر مثل حظ الانثیین“ کے طریق پر تقسیم ہو کر حصہ ملے گا۔

(۴) بیٹی یا پوتی کے ساتھ اگر حقیقی بہن ہو تو بیٹی یا پوتی (ایک یا ایک سے زائد جیسی صورت ہو) کے حصے دے کر باقی بہن کو ملے گا۔ اس بارے میں دو مختلف نظریے سامنے آتے ہیں :

(۹۷) ۴ : ۱۷۶ (النساء م) :

”ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك“

(۹۸) ۴ : ۱۷۶ (النساء م) :

”ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت . . . فان كانتا اثنتين فلهما الثلثان ما ترك“

(الف) پہلا نظریہ یہ ہے کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی اور بیٹی یا پوتی کے بعد جو بیچ رہے گا وہ بہنیں لین گی۔

یہ قول عبداللہ ابن مسعود اور زید بن ثابت کا ہے۔ ائمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری اور سلمان رضی اللہ عنہم کا آخری اور صحیح قول بھی یہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔

(ب) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بیٹی یا پوتی کے حصے دینے کے بعد باقی عصبہ مذکر (مثلاً بھائی، بھتیجہ، چچا، چچا کا بیٹا وغیرہ) کے لئے ہے۔ چنانچہ بیٹی یا (پوتی) کی موجودگی میں بہن قطعاً وارث نہیں ہوتی جس طرح کہ بیٹے کی موجودگی میں حقیقی بہن کو کچھ نہیں ملتا۔ الا یہ کہ میت کا کوئی عصبہ مذکر موجود نہ ہو تو میت کی بیٹی یا پوتی کے حصے دینے کے بعد جو باقی بچے وہ حقیقی بہن کو ملے گا اور اگر حقیقی بہن نہ ہو تو علاتی بہن کو ملے گا۔ یہ قول ابن عباس، سلمان اور اسحاق ابن راہویہ کا ہے ابن الزبیر کا پہلا قول بھی یہی ہے۔

جو اصحاب بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کے عصبہ ہوجانے کے قائل ہیں وہ حضرت ابن مسعود کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ”ہذیل بن شرحبیل سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ابو موسیٰ اشعری سے بیٹی، پوتی اور بہن کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا۔ ابو موسیٰ اشعری نے جواب دیا کہ بیٹی کو نصف دے کر باقی بہن کو دے دو۔ جب ابن مسعود کو ابو موسیٰ اشعری کے اس قول کی خبر دی گئی اور ان سے اس مسئلے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ”کہ اگر میں بھی یہی کہوں (جو ابو موسیٰ نے کہا ہے) تو اس وقت گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا، لہذا میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ بیٹی کے لئے نصف پوتی کے لئے چھٹا حصہ تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہوجائے اور باقی بہن کا۔ (۹۹)

(۹۹) مشکوٰۃ المصابیح، بغوی، حسین بن مسعود الفراء، محولہ بالا، ص ۲۶۳ :

”عن ہذیل ابن شرحبیل قال سئل ابو موسیٰ عن ابنة و بنت ابن و اخت فقال للبنت النصف وللأخت النصف وأت ابن مسعود فیتابعتی فسئل ابن مسعود و اخبر بقول ابی موسیٰ فقال لقد ضلت اذن وما انا من المهتدین اقضى فیہا بما قضی الذی صلی اللہ علیہ وسلم للبنت النصف ولا بنۃ الابن السدس تکملة الثلثین وما بقی فلاخت فاتینا ابا موسیٰ فاخبرنا و بقول ابن مسعود فقال لا تسئلونی مادام هذا الخبر فیکم، رواہ البخاری۔“

خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وان كانوا اخوة رجالا و نساء فلذکر مثل حظ الانثیین“ (۱۰۰) . . . اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بھائیوں کی موجودگی میں بہنوں کا حصہ مقرر نہیں فرمایا اور نہ بھائیوں کا حصہ مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ بہن بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی، کیونکہ میت سے قرابت میں دونوں برابر ہیں۔

دوسرے نظریے کے قائل اصحاب کے نزدیک بھائی کی موجودگی میں بہن کو ترکہ نہیں ملے گا کیونکہ حضور کی حدیث ہے کہ ”بقیہ حصہ عصبہ کے لئے ہے“۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بیٹی، پوتی اور پوتے کے مسئلے میں علماء کا اجماع ہے اور اجماع اس پر بھی ہے کہ اگر کسی مسئلے میں بیٹی، چچا، اور پھوپھی جمع ہوں تو بیٹی کا حصہ دے کر باقی صرف چچا کو ملے گا اور پھوپھی محروم رہے گی کیوں کہ وہ ذوی الارحام سے ہے لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر بھائی، بہن، بیٹی ہوں تو کیا ہوگا؟ احناف کے نزدیک بہن بھائی جب بیٹی کے ساتھ جمع ہوں تو ان کی دو صورتوں سے مشابہت قرار پاتی ہے، اول یہ کہ ان کو تشبیہ دی جائے بہن بھائی کے ساتھ میت کے چچا اور پھوپھی کی جمع ہونے سے، اور دوم یہ کہ ان کو تشبیہ دی جائے پوتے اور پوتی کے ساتھ جمع ہونے سے۔ احناف کے نزدیک دوسری صورت سے تشبیہ دینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ جیسے اجماع اس پر ہے کہ جب پوتا، پوتی کے ساتھ بیٹی نہ ہو تو ترکہ ان دونوں کے درمیان مرد کو عورت سے دوگنے کے حساب سے تقسیم ہوتا ہے، اسی طرح اجماع اس پر بھی ہے کہ جب بھائی اور بہن کے ساتھ بیٹی نہ ہو تب بھی ترکہ ان کے درمیان اسی طرح تقسیم ہوگا، بخلاف چچا اور پھوپھی کے کہ ان دونوں کے ساتھ اگر بیٹی نہ ہو تو کل ترکہ چچا کو ملے گا۔ (۱۰۱)

پہلے نظریہ کے قائل اصحاب کے نزدیک، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بیٹیوں یا پوتیوں کی موجودگی میں (جب کہ بیٹا یا باپ نہ ہو) بہن کو باقی

(۱۰۰) ۳ : ۱۷۶ (النساء م) :

”و ان كانوا اخوة رجالا و نساء فلذکر مثل حظ الانثیین“

(۱۰۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۷-۲۸

ترکہ ملے گا، کیونکہ حضور اکرم کے ارشاد ”الا خوات مع البنات عصبة“ کی متابعت میں اکثر صحابہ کرام اس پر متفق ہیں کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ حصہ ہوجاتی ہیں۔ حضرت زید بن ثابت حضرت علی اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ یہی مسلک جمہور علماء کا ہے لیکن حضرت ابن عباس کے نزدیک عصوت بہنوں کے واسطے نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے اگر بیٹی اور بہن جمع ہوں تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو کچھ نہیں۔ اس مسئلے میں حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابن عباس سے یہ کہا گیا کہ حضرت عمر نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں باقی ماندہ بہن کا حصہ ہے، تو ابن عباس غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تم زیادہ جانتے ہو یا خدائے تعالیٰ۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ماترك“۔ اس طرح خدائے تعالیٰ نے ولد کی موجودگی کو حاجب یعنی بہن کے واسطے مانع میراث قرار دیا اور لفظ ”ولد“ میں مذکر و مؤنث دونوں شامل ہیں جیسا کہ ماں کی تنہائی سے چھٹے میں محبوب کرنے میں، شوہر کے آدھے سے چوتھائی میں اور زوجہ کے چوتھائی سے آٹھویں میں لفظ ”ولد“ میں مذکر اور مؤنث دونوں شامل ہیں۔ لہذا بہن کبھی میراث نہیں لے گی جب کہ ولد موجود ہو، خواہ وہ ”ولد“ مذکر ہو یا مؤنث۔ لیکن بھائی کی حیثیت مختلف ہے (یعنی بہن کی جگہ اگر بھائی ہو تو صورت مختلف ہوگی) اس کو میت کی بیٹی کے دینے کے بعد جو بیچ رہتا ہے وہ ملتا ہے کیونکہ وہ عصبہ ہے اور چونکہ بہن کو عصوت بہ نفسہ حاصل نہیں ہے بلکہ وہ صرف دوسرے کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہے، بشرطے کہ وہ دوسرا بھی عصبہ ہو، تو جب کہ بیٹی کے واسطے عصوت نہیں یعنی (بیٹی) عصبہ نہیں ہے تو اس کے ساتھ بہن کیوں کر عصبہ ہو سکتی ہے؟ (۱۰۲)

(۱۰۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۷-۲۶:

”فقيل له ان عمر كان يقول للاخت ما بقى فغضب فقال ا انتم اعلم ام الهه تعالى، يريدان الله تعالى قال: ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك، فقد جعل الولد حاجبا للاخت و لفظ الولد يتناول الذكر والانثى كما في حجب الام من الثلث الى السدس و حجب الزوج من النصف الربع و حجب الزوجة من الربع الى الثمن فلا ميراث للاخت مع الولد ذكراً كان او انثى بخلاف الاخ فانه ياخذ ما بقى من الانثى بالعصوبة ولا عصوبة للاخت بنفسها وانما تصير عصبة بغير اذا كان ذلك الغير عصبة و ليست للبنة عصوبة فكيف تصير الاخت معها عصبة“۔

علماء حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دراصل مذکورہ بالا آیت میں ”ولد“ سے بالاتفاق ”بیٹا“ مراد ہے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے ”کہ وہ (بھائی) اس بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کا ولد یعنی بیٹا موجود نہ ہو۔“ (۱۰۳)

بھائی اس بہن کا وارث ہوگا جس بہن کا بیٹا موجود نہ ہو، یہاں ”ولد“ سے صرف بیٹا مراد لیا جائے گا کیونکہ اگر بہن کی بیٹی موجود ہو تو اس کے ساتھ بھائی (بالاتفاق) میراث پاتا ہے، اور اس آیت میں ولد نہ ہونے پر بھائی کو میراث دی گئی ہے۔ اس صراحت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ولد سے مراد صرف بیٹا ہے، بیٹی نہیں، کیونکہ ولد میں بیٹی بھی شامل ہوتی تو بیٹی کی موجودگی میں بھائی کی میراث کی نفی لازم آتی، حالانکہ جو اصحاب بیٹی کی موجودگی میں بہن کی میراث کے قائل نہیں ہیں وہ بھائی کی میراث کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں بیٹی کی موجودگی میں بہن کے عصبہ ہونے پر ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی مندرجہ بالا وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ہذیل بن شرحبیل سے مروی ہے۔ (۱۰۴)

شیعی نقطہ نظر:

شیعی مذہب کے بموجب اگر وراثت میں بہن اور چچا ہیں تو کل ترکہ بہن لے گی۔ چچا کو نہ ملے گا کیونکہ وہ وراثت کے طبقہ سوم سے تعلق رکھتا ہے اس لئے محبوب ہوگا۔ (ملاحظہ ہو دفعہ ۲۶۶ قانون ہذا)۔

امام ابن حزم کا مسلک:

امام ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ جب میت کا بیٹا موجود ہو یا بیٹی موجود ہو یا پوتا یا پوتی موجود ہو خواہ کتنے ہی نیچے درجے کے ہوں تو یہ میت کی ہمشرہ حقیقی و علاتی و اخیافی سب کو محروم کر دین گے۔ اور ان کے موجود ہوتے ہوئے کوئی ہمشرہ وارث نہ ہوگی۔ اس مذکورہ اولاد کو

(۱۰۳) ۴ : ۱۷۵ (النساء م):

”وہو برثھا ان لم یکن لھا ولد“

(۱۰۴) ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۹۹ باب ہذا۔

حصہ دینے کے بعد دیگر مذکر عصبیات کو باقی مال دے دیا جائے گا۔ مثلاً بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی، اور آزاد کرنے والا اور اس کے دیگر عصبیات۔ لیکن اگر میت کی اولاد اور اولاد کی اولاد مذکر یا مونث کے ساتھ کوئی عصبہ مذکورہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں حقیقی یا علاتی بہن یا بہنوں کو باقی دے دیا جائے گا۔

ابن حزم نے اس مسئلے میں دو قول بھی نقل کئے ہیں :

۱۔ اول ائمہ اربعہ کا قول جو یہ ہے کہ میت کی بیٹیاں موجود ہوں تو میت کی بہنیں بیٹیوں کی موجودگی کے سبب عصبہ ہو جاتی ہیں لہذا میت کی بیٹیوں کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ مال باقی رہے گا وہ بہنوں کو مل جائے گا کیونکہ بہنیں اس حالت میں عصبہ ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہونے پر ہمیشہ کو کچھ نہ ملے گا۔

ابن حزم نے اول قول کی دلیل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تذکرہ بالا حدیث پیش کی ہے۔ دوسرے قول کی دلیل میں قرآن کی آیت ”ان امرؤ هلك“، پیش کی ہے۔ انہوں نے اس آیت میں ”ولد“ کے لفظ سے عام معنی مراد لئے ہیں۔ (۱۰۰) جس میں بیٹے اور بیٹی دونوں شامل ہیں۔ نیز اس کی تائید میں قرآن کریم کی تین آیتیں مزید پیش کی ہیں جن میں ولد کے عام معنی مراد ہیں اور پہلے نظریہ کے قائلین بھی عام معنی مراد لیتے ہیں۔ اس کے بعد ابن حزم نے سوال کیا ہے کہ پھر کونسی وجہ ہے کہ ”ان امرؤ هلك“، والی آیت میں ”ولد“ کے عام معنی مراد نہ لئے جائیں۔ اور یہاں لفظ ”ولد“ کو بیٹے کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جائے؟ انہوں نے مزید دلیل کے طور پر حدیث ”الحقوا الفرائض باصحابها“، بھی پیش کی ہے۔ جس کی رو سے اصحاب فرائض

(۱۰۰) ”فلهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد“، (۱۲ : ۴)

فلکم ما ترک ازواجکم ان لم یکن لهن ولد“، (۱۲ : ۴)

”ولا یویہ لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد فان لم یکن له ولد وورثه ابواه

فلامه الثلث“، (۱۱ : ۴)

کو ان کے حصے دینے کے بعد مذکر عصبات کو دینے کا حکم ہے نہ کہ عورت (عصبہ) کو، اس لئے بقیہ ترکہ مذکر عصبات مثلاً بھائی، چچا، چچازاد بھائی، وغیرہ کو ملے گا اور بہن محروم ہوگی۔

ابن حزم نے اس تقریر کے بعد قائلین قول اول پر کہ ہمیشہ سیت کی بیٹی کے سبب عصبہ قرار پا کر ما بقی ترکہ لے ایتی ہے، اعتراض کرتے ہوئے ان کے قول میں تضاد اور تناقض ظاہر کیا ہے۔ ابن حزم کے الفاظ میں یہ لوگ ہمیشہ کو عصبہ بنا کر وراثت دلواتے ہیں۔ لیکن پھر خود ہی اس صورت میں جب کہ سیت کے ورثاء میں ایک بیٹی، شوہر، ماں اور ایک ہمیشہ حقیقی یا علاتی ایک یا ایک سے زائد ہوں تو کہتے ہیں کہ بیٹی کو نصف، شوہر کو چوتھائی، ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور ہمیشہ یا ہمیشہگان کو چھٹے حصے کا نصف ملے گا اور اگر اسی مسئلے میں دو بیٹیاں ہوں تو ہمیشہ یا ہمیشہگان بالکل وارث نہ ہوں گی۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ یہ ہمیشہگان عصبہ نہ رہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ قائلین قول اول کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ،،۔ (۱۰۶)

ابن حزم نے اپنے قول کی تائید میں حضرت ابن عباس رضی کی روایت بھی نقل کی ہے کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں (جس کے ابن حزم ہیں) کہ بیٹی کے ساتھ بہن کو کچھ نہ ملے گا۔

حضرت ابن عباس کے نظریہ کے خلاف مذاہب اربعہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ امام ابن حزم نے جن تین آیتوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں ولد کے عام معنی مراد ہیں تو مذاہب اربعہ والے بھی عام معنی مراد لیتے ہیں۔ مذکورہ (تین آیات) میں ولد کے معنی صرف بیٹے یا پوتے کی تخصیص کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اس لئے عام معنی یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی ہی مراد لئے جائیں گے۔ بخلاف آیت ”ان امرؤ هلك“ کے کہ یہ آیت مخصوص طور پر کلالہ کے مسئلے میں ایک جزئیہ کے طور پر نازل ہوئی ہے جس کی بناء پر یہاں ”ولد“ سے صرف بیٹا (اور پوتا) مراد لیا گیا ہے۔

ابن حزم نے جو مسئلہ بیان کر کے تناقض ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ مسئلہ متذکرہ میں جب ذوی الفروض ہی پر ترکہ پورا پورا تقسیم ہو جائے یا ان ہی پر تقسیم کے لئے ترکہ کافی نہ ہو تو عصبہ کو ملنے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ متذکرہ بالا پہلے مسئلے میں بیٹی، شوہر اور ماں کو بالترتیب $\frac{1}{2}$ ، $\frac{1}{3}$ ، اور $\frac{1}{6}$ دے کر $\frac{1}{12}$ حصہ باقی بچتا ہے، جو ظاہر ہے کہ بہن خواہ ایک ہو یا زائد بحیثیت عصبہ اس بقیہ ترکہ کی مستحق ہوگی۔ مسئلہ کی دوسری صورت میں بیٹیاں شوہر اور ماں بالترتیب $\frac{2}{3}$ ، $\frac{1}{3}$ اور $\frac{1}{6}$ کی مستحق ہیں مگر ترکہ خود ان کے لئے ہی کافی نہیں ہے۔ وہ اکائی سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے بہنوں یا کسی دوسرے عصبہ کے لئے استحقاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو اس مسئلے میں خود ابن حزم کے قول میں تناقض پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی کے صفحہ ۳۳۰ (مسئلہ نمبر ۱۷۲۵) میں لکھا ہے کہ میت کی نرینہ اولاد کی موجودگی میں محض بیٹیاں، باپ، ماں، دادا، دادی، بیوی، شوہر جیسی صورت (جو وارث ہو سکیں گے۔ ان کے سوا کوئی دوسرا فرد وارث نہ ہوگا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ میت کے بیٹے کی موجودگی میں میت کا بھائی وغیرہ وارث نہ ہوگا۔ ابن حزم نے محولہ بالا کتاب، مسئلہ ۱۷۲۷ میں فرمایا ہے کہ ”اگر کوئی میت بیٹیاں اور پوتیاں چھوڑے اور ان کے ساتھ چچا یا چچا کا بیٹا یا بھائی یا بیٹا بھی چھوڑے تو بیٹیوں کو دو تہائی دینے کے بعد بقیہ ترکہ چچا کے بیٹے یا بھائی یا بھائی کے بیٹے (جیسی صورت ہو) کو ملے گا۔ اس مسئلہ میں ابن حزم میت کی بیٹیوں کی موجودگی میں بھائی کو وارث قرار دے رہے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ میت کے بیٹے کی موجودگی میں بھائی محروم ہوگا اور بیٹی کی موجودگی میں محروم نہ ہوگا بلکہ ترکہ پائے گا۔ چنانچہ ابن حزم کے خود اپنے قول میں تناقض پیدا ہو گیا۔ کیونکہ جب آیت ”ویرثھا ان لم یکن لھا ولد،“ میں ولد سے عام معنی بیٹا اور بیٹی مراد لئے جاتے ہیں تو پھر ابن حزم کا یہ مسئلہ کہ میت کی بیٹی ہونے کی صورت میں اس کا حصہ نصف یا دو تہائی دینے کے بعد بقیہ بھائی کو دیا جائے گا، تضاد کا شکار ہو جاتا ہے اس لئے کہ جس طرح

وہ بیٹے کی صورت میں بھائی کو محروم قرار دیتے ہیں اسی طرح بہن کی موجودگی میں بھی بھائی کو محروم قرار نہیں دیتے، چنانچہ خود ان کے استدلال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں ان کے مذہب کے مطابق بھی ”ولد“ سے صرف بیٹا مراد ہے۔ اس کے برخلاف جمہور ائمہ کے مسلک میں تناقض موجود نہیں۔ اور اگر ابن حزم کی طرف سے یہ کہا جائے کہ بیٹیوں کے ساتھ بھائی کو حضرت ابن عباس والی حدیث (فما ابقته الفرائض فلاولی رجل ذکر) کی بناء پر عصبہ قرار دے کر وارث تسلیم کیا گیا ہے تو جمہور ائمہ کی جانب سے اس کے جواب میں حدیث نبوی ”اجعلوا الاخوات مع البنات عصبہ“ اور ہذیل بن شرحبیل کی مذکورہ بالا حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس میں ابن مسعود رض سے، بیٹیوں کو بہنوں کے ساتھ عصبہ قرار دے کر وارث مانا گیا ہے۔

امت مسلمہ میں (علاوہ حضرات شیعہ کے جو کل ترکہ بیٹی کو دلوانے ہیں) ائمہ اربعہ کا اجماعی نقطہ نظر معمول یہ رہا ہے چنانچہ بیٹی کے ساتھ بہن کو وارث قرار دیا جاتا ہے بشرطے کہ میت کلالہ ہو یعنی اس کے کوئی بیٹا یا باپ موجود نہ ہو۔

حجب :

اگر میت کا بیٹا یا پوتا خواہ کتنے ہی زبیرین درجہ کا ہو موجود ہو تو بہن محبوب ہوجاتی ہے۔ اسی طرح میت کا باپ موجود ہو تو حقیقی بہن محبوب ہوجاتی ہے خواہ بیٹا ہو یا بیٹی اس کے ساتھ موجود ہو یا نہ ہو۔ البتہ دادا کی موجودگی میں بہن کے محبوب ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک فریق کے نزدیک وہ باپ کی طرح دادا کی موجودگی میں بھی محبوب ہوگی، جب کہ دوسرے فریق کے نزدیک دادا کی موجودگی میں محبوب نہ ہوگی۔ مصر کے رائج الوقت قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ وہ دادا کی موجودگی میں میراث لے گی۔ (۱۰۷)

مصری قانون :

دفعہ ۱۳ - دفعات ۱۹ اور ۲۰ کی رعایت کرتے ہوئے

(الف) ایک حقیقی ہمشرہ کے لئے نصف اور دو یا زائد کے لئے دو

(۱۰۷) احکام الموارث فی الشریعة الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۷۵

تہائی حصہ فرض ہے۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۰۔ دفعات ۲۷۷ اور ۲۸۰ کے احکام کی رعایت ملحوظ رکھتے

ہوئے :

(۱) ایک حقیقی ہمشرہ کو فرض کا نصف دیا جائے گا اور دو یا زیادہ کو دو تہائی دیا جائے گا۔

(۲) جب کہ میت کی حقیقی ہمشرہ موجود نہ ہو تو پدری ہمشرہ گان کا یہی مذکورہ حصہ فرض ہوگا۔

(۳) ایک حقیقی ہمشرہ کے موجود ہوتے ہوئے پدری ہمشرگان کو $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۰۔ حقیقی ہمشرگان کی پانچ حالتیں ہیں :

(۱) نصف جب کہ تنہا ایک ہمشرہ ہو،

(۲) دو یا زائد کے لئے دو تہائی،

(۳) حقیقی بھائی اور جد کے ساتھ عصبہ ہوں گی۔ تقسیم "للذکر مثل

حظ الانثیین" کے طریقہ پر ہوگی۔

(۴) اور ان کے عصبہ ہونے کی صورت میں جب کہ میت کی بیٹیاں

یا پوتیاں موجود ہوں تو ان کے حصص کے بعد بقیہ ترکہ بحیثیت عصبہ ان

کو ملے گا۔

(۵) جب کہ میت کا باپ، بیٹا، یا پوتا موجود ہو تو یہ ساقط ہو جائیں گی۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۳۹۔ نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

.....

.....

.....

(۴) حقیقی ہمشیرہ، جب کہ میت کا باپ، بیٹا یا بیٹی، اور پوتا پوتی اور حقیقی بھائی موجود نہ ہوں۔

دفعہ ۲۴۲ - دو تمہائی کے مستحق چار (۴) فرد ہیں :

(۳) دو یا زائد حقیقی ہمشیریں، بشرطے کہ میت کا باپ، صلیبی بیٹا، بیٹی، حقیقی بھائی موجود نہ ہوں۔

۲۷۶ - علاتی بہن کی میراث کی چھ حالتیں ہیں :-

- (۱) ایک ہو تو ترکہ کا نصف، اور
- (۲) دو یا دو سے زائد ہوں تو دو تمہائی ملے گا، جبکہ حقیقی بہنیں موجود نہ ہوں۔
- (۳) اگر ایک حقیقی بہن ہو اور ایک علاتی بہن ہو تو حقیقی بہن کو آدھا اور علاتی بہن کو پھٹا مل کر دو تمہائی کی تکمیل کی جائے گی۔
- (۴) اگر دو حقیقی بہنیں موجود ہوں تو علاتی بہنیں وارث نہ ہوں گی۔
- (۵) الا یہ کہ کوئی علاتی بھائی موجود ہو جو ان (عاتی بہنوں) کو عصبہ کر دے۔
- (۶) علاتی بہنیں صلیبی (حقیقی) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔

توضیح :- بھائی یا بہن خواہ حقیقی ہوں یا علاتی، میت کے بیٹے ہوتے اور (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ کے ہوں) میت کے باپ کی موجودگی میں ساقط ہو جاتے ہیں،

تشریح

عاتی بہن اس بہن کو کہتے ہیں جس کا رشتہ باپ کی طرف سے ہو اور ماں کی طرف سے نہ ہو۔ علاتی بہن بھائی کو "اولادالاب"، بیٹی کہا جاتا ہے۔ میت کی علاتی بہنوں کا حکم بھی آیت قرآنی "ان امر و ہلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ماترک و ہو یرثہا ان لم یکن لہا ولد، فان

كانتا اثنتین فلہما الثلثان ماترك، وان كانوا اخوة رجالا و نساءً فللذکر مثل حظ الانثیین، آیت کے تحت ہے چنانچہ جس طرح اس کا انطباق میت کی حقیقی بہنوں کے لئے ہوتا ہے اسی طرح میت کی علاتی بہنوں کے لئے بھی ہوگا، البتہ ورثہ کے استحقاق میں علاتی بہنوں کے مقابلے میں حقیقی بہنوں کو تقدم حاصل ہوتا ہے کیونکہ حقیقی بہن علاتی بہن کے مقابلے میں اقرب ہوتی ہے۔ اور ”الاقرب یسقط الابدع“ کے اصول کے تحت حقیقی بہن علاتی بہن کو محبوب کر کے خود مستحق میراث قرار پاتی ہے (۱۰۸)

علاتی بہن کی میراث کی حالتیں :

علاتی (پدری) بہن کی میراث کی سات حالتیں ہیں۔ پانچ حالتیں تو وہی ہیں جو حقیقی بہن کے متعلق بیان کی گئی ہیں لیکن دو حالتیں ان کے علاوہ ہیں۔ یہ کل سات حالتیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) اگر میت کی صرف ایک پدری بہن ہو تو اس کو نصف ملے گا۔

(۲) اگر میت کی کوئی حقیقی بہن موجود نہ ہو اور دو یا اس سے زائد علاتی (پدری) بہنیں ہوں تو دو تہائی دیا جائے گا۔ اس دو تہائی کو تمام پدری بہنیں تقسیم کر لیں گی۔ یہ حکم قرآن حکیم کی اسی نص کے تحت ہے جو حقیقی بہنوں کے سلسلے میں بیان کی جا چکی ہے۔

(۳) ایک حقیقی بہن کے ہوتے ہوئے علاتی بہن کو چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے، چون کہ ایسی چند بہنوں کا حق دو تہائی ہوتا ہے اور حقیقی بہن نصف ترکہ لے چکی جس کے بعد چھٹا حصہ باقی رہا جو علاتی بہنوں کو دیا جائے گا تاکہ دو تہائی بہنوں کا حق پورا ہو جائے۔

(۴) دو حقیقی بہنوں کے ساتھ پدری بہن وارث نہ ہوگی، چون کہ حقیقی بہنیں پورا دو تہائی جو بہنوں کا حق ہے لے لیں گی، جس کے بعد علاتی

(۱۰۸) العسوط، امام سرخسی، مواہ بالا، ج ۲۹، ص ۵۴-۵۳

بہن کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا۔

(۵) لیکن اگر علاتی بہنوں کے ساتھ پدری بھائی بھی موجود ہو تو بھائی ان بہنوں کو عصبہ بنادے گا اور حقیقی بہنوں کے دو تہائی لینے کے بعد جو ترکہ باقی رہے گا وہ پدری بھائی بہن آپس میں ”لذکر مثل حظ الانثیین“ کے طریقہ پر تقسیم کر لیں گے۔

(۶) میت کی بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں پدری بہنیں عصبہ ہو جائیں گی لہذا بیٹی یا پوتی کے حصہ لینے کے بعد جو ترکہ باقی رہے گا وہ علاتی بہنیں بحیثیت عصبہ ہونے کے لئے لیں گی۔ جمہور صحابہ کا یہی مذہب ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیٹی یا پوتی کے ساتھ بہنوں کو عصبہ قرار نہیں دیتے، جیسا کہ سطور ما قبل میں حقیقی بہن کی میراث کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

(۷) علاتی بہنیں حقیقی بہنوں کی مانند، میت کے بیٹے یا پوتے یا باپ کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہو جائیں گی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکم اس وقت بھی ہوگا جب کہ (باپ کے بجائے) میت کا دادا موجود ہو، جس کی علت ”مقاسمۃ الجد“ کی بحث میں آگے بیان کی جا رہی ہے۔ نیز علاتی بہنیں میت کے حقیقی بھائی کی موجودگی میں بھی ساقط ہو جاتی ہیں۔ (۱۰۹)۔

مصری قانون:

دفعہ ۱۳ (ب)۔ دفعات ۱۹ اور ۲۰ کی رعایت کرتے ہوئے:

علاتی بہن کے لیے مذکورہ صدر حصہ ہوگا جب کہ ان کے مقابل حقیقی بہن موجود نہ ہو اور حقیقی بہن کے موجود ہونے پر $\frac{1}{6}$ ملے گا، خواہ علاتی بہن تعداد میں ایک ہو یا زائد۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۹ - نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

(۵) علاتی بہن ، جب کہ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشرہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ، اور علاتی بھائی اور پردری بہن بھی موجود نہ ہوں -

دفعہ ۲۴۲ - دو تہائی کے مستحق چار (۴) فرد ہیں :

(۴) دو یا دو سے زائد علاتی ہمشریں ، بشرطے کہ ان کے ساتھ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشیروں میں بیان کیا گیا اور اخیافی (مادری) بھائی بھی موجود نہ ہو -

۲۷۷ - اخیافی بھائی بہن (ماں کی اولاد) کی میراث کی دو حالتیں ہیں :
جب کہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد نہ ہو نہ باپ ہو نہ دادا -

مادری یا اخیافی
بھائی بہن کی میراث

(۱) - ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو چھٹا حصہ ملے گا، اور

(۲) - دو یا دو سے زائد کے لئے ایک تہائی ہو گا جو مرد و عورت میں مساوی طور پر تقسیم ہو جائے گا -

تشریح

اخیافی بھائی یا بہن وہ بھائی بہن ہوتے ہیں جن کا رشتہ ماں کی طرف سے ہو اور باپ کی طرف سے نہ ہو - ان کو عام اصطلاح میں ”اولادالام“ بھی کہا جاتا ہے - (۱۱۰)

اخیافی بھائی بہن بھی ذوی الفروض میں شامل ہیں ، کیونکہ ان کے حصے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقرر فرما دیئے ہیں - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اگر مرد یا عورت ہو اور (ورثا میں محض) اس کا اخیافی بھائی یا بہن موجود ہو تو ان میر سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے - (۱۱۱)

(۱۱۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۸-۲۷
فناوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۴، ص ۴۰۵

(۱۱۱) ۴ : ۱۲ (النساء) :
”وان كان يورث كلاله او امرأة وله اخ او اخت لكل واحد منهما السدس“

”مادری (اخیا فی) بہنوں کی میراث کے سلسلہ میں فتاویٰ عالمگیری میں منقول ہے کہ ایک اخیا فی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، اور دو اور دو سے زائد کے لئے ایک تہائی (بحوالہ الاختیار) اور ساقط ہو جاتے ہیں، بھائی اور بہنیں، بیٹے اور پوتے سے، خواہ کتنے ہی نیچے سلسلہ سے ہوں اور باپ کی موجودگی میں بھی۔ اس میں تینوں ائمہ احناف کا اتفاق ہے۔ اور دادا کی موجودگی میں ساقط ہونے کے قائل امام (ابو حنیفہ) ہیں، اور باپ کی اولاد (یعنی علاتی بھائی بہن) بھی انہیں لوگوں کے ذریعے ساقط ہو جاتی ہے اور حقیقی بھائی کے ذریعہ بھی۔ اور ماں کی اولاد یعنی اخیا فی، ولد کے موجود ہونے سے خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی اور پوتے اور باپ اور دادا کے ذریعہ سے، بالاتفاق ساقط ہو جاتی ہے (بحوالہ کافی)۔

یعنی جب کسی میت کا بیٹا یا پوتا خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کا ہو یا باپ موجود ہو تو ہر سہ ائمہ احناف کے نزدیک میت کے حقیقی بھائی بہنیں میراث سے محروم ہو جائیں گے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دادا بھی باپ کے مثل محروم کر دیتا ہے میت کے علاتی (پدری) بھائی بہنوں کو بھی یہ افراد اور حقیقی بھائی میراث سے محروم کر دیتے ہیں اور میت کے مادری (اخیا فی) بھائی بہن بھی ان کے ذریعہ اور بیٹی کے موجود ہونے پر میراث سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اخیا فی بھائی بہن کی میراث کی حالتیں :

اخیا فی بھائی یا بہن کی میراث کی حسب ذیل چار حالتیں ہیں :-

- (۱) یہ کہ ایک اخیا فی بھائی یا بہن ہو تو اس کا حصہ چھٹا ہے، جب کہ میت کی اولاد (بیٹا بیٹی) یا بیٹے کی اولاد نہ ہو، نہ باپ ہو اور نہ دادا۔
- (۲) اگر ایک اخیا فی بھائی اور ایک اخیا فی بہن موجود ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (یہ دونوں ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے)۔

(۳) اسی طرح دو یا دو سے زائد اخیافی بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو ان سب کے لئے ترکہ کا کل تہائی حصہ ہے جس کو وہ بحصہ مساوی تقسیم کر لیں گے۔

(۴) اسی طرح اگر اخیافی بھائیوں کے ساتھ اخیافی بہنیں بھی ہوں تو سب اسی تہائی میں مساوی حقدار ہوں گے۔ مرد و عورت کے حصے میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ”اگر وہ (اخیافی بھائی بہنیں) ایک سے زائد ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہیں“۔ (۱۱۲) بشرطے کہ سیت کا بیٹا، بیٹی، بیٹے کی اولاد یا باپ، دادا کوئی نہ ہو۔

حجب حرمان :

چون کہ اخیافی بھائی بہن قسم کلالہ سے ہیں اس لئے ان کی توریث میں بالاجماع یہ شرط رکھی گئی ہے کہ سیت کے بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد یا باپ، دادا کوئی موجود نہ ہو، اس لئے اخیافی بھائی بہن حسب ذیل دو صورتوں میں بالاجماع محجوب (محروم) یعنی ساقط الارث ہو جاتے ہیں :-

(۱) جب کہ متوفی کا بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد خواہ وہ کتنی ہی زہین پشت کی کیوں نہ ہو، موجود ہو۔

(۲) جب کہ متوفی کا باپ یا دادا موجود ہو، خواہ کتنے ہی اوپر کا کیوں نہ ہو۔ (۱۱۳)

اس مسئلے میں بشمول ظاہریہ (۱۱۴) اور شیعہ اساسیہ (۱۱۵) علماء امت کا اتفاق ہے۔

(۱۱۲) ۱۲ : ۴ (النساء م) :

”و ان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث“

(۱۱۳) فتاویٰ عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۴، ص ۴۰۵۔

(۱۱۴) المعلیٰ، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۱۰۔

(۱۱۵) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۷۔

مصری قانون:

دفعہ ۱۰۔ اخیافی ایک اولاد کے لئے $\frac{1}{6}$ فرض ہے، اور دو یا زیادہ کے لئے ایک تہائی، ان کے مرد و عورت تقسیم میں مساوی حصہ دار ہوں گے، اور دوسری حالت میں، جب کہ ترکہ اصحاب فروض میں مستغرق ہو تو اخیافی اولاد کے ساتھ حقیقی ایک یا چند بھائی یا جب کہ ان کے ہمراہ بہن بھی ہو یا متعدد بہنیں ہوں، شریک ہوں گے اور ایک تہائی ان کے درمیان مساوی طریقے پر تقسیم کیا جائے گا۔

شام کا قانون:

دفعہ ۲۶۷۔ مادری اولاد کے لئے اگر ایک ہو حصہ فرض $\frac{1}{6}$ ہوگا، اور دو یا اس سے زائد کی صورت میں $\frac{1}{3}$ ہوگا، تقسیم میں مرد و عورت برابر کے مستحق ہوں گے۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۰۔ مادری بھائیوں کی تین حالتیں ہیں :-

- (۱) ایک فرد کے لئے $\frac{1}{6}$ ،
- (۲) دو اور زائد کے لئے $\frac{1}{3}$ مرد اور عورت تقسیم میں مساوی ہوں گے،
- (۳) ساقط ہو جانا جب کہ میت کا بیٹا، پوتا، نیچے تک کا، بیٹی، پوتی نیچے تک کی، اور باپ یا دادا موجود ہوں۔

دفعہ ۱۰۶۔ باب شریک بہنوں کی چھ حالات ہیں :-

- (۱) جب تنہا ایک ہو $\frac{1}{2}$ ملے گا،
- (۲) جب کہ دو یا زائد ہوں تو دو تہائی بشرطے کہ حقیقی ہمشرہ موجود نہ ہو،

(۳) ایک حقیقی ہمشرہ کے ساتھ ۱/۶ ملے گا،
 (۴) اور دو حقیقی بہنوں کے ساتھ جب کہ اس کا کوئی باپ شریک
 بھائی بھی اس کے ساتھ موجود ہو تو ان کو بطور عصوت للذکر مثل حظ
 الاثین، ملے گا،

(۵) صلیبی بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی، اور

(۶) ساقط ہوں گی، جب کہ میت کا باپ، بیٹا، پوتا نیچے تک کا،
 حقیقی بھائی، حقیقی بہن، جب کہ وہ بیٹیوں یا پوتیوں یا حقیقی بہنوں کے
 ہمراہ عصبہ قرار پاگئی ہوں بشرطے کہ ان کے ہمراہ باپ شریک بھائی نہ ہو۔

مراکشی قانون :

دفعہ ۲۴۳ - تہائی کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں :

(۲) مادری بھائی، بشرطے کہ متعدد ہوں اور میت کا باپ اور دادا
 صلیبی کسی قسم کی اولاد اور پوتا، پوتی موجود نہ ہوں۔

دفعہ ۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق سات (۷) وارث ہوتے ہیں :

(۵) مادری بھائی، بشرطے کہ تنہا ہو خواہ مرد ہو یا عورت، اور
 بشرطے کہ اس کے ساتھ میت کا باپ یا دادا، اور کسی قسم کی اولاد موجود نہ ہو۔

۲۷۸ - دادا باپ کی غیر موجودگی میں اسکی مثل میراث کا مستحق ہوگا،
 بجز ذیل کی صورتوں کے :

(۱) باپ کی ماں، باپ کی موجودگی میں محروم ہوگی دادا سے محروم نہ
 ہوگی۔

(۲) جب میت والدین اور زوجین میں سے کسی ایک کو چھوڑے تو
 ماں کو زوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ کا ایک تہائی ملے گا، لیکن
 باپ کی جگہ دادا کی موجودگی میں ماں کو کل ترکہ کا ایک
 تہائی ملے گا۔ اور

(۳) حقیقی یا علاتی بھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہ ہوں گے بلکہ
 دادا کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا۔

تشریح

جد سے مراد جد صحیح، یعنی دادا ہے، جس کے اور میت کے درمیان عورت واسطہ نہ ہو بلکہ مرد واسطہ ہو، جیسے میت کے باپ کا باپ اور اس سے اوپر کا سلسلہ۔ چنانچہ ماں کا باپ (نانا) جد صحیح نہ ہوگا بلکہ جد فاسد (یا جد غیر حقیقی) کہلائے گا۔ (۱۱۶)

نانا کے لئے جب جد کا لفظ بولا جاتا ہے تو لفظ ”فاسد“، یا ”غیر حقیقی“ کی قید کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شریفیہ میں لکھا ہے کہ ”حقیقی دادا یا جد صحیح سے مراد وہ دادا ہے جو میت کے باپ کا باپ ہو اور جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں ماں بیچ میں نہ آئے“۔ (۱۱۷) اگر میت تک نسبت کرنے میں ماں بیچ میں آئے تو وہ دادا غیر حقیقی ہے، جیسے میت کی ماں کا باپ۔ غیر حقیقی دادا ذوی الفروض میں شامل نہیں ہے۔ (۱۱۸) دادا کی عدم موجودگی میں دادا اور اس کی عدم موجودگی میں سگڑ دادا وغیرہ اس کے قائم مقام ہوں گے یعنی باپ کے باپ، باپ یا باپ کے باپ کا باپ، علیٰ هذا القیاس۔ اگر دادی نے نکاح ثانی کیا ہو تو اس کا نیا شوہر دادا نہ ہوگا نہ بحیثیت ذوی الفروض کے اور نہ بلحاظ ذوی الارحام کے۔ چنانچہ اسے کسی حال میں میت کا ورثہ نہ ملے گا۔ اس کو علم المیراث کی اصطلاح میں صرف دادی کا شوہر کہا جائے گا۔

دادا کی میراث کی حالتیں :

باپ کی طرح جد (دادا) کی بھی تین حالتیں ہیں :-

۱) محض ذی فرض، (۲) ذی فرض و عصبہ ہونا، (۳) محض عصبہ ہونا، -

(۱۱۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۱۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۱۸) فتاویٰ عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۳، ص ۳۰۳

۱۔ محض ذی فرض ہونا :

اگر جد کے ساتھ میت کی زینہ اولاد ہو تو وہ ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے پائے گا۔

۲۔ ذی فرض و عصبہ ہونا :

لیکن اگر میت کی صرف سوٹ اولاد ہو تو ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے اور ذی فرائض کو ان کے حصے دینے کے بعد ما بقی ترکہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے دادا کو ملے گا۔

۳۔ محض عصبہ ہونا :

لیکن جب میت کی مذکورہ دونوں قسم کی اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو یا ایسے فروع موجود ہوں جو ذی فرض یا عصبہ نہ ہونے کے سبب وارث نہیں ہو سکتے جیسا کہ نواسہ، نواسی تو اس وقت دادا محض عصبہ ہونے کی حیثیت سے کل مال کا حقدار ہو جائے گا۔

اگر وراثت میں صرف دادا اور دادی موجود ہوں تو دادی کا چھٹا حصہ دے کر بقیہ دادا لے لے گا، لیکن ایسی صورت میں دادی کا دادا کے ہم درجہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ دادی کی موجودگی میں دادا کے اوپر کے درجہ کی دادیاں محروم ہو جاتی ہیں۔

دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے :

مذکورہ بالا حالتوں میں جب کہ باپ موجود نہ ہو جد (دادا) باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ جد کے باپ کے قائم مقام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات میں جد کو ”اب“ (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی میں بھی دادا کے لئے ”اب“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے،

بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ کتاب الہہ میں اللہ تعالیٰ نے جد کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے ”اب“ کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ”بني آدم لا يفتنكم الشيطان كما اخرج ابو يكم من الجنة“، (۱۱۹) چنانچہ یہاں حضرت آدم جو تمام عالم انسانیت کے جد اعلیٰ ہیں ان کو ”اب (باپ)“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے ”ملة ايكم ابراهيم“، (۱۲۰) ایک اور آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے دادا کو ”اب“ کے لفظ سے تعبیر کیا ”واتبعت ملة اباي ابراهيم و اسحق و يعقوب“، (۱۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا ”ارورا بني اسمعيل فان ابا کم کان راسياً“، (۱۲۲) چنانچہ دادا کے حق میں باپ کے لفظ کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ میراث میں جو حکم باپ کا ہوگا، باپ موجود نہ ہونے کی صورت میں وہی حکم دادا کا ہونا چاہئے۔

لیکن قرآن پاک میں دادا کے لئے ”اب“ کا لفظ بولے جانے کی دلیل کے مقابلہ میں بہتر یہ ہے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں جد کے باپ کے مانند ہونے کے متعلق اجماع صحابہ کی دلیل پر مسئلہ کا مدار رکھا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ میراث میں دادا باپ کی مانند ہے۔ صحابہ کرام کے اجماع کو بطور دلیل اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں چچا کے لئے بھی ”اب“ کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا قول کتاب اللہ میں اس طرح نقل کیا گیا ہے ”قانو اعبد الهك و اله ابائك ابراهيم و اسمعيل و اسحق“، (۱۲۳) اور یہ واضح ہے کہ حضرت اسمعيل علیہ السلام حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ لیکن یہاں کوئی شخص اس کا قائل

(۱۱۹) ۷ : ۲۷ (اعراف، ک)

(۱۲۰) ۲۲ : ۷۸ (الحج، م)

(۱۲۱) ۱۲ : ۳۸ (یوسف، ک)

(۱۲۲) تیر اندازی کرو، اے بنی اسماعیل، اس لیے کہ بلا شبہ تمہارے باپ بھی تیر انداز تھے

(۱۲۳) ۲ : ۱۳۳ (البقرہ، م)

انہوں نے کہا کہ ہم تیرے اللہ اور تیرے باپ ابراهيم و اسمعيل اور اسحاق کے اللہ کی عبادت کریں گے۔

نہیں ہے کہ چچا دادا کی طرح باپ کا درجہ حاصل کر کے اسی طرح میراث پائے گا جس طرح باپ میراث پاتا۔ لہذا قرآن پاک میں دادا کے لئے ”اب“ کا لفظ استعمال کرنا رواج عرب کی بناء پر تھا، باپ کے مانند استحقاق میراث کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں بن سکتا۔ اسی لئے راقم العروف نے اس مسئلے میں اجماع صحابہ کی دلیل کو اوپر نقل کیا ہے۔

حضرت ابو بکر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کی جگہ ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں۔ (۱۲۴)

چنانچہ جب کسی میت کا باپ موجود ہوگا، دادا میراث نہ پائے گا۔ اسی طرح ہر جد قریب جد بعید کا میراث سے حاجب ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود کہ دادا کی میراث میں باپ کی مثل تین حالتیں ہیں وہ چند مسائل میں باپ سے مختلف بھی ہے۔ مثلاً

(۱) باپ کسی صورت میں میراث سے محجوب (محروم) نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب میراث کا کوئی امر مانع موجود نہ ہو تو کوئی دوسرا قرابت دار اس کو وراثت سے محروم نہ کر سکے گا۔ لیکن دادا باپ کے موجود ہونے سے محجوب ہو جاتا ہے جو کہ حجب حرمان کے درجہ کا ہوتا ہے اسی طرح جد قریب جد بعید کے لئے حاجب ہوتا ہے۔

(۲) باپ کے ساتھ باپ کی ماں وارث نہ ہوگی جس طرح ہر جد کے ساتھ ان کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میت کا جد (دادا) موجود ہو اور اس کے ساتھ میت کے باپ کی ماں بھی موجود ہو تو اس صورت میں وہ وارث ہوگی۔

(۳) مسئلہ غراویہ یعنی جب کہ میت کے والدین اور شوہر یا بیوی (جیسی صورت ہو) میں سے ایک موجود ہو تو زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا ایک تہائی ماں کو ملے گا، کل ترکہ کا

(۱۲۴) صحیح بخاری، امام بخاری، محمد بن اسمعیل، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۸

تہائی نہ ملے گا۔ لیکن اگر اس مسئلے میں باپ کی جگہ دادا موجود ہو تو ماں کل ترکہ کا ایک تہائی لے گی، کیونکہ میت کی ماں جد کی نسبت سے میت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ (۱۲۵) البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی صورت میں بھی میت کی ماں کو باقی کا تہائی ہی دیا جائے گا۔

(۴) علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی میں میت کے ہر قسم کے بھائی بہن محبوب ہو جائیں گے، لیکن اگر باپ موجود نہ ہو اور دادا موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن محبوب ہوں گے۔ اس پر اجماع ہے۔ البتہ علالتی بھائی بہن کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہ کرام کے ایک گروہ کا جن میں حضرت علی و زید و ابن مسعود رضی اللہ عنہم شامل ہیں یہ مذہب ہے کہ دادا کے ساتھ حقیقی و علالتی بھائی بھی وارث ہوتے ہیں، اگر میت کے اولاد نہ ہو۔ اسی کو امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل و ابو یوسف و محمد بن حسن الشیبانی و ابن ابی لیلی و ابن شبرمہ نے اختیار کیا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی اور دادا کی موجودگی میں تمام قسم کے بھائی بہن (بشمول علالتی بھائی بہن) ساقط ہو جائیں گے۔ (۱۲۶) (اس مسئلہ پر ”مقاسمۃ الجد“ کے عنوان کے تحت تفصیلی بحث آگے آرہی ہے)۔

میت کے حقیقی یا علالتی بھائی بہن اور دادا :

جب کہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علالتی بھائی بہن یا صرف بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو اس حالت میں دادا کی میراث کا کیا حکم ہوگا؟ اس مسئلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درمیان خاصا اختلاف رہا ہے۔

شریفیہ (شرح سراجیہ) میں لکھا ہے کہ ”ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۵) احکام التزکات و الموارث (فقہ عام) ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۸۵-۱۸۲

الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۲۶) احکام التزکات و الموارث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۷۶

احکام الموارث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۹۳

الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

اور صحابہ بشمول ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ بن الیمان، ابو سعید خدری، ابی بن کعب، ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہ کا قول ہے کہ حقیقی و علاتی بھائی بہن دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے جیسا کہ وہ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے بلکہ باپ کی طرح دادا کل ترکہ لے لیتا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے نیز اکثر تابعین بشمول شریح، عطاء، عروہ بن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، اور ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔ (۱۲۷)

اس کی تائید میں حضرت ابن عباس کا یہ قول دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”زید بن ثابت اللہ سے نہیں ڈرتا، وہ پوتے کو بیٹے کا قائم مقام قرار دیتا ہے مگر دادا کو باپ کے بجائے قرار نہیں دیتا،۔ مطلب یہ ہے کہ بھائیوں کے مقابلے میں میت سے قرب و بعد کی جو نسبت پوتے کو ہے وہی نسبت دادا کو ہے، یعنی دونوں میں وراثت کی علت مشترک ہے۔ لہذا دونوں کا حکم بھائیوں کے محبوب کرنے کے سلسلہ میں ایک ہونا چاہئے۔ چنانچہ جس طرح پوتا بجائے بیٹوں کے بھائیوں کے واسطے حاجب ہوتا ہے اسی طرح دادا بجائے باپ کے بھائیوں کے واسطے حاجب ہونا چاہئے۔ (۱۲۸)

چنانچہ شریح و عمر بن عبدالعزیز و حسن بصری و داؤد بن علی الظاہری و عطاء و عروہ ابن زبیر و ابن سیرین اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے ان صحابہ کا قول اختیار کیا، جو فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے بھائی بہن دادا کے مقابلے میں وراثت سے محروم ہوں گے۔ (۱۲۹) امام سرخسی نے اپنی مشہور تصنیف ”المبسوط“ میں حضرت ابوبکر الصدیق، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ، ابی بن کعب، ابو موسیٰ اشعری، عمران ابن حصین، ابو داؤد، عبداللہ بن زبیر اور معاذ بن جبل رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ

(۱۲۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

(۱۲۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

(۱۲۹) احکام الموارث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۹۵

الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ اس مسئلے میں آخر وقت تک کوئی رائے قائم نہ کر سکے تھے۔ (۱۳۰) اس کے برخلاف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہ کا قول ہے کہ دادا، جب کہ میت کی اولاد موجود ہو، باپ کی مثل ہے اور جب اولاد موجود نہ ہو بلکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی (پدری) بھائی ہوں تو وہ باپ کی مثل ان لوگوں کا حاجب نہ ہوگا۔ علاتی بہن بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے البتہ دادا اخیافی (مادری) بھائی بہنوں کا حاجب ہوگا۔ (۱۳۱) یہی مذہب سفیان ثوری اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی، امام مالک و شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے دو روایتیں ہیں، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

”مقاسمۃ الجد“، میں طریق توریث:

علم المیراث کی اصطلاح میں دادا کی موجودگی میں بھائی کی میراث کے لیے ”مقاسمۃ الجد“ کی اصطلاح رائج ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دادا کے ساتھ اگر میت کے بھائی بہن بھی موجود ہیں تو دادا کو بھی ایک بھائی کا حصہ دیا جائے، نہ یہ کہ دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن بالکل محروم کر دیے جائیں، جیسا کہ امام اعظم کا مذہب ہے۔ صاحبین اور کے ان متبعین مذہب کے نزدیک دادا کے ساتھ بھائی بہن موجود ہوں تو بھائی بہن بھی وارث ہوں گے اور دادا کو مثل ایک بھائی کے شریک کیا جائے اور ”لذکر مثل حظ الانثیین“ کے مطابق میراث تقسیم ہوگی۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دادا درجہ دوئم کا عصبہ ہے، جب کہ بھائی درجہ سوم کا عصبہ ہے۔ اس لیے ”الاقرب یحرم الابد“ کی بنیاد پر دادا کی موجودگی میں بھائی کو ورثہ نہیں ملنا چاہئے۔

مقاسمۃ ” کا لفظ باب ”مفاعله“ سے آتا ہے جو قسمت سے ماخوذ ہے۔

(۱۳۰) ”المبسوط“، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۸۰-۷۹
 الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۳
 (۱۳۱) الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۳-۸۲

یہاں اس کے معنی ”ورثاء کا باہم ایک دوسرے کے مقابلے میں ترکے کو اپنے لیے تقسیم کرا لینا یا کر لینا“، مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے چون کہ حضرت ابو بکر الصدیق، ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ ابن یمان، ابو سعید خدری، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری اور عائشہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب اختیار کیا ہے، کہ میت کے دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن میراث سے محروم ہوں گے، دادا اور ان کے درمیان ترکے کی باہمی تقسیم نہ ہو سکے گی، لہذا اس مسئلے کو ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے مسلک پر باب المقاسمة کے نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اور نہ کیا گیا ہے، بلکہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ، کے مذہب کے مطابق چون کہ دادا کے ساتھ میت کے بھائی بہن محروم نہیں ہوتے بلکہ ترکے کی تقسیم میں دادا کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اس لیے مسئلے کا نام ”مقاسمة الجد“ رکھا گیا ہے۔ اور یہی متاخرین حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قرار پایا ہے۔ صاحبین نے صحابہ میں سے، حضرت ابن مسعود و زید ابن ثابت و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حضرت علی کا مقاسمہ الجد میں طریق توریث :

اگر چہ حضرت علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت نے بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو حصہ دینے جانے میں اتفاق کیا ہے لیکن کیفیت تقسیم میں اختلاف ہے۔

حضرت علی کے نزدیک دادا کو چھٹا یا مقاسمة میں جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا۔ یعنی حضرت علی کی تقسیم اس طرح ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ مقاسمة کرے گا جب تک کہ اس کا حصہ چھٹے سے کم نہ ہو اور جب مقاسمة میں گھٹے تو چھٹا حصہ دیا جائے گا، کیوں کہ باپ کا حصہ چھٹے حصے سے کم نہیں ہوتا۔

حضرت زید کے نزدیک دادا کو تہائی یا مقاسمة میں جو بڑا حصہ ہو وہ

ملے گا اور حضرت ابن مسعود کے نزدیک بھی یہی صورت ہے، جب کہ اور کوئی ذی فرض نہ ہو۔

اگر حقیقی بھائیوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہوں تو حضرت علی کے نزدیک علاتی بھائیوں کا لحاظ نہیں کیا جائے گا چنانچہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بھائی ہوں تو میراث دادا اور حقیقی بھائی میں مقاسمہ کے طریقہ پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح حضرت علی کے نزدیک دادا بہنوں کو (جب کہ بھائی کے ساتھ ہوں) عصبہ نہیں کرتا بلکہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اگر ترکہ دادا، حقیقی بہن اور علاتی بہن میں تقسیم ہو تو حقیقی بہن کو نصف اور علاتی بہن کو چھٹا ملے گا، تاکہ دو تہائی پورا ہو جائے اور باقی دادا کو دیا جائے گا۔ (۱۳۲)

ابن مسعود کا طریق توریث :

حضرت ابن مسعود کے نزدیک دادا کے لیے مقاسمہ کیا جائے گا، جب تک کہ اس کا حصہ تہائی سے نہ گھٹے۔ اس میں وہ حضرت زید سے متفق ہیں اور اس میں کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا لحاظ نہ کیا جائے گا اور یہ کہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جائے گی، حضرت علی کے ساتھ موافقت کی ہے۔ لیکن حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔

زید بن ثابت کا طریق توریث:

حضرت زید بن ثابت کے نزدیک دادا کو حقیقی و علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی ذی فرض ساتھ میں نہ ہو مقاسمہ یا کل مال کی تہائی، جو زیادہ ہو، ملے گا۔

(۱۳۲) الشریفۃ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۴

صاحبین نے علی و حضرت ابن مسعود کے طریق توریث کے مقابلہ میں حضرت زید بن ثابت کے طریق توریث کو پسند فرمایا ہے۔ اور متاخرین حنفیہ نے صاحبین ہی کے اختیار کردہ مذہب پر عمل کیا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

خلفائے ثلاثہ کا نقطہ نظر:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موافق منقول ہے اور ایک روایت میں حضرت زید کی موافقت بھی منقول ہے۔ البتہ اکثر یہ (۱۳۳) مسئلے میں حضرت زید سے اختلاف ہے۔ حضرت عثمان سے ایک روایت حضرت علی کی موافقت میں مروی ہے اور دوسری حضرت زید کی موافقت میں۔ مگر خرقا (۱۳۴) کے مسئلے میں حضرت زید سے اختلاف کرنا مروی ہے۔ (۱۳۵) امام سرخسی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت کے

(۱۳۳) ”اکدر“ کے لفظی معنی ”زیادہ گدلا“ کے ہیں۔ مسئلہ اکدر یہ ہے کہ ایک عورت اپنے ورثاء میں شوھر، ماں، دادا، اور بہن (حقیقی یا علاتی) چھوڑ کر مرے۔ اس مسئلہ کو اکدریہ اس سبب سے کہتے ہیں کہ بنو کدر قبیلہ کی ایک عورت نے اپنی وفات کے بعد مذکورہ بالا ورثاء چھوڑے تھے اور اس کے ورثاء کے درمیان ورثہ کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تھا اس لیے مسئلہ مذکورہ اس کی طرف منسوب ہو کر ”مسئلہ اکدریہ“ کہلانے لگا۔ بعض کا قول ہے کہ اس مسئلے کو ”اکدریہ“ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں زید ابن ثابت کا مذہب مشتبہ (زیادہ گدلا) ہو گیا کیوں کہ وہ دادا کے ساتھ بہنوں کو خواہ وہ حقیقی ہوں یا علاتی صاحب فرض تسلیم نہیں کرتے اور نہ اس مسئلہ میں عول کے قائل ہیں بلکہ ایسی صورت میں اگر کچھ باقی نہ رہے تو بہنوں کو ساقط قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسئلہ اکدریہ میں انہوں نے بہن کو دادا سے نصف حصہ دلویا اور مسئلہ کو انکی طرف عول بھی کیا یعنی شوھر کو ۳/۹، ماں کو ۳/۹، دادا کو ۲/۹، اور بہن کو ۱/۹ دلویا۔ اور بہ باعتبار نتیجہ دادا نے بہن کی میراث کو مکدر کر دیا۔ اس مسئلہ کو مربعۃ الجماعة عزاء، غالبہ یا مشترکہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

(۱۳۴) مسئلہ خرقا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”مشکوٰۃ السراج“، مولوی محمد صابر، مطبوعہ مکتبہ تہانوی، کراچی، سن ندارد، ص ۲۷۰

(۱۳۵) المسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۷۶-۸۰، الترتکات و العوارث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسیٰ، محولہ بالا، ص ۲۰-۲۰۷

مذہب کو مکمل طریقہ پر سفیان ثوری اور ابو یوسف و امام محمد و مالک و شافعی نے اختیار کیا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (۱۳۶)

امام احمد بن حنبل کا مسلک:

امام احمد بن حنبل بھی مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں اور امام مالک و شافعی و امام محمد وغیرہم سے متفق ہیں۔ (۱۳۷)

ظاہریہ مسلک:

ظاہریہ کے نزدیک میت کے باپ کی عدم موجودگی میں دادا اور اس کا باپ اوپر تک (سلسلہ سے) جب کوئی موجود ہوگا تو اس کے مقابلے میں میت کے ہر قسم کے بھائی محروم ہوں گے۔ گویا ظاہریہ اس مسئلے میں صحابہ کے فریق اول کا مسلک اختیار کرتے ہیں۔ (۱۳۸) اور امام ابوحنیفہ سے متفق ہیں۔

شیعہ امامیہ کا مسلک:

شیعہ امامیہ جد کے مسئلے میں امام ابوحنیفہ سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک جب میت کا باپ موجود نہ ہو اور دادا یا اس سے اوپر کا کوئی دادا موجود ہو تو بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے۔ شیعہ مذہب کے مطابق دادا اور بھائی ایک طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ایک ساتھ وارث ہوں گے۔

لیکن ان کے نزدیک ایک نئی بات یہ ہے کہ جد کا لفظ دادا اور نانا دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ شیعہ مسلک میں دونوں مذکورہ جد (دادا اور

(۱۳۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۸۳

(۱۳۷) المغنی، ابن قدامہ مقنسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۶۷

(۱۳۸) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۳۳

نانا) کے ساتھ بھائیوں کے جمع ہونے کی صورت میں حسب ذیل طریقہ توریث بیان کیا گیا ہے :-

(۱) میت کا نانا یا نانی موجود ہو اور ان کے ساتھ اخیافی بھائی بہن موجود ہوں تو نانا کو اخیافی بھائی کا درجہ اور نانی کو اخیافی بہن کا درجہ دیا جائے گا اور اس طرح باہم میراث تقسیم ہوگی۔

(۲) میت کے دادا یا دادی کے ساتھ اگر حقیقی یا علاتی بھائی بہن موجود ہوں تو دادا یا دادی کو حقیقی یا علاتی بھائی بہن کے درجے میں تصور کر کے میراث تقسیم ہوگی۔ (۱۳۹) لیکن اگر دادا کے ساتھ اخیافی بھائی بہن موجود ہوں تو کیا ہوگا؟ اس مسئلے کے لئے کوئی صریح عبارت نہ مل سکی، تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صورتوں میں دادا اور نانا کو میراث ملے گی۔

اختلاف کی وجوہ:

دادا اور بھائیوں کی تقسیم میں علماء کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ جو علماء دادا کے احکام کو باپ کے احکام پر قیاس کرتے ہیں وہ بمقاسمۃ الجد کے قائل نہیں ہیں اور جو حقیقی و علاتی بھائیوں کے احکام پر قیاس کرتے ہیں وہ بمقاسمۃ الجد کے قائل ہیں۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ صاحبین سے متفق ہیں اور مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں۔ حنفیہ میں ایک طویل زمانہ تک امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جاتا رہا ہے لیکن ماضی قریب میں صاحبین کے قول کو اختیار کر لیا گیا ہے، اور مصر وغیرہ میں بھی اس کے مطابق قانون سازی کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک مرجح ہے، اور اسی کے مطابق دفعہ ہذا مدون کی گئی ہے۔ موجودہ زمانے میں جب کہ مال کی حرص میں ایک

(۱۳۹) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلّی، مجلہ بالا، ج ۲ ص ۱۸۸

وارث دوسرے وارث کو، جس کا وارث ہونا کتاب و سنت سے مسلم ہے، محروم کرنے کی کوشش و سعی میں لگ جاتا ہے تو ان ورثاء کو حنہین صحابہ کرام کے ایک گروہ اور اکثر مذاہب فقہ میں بعض صورتوں میں وارث تسلیم کیا گیا ہے ان صورتوں کے تحت، وارث تسلیم کرنا اور ان کو حصہ دینا، دینی مصالح کے قریب تر ہوگا۔

مصری قانون:

دفعہ ۹ - (۲) - جد صحیح اس جد کو کہتے ہیں کہ میت کی طرف نسبت کرنے میں اس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ نہ ہو۔ چنانچہ ایسے جد کو بھی فقرہ سابقہ کے مطابق $\frac{1}{6}$ فرض ملے گا۔

دفعہ ۲۱ - جب کہ میت کا دادا بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہو تو $\frac{1}{6}$ فرض کا مستحق ہوگا اور باقی بہ طریقہ عصویت پائے گا۔

دفعہ ۲۲ - جب کہ جد حقیقی بھائیوں اور بہنوں یا پدری بھائی، بہنوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کی دو حالتیں ہوں گی:

(اول) یہ کہ جد کو ایک بھائی تصور کیا جائے جب کہ اس کے ساتھ تمام بھائی ہی ہوں یا بھائی بہن ہوں یا بہنیں ہوں جو کہ میت کی مؤنث فرع کے ذریعہ عصبہ ہوگئی ہوں۔

(دوم) کہ جد اصحاب فرائض کے بعد بقیہ ترکہ بطریقہ عصویت لئے، یہ جب کہ میت کی بہنیں مردوں کے ہم راہ یا میت کی مؤنث فرع کے ذریعہ عصبہ نہ ہوئی ہوں۔

اس کے علاوہ جب کہ مقاسمت مذکورہ عصویت کے ذریعہ واقع ہوئی ہو تو یہ (عصویت) جد کو یا تو وراثت سے محروم کر دے گی یا $\frac{1}{6}$ سے کمی کی جانب مائل کر دے گی، جس کا اعتبار $\frac{1}{6}$ کے صاحب فرض ہونے سے کیا جائے گا۔ اس مقاسمت میں جو پدری بھائی یا بہنیں محجوب ہوں گی ان کا کوئی

اعتبار نہ کیا جائے گا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۸۔ جد (دادا) جب کہ دیگر وارثوں کے ساتھ جمع ہو تو تو اس کی چار حالتیں ہوں گی :-

(۱) یہ کہ اس کے ساتھ بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو تو کسی انتظار کے بغیر اس کو $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا۔

(۲) یہ کہ اصحاب فروض میں سے اس کے ساتھ صاحبان فرض ہوں تو اس کو $\frac{1}{6}$ فرض حصہ کے بعد اصحاب فروض سے بقیہ ترکہ بصورت عصوت دیا جائے گا۔

(۳) یہ کہ اس کے ساتھ میت کے بھائی موجود ہوں تو اس کے لئے تہائی مال سے افضل حصہ مقرر ہوگا، یا مقاسمہ کی شکل میں ایک تہائی پورا ملے گا، جب کہ بھائیوں کی تعداد دو سے زائد ہو یا بہنیں چار ہوں اور اس صورت میں مقاسمہ متعین ہوگا۔ اور جد ایک بھائی کی مثل قرار دیا جائے گا۔ ان سب کے ساتھ شامل ہو کر ”لذکر مثل حظ الانثیین“ کے طریقہ پر تقسیم ہوگی، جب کہ بھائی کی تعداد ایک ہو یا تین ہم شیرگان ہوں۔

(۴) یہ کہ جد کے ساتھ بھائی اور اصحاب فروض موجود ہوں تو اس کو ترکہ کا تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو افضل ہو یا پورا $\frac{1}{6}$ ملے گا، یا صاحبان فرض کو دینے کے بعد باقی کا تہائی، یا بھائیوں کے درمیان مقاسمہ کے طریقہ پر ملے گا۔

دفعہ ۱۰۹۔ جب کہ دادا کے ساتھ حقیقی بھائی اور پدری بھائی جمع ہوں تو تقسیم کے وقت جد کے ساتھ حقیقی پدری کے حساب میں شامل ہوگا، اس کے بعد پدری بھائی کے حصہ کی جانب رجوع کرے گا اور اس سے لے گا۔

دفعہ ۱۱۰۔ جب کہ جد کے ساتھ ایک حقیقی ہمشرہ اور ایک پدری ہمشرہ جمع ہوں تو حساب میں حقیقی پدری کے ساتھ تقسیم ترکہ میں شریک ہوگی، چنانچہ جد کو نصف اور ایک حقیقی ہمشرہ کے ساتھ پدری دو یا تین ہمشرگان ہوئیں تو جد کو تمام ہمشرگان کے مقابلہ حساب سے دیا جا کر پدری ہمشرگان کو حقیقی ہمشرہ کے نصف کے بعد بقیہ ترکہ دیا جائے گا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۵۰۔ جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض کے حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کر لے گا۔

دفعہ ۲۵۱۔ (۱) جب کہ جد عصبی خصوصی طور پر حقیقی یا پدری بھائیوں کے ساتھ جمع ہو خواہ یہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں مخلوط ہوں تو جد کو تمام ترکہ کے ایک تہائی یا تقاسم کے ذریعہ جو حصہ افضل ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۲) اور جب کہ جد حقیقی اور پدری ہر دو قسم کے بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو کل ترکے کے ایک تہائی یا دفعہ ۲۵۰ جو آئندہ آنے والی ہے اس کے طریقہ تقاسم کے مطابق جو افضل حصہ ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۳) اور جب جد ذوی الفروض اور بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کو تمام مال کے چھٹے حصے کے تین حصہ یا ذوی الفروض کے حصوں کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی یا بھائیوں کے درجہ کے حصہ کی تقسیم کے مطابق، جو افضل ہو، دیا جائے گا۔

جد کی میراث ۲۷۹ (۱) دادی نانی کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا، خواہ ایک ہوں یا متعدد، بشرطیکہ سب صحیحہ اور ایک درجہ میں ہوں۔

(۲) ماں کی موجودگی میں تمام جدات ہر قسم کی خواہ ایک سلسلہ کی ہوں یا مخلوط ساقط ہو جائیں گی۔

(۳) پدری جدات باپ سے ساقط ہو جائیں گی، اسی طرح دادا سے بھی، البتہ باپ کی ماں (اگر درجہ تک) ساقط نہ ہوگی بلکہ دادا کے ساتھ میراث ہائے گی۔

تشریح

عربی زبان میں ”جدہ“ کا لفظ ”دادی“ اور ”نانی“ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے خواہ وہ کتنی ہی بالائی پشت میں ہوں، چنانچہ ”جدہ“ صرف باپ کی ماں ہی نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہ ذوی الفروض میں داخل ہیں۔

جدہ صحیحہ وہ جدہ ہے کہ جب اس کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو اس نسبت میں ایسا کوئی مرد واسطہ نہ بنے جو دو عورتوں کے درمیان واقع ہوا ہو، مثلاً زید (میت) ہے، زید کی ماں کے باپ کی ماں زید کی جدہ صحیحہ نہ ہوگی، کیونکہ جب اس کی نسبت میت (زید) کی طرف کی جاتی ہے تو درمیان میں ایسا مرد آتا ہے جس کے دونوں جانب عورتیں ہیں۔ یعنی ایک جانب زید کی ماں عورت ہے اور دوسری طرف اس ماں کے باپ کی ماں عورت ہے۔ گویا زید کا نانا (ماں کا باپ) دونوں عورتوں (زید کی ماں اور اپنی ماں) کے درمیان زید کی طرف نسبت کرنے میں واسطہ ہوا ہے۔ چنانچہ جہاں ایسا واسطہ نہ ہو وہ جدہ صحیحہ ہوگی جیسے ماں کی یا باپ کی ماں اور اگر مذکورہ واسطے موجود ہو تو یہ جدہ فاسدہ کہلائے گی۔ (۱۴۰) جیسے میت کی ماں کے باپ کی ماں یا اس ماں کی ماں۔

چنانچہ علم الفرائض کی اصطلاح میں ”جدہ صحیحہ“ اس دادی (یا نانی) کو کہتے ہیں جس سے میت کی نسبت کے سلسلے میں ماں کا باپ نہ آئے جیسے میت کی ماں کی ماں (خواہ کتنے ہی اونچے درجہ میں ہو)۔ بالفاظ دیگر ”جدہ صحیحہ“ اس ”جدہ“ کو کہتے ہیں جو میت کی جانب کسی عصبہ کے یا کسی صاحب فرض کے ذریعہ منسوب ہو، لیکن جو ”جدہ“ میت کی طرف کسی عصبہ یا صاحب فرض کے ذریعہ منسوب نہ ہو وارث نہ ہوگی، کیونکہ فقہاء کے اس قول کے بموجب کہ ”ہر وہ جد جس کی میت کی طرف نسبت کرنے

(۱۴۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۲

میں باپ کا ذریعہ آتا ہو ماں کا نہ آتا ہو وہ ”جذہ صحیحہ“ ہوگی۔ چنانچہ ماں کا باپ (نانا) وارث نہیں ہوتا کیونکہ وہ نہ عصبہ ہے اور نہ صاحب فرض۔ اسی طرح اس کے ذریعہ جو جذہ میت کی طرف منسوب ہوگی وہ وارث نہ ہوگی۔ لہذا میت کے باپ کی ماں یا میت کی ماں کی ماں خواہ کتنے ہی اونچے درجہ میں ہوں وارث ہوں گی۔

مندرجہ بالا تصریح کی روشنی میں ”جذہ“ کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں۔ ایک صحیحہ اور دوسری فاسدہ۔ ”جذہ صحیحہ“ ذوی الفروض میں شامل ہے جب کہ ”جذہ فاسدہ“ ذوی الارحام کے درجہ دوم میں داخل ہے۔

”جذہ صحیحہ“ کے لئے چھٹا حصہ مقرر ہے جب کہ باپ موجود نہ ہو، خواہ ایک ہوں یا زائد۔ ایک سے زائد ہونے کی صورت میں سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی، بشرطے کہ درجہ قرابت میں باہم مساوی ہوں اور کسی دیگر سبب سے ساقط نہ ہوں۔ (۱۳۱)

اگر میت کی کوئی نانی بھی اسی درجہ (پشت) کی موجود ہو جس درجہ کی دادی ہے تو وہ نانی بھی اس دادی کے ساتھ چھٹے حصے میں شریک ہو جائے گی۔ مثلاً ایک عورت میت کی ماں، ماں کی ماں بھی ہے اور میت کے باپ کی باپ کی ماں بھی ہے اور دوسری عورت اسی میت کے باپ کی ماں کی ماں ہے لہذا ایک دادی دوہرا رشتہ رکھتی ہے اور دوسری دادی صرف ایک۔ تو پہلی دادی ترکہ کی مستحق ہوگی۔ (۱۳۲)

اسی طرح اگر میت کی نانی قریب رشتہ کی زندہ ہو اور دادی درجہ بعید کی ہو تو دادی محروم رہے گی مثلاً نانی، پہلی پشت کی ہے اور دادی دوسری پشت کی ہے، تو ایسی صورت میں دادی محروم ہو جائے گی۔

اگر میت کی ماں کا باپ موجود ہو تو نانی محروم رہے گی، اسی طرح میت

(۱۳۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۵

(۱۳۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۷۱

کا دادا موجود ہو تب بھی دادی محروم رہتی ہے لیکن باپ کی ماں، باپ کی نانی، باپ کی ماں کی نانی اور باپ کی نانی دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتیں۔

صاحب شریفیہ نے بہ عنوان ”احوال الجده لام کانت اولاب“ لکھا ہے کہ جدہ چھٹے حصہ کی مستحق ہوگی خواہ وہ میت کے باپ کی ماں ہو یا میت کی ماں کی ماں ہو یعنی دادی ہو یا نانی، جب کہ میت کی ماں موجود نہ ہو، خواہ وہ دادیاں یا نانیاں ایک سے زائد ہوں، البتہ ان میں درجہ قرابت کا لحاظ کیا جائے گا۔ (۱۳۳)

مصری قانون :

دفعہ ۱۳ (۲)۔ اور جدہ صحیحہ باپ، ماں کی ماں یا دادا کی ماں ہوا کرتی ہے، خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو، لہذا ایک یا زائد جدہ کو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا۔ ان کے درمیان مساوی تقسیم ہوگی۔ ایک قرابت یا دو قربتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۲۔ ایک یا متعدد جدہ ثابتہ $\frac{1}{3}$ کی مستحق ہوں گی۔ تمام جدات میں مساوی تقسیم ہوگی۔ ایک قرابت یا دو قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۱۱۔ جدہ کے لئے خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے ایک ہو یا زائد ہوں، یا جو باپ کی جانب سے ہے وہ اقرب ہو جیسا کہ باپ کی ماں اور ماں کی ماں اور باپ کے باپ کی ماں تو $\frac{1}{6}$ کی وہ مستحق ہوگی جو ماں کی ماں ہے اور جو جدہ باپ کی جانب سے ہوگی باپ کی موجودگی میں

(۱۳۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۲

وارث نہ ہوگی، اور ماں کی موجودگی میں باپ کی جانب کی یا ماں کی جانب کی کوئی جہہ مستحق نہ رہے گی۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق سات (۷) وارث ہوتے ہیں :-

(۶) اور جہہ جب کہ تنہا ہو خواہ دادی ہو یا نانی، اگر دونوں موجود ہوں تو چھٹا حصہ دونوں میں تقسیم کیا جائے گا جب کہ درجہ میں مساوی ہوں یا نانی بعید ہو، لیکن اگر نانی قریب ہے اور دادی بعید تو کل چھٹا نانی کا حق ہوگا۔

امام ابن حزم کا نقطہ نظر :

دادی کے لئے چھٹے حصہ میراث کے تعین کے بارے میں عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقرر کردہ ہے۔ لیکن امام ابو محمد ابن حزم نے طاؤس کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ دادی کے چھٹے حصے کا واجب ہونا حضرت ابوبکر، حضرت عمر، ابن مسعود، حضرت علی اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مرسل روایت ہے۔ (۱۴۴)

دراصل ابن حزم چونکہ مرسل حدیث کو حجت قرار نہیں دیتے، اس لئے ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہہ کے لئے $\frac{1}{6}$ کا تقرر ثابت نہیں، بلکہ آثار صحابہ سے ثابت قرار پاتا ہے، چنانچہ ابن حزم کے نزدیک جس حالت میں میت کی ماں $\frac{1}{3}$ کی مستحق ہوتی تو جہہ کو $\frac{1}{3}$ دلواتے ہیں اور جہاں ماں $\frac{1}{6}$ کی مستحق ہوتی ہے وہاں $\frac{1}{6}$ دلواتے جو ان کا اپنا قیاس ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں صحابہ کا اثر ہے جو جہہ کے لئے محض $\frac{1}{6}$ تعین کرتے ہیں راقم الحروف کے نزدیک یہ اثر ابن حزم کے قیاس سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہے۔

(۱۴۴) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۳۲
الترکہ و المیراث فی الاسلام ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ، محولہ بالا، ص ۲۴۰

۲ - عصبات نسبی

۲۸۰ - عصبہ نسبی شرعاً ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو تنہا ہونے پر تمام ترکہ لے لے یا جو ترکہ ذوی الفروض سے باقی رہے وہ تمام سمٹ لے۔

عصبہ نسبی کی
تعریف

تشریح

”عصبہ“ کے لغوی معنی ”ایک شے کا کسی دوسری شے کو ہر طرف سے گھیر لینا“ ہیں۔ اصطلاحاً میت کے باپ کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو ”عصبہ“ کہتے ہیں۔ یہ لفظ واحد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لئے بولا جاتا ہے۔ چوں کہ مرد کا مادہ تولید ریڑھ کی ہڈی سے کھنچ کر آتا ہے اس لئے علم المیراث کی اصطلاح میں ”عصبہ“ اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو میت سے صلبی تعلق رکھتا ہو اور ذوی الفروض کے دینے کے بعد بقیہ ترکہ کا مستحق ہو۔ چنانچہ اگر سلسلہ قرابت کے درمیان عورت حائل ہو جائے تو پھر وہ قرابت دار ”عصبہ“ نہیں رہتا، مثلاً اخیافی بھائی۔ اسی طرح اخیافی بہن کی قرابت ماں کے ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ باپ کے ذریعہ، اس لئے وہ بھی عصبات میں داخل نہیں، بلکہ ذوی الفروض میں داخل ہے۔ اسی طرح نواسہ یا نانا ذوی الارحام میں داخل ہے، کیونکہ میت سے ان کی نسبت فقط عورت (بیٹی یا ماں) کے واسطے سے ہوتی ہے۔

۲۸۱ - عصبہ نسبی کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

عصبہ نسبی کی
انقسام

(۱) عصبہ بنفسہ، وہ وارث ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو، اور اس کے اور میت کے درمیان عورت داخل نہ ہو۔

(۲) عصبہ بغيرہ، وہ وارث عورت ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ہو اور یہ غیر، عصبہ ہونے میں اس کا شریک ہو، اور

(۳) عصبہ مع الغير، وہ وارث عورت جو عصبہ بننے میں غیر کی محتاج ہو اور وہ غیر عصبہ ہونے میں اس کا شریک نہ ہو۔

(۱۳۵) قدیم کتب فقہ میں عصبات کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) عصبہ نسبی اور (۲) عصبہ نسبی۔

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۷۷۸ پر

تشریح

الف - عصبہ بنفسہ

”عصبہ بنفسہ“ یعنی بذات خود عصبہ، وہ قرابت دار کہلاتا ہے جو مرد ہو اور جس کی میت سے نسبت عورت کے واسطے کے بغیر ہو، یعنی عورت کے واسطے سے نہ ہو۔ (نیز میت اور اس قرابت دار کے رشتہ کے درمیان کوئی

صفحہ نمبر ۱۷۷۷ کا باقی فٹ نوٹ

عصبہ سببی :

عصبہ سببی اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شرعی سبب کی بناء پر عصبہ قرار پایا ہو جیسے مولی العتاقہ۔ چنانچہ اگر کوئی آزاد کردہ غلام سرجائے اور وہ اپنا کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑے تو اس کا آزاد کرنے والا مرد ہو یا عورت اس آزاد شدہ غلام (میت) کا عصبہ قرار پائے گا، اور ذوی الفروض سے بچا ہوا مال بحیثیت عصبہ سببی لے گا۔ چونکہ اس آزاد کنندہ کا میت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے وہ عصبہ سببی کہلاتا ہے۔ اس آزاد کنندہ کی عدم موجودگی میں اس کے عصبہ بنفسہ اس غلام (میت) کے عصبہ سببی ہوں گے، البتہ آزاد کرنے والے کے عصبات میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

اس معتق یعنی آزاد کرنے والے کو ”مولی العتاقہ“ کہتے ہیں۔ معتق اپنے آزاد کردہ غلام کے ترکہ کا اس وجہ سے حق دار ہوتا ہے کہ وہ اس کو آزادی دے کر گویا ایک (نئی) زندگی عطا کرتا ہے اور اس طرح حکماً باپ بیٹے کا سا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب یہ آزاد کردہ غلام سرجائے اور اس کا کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا معتق قرار پاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے، کہ ”الولاء، نسبی سلسلہ (نسب) کی طرح ایک نسبی شاخ ہے (البحر الرائق، ابن نجیم ج ۸، ص ۴۹۸ الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۱۰)“ ”الولاء لحمۃ کلعمۃ النسب“ (احناف کے نزدیک عصبات نسبی کی بحیر موجودگی میں مولی العتاقہ ان کا قائم مقام ہوتا ہے۔

مولی عتاقہ کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہے۔ حضرت علی اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ مولی عتاقہ ذوی الارحام پر مقدم ہے اور مذکورہ عصبات کا آخری عصبہ ہے۔ یہی مسلک احناف نے اختیار کیا ہے اس کے برخلاف حضرت ابن مسعود کے نزدیک ذوی الارحام مولی عتاقہ پر مقدم ہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ ”بعض صاحبان رحم بعض دیگر صاحبان رحم سے اولیٰ ہیں احناف حضرت ابن مسعود کی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے اس حکم موات کو منسوخ کیا گیا ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد انصار و مہاجرین کے درمیان بذریعہ مواخاۃ (سوالات) باہم وراثت قائم کرائی تھی۔ اس آیت کے ذریعہ واضح فرمادیا

عورت نہ آئے، جیسے میت کا بیٹا، باپ وغیرہ، کیونکہ ان کی تعصیب اپنی ذاتی قرابت کے سبب ان کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

عصبہ بنفسہ میں چار درجوں کے قرابت دار شامل ہیں جس میں سے بعض کو بعض پر اولیت حاصل ہے۔ ان کی ترتیب حسب ذیل ہے :-

(اول) جو خود میت کا جزو ہیں یعنی بیٹا، پوتا، پڑپوتا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

صفحہ نمبر ۱۷۷۸ کا باقی فٹ نوٹ

کیا کہ موالات کے عقد سے رحم کا رشتہ مقدم ہے۔ اس کے احناف بھی قائل ہیں عقد موالات سے ذوی الارحام مقدم ہیں لیکن مولی العتاقہ عقد موالات سے ممیز اور اس کا درجہ حسب سابق ذوی الارحام سے پہلے ہے۔ اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جو دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حمزہ کی صاحب زادی نے ایک غلام آزاد کیا تھا یہ غلام ایک لڑکی چھوڑ کر فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نصف مال اس کی لڑکی کو دے کر بتیہ مال حضرت حمزہ کی صاحب زادی کو دے دیا۔ (السنن، دارقطنی، ج ۴، ص ۸۲-۸۳) ”عن ابن عباس ان مولی الحمزۃ توفی فترک ابنتہ و ابنتہ حمزہ فاعطی النبی صلعم ابنتہ النصف ولا بنتہ حمزۃ النصف“ اس حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ”ولاء اسی کے واسطے ہے جس نے آزاد کیا“ (بخاری، ج ۲، ص ۹۹۹) ”عن عائشہ قالت اشتریت بربرۃ فقال النبی صلعم اشتریہا فان الولاء لمن اعتق“ اسی طرح عبد الرزاق نے حسن بصری سے یہ حدیث مرسلہ روایت کی ہے کہ حضور (صلعم) نے آزاد کردہ غلام کی میراث کا حکم دریافت کرنے والے کو جواب دیا کہ ”اگر اس کا عصبہ نہ ہو تو اس کی میراث تیرے واسطے ہے۔ المبسوط، سرخسی، ج ۲۹، ص ۷۶-۷۵، ”و ان مات ولم يدع وارثا کنت انت عصبته اور الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۰) بحر الرائق میں رسول اللہ کی مذکورہ بالا روایت کے لفظ ”الولاء لعمۃ کلعمۃ النسب“ آزاد کنندہ کو عصبہ ثابت کرتا ہے۔ نیز آخری عصبیات کے لئے حدیث نبوی ”جس نے غلام آزاد کیا، اگر غلام مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو آزاد کنندہ اس کا عصبہ ہوگا۔ (الاخيار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۱۰) اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ مولی العتاقہ عصبیات نسبی کی غیر موجودگی میں عصبہ فرار پاتا ہے اور وراثت کا مستحق ہوتا ہے۔

دیگر مکاتیب فقہ:

مالکیہ (جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، الابی، صالح عبد السمیع، ج ۲، ص ۳۲-۳۲۸) شافعیہ (المہذب فقہ شافعی، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، ج ۲، ص ۲۷-۲۵) حنبلیہ (المحرر فی الفقہ الحنبلی، ابو البرکات، مجدالدین، ج ۱،

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۷۸۰ پر

(دوم) جن کی خود میت جزو ہے یعنی باپ، دادا، پردادا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی اونچے درجے میں ہوں۔

(سوم) جو میت کے باپ کا جزو ہیں یعنی حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، علاتی بھائی کا بیٹا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

(چہارم) جو میت کے دادا کے جزو ہیں یعنی حقیقی چچا، علاتی چچا، حقیقی چچا کا بیٹا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

مندرجہ بالا ترتیب بہ اعتبار استقرار حق امام ابو حنیفہ کے نقطہ نظر کے مطابق ہے۔ صاحبین کے نزدیک مذکورہ ترتیب میں اتنا فرق ہے کہ ان کے نزدیک عصبیات درجہ دوم میں جب کہ باپ کے بجائے دادا ہو تو وہ بھائیوں کو محروم نہیں کرتا بلکہ بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں دادا کو ایک بھائی کے برابر حصہ ملتا ہے گویا صاحبین کے نزدیک دادا کی موجودگی میں درجہ دوم و سوم کے ورثاء (ایک ساتھ وارث ہوتے ہیں۔) (تفصیل ”مقاسمۃ الجد“ کے تحت گزر چکی ہے۔)

صفحہ نمبر ۱۷۷۹ کا باقی ٹکٹ نوٹ

صص ۹۷-۳۹۳) اور ظاہریہ (المحلی، ابن حزم، ج ۶، صص ۷۳-۳۷۱) بھی عصبیت نسبی کی غیر موجودگی میں مولیٰ عتاقہ کی میراث کے قائل ہیں۔ اس طرح شیعہ امامیہ بھی اس کے قائل ہیں۔

مصری قانون:

دفعہ ۳۹ - عصبہ سببی میں عصب ذہل افراد شامل ہیں:

- (۱) مولیٰ العتاقہ، جس نے آزاد کیا ہو اور وہ جس کو آزاد کیا گیا ہو، یا آزاد کردہ کے آزاد کردہ،
- (۲) آزاد کرنے والے کا عصبہ یا آزاد کیے گئے کا عصبہ، یا آزاد کئے گئے کا آزاد کیا گیا عصبہ،
- (۳) جس کو ایسی ماں کے مورث کی ولاء کا حق حاصل ہو کہ وہ ماں اپنے باپ کے واسطے سے حرہ اصلی نہ تھی۔ خواہ یہ ولاء اس کو ماں سے حاصل ہوئی یا کسی غیر سے یا بالواسطہ جد۔

نوٹ: - (عصبہ سببی کی صورت موجودہ میں ناپید ہے، اس لیے متن قانون اور اصل کتاب میں ذکر نہ کر کے اس ٹکٹ نوٹ پر اکتفا کیا گیا تاکہ کتاب تاریخی اعتبار سے مکمل ہو۔)

ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بیچ رہے اس میں سندرجه بالا چار درجوں کے وراثاء، بہ استثناء سندرجه بالا، علی الترتیب وارث ہوں گے۔ اگر ان سندرجه بالا درجوں کے قرابت داروں میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو باپ کا حقیقی چچا، باپ کا علاتی چچا، باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، باپ کے علاتی چچا کا بیٹا، یکے بعد دیگرے خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں، وارث ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو دادا کا حقیقی چچا، اور ان کی اولاد ذکور یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں، عصباء بنفسہ میں داخل ہوگی۔

اصول یہ ہے کہ جو وارث میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ میراث میں اولیٰ ہوگا، جیسا کہ بیٹا، پھر باپ یا دادا، اور جو وارث میت سے دو رشتے رکھتا ہو وہ ایک رشتہ رکھنے والے وارث سے اولیٰ ہوگا، خواہ یہ دو رشتہ رکھنے والا مرد ہو یا عورت، چنانچہ حقیقی بھائی علاتی سے اور حقیقی بہن جب کہ صلبی بیٹی کے ساتھ ہوتی کے ساتھ عصبہ ہو جائے، پدری بھائی سے اولیٰ ہوگی اور حقیقی بھائی کا بیٹا پدری بھائی سے اولیٰ ہوگا اور حقیقی چچا پدری چچا سے اولیٰ ہوگا۔ یہ حکم باپ کے چچا اور دادا کے چچا میں بھی جاری ہوگا۔ (۱۴۶)

اگر ذوی الفروض میں ترکہ تقسیم ہو کر کچھ باقی نہ بچے تو عصباء میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر حقیقی بہن اور علاتی بھائی کو چھوڑا۔ اس صورت میں نصف شوہر اور نصف بہن کو ملے گا اور علاتی بھائی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔

ب۔ عصبہ بالغیر

عصبہ بالغیر یا بغیرہ وہ قرابت دار ہے جو دوسرے قرابت دار کی وجہ سے عصبہ ہو جائے۔ علم المیراث کی اصطلاح میں عصبہ بالغیر وہ عورت ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ہو اور یہ غیر عصبوت میں اس کا شریک ہو،

(۱۴۶) الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ، قدری ہاتف، دفعہ ۶۱۰ (صفحہ روان کا فٹ نوٹ)

گویا وہ عورت اپنے مقابل مذکر کی وجہ سے عصبہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ عورتیں جو دوسرے مذکروں کے سبب عصبہ ہو جاتی ہیں، چار ہیں :-

(۱) بیٹی، (۲) ہوتی، (۳) بہن اور (۴) علاتی بہن۔

یہ چاروں اپنے اپنے بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہو جاتی ہیں اور ان کے ساتھ ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے مطابق میراث میں حصہ کی مستحق ہوتی ہیں۔ اور اگر ان کو عصبہ بنانے والا (مرد) موجود نہ ہو تو پھر یہ عورتیں ذوی الفروض کی حیثیت سے حصہ ہاتی ہیں۔

اول الذکر دو کے عصبہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ”یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین“ اور آخر الذکر دو پر اللہ تعالیٰ کا قول ”ان کانوا اخوة رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین“ دلالت کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی عورت اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی۔

عورت فی الاصل عصبہ نہیں ہوتی بلکہ بالتبع عصبہ ہو جاتی ہے اور جب عصبہ ہو جاتی ہے تو پھر ذوی الفروض کے حصے تقسیم ہو جانے کے بعد، ترکہ بچ رہنے کی صورت میں، اپنا حصہ ہانے کی مستحق ہوتی ہے ورنہ نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، والدین، بیٹی اور ایک ہوتی اور ایک ہوتے کو چھوڑا۔ اب ہوتی ہوتے (اپنے بھائی) کے موجودگی میں عصبہ بالغیر ہو گئی اور اس کا حق ذوی الفروض کے بعد ہوگا۔ چنانچہ شوہر کو چوتھائی، والدین کو تہائی اور بیٹی کو نصف دینے کے لیے ترکہ ہوا نہیں ہوتا لہذا ہوتی کو عصبہ بالغیر ہونے کے سبب کچھ نہ ملے گا۔ لیکن اگر ہوتا موجود نہ ہوتا تو وہ بیٹی کے ساتھ مل کر تکملة الثلثین کی مستحق ہوتی اور عول کے ذریعہ تقسیم عمل میں آتی جس کے نتیجہ میں وہ بھی میراث کی مستحق قرار پا کر اپنا حصہ لے لیتی یعنی صورت اول میں شوہر کو $\frac{3}{13}$ ، ماں کو $\frac{3}{13}$ ، باپ کو $\frac{3}{13}$ ، اور بیٹی کو $\frac{6}{13}$ ملے گا جب کہ صورت دوم میں مسئلہ ۱۳ سے ۱۵ کی طرف عول ہو کر شوہر کو $\frac{3}{15}$ ، ماں کو $\frac{3}{15}$ ، باپ کو $\frac{3}{15}$ ، بیٹی کو $\frac{6}{15}$ اور ہوتی کو $\frac{2}{15}$ ملے گا۔

ایک اور مثال :- ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، حقیقی بہن، علاتی بہن اور علاتی بھائی کو چھوڑا۔ اس صورت میں شوہر کو نصف اور حقیقی بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ علاتی بہن، علاتی بھائی کی موجودگی کے سبب عصبہ بالغیر ہو کر ترکہ نہ بچنے کی وجہ سے محروم ہوگئی۔ لیکن اگر علاتی بھائی نہ ہوتا تو وہ حقیقی بہن کے ساتھ ذی فرض کی حیثیت سے شامل ہو کر تکملۃ الثلثین کی مستحق ہوتی اور مسئلہ سات کی طرف عول کر کے شوہر کو $\frac{3}{4}$ اور حقیقی بہن کو $\frac{1}{4}$ اور علاتی بہن کو $\frac{1}{4}$ ملتا۔

وہ عصبات جو خود میراث لیتے ہیں اور اپنی بہنوں کو شریک نہیں کرتے، چار ہیں :-

(۱) چچا، (۲) چچا کا بیٹا، (۳) بھائی کا بیٹا، اور (۴) معتق (آزاد کرنے والے) کا بیٹا۔

ج - عصبہ مع الغیر:

عصبہ مع الغیر وہ قرابت دار عورت ہے جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میت کی عینی یا علاتی بہن اگر میت کی بیٹی یا ہوتی کے ساتھ جمع ہو جائیں تو یہ عصبہ ہو جاتی ہیں، خواہ ایک ہوں یا زیادہ۔ (۱۳۷) مثال کے طور پر میت نے ایک بیٹی، ایک بہن، ایک یا ایک سے زیادہ علاتی بھائی چھوڑے تو دختر کے ساتھ عینی بہن عصبہ ہو گئی اور نصف ترکہ دختر کو اور بقیہ نصف عینی بہن کو ملے گا۔ علاتی بھائی محروم رہے گا۔ اس کی بنیاد حضور علیہ السلام کا ارشاد ”الاخوات مع البنات عصبۃ“ ہے (۱۳۸) کہ بہنیں، بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔

عصبہ مع الغیر اور عصبہ بغیرہ میں یہ فرق ہے کہ عصبہ بغیرہ میں یہ غیر خود عصبہ بنفسہ ہوتا ہے، اس وجہ سے عصوبت عورت میں سراپت کر جاتی

(۱۳۷) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۵۸-۵۱

(۱۳۸) مذکورہ حدیث میں اخوات سے حقیقی یا علاتی بہنیں مراد ہیں اخیالی بہنیں مراد نہیں ہیں۔

ہے اور عصبہ مع غیرہ میں یہ غیر، عصبہ بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کے ہمراہ ہونے سے عصوت پیدا ہوتی ہے۔ (۱۳۹)۔

۲۸۲ - عصبات کی توریت میں حسب ذیل ضابطوں پر عمل کیا جائے گا :-

عصبات کی توریت
کے عام قواعد

- (۱) قریب کو بعید پر ترجیح ہوگی،
- (۲) ہم درجہ عصبات کی صورت میں القوی قرابت کا اعتبار کیا جائے گا،
- (۳) چند قسم کے عصبہ جمع ہو جائے کی صورت میں میت سے قریب تر کو ترجیح دی جائے گی، اور
- (۴) عصبات میں تقسیم بہ اعتبار فی کس ہوگی۔

تشریح

ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے وہ عصبات کا حق ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”ذوی الفروض کو دینے کے بعد ترکہ میں سے جو بچ رہے وہ اقرب مذکور کے لیے ہے۔“ (۱۵۰)۔

قریب کو بعید پر ترجیح ہے :

عصبات میں میت سے بہ اعتبار قرابت جو سب سے قریب ہوگا وہ توریت میں سب سے مقدم ہوگا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل چار درجات میں سب سے مقدم میت کا جزو ہے جیسے (۱) اس کا بیٹا اور پھر اس کے بیٹے کا بیٹا، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔ اس کے بعد میت کی اصل کا درجہ ہے جیسے باپ جو بیٹی کی موجودگی (اور بیٹی کی عدم موجودگی) میں عصبہ بھی ہے اور ذی فرض بھی۔ باپ کے بعد امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقی دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ پھر باپ کا جزو یعنی حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی حقیقی بھائی کا بیٹا اور پھر علاتی بھائی کا بیٹا خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔

بھائیوں کو دادا پر موخر کرنا امام ابو حنیفہ کے مسلک کے بموجب ہے جبکہ کے صاحبین دادا کو بھائی بہنوں کے ساتھ شریک کر کے ایک بھائی کے بقدر حصہ دیتے ہیں امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے آخری درجہ بہ اعتبار ترتیب

(۱۳۹) الاحکام الشرعية فی الاحوال الشخصية، قدری پاشا دفعہ ۲۶۱۳، ص ۱۱۳۔

(۱۵۰) ”روی عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ”لما ائتمت الفرائض فلاولی رجل ذکر،“ (مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض)۔

توریت پر بنائے عصوت میت کے دادا کے جزو کا ہے جیسے حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر علاتی چچا کا بیٹا، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔ پھر باپ کا چچا، پھر اس کا بیٹا، پھر دادا کا چچا پھر اس کا بیٹا علیٰ هذا القیاس۔ (۱۵۱)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، عصوت کی بناء پر استحقاق وراثت میں بیٹا، باپ پر مقدم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹا میت کی فرع ہے اور باپ میت کی اصل۔ فرع کا تعلق میت سے اصل کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے کیوں کہ فرع اصل کے تابع ہوتی ہے۔ چنانچہ اصل کے ذکر میں فرع بھی آجاتی ہے مگر فرع کے ذکر میں اصل نہیں آتی۔ بیٹے کی اولاد باپ پر مقدم ہے کیوں کہ ان کے استحقاق کا سبب بھی وہی بیٹے کا باپ پر مقدم ہونا ہے۔ اسی طرح باپ کا دادا کے مقابلے میں میت سے درجے میں قریب تر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ بیٹے کا ہوتے پر مقدم ہونا۔

چنانچہ مذکورہ بالا درجات میں درجہ اول کے عصبات میں کوئی بھی موجود ہو، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو، اس کے مقابلے میں درجہ دوم کے کسی عصبہ کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر درجہ دوم میں کوئی بھی عصبہ ہو، خواہ درجے میں کتنا ہی اونچا ہو درجہ سوم کے تمام عصبات کو محروم کر دے گا۔

ترتیب پر بنائے عصوت ہے :

یہاں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ ترتیب بر بنائے عصوت ہے۔ درجہ بندی میں جو وراثاء مذکور ہیں اگر ان میں سے کوئی صاحب فرض بھی ہے مثلاً میت کا باپ تو اس کا حق بحیثیت ذی فرض کے اس سے اولیٰ، علیحدہ اور سمیز ہے۔ البتہ جب وہ عصبہ کی حیثیت سے میراث پانے کا مستحق ہوگا تو اس کا استحقاق اسی درجہ بندی کے لحاظ سے متحقق ہوگا۔ صاحبین کے مسلک کے بموجب درجہ سوم میں مذکور وراثاء درجہ دوم میں دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل دادا کی میراث میں بیان کی جاچکی ہے)۔

(۱۵۱) الدر المختار بر حاشیہ رد المحتار، علاء الدین حصکفی، (۵۱۰۸۸) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ھ،

۲- ہم درجہ عصبیات کی صورت میں قوی قرابت کا اعتبار جائے گا :

جو عصبیات ایک درجہ میں واقع ہوں تو جس کی قرابت زیادہ قوی ہوگی وہ میراث کا مستحق ہوگا اور باقی محروم رہیں گے۔ مثال کے طور پر حقیقی اور علاتی بھائی اگرچہ درجے میں برابر ہیں مگر حقیقی بھائی دو قرابت والا ہے اس لئے وہ علاتی بھائی پر مقدم ہے۔ اسی طرح علاتی بھائی حقیقی بھائی کے بیٹے پر مقدم ہے کیونکہ علاتی بھائی حقیقی بھائی کے بیٹے کے مقابلے میں میت سے قریب تر ہے یا حقیقی بھائی کا بیٹا علاتی بھائی کے بیٹے سے اولیٰ ہے کیونکہ وہ دو قرابت والا ہے، حالانکہ درجہ میں دونوں مساوی ہیں۔ اسی طرح میت کا حقیقی چچا، علاتی چچا پر فوقیت رکھتا ہے۔

۳- چند قسم کے عصبہ جمع ہوجانے کی صورت میں میت سے قریب تر کو ترجیح دی جائے گی :

اگر چند قسم کے عصبیات جمع ہو جائیں مثلاً بعض بنفسہ ہوں اور بعض عصبہ بغیرہ ہوں اور بعض عصبہ مع الغیر، تو ترجیح اس عصبہ کو دی جائے گی جو میت سے زیادہ قریب ہوگا۔ مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا اس نے ایک بیٹی ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بھائی کا بیٹا چھوڑا تو نصف ترکہ بیٹی کو ملے گا اور نصف بہن کو۔ علاتی بھائی کے بیٹے کو کچھ نہ ملے گا، کیونکہ بہن میت کی بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو گئی۔ اس کی بنیاد رسول اکرم کی حدیث ”اجعلوا الاخوات مع البنات عصبہ“ پر ہے اور وہ علاتی بھائی کے بیٹے کی یہ نسبت میت سے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح اگر بھائی کا بیٹا ہو اور چچا ہو تو کل ترکہ بھائی کے بیٹے کے کو ملے گا اور چچا محروم رہے گا۔ (۱۵۲)

۴- عصبیات میں تقسیم بہ اعتبار فی کس ہوگی :

اگر عصبیات میں سے ایک جماعت ایک ہی درجے کی حامل ہو تو ان کو ترکہ بحساب فی کس ملے گا۔ اصول کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر

(۱۵۲) فتاویٰ عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، ج ۳، ص ۳۰۰
الشریئہ، شرح السراجیہ، سید شریف جرجانی محولہ بالا ص ۳۸-۳۹

ایک شخص فوت ہو گیا۔ اس نے ایک بھائی کی اولاد میں ایک بیٹا اور دوسرے بھائی کی اولاد میں دس بیٹے چھوڑے تو ترکہ کے گیارہ حصے کئے جائیں گے اور سب حقداروں میں ہر حصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ (نمائندگی کے اصول پر) دو حصہ کر کے ایک نصف ایک بھائی کے بیٹے کو اور دوسرا نصف دوسرے بھائی کے دس بیٹوں پر تقسیم کیا جائے۔ (۱۰۳)

یہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے۔ شیعہ فقہ کے بموجب اصول کا اعتبار کیا جائے گا، مثال کے طور پر ایک حقیقی بھائی کا ایک بیٹا اور دوسرے حقیقی بھائی کے دس بیٹے ہوں تو ترکہ دو مساوی حصوں میں تقسیم ہو کر نصف ایک بھائی کے ایک بیٹے اور نصف دوسرے بھائی کے دس بیٹوں میں تقسیم ہوگا (۱۰۴) یعنی فروع وہی حصہ پائیں گے جو ان کے اصل کو (بشرط حیات) ملتا۔ یتیم پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کی میراث کے مسئلے میں پاکستان میں رائج الوقت قانون (دفعہ ۴۰ عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ، ۱۹۶۱ع) کے تحت نمائندگی کے مذکورہ بالا اصول کو بلا امتیاز اختیار کر لیا گیا ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی بحث باب (۷) حجب و حرمان کے تحت آ رہی ہے۔)

مصری قانون :

دفعہ ۱۶۔ جب کہ اصحاب فروض میں سے کوئی موجود نہ ہو، یا موجود ہو اور ان کے فریضہ حصص دینے کے بعد ترکہ باقی رہا تو اب ترکہ یا اس کا بقیہ بعد از فرائض عصبہ نسبی کو ملے گا۔

عصبہ نسبی کی تین اقسام ہیں :

(۱) عصبہ بالنسب، (۲) عصبہ بالنفس، اور (۳) عصبہ مع الغیر
دفعہ ۱۷۔ عصبہ بالنفس کی چار جہتیں ہیں جن میں بعض کو بعض

(۱۰۳) فتاویٰ عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، ج ۴، ص ۴۰۵

(۱۰۴) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر العلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۹

پر وراثت میں تقدم حاصل ہوگا۔ ترتیب حسب ذیل ہے :-

(۱) بنوت۔ (بیٹا ہونا) یہ لفظ بیٹوں اور نیچے تک کے تمام پوتوں کو شامل ہے۔

(۲) ابوة۔ (باپ ہونا) یہ لفظ باپ اور اوپر تک کے تمام جد صحیح کو شامل ہے۔

(۳) اخوة۔ (بھائی ہونا) یہ لفظ حقیقی، پدری، بھائیوں اور ان کی اولاد در اولاد کو شامل ہے۔

(۴) عمومة۔ (چچا ہونا) یہ لفظ میت کے چچوں اس کے باپ اور جد صحیح کے اوپر تک کے چچوں کو شامل ہے، خواہ یہ حقیقی ہوں، یا پدری ہوں۔ اور ان کی اولاد در اولاد بھی اس میں شامل ہے۔

دفعہ ۱۸۔ جب کہ عصبہ بالنفس جہت میں متحد ہوں تو وراثت کا مستحق وہ عصبہ ہوگا جو میت سے درجہ میں زائد قریب ہوگا۔ لیکن اگر جہت و درجہ دونوں میں متحد ہوں تو اب قرابت کی قوت ملحوظ ہوگی، لہذا جو میت سے دو قرابت رکھتا ہوگا وہ ایک قرابت دار سے وراثت میں مقدم ہوگا۔ اور جب جہت، قرابت، درجہ ہر سہ امور میں اتحاد ہو تو اب ترکہ ان میں مساوی طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۱۹۔ عصبہ بالغیر۔

(۱) یہ لڑکیاں ہیں جب کہ لڑکوں کے ساتھ ہوں،

(۲) پوتیاں نیچے تک کی جب کہ نیچے تک کے پوتوں کے ساتھ ہوں، جب کہ یہ سب ایک درجہ میں ہوں یا یہ کسی نیچے کے درجہ میں متحد ہوں، بشرطے کہ اس جہت کے علاوہ کسی دیگر جہت سے وارث نہ ہوئی ہوں۔

(۳) ہمشرکان حقیقی، حقیقی بھائیوں کے ساتھ ہوں، یا پدری ہمشرکان پدری بھائیوں کے ساتھ ہوں۔

اور ان حالات میں ان کے درمیان ترکہ بقاعدہ ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۰۔ عصبہ مع الغیر۔ حقیقی یا پدری ہمشرگان جب کہ ان کے ساتھ میت کی بیٹیاں یا نیچے تک کی پوتیاں موجود ہوں۔ ان کو اصحاب فرائض کے حصص دینے کے بعد بقیہ ترکہ دیا جائے گا۔ اور اس حالت میں یہ حقیقی یا پدری بھائیوں کی مثل متصور ہوں گی، اور تقدیم میں ان کے درمیان مذکورہ جہت و قوت و درجہ کے قرب کا اعتبار کیا جائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۳۔ (۱) جس صورت میں صاحبان فروض میں سے کوئی موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن ترکہ سب کے فرائض حصص کے بعد باقی رہتا ہو تو یہ بقیہ ترکہ عصبہ نسبی کو ملے گا۔

(۲) نسبی عصبہ تین قسم پر ہے :

(الف) عصبہ نفس، (ب) عصبہ بالغیر، اور (ج) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۲۷۵۔ عصبہ بالنفس کے چار درجات ہیں، جن میں سے بعض بعض پر وراثت میں مقدم ہیں، ترتیب حسب ذیل ہے :-

(۱) بنوة (بیٹا ہونا) اس میں اولاد اور پھر اس کی اولاد زیرین درجہ تک سب داخل ہے۔

(۲) ابوة (باپ ہونا) اس میں دادا اور اس کے اوپر کے دادوں کا تمام سلسلہ داخل ہے،

(۳) اخوة (بھائی ہونا) اس میں حقیقی بھائی، پدری بھائی اور ان کی اولاد در اولاد نیچے تک داخل ہے۔

(۴) عمومة (چچا ہونا) اس میں میت کے حقیقی چچا، پدری چچا،

میت کے باپ کے چچے خواہ حقیقی ہوں یا پدری ہوں اور دادا کے چچے اوپر تک اور ان سب کی اولاد نیچے تک داخل ہیں۔

دفعہ ۲۷۶ - جب کہ عصبہ بالنفس عصویت کی جہت میں متحد ہوں تو اس صورت میں جو عصبہ میت سے درجہ میں زیادہ قریب ہوگا وہ بقیہ ترکہ کا مستحق ہوگا۔

اور جس صورت میں کہ عصویت کی جہت میں بھی برابر ہوں اور درجہ قرابت میں بھی، تو اب قرابت کی قوت کا لحاظ کیا جائے گا، چنانچہ حقیقی کی قرابت پدری کی قرابت کی نسبت سے قوی ہوگی، اور جب جہت قرابت و درجہ و قوت میں بھی متحد ہوں گے تو اب تقسیم وراثت مساوی طور پر ہوگی۔

دفعہ ۲۷۷ - (۱) عصبہ بالغیر:

(الف) میت کی لڑکیاں جب کہ لڑکوں کے ساتھ ہوں،

(ب) پوتیاں نیچے تک کی جب کہ ان کے ساتھ پوتے بھی موجود ہوں خواہ اسی درجہ کے ہوں یا پوتیوں سے نیچے درجہ کے ہوں بشرطے کہ اس جہت کے علاوہ ان کو وراثت نہ پہنچے،

(ج) حقیقی ہمشرگان حقیقی بھائیوں کے ساتھ اور پدری ہمشرگان پدری بھائیوں کے ساتھ۔

(۲) مذکورہ حالات میں تقسیم ”للذکر مثل حظ الانثیین“ ہوگی، (مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا)۔

دفعہ ۲۷۸ - (۱) عصبہ مع الغیر - حقیقی ہمشرگان یا پدری ہمشرگان جب کہ ان کے ہمراہ میت کی بیٹیاں یا پوتے موجود ہوں خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کے ہوں، صاحبان فرض کے بعد بقیہ ترکہ ان کو ملے گا۔

(۲) مذکورہ بالا حالات میں حقیقی ہم شیرگان پدری بھائیوں کی مثل متصور ہوں گی، اور پدری ہم شیرگان پدری بھائیوں کی مثل، ان کے درمیان جہت و درجہ و قوت کے اعتبار سے عصبات مذکورہ کے احکام مرتب ہوں گے۔

دفعہ ۲۷۹ - (۱) جب کہ عصبی دادا اور حقیقی بھائی، بہنیں یا علاقی بھائی بہنیں جمع ہوں تو دادا تقسیم ترکہ میں ایک بھائی کی مثل حصہ پائے گا بشرطے کہ اس کے ساتھ فقط بھائی ہوں، یا بھائی بہنیں عصبہ ہو گئے ہوں، کسی وارث کی اولاد کے ذریعہ۔

(۲) جب کہ دادا کے ساتھ ایسی بہنیں ہوں جو بھائیوں کی بنا پر عصبہ نہیں ہو سکے ہوں اور نہ کسی وارث کی موٹ اولاد کے ذریعہ، تو دادا صاحبان فرض کے بعد عصبہ ہونے کی بنا پر بقیہ ترکہ پائے گا۔

(۳) - - - - -

(۴) مقاسمہ میں مجبوب علاقی بھائی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

دفعہ ۲۸۰ - جب کہ باپ یا دادا، بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں $\frac{1}{6}$ کا بحیثیت فرض کے اور بقیہ ترکہ کا بحیثیت عصبہ کے مستحق ہوگا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۱۳ - عصبات تین قسم پر ہیں :-

(۱) عصبہ بالنفس، (۲) عصبہ بالغیر، اور (۳) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۱۱۴ - عصبہ بنفسہ تنہا ہونے کی صورت میں میت کے کل ترکہ کا وارث ہوگا اور صاحبان فروض کے موجود ہونے کی صورت میں ان سے بقیہ ترکے کا، اور جب کہ کچھ باقی نہ رہے تو محروم ہوگا۔

یہ عصبہ باپ، جد صحیح اوپر تک کا، بیٹا، اور پوتا نیچے تک کا، اور حقیقی یا پدری بھائی، حقیقی یا پدری بھائی کا بیٹا، حقیقی یا پدری چچا، چچوں کا

بیٹا، خواہ اوپر کے چچے ہوں یا نیچے کے جیسا کہ باپ کے چچے اور دادا کے چچے، اور پھر خزانہ عامرہ۔

دفعہ ۱۱۵ - عصبہ بنفسہ کے متعدد مراتب ہیں - اور ہر مرتبہ دوسرے سے مقدم ہے - جو یہ ہیں :-

(۱) بنوۃ (بیٹا ہونا)، (۲) ابوۃ (باپ ہونا)، اور (۳) دادے اور بھائی، یہ سب ایک درجہ کے ہیں، (۴) پھر بھائیوں کی ذکور اولاد، (۵) پھر پھوپھیاں اور ان کے بیٹے، یہ بھی سب ایک درجہ کے ہیں البتہ قرب کا اعتبار ہوگا، اور (۶) پھر خزانہ عامرہ۔

دفعہ ۱۱۶ - جو مرتبہ میں مقدم ہے وہ وراثت پانے میں مقدم ہوگا۔

دفعہ ۱۱۷ - جب کہ یہ مرتبہ میں متحد ہوں اور درجہ میں مختلف تو قریب تر درجہ کو بعید پر مقدم کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱۸ - جب کہ مرتبہ اور درجہ دونوں میں متحد ہوں اور قرابت کی قوت میں مختلف تو قوی کو ضعیف پر مقدم کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱۹ - ہر وہ عورت جس کو مرد اپنے ساتھ کی وجہ سے عصبہ کردے وہ عصبہ بغیرہ کہلاتی ہے، یہ چار عورتیں ہیں :-

(۱) بیٹی، (۲) پوتی، (۳) حقیقی ہم شیرہ، اور (۴) پدری ہم شیرہ۔ بیٹی کو بیٹا عصبہ کردے گا یعنی اس کا بھائی، اور اس کے چچا کا بیٹا جب کہ وہ درجہ میں بیٹی کے مساوی ہو بغیر کسی شرط کے، نیز جب کہ نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو بشرطے کہ اس کو دو تہائی میں کوئی دخل نہ ہو، اور حقیقی یا پدری ہم شیرگان کو ان کے بھائی عصبہ کر دین گے۔ اگر جد موجود ہو تو وہ ان کے ایک بھائی کے مثل ہوگا۔

دفعہ ۱۲۰ - جس عورت کا فرض حصہ نہ ہو اور اس کا بھائی عصبہ ہو یہ اپنے اس بھائی کے ساتھ عصبہ نہ ہو سکے گی جیسا کہ پھوپھی کے ساتھ

چچا موجود ہو یا چچا کی بیٹی کے ساتھ چچا کا بیٹا موجود ہو یا بھائی کی بیٹی کے ساتھ بھائی کا بیٹا موجود ہو، چنانچہ ترکہ کا مال محض عصبہ کا ہوگا ہمیشہ کو کچھ نہ ملے گا۔

دفعہ ۱۲۱ - ہر وہ عورت جو کسی عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جائے عصبہ مع الغیر کہلاتی ہے، یہ دو عورتیں ہیں :-

(۱) حقیقی ہمیشہ بیٹی یا چند بیٹیوں تک کے ساتھ، یا پوتی و چند پوتیوں کے ساتھ، اور

(۲) مادری ہمیشہ بیٹی یا چند بیٹیوں کے ساتھ، پوتی اور چند پوتیوں کے ساتھ۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۴۵ - عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں :

(۱) عصبہ بالنفس، (۲) عصبہ بالغیر، اور (۳) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۲۴۶ - عصبہ بالنفس کے استحقاق کی چار جہتیں ہیں، جن میں سے بعض، بعض پر مقدم ہیں - ترتیب حسب ذیل ہے :-

(۱) بنوۃ، (اولاد ہونا) جس میں بیٹا، پوتا نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے۔

(۲) ابوۃ (باپ ہونا) اس میں میت کا باپ، عصبی دادا، اوپر تک کا سلسلہ شامل ہے۔

(۳) اخوت (بھائی ہونا) اس میں حقیقی اور پدری بھائی اور ان کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے۔

(۴) عموۃ (چچا ہونا) اس میں میت کے چچے حقیقی یا پدری اور میت کے باپ کے چچے اسی طرح کے اور عصبی جد کے چچے اوپر تک کا سلسلہ اور ان سب کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے۔

دفعہ ۲۴۷ - (۱) جب کہ عصبہ بالنفس جہت میں متحد ہوں تو ان میں جو میت سے درجے میں قریب تر ہوگا وراثت میں مقدم ہوگا۔

(۲) جب کہ جہت اور درجہ دونوں میں متحد ہوں تو تقدیم قوت کی بنیاد پر ہوگی۔ لہذا جس کی قرابت ماں باپ دونوں جانب سے ہوگی وہ اس پر مقدم ہوگا جس کی قرابت محض باپ کے ذریعہ ہوگی۔

(۳) اور جب کہ جہت، درجہ، قوت قرابت تمام میں متحد ہوں تو اب وراثت کا مال تمام میں مساوی تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۴۸ - عصبہ بالغیر حسب ذیل ہیں :

(۱) بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں،

(۲) پوتیاں نیچے تک کا سلسلہ پوتوں کے ساتھ ایک درجہ میں ہوں یا پوتے نیچے کے سلسلے کے جب کہ یہ اس کے لئے وراثت کا سبب ہوتے ہوں۔ ان کے بغیر وراثت نہ ملتی ہو۔

(۳) حقیقی ہم شیرین حقیقی بھائیوں کے ساتھ، پدری ہم شیرین، پدری بھائیوں کے ساتھ اور اس وقت تقسیم ترکہ ان کے درمیان "لذاکر مثل حظ الانثیین" کے قاعدہ پر ہوگی۔

دفعہ ۲۴۹ - عصبہ مع الغیر، حسب ذیل ہیں :-

(۱) حقیقی ہم شیرین یا پدری ہم شیرین جب کہ میت کی بیٹیوں یا نیچے تک کی پوتیوں میں سے کسی کے ہمراہ ہو۔ اب ان کو فرض حصہ کے بعد بقیہ ترکہ ملے گا۔

(۲) اس حالت میں حقیقی ہم شیرین، حقیقی بھائیوں کے مثل اور پدری ہم شیرین پدری بھائیوں کے مثل ہوں گی اور ان تمام کا حکم باقی عصبات کی نسبت سے تقدیم کے سلسلہ میں جہت، درجہ، اور قوت قرابت کے لحاظ سے ہوگا۔

دفعہ ۲۵۰۔ جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کر لے گا۔

دفعہ ۲۵۱۔ (۱) جب کہ جد عصبی خصوصی طور پر حقیقی یا پدری بھائیوں کے ساتھ جمع ہو خواہ یہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں مخلوط تو جد کو تمام ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو حصہ افضل ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۲) اور جب کہ حقیقی اور پدری ہر دو قسم کے بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو کل ترکہ کا ایک تہائی یا دفعہ ۲۵۰ جو آئندہ آنے والی ہے اس کے طریقہ مقاسمہ کے مطابق جو افضل حصہ ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۳) اور جب جد ذوی الفروض اور بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کو تمام مال کے چھٹے یا ذوی الفروض کے حصوں کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی یا بھائیوں کے درجہ کے حصہ کی تقسیم کے مطابق سے جو افضل ہو دیا جائے گا۔

رد علی ذوی الفروض

۲۸۳۔ ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد کوئی عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں، باقی ماندہ ترکہ زوجین کو چھوڑ کر دیگر ذوی الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرنے کا عمل ”رد علی ذوی الفروض“ کہلاتا ہے۔ مگر لازم ہوگا کہ زوجین کو صرف اسی صورت میں اس قاعدہ سے خارج کیا جائے جب کہ بیت المال منتظم ہو۔

رد علی
ذوی الفروض

تشریح

ترتیب استحقاق کے لحاظ سے حنفی مسلک کے بموجب ذوی الفروض اور عصبات (نسبی و سببی) کی میراث کے بعد رد علی ذوی الفروض کا نمبر آتا ہے۔ رد کے لفظی معنی ”لوٹانے“ کے ہیں۔ میراث میں یہ عول کی ضد ہے۔ عول

کے ذریعہ ، ذوی الفروض کے حصے کم ہو جاتے ہیں۔ جب کہ رد کے ذریعہ حصے بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ ذوی الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ ترکہ بچ رہے اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ ذوی الفروض پر ان کے حصص کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کے عمل کو علم میراث کی اصطلاح میں ”رد“ کہتے ہیں۔

رد کا اصول:

رد کا اصول قرآن پاک یا حدیث صریح پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد فقہاء صحابہ کے اجتہاد پر ہے۔ ائمہ احناف کے نزدیک عصبات نسبی کی عدم موجودگی اور ترکہ باقی رہنے کی صورت میں اگر ذوی الفروض ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد تناسب کے لحاظ سے وہ باقی ترکہ بھی انہیں پھر تقسیم کر دیا جائے گا اگر ذی فروض صرف شوہر یا زوجہ ہو تو بچا ہوا مال اسی کو ملے گا بشرطے کہ عصبات نسبی (یا سببی) یا ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو، ورنہ ایسی صورت میں جب کہ ذوی الفروض و عصبات موجود نہ ہوں تو ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا۔ کیونکہ احناف کے نزدیک رد صرف ذوی الفروض نسبی پر کیا جاتا ہے۔ ذوی الفروض سببی (زوجین) پر رد نہیں ہوتا، کیونکہ مقررہ حصے لینے کے بعد حصہ لینے کے واسطے ان کی قرابت باقی نہیں رہتی، الا یہ کہ ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ (۱۵۵)

جمہور صحابہ کا یہی مسلک بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت علی کا بیٹی یہی مسلک ہے، البتہ حضرت زید بن ثابت کے نزدیک ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بقیہ ترکہ ان پر رد نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ بیت المال کی ملکیت ہوگا۔ عروہ، امام زہری، امام مالک، اور امام شافعی بھی زید بن ثابت کے قول کے اتباع میں رد کے قائل نہیں ہیں شافعی مسلک کے اکثر اصحاب کے نزدیک اگر بیت المال منتظم نہ ہو تو فاضل ترکہ

(۱۵۵) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۷۷

الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۹

ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیا جائے گا، ورنہ بیت المال کا حق ہوگا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ زوجین اور دادی پر رد نہیں کیا جائے گا لیکن حضرت عثمان کے نزدیک زوجین پر بھی رد کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اس کی بنیاد ”ان الغنم بالغرم“ (زیادتی کے ساتھ کمی ہے) پر ہے یعنی جس طرح عول کے ذریعہ زوجین کے حصہ میں بھی کمی ہوجاتی ہے اسی طرح وہ زیادتی کے بھی مستحق ہیں۔

مخالفین رد کے دلائل :

جو اصحاب رد کے مخالف ہیں وہ اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذوی الفروض کے حصے صریح طور پر مقرر فرما دیئے ہیں۔ لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے حصوں میں اضافہ کرے۔ ان کے معین حصے دینے کے بعد جو مال بچ رہے وہ اس کے مستحق قرار نہیں دیئے جا سکتے اور بقیہ ترکہ بیت المال کا حق ہوگا۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ کوئی شخص مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا کل ترکہ بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔ جزو کا اعتبار کل پر کیا جائے گا یعنی جو حکم کل کا ہے وہی حکم جزو کا بھی ہوگا۔

قائلین رد (احناف) کے دلائل :

جو اصحاب رد کے قائل ہیں وہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ”اولوالارحام بعضهم اولیٰ ببعض“، یعنی بعض اولوالارحام بسبب رحم کے دوسرے اولوالارحام پر حق میں اولیٰ ہیں۔ چنانچہ یہ آیت اولوالارحام کے بسبب رحم ان کے کل میراث لینے کے استحقاق پر دلالت کرتی ہے۔ نیز آیت سوارث ان میں سے ہر ایک کے واسطے ترکہ میں سے ایک معین حصے کو بطور استحقاق ثابت کرتی ہے۔ لہذا دونوں آیتوں پر ختی الامکان عمل کیا جائے گا۔ اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ پہلے آیت سوارث کے مطابق ان کے معین حصے دے دیئے جائیں اور

کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ”بسبب رحم“ ان کو اس آیت کی بناء پر بقیہ ترکہ کا مستحق قرار دیا جائے اور اسی بناء پر زوجین پر رد نہیں کیا جاتا، کیونکہ ان کے درمیان حقیقی رحم کا تعلق نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ رد کے قائلین عمرو ابن شعیب کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ایک عورت نے جس کے شوہر نے اس سے لعان کیا تھا، بچہ جنا۔ جس کا نسب ماں سے ثابت ہوا۔ جب اس کا بیٹا مرا تو اس نے اپنی ملامتہ ماں کے سوا کسی وارث کو نہ چھوڑا۔ حضور (صلعم) نے اس بیٹے کے کل ترکہ کا وارث ماں کو قرار دیا۔ (۱۵۶) حضور (صلعم) کے ملامتہ عورت کے حق میں کل ترکہ دئے جانے کا حکم رد کے اصول پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ماں کا حصہ ایسی صورت میں از روئے قرآن ایک تہائی مقرر ہے۔ اس لئے ماسوائے رد کے وہ کل ترکہ کی مالک کس طرح قرار پاسکتی تھی! (۱۵۷)

اس کے علاوہ وائلہ ابن اسقع ” کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور (صلعم) نے فرمایا کہ عورت اپنے ”لقیطہ“ (وہ بچہ جو راستے میں پڑا مل جائے اور عورت اس کو پال لے) اور ”عتیق“ (وہ غلام جس کو عورت آزاد کیا ہو) اور ایسے بیٹے کی جس کے نسب سے بذریعہ لعان باپ نے انکار کیا ہو کل ترکہ کی وارث ہوگی۔ (۱۵۸)

امام سرخسی نے اس مسئلے پر خاصی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ”حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب ترکہ کا مال اصحاب فرائض میں ان کے مقررہ حصص تقسیم

(۱۵۶) سنن ابو داؤد، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۰۳: ”قال جعل رسول الله صلعم ميراث ابن الملامتہ لامہ ولورثتها من بعدھا،“

(۱۵۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۷۵-۷۴ العبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۹۲

(۱۵۸) سنن ابو داؤد، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۰۳: ”عن وائلہ بن الاسقع عن النبی صلعم قال المرأة تعوز ثلث موارث عتیقہا و لقیطہا و ولدھا الذی لاعت علیہ،“

کرنے کے بعد باقی رہے اور میت کا کسی طرح کا کوئی عصبہ موجود نہ ہو، تو شوہر اور زوجہ کو چھوڑ کر باقی مال اصحاب فروض پر ان کے حصوں کے بقدر لوٹا دیا جائے گا۔ ہمارے (حنفی) علماء نے یہی مذہب پسند فرمایا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شوہر اور زوجہ پر بھی دیگر اصحاب فرائض کے مانند رد کرنے کے قائل ہیں، چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جس طرح دیگر اہل فرائض کو بطور رد دیا جاتا ہے ان کو بھی اسی طرح دیا جائے گا۔ یہی قول حضرت جابر بن یزید رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ چھ نفر کے ماسوا دیگر صاحبان فرائض پر رد کیا جائے گا اور یہ چھ نفر حسب ذیل ہیں :-

” (۱) شوہر، (۲) زوجہ، (۳) میت کی بیٹی کے ساتھ جب پوتی ہو، (۴) حقیقی ہم شیرہ کے ساتھ جب پدری (علاتی) ہم شیرہ ہو، (۵) ماں کے ساتھ جب اس کی اولاد بھی ہو، اور (۶) دادی جب کسی حصے دار کے ساتھ ہو۔“

امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی یہی ہے۔

حضرت زید بن ثابت کا قول یہ ہے کہ اصحاب فرائض جب اپنا پورا پورا حصہ لے لیں تو ان سے بیچا ہوا مال کسی کی طرف رد نہ کیا جائے بلکہ وہ بیت المال کا حق ہوگا اور اس میں داخل کر دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق منقول ہے اور اسی کو حضرت امام شافعی نے اختیار کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس کا اصل قول یہ ہے کہ شوہر، زوجہ اور دادی کے ماسوا دوسرے اصحاب فرائض پر رد کیا جائے گا۔ (۱۰۹)

رد کی بنیاد:

جیسا کہ مندرجہ بالا مباحث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ احناف اس

(۱۰۹) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۹۳-۹۲
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۹

مسئلہ کو ذوی الارحام کے مسئلے کی بنیاد پر قیاس کرتے ہیں اور چون کہ رد رحم کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے جن لوگوں کا میت سے رحمی تعلق نہیں ہے ان پر رد نہیں کیا جاتا۔ اسی بناء پر شوہر اور زوجہ پر رد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ ذی رحم (حقیقی) نہیں ہوتے۔

میراث کا استحقاق رحم سے قائم ہوتا ہے اور چونکہ احناف کے نزدیک مستحقین وراثت میں ذوی الارحام بیت المال پر مقدم ہوتے ہیں اسی طرح ذوی الفروض (علاوہ زوجین) بقیہ ترکہ میں رحم کے سبب بیت المال پر مقدم ہوں گے۔

مالکیہ :

مالکی مذہب میں رد جائز نہیں۔ چنانچہ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ بیت المال کی ملکیت ہوگا، خواہ بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم۔ ذوی الارحام کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ لیکن متاخرین فقہاء مالکیہ کے نقطہ نظر کے مطابق بیت المال کے منتظم نہ ہونے کی صورت میں ذوی الفروض پر رد جائز ہوگا۔ (۱۶۰)

شافعیہ :

امام شافعی کے نزدیک ذوی الارحام کسی ترکہ کے مستحق نہیں ہوتے۔ بقیہ ترکہ بیت المال میں دے دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک جس طرح ذوی الفروض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال کی ملکیت قرار پاتا ہے اسی طرح عصبات کی غیر موجودگی میں ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بقیہ ترکہ بیت المال کی ملکیت قرار پائے گا، گویا کہ کوئی ایسا صاحب فرض موجود نہیں جس کو مقررہ حصہ نہ مل چکا ہو۔ چنانچہ علماء شافعیہ کے نزدیک ذوی الفروض کو دینے کے بعد اگر کچھ ترکہ باقی رہے، درآن حالے کہ عصبات موجود نہ ہوں تو باقی ترکہ بیت المال کی

(۱۶۰) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الآبی بحولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲۲

شرح الکبیر مع حاشیہ دسوتی، مطبوعہ مصر، ۱۹۱۱ء، ج ۳، ص ۳۸۱

دایۃ المعتمد، ابن رشد، بحولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۲

ملکیت ہوگا، بشرطے کہ امام عادل کے قبضہ میں ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو تو بقول صاحب مہذب شافعیہ اہل تنزیل (۱۶۱) کے وہ ترکہ ذوی الفروض نسبی پر ماسوائے زوجین کے ان کے حصوں کے تناسب سے رد کیا جائے گا، اگر ذوی الفروض نسبی نہ ہوں تو (بشرط عدم انتظام بیت المال) ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن شافعیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جاسکتا بقیہ ترکہ بیت المال کا حق ہوگا (جو عام مسلمین کی بہبود پر صرف کیا جائے گا)۔ اگر بیت المال منتظم نہ ہو تب بھی ذوی الفروض پر رد نہ کیا جائے گا کیونکہ مسلمین کبھی معدوم نہیں ہوتے بلکہ جس وارث کے قبضہ میں مال ہوگا وہ خود مصالح عامہ پر صرف کرنے گا۔ (۱۶۲)

محاکمہ :

منجملہ امام مالک و امام شافعی، جو اصحاب رد کے قائل نہیں ہیں ان کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی الفروض کے حصے قرآن پاک میں مقرر فرمادئے ہیں اور چونکہ ان کے حصے صریح نص کے ذریعہ مقرر ہیں اس لئے ان پر زیادتی ممنوع ہوگی، کیونکہ ان میں زیادتی کرنا حد شرعی سے تجاوز کرنا متصور ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد شرعی میں تجاوز کرنے والے کے حق میں سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود آیت سواریت کے آخر میں فرمایا ہے ”ومن یعص الله ورسوله ویتعد حدوده یدخلہ ناراً خالداً فیہا، ولہ عذاب مہین“۔ (۱۶۳) ”کہ وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں داخل کرے گا اور اس کے واسطے ذلت آمیز عذاب ہے۔“ چنانچہ رد کا طریقہ اختیار کرنے میں حد سے

(۱۶۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ میں دو گروہ تھے جن میں سے ایک گروہ باوجود شافعی ہونے کے ”اہل تنزیل“ کہلاتا تھا جس کو دوسرے لفظوں میں ”اہل قرآن“ کہا جا سکتا ہے۔ (مؤلف)

(۱۶۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الآبی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۲ احکام الترتکات و الموارث، (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۲۵۰

المہذب (فقہ شافعی)، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲

(۱۶۳) کتاب الام، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ء، ج ۳، ص ۷۶

۳ : ۱۴ (النساء) م

تجاوز کرنا لازم آجاتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تجاوز کہہ کر نافرمانی کرنے والے کو وعید (عذاب) کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

مخالفین رد کی جانب سے رد کے ابطال میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ رد کی بنیاد تین امور پر ہو سکتی ہے۔ ایک فرضیت، دوسرے عصوت اور تیسرے رحم۔ رد کے ذریعہ ذوی الفروض کو بقیہ ترکہ دینا بہ اعتبار فرضیت کے نہیں ہو سکتا، کیونکہ رد کے قائلین زوجین پر رد نہیں کرتے، حالانکہ اگر رد کے ذریعہ ورثہ پانے کی بنیاد فرضیت پر قائم ہوتی تو شوہر اور زوجہ جو ذوی الفروض ہیں ان کو محروم نہ کیا جاتا۔ دوسرے یہ کہ ہر ذی فرض کو اس کا حصہ جو قرآن میں مقرر ہے مل چکا ہے۔ اس لیے فرضیت کے سبب بقیہ ترکہ دینا رد کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح، عصوت بھی رد کی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس بنیاد پر ”الاقرب فالاقرب“ کا اصول اختیار کرنا پڑے گا اور رد میں یہ اصول اختیار نہیں کیا جاتا۔ یعنی عصوت کے اعتبار سے جو وارث رشتے میں زیادہ قریب ہوتا ہے وہ دور کا رشتہ رکھنے والے کے مقابلے میں وراثت کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ لیکن رد میں اقرب کو مقدم نہیں کیا جاتا، بلکہ بقیہ ترکہ صرف نسبی ذوی الفروض میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ذوی الفروض کی بنیاد عصوت پر نہیں ہے۔

اسی طرح ورثے میں رحم کے ذریعہ جو استحقاق ہوتا ہے وہ بھی حقیقت میں عصوت کے سبب ہوتا ہے اور اسی بناء پر اس میں اقرب مقدم ہوتا ہے۔ جس کا لحاظ رد میں نہیں کیا جاتا۔ لہذا مخالفین رد کے نزدیک رد کی مذکورہ بالا تینوں بنیادیں غیر صحیح قرار پائیں۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رحمی رشتہ کے اعتبار سے رد کرنا اور مستحق ہونا ایسا ہی ہے جیسے کہ عصوت کے اعتبار سے ہو۔ لہذا اس رشتہ سے استحقاق در حقیقت عصوت کی بناء پر متصور ہوگا۔ اسی بناء پر زوج اور زوجہ پر رد نہ ہو سکے گا (کیونکہ یہ باہم عصبہ نہیں ہیں)۔ عصوت

قربت یا اس کے مشابہ تعلق سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ولاء قربت کے مشابہ ہے اور زوجیت میں یہ صفت موجود نہیں ہوتی، اس لئے اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو زوجیت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، بخلاف عصوت کے کہ وہ بدستور قائم رہتی ہے۔ چونکہ ان کا صاحب فرض ہونا قرآنی نص سے ثابت ہے اس لیے اس کے مطابق عمل کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن نص قرآنی کے ماسوا دیگر محل میں ذوی الفروض کا استحقاق ثابت نہ ہوگا، کیونکہ استحقاق کا سبب دوسرے محل پر موجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح میت کی بیٹی کے موجود ہوتے ہوئے نواسی پر رد نہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ رد کے موقعہ پر ایسی ہوں گی جیسے کہ بیٹے کے ساتھ پوتا موجود ہو، چنانچہ اقرب کو ابعد پر مقدم کیا جائے گا۔ اسی طرح حقیقی ہم شیرہ کے ہوتے ہوئے پدری (علاتی) ہم شیرہ پر رد نہ ہوگا، کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے حقیقی بھائی کے ساتھ پدری (علاتی) بھائی موجود ہو نیز ماں کے ساتھ اگر اس کی اولاد موجود ہو تو اولاد پر رد نہ ہوگا۔ الغرض رد کے ذریعہ اصحاب فروض کو بقیہ ترکہ دینا حضرت ابن مسعود کے نزدیک باطل قرار پایا۔

امام سرخسی نے مخالفین رد کے مندرجہ بالا دلائل کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ علمائے احناف اللہ تعالیٰ کے قول ”واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض“ سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں کہ بعض (قربت دار) دوسروں کے مقابلہ میں بسبب رحم کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ یہ آیت رحم کے سبب ان میں سے ہر ایک کے لیے کل میراث کا استحقاق ثابت کرتی ہے۔ اور آیت موارثت جس میں اللہ تعالیٰ نے ذوی الفروض کے حصے مقرر فرمائے ہیں۔ اس کے ذریعہ ہر ایک کے واسطے مال میں سے ایک معلوم حصے کا استحقاق ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان کے حصوں کا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے اس لئے علماء احناف عصبہ نہ ہونے کی صورت میں دونوں آیتوں پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ پہلے صاحب فرض کو اس کا مقررہ حصہ دے دیتے ہیں۔ پھر جو بچتا ہے اس کو ذوی الفروض میں رحمی تعلق کے سبب سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

یہ کہنا کہ ذوی الفروض پر رد کے ذریعہ بقیہ ترکہ دینا حد شرعی سے تجاوز کرنا ہے، غلط ہوگا۔ کیونکہ جس طرح عول کے ذریعہ مقررہ حصوں میں کمی کی جاتی ہے جو اجماع سے ثابت ہے، اسی طرح مقررہ حصوں میں زیادتی بھی ہو سکتی ہے۔

حنبلی مسلک :

حنبلی مسلک اصح قول کے بموجب حنفی مسلک کے مطابق ہے۔ (۱۶۳)

زوجین پر رد نہ کرنے کا حکم اور اس کی بنیاد :

جہاں تک زوجین پر رد نہ کرنے کے مسئلے کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے کہ متقدمین حنفیہ کے قول کے مطابق زوجین محض اپنے معین حصہ ہی کے مستحق ہیں، بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم۔ لیکن متاخرین حنفیہ کا فتویٰ اس پر ہے کہ زوجین پر رد نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ بیت المال کے انتظام میں کسی طرح کا فتور اور خلل نہ ہو اور اس کے مصارف شرعی طور پر معین ہوں۔ اگر بیت المال منتظم نہیں تو دیگر وراثاء بشمول ذوی الارحام نہ ہونے کی صورت میں بقیہ مال زوجین میں سے جو موجود ہو اس پر رد کیا جائے گا۔

زوجین پر رد نہ کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ رد کا سبب ایسی قرابت ہے جو رحم کے سبب قائم ہو۔ شوہر یا بیوی (جیسی بھی صورت ہو) میں موت کی وجہ سے ان کی باہم قرابت باقی نہیں رہتی اور نہ ان کے درمیان قرابت بذریعہ رحم قائم ہوتی ہے بلکہ جو قرابت ان کے درمیان قائم ہوتی ہے وہ نکاح کے سبب سے ہوتی ہے جو موت کے ذریعہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے مقررہ حصہ دینے کے بعد کوئی ایسی وجہ بر بنا، قرابت باقی نہیں رہتی جو رد کے ذریعہ بقیہ ترکہ میں زائد حصہ دئے جانے کا شرعی سبب بن سکے، البتہ اگر ان کے

(۱۶۳) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۰۱

المقنع، عبد اللہ ابن احمد المقدسی، مطبعة السلفیہ، ج ۲، ص ۲۲۳

درمیان زوجیت کے علاوہ کسی دیگر سبب سے نسبی قرابت پائی جاتی ہو تو اس قرابت کی وجہ سے ان پر رد کیا جاسکے گا۔

متاخرین حنفیہ کا فتویٰ :

علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ و النظائر میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں زوجین میں سے کسی ایک کا مقررہ حصہ دے کر جو ترکہ بیچ رہے، وہ اسی پر رد کر دیا جائے گا (جب کہ کوئی دوسرا ذی فرض یا عصبہ موجود نہ ہو)۔ (۱۶۵)

صاحب رد المحتار نے امام غزالی کی تصنیف ”المستصفیٰ“ سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ مستحقین میراث نہ ہونے کی صورت میں زوجین پر رد جائز ہے۔ نیز محقق احمد بن یحییٰ بن سعد تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ بہت سے متاخرین مشائخ نے زوجین پر رد کرنے کا فتویٰ دیا ہے، جب کہ ان کے علاوہ میت کا کوئی وارث موجود نہ ہو، کیوں کہ اولی الامر میں دینی فساد پیدا ہو گیا ہے اور حاکم ظالم ہو چلے ہیں۔ (یہی معنی بیت المال کے غیر منتظم ہونے کے ہیں)۔ اس کو متاخرین شافعیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ صاحب رد المحتار نے درالمنتقی کی عبارت اس کے خلاف نقل کرتے ہوئے بذات خود اس کی تردید کی ہے اور امام غزالی کے قول کو پسند کیا ہے کہ اقرباء اصلاً موجود نہ ہونے کی صورت میں زوجین پر رد کرنا جائز ہے۔ (۱۶۶)

چنانچہ مقدسین حنفیہ کا قول ”کہ زوجین اپنے معین حصے ہی کے مستحق ہیں، خواہ بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم“، دور حاضر میں مفتی بہ نہ رہا بلکہ متاخرین کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ زوجین پر رد نہ ہونا اس شرط پر ہے کہ بیت المال کے انتظام میں کسی طرح کا فتور اور خلل نہ ہو، یعنی اس کے مصارف شعبی طور پر متعین ہوں چنانچہ اگر بیت المال منتظم نہیں تو دیگر ورثاء (بشمول ذوی الارحام) کے نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ زوجین پر رد کیا جائے گا۔

(۱۶۵) الاشباہ، ابن نجیم، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۶۸ء، ص ۲۹۷

(۱۶۶) رد المحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۵۶

متاخرین کے فتوے کے بموجب ایسے ممالک میں جہاں سرے سے شرعی بیت المال کا کوئی نظام ہی نہیں یا شرعی بیت المال منتظم نہیں وہاں زوجین پر رد کیا جانا انسب اور اصح معلوم ہوتا ہے اور اسی پر عمل کیا جانا چاہئے۔

شیعی مسلک :

شیعہ زیدیہ و اسمیہ فقہاء بھی رد کے قائل ہیں ، لیکن زوجین میں سے بیوی پر تو کسی حال میں بھی رد کے قائل نہیں اور شوہر پر رد کے صرف اس صورت میں قائل ہیں جب کوئی اور ذی فرض وارث موجود نہ ہو۔ چنانچہ اگر تنہا شوہر وارث ہو تو اس کو اس کا مقررہ حصہ (نصف) دے کر باقی نصف رد علی ذوی الفروض کے قاعدے سے ملے گا۔ لیکن بہ موجودگی دیگر ورثاء شوہر یا زوجہ کسی بھی حالت میں رد سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ البتہ اگر میت کے شوہر کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو تو وہ شوہر اپنا حصہ میراث کے علاوہ ما بقی اصول رد کے ذریعہ حاصل کرے گا لیکن میت کی وارث اگر صرف زوجہ ہو تو ان کا اجماعی نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ صرف اپنا چوتھائی حصہ حاصل کریگی ما بقی امام یا حکومت کو ملے گا، زوجہ کی طرف کبھی رد نہ ہوگا۔ (۱۶۷)

محقق الحلّی نے لکھا ہے کہ زوجہ کے حق میں رد کے سلسلہ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس پر رد کیا جائے گا، دوسرا یہ کہ رد نہیں کیا جائے گا اور تیسرا یہ کہ اس کے حق میں عدم امام کی صورت میں رد کر دیا جائے گا، علامہ الحلّی کے نزدیک حق یہ ہے کہ زوجہ پر رد نہ کیا جائے۔ (۱۶۸)

جسٹس امیر علی نے اپنی کتاب محمدن لاء میں لکھا ہے کہ عہد حاضر میں امام کا قائم مقام کوئی نہیں ہے جو بقیہ ترکہ حاصل کر سکے اس لیے

(۱۶۷) مفتاح الکرامۃ شرح قواعد العلامہ، جواد بن محمد بن حسین العاملی، مطبوعہ مصر،

۱۳۲۶ھ ج ۸، ص ۱۱۳

الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۱۹

(۱۶۸) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلّی، محولہ بالا، القسم الرابع، المجلد الثانی، ص ۱۸۳

شرائع اسلام میں جو قاعدہ لکھا ہے وہ ختم ہو چکا ہے۔ آج کل جدید ماہرین قانون بقیہ حصہ بھی زوجہ کو بذریعہ رد دینے کے حق میں ہیں۔ (۱۶۹) ایران کے موجودہ قانون کے تحت بھی یہی صورت ہے۔ چنانچہ اگر صرف زوجہ موجود ہو اور کوئی ذی فرض یا عصبہ وارث نہ ہو تو زوجہ کل ترکہ کی مستحق ہوگی۔ (۱۷۰)

شیعی مسلک کے مطابق میت کے وراثہ میں باپ اور بیٹی کے علاوہ دو یا زائد حقیقی یا علاتی بھائی یا ایک ایسا بھائی اور دو ایسی بہنیں یا چار ایسی بہنیں ہوں تو بھائی بہن اگرچہ طبقہ دویم کے وارث ہونے کی وجہ سے خود محروم ہوں، لیکن ماں کو بھی رد کے استفادہ سے محروم کر دیتے ہیں، چنانچہ ایسی صورت میں حسب تناسب صرف باپ اور بیٹی کو ملے گا۔ ماں ہمیشہ ذی فرض ہی رہتی ہے اس پر ما بقیہ رد نہیں کیا جاتا۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ مسئلہ شیعہ فرقہ میں رد سے متعلق ہی نہیں ہے اور ماں کے استحقاق یا عدم استحقاق یا رد کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مسئلہ مذکورہ میں بیٹی بحیثیت ذوی الفروض لے کر بقیہ باب بحیثیت عصبہ لے لے گا اور رد کے لئے کچھ نہ بچے گا۔

اسی طرح شیعی فقہ میں اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ جب حقیقی بہنیں بھی موجود ہوں تو انہیں بھی رد میں کوئی حصہ نہیں ملتا بلکہ کل بقیہ اخیافی بہنوں کی طرف رد ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ صاحب شرائع الاسلام کے نزدیک اخیافی بہن رد سے کلیتاً محروم ہے لیکن صاحب کافی کے نزدیک رد کا حصہ انہیں بھی پہنچتا ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک اس مسئلہ میں بھی رد کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اگر حقیقی بہنیں اور اخیافی بہنیں موجود ہیں پھر یہ مسئلہ کلانہ

(۱۶۹) محمدن لاء، امیر علی، سید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۵ء، ج ۲، ص ۱۲۳
(۱۷۰) قانون الایرانی راجع المیراث عند الجعفریة، ابوزہرہ، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۹ء، دفعہ

کے سبب اخیافی بہنوں کو ایک تہائی اور حقیقی بہائی بہنوں کو دو تہائی ترکہ دیکر ختم ہو جاتا ہے۔

ظاہریہ مسلک :

امام ابن حزم الظاہری نے اپنی کتاب ”المحلی“ میں لکھا ہے کہ جب ترکہ ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بچ رہے اور کوئی دیگر مستحق موجود نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی مصالح پر صرف کیا جاسکے گا (کیونکہ ایسا کرنا) قرآن و سنت اور اجماع کے تحت واجب نہیں ہے البتہ دیگر ذوی الارحام محتاج و تنگ دست ہوں تو ان کو ان کی ضرورت کے مطابق دے کر باقی مصالح مسلمین میں صرف کیا جائے گا۔ امام ابن حزم کے دلائل بھی امام شافعی کے قریب قریب ہیں۔ (۱۷۱)

نتیجہ فکر :

ہمارے نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے خلاف، ذی فرض سے ترکہ بچ رہنے اور کسی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں، رد کیا جانا کسی وعید کا موجب نہیں ہوسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت سوارث کے بعد اس کی خلاف ورزی اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کا مستحق ٹھہرایا ہے، لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جن قرابت داروں کے حق میں جو حصے قرآن کے ذریعہ مقرر کردیے گئے ہیں ان حصوں سے ان قرابت داروں کو ہر گز محروم نہ کیا جائے۔ لہذا اصحاب فرائض کو ان کے حصے دے کر اگر عصبہ نہ ہوں تو بتیہ انہیں پر رد کردینا منشاء قرآنی کے خلاف نہیں ہے اور نہ اسے حد شرعی سے تجاوز کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ عصبہ کی غیر موجودگی میں اصحاب فرائض میت کے ذی رحم اقرب قرابت دار ہونے کی حیثیت سے بمقابلہ ذوی الارحام بیت المال کے زیادہ مستحق ہیں اور اس طرح آیت قرآن ”اولو الارحام بعضهم اولیٰ ببعض“ اور میراث کے اصول ”الاقرب

فا الاقرب،، پر عمل ہو جاتا ہے۔ تقریباً یہی بات امام سرخسی نے بھی کہی ہے۔ (۱۷۲)

عرب ممالک میں رد کا قانون :

مصر میں از روئے دفعہ ۳۰ قانون الموارث نمبر ۷۷، ۱۹۳۳ع قرار دیا گیا ہے کہ جب ترکہ ذوی الفروض کے مقررہ حصہ دینے کے بعد بیچ رہے اور کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو زوجین کو چھوڑ کر ذوی الفروض پر ان کے مقررہ حصوں کی نسبت سے رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی عصبہ نسبی یا ذی فرض نسبی یا ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو زوجین میں سے ایک پر (جو زندہ ہو) رد کیا جائے گا۔ (۱۷۳) ملک شام کا قانون بھی مصر کے مطابق ہے (۱۷۴) البتہ تیونس کے قانون التشریح میں اس کی کوئی صراحت نہیں پائی جاتی۔ مراکش کے قانون میں بھی اس سے متعلق کچھ نہ مل سکا۔ چونکہ مراکش میں مالکی مذہب معمول بہ ہے اور مالکی فقہ کی رو سے جائز نہیں، اس لیے مراکش میں رد کا قانون نہیں ہے۔ متعلقہ دفعات قانون حسب ذیل ہیں :-

مصری قانون :

دفعہ ۳۰۔ جب کہ ترکہ اصحاب فروض میں مستغرق نہ ہو اور کوئی عصبہ نسبی بھی موجود نہ ہو تو باقی ترکہ زوجین کے علاوہ دیگر اصحاب فروض پر ان کے مقررہ حصوں کے مطابق رد کر دیا جائے گا اور جس حالت میں کہ صاحبان فرض اور عصبہ نسبی کوئی بھی موجود نہ ہو اور نہ ذوی الارحام ہوں تو اب زوجین پر رد کیا جائے گا۔

(۱۷۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۹۴-۹۳

(۱۷۳) قانون الاحوال الشخصیہ، مصر، نمبر ۷۷، ۱۹۳۳ع، دفعہ ۳۰ :

”اذالم تستغرق الفروض التركة ولم يوجد عصبه من النسب رد الباقي على غير الزوجين اذالم يوجد عصبه من النسب رد احد اصحاب الفروض النسبية او احد ذوی الارحام۔“

(۱۷۴) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، ۱۹۵۳ع، دفعہ ۲۸۸

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۸ - (۱) جب کہ ترکہ صاحبان فرض کے حصص سے باقی رہا ہو، اور کوئی نسبی عصبہ موجود نہ ہو، تو زوجین کے علاوہ دیگر صاحبان فرض پر ان کے حصص کے مطابق بقیہ ترکہ رد کر دیا جائے گا۔

(۲) جب کہ میت کا کوئی عصبہ نسبی یا کوئی صاحب فرض نسبی یا ذوی الارحام سے کوئی وارث موجود نہ ہو، تو اب بقیہ ترکہ زوجین پر رد کر دیا جائے گا۔

ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر :

ہند و پاکستان کی عدالتوں نے رد کے مسئلے میں حنفی مسلک کی متابعت میں اپنے فیصلے دئے ہیں البتہ جب سوائے شوہر یا زوجہ کے کوئی وارث موجود نہ ہو تو رد کے ذریعہ ترکہ کا مستحق زوجہ یا شوہر (جو موجود ہو) کو قرار دیا ہے، کیونکہ بیت المال کا کوئی وجود نہ تھا۔ بمقدمہ گوجا دھر پرشاد بنام شیخ عبداللہ قرار دیا گیا کہ جب ذوی الفروض موجود ہوں مگر کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے بموجب ما سوائے زوجین کے رد کیا جائے گا نیز یہ کہ کسی ایسے شخص کی موجودگی، جو ذوی الارحام میں سے ہو، ذوی الفروض کے حق میں رد کی مانع نہ ہوگی۔ (۱۷۵)

بمقدمہ محمد ارشد چودھری بنام ساجدہ بانو قرار دیا گیا کہ ذوی الفروض اور ذوی الارحام کی غیر موجودگی میں بیوہ کو بقیہ ترکہ رد کیا جائے گا۔ (۱۷۶)

بمقدمہ کوناری بی بی بنام ولیم بی بی قرار دیا گیا کہ فی الاصل ایک بیوہ رد کے ذریعہ کسی حصے کی مستحق نہیں ہوتی لیکن اس کے حق میں خزانہ عامرہ کے خلاف یہ استثناء کیا گیا ہے کہ اگر ذوی الارحام بھی موجود

نہ ہوں تو وہ بقیہ ترکہ اس پر رد کیا جائے گا۔ (۱۷۷)

ایک اور مقدمہ بفاتن بنام قائم میں قرار دیا گیا کہ دوسرے نسبی ذوی الفروض اور ذوی الارحام کے نہ ہونے کی صورت میں وہ جائداد کسی مرد یا عورت نے چھوڑی ہو بیوی یا اس کے خاوند کو رد کے ذریعہ مل جاتی ہے۔ (۱۷۸)

۶۔ ذوی الارحام

۲۸۳ - میت کے وہ قرابت دار جو نہ ذوی الفروض ہیں، اور نہ عصبات، ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔

ذوی الارحام کی
تعریف

تشریح

”ذوی“ لفظ ”ذی“ کی جمع اور لفظ ”ارحام“ لفظ ”رحم“ کی جمع ہے۔ دونوں مل کر ”ذوی الارحام“ الفاظ ”ذی رحم“ کی جمع ہیں۔ جس کے لغوی معنی قرابت دار کے ہیں۔ علم المیراث کی اصطلاح میں ہر وہ قرابت دار ذی رحم کی تعریف میں شامل ہے جو نہ صاحب فرض ہو (جس کا حصہ قرآن پاک، سنت رسول یا اجماع امت سے مقرر شدہ ہے) اور نہ عصبہ ہو۔ (۱۷۹)

۲۸۵ - ذوی الفروض، عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد میراث کے مستحق ذوی الارحام ہوتے ہیں۔

ذوی الارحام کی
میراث

تشریح

احناف کے مسلک کے بموجب ذوی الفروض، عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد ذوی الارحام میراث پانے کے مستحق ہیں۔ (۱۸۰)

میت کے قرابت داروں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ذوی الفروض کا درجہ ہے جن کے حصے مقرر ہیں۔ اس کے بعد عصبات

(۱۷۷) 11-C, 14

(۱۷۸) 30-C, 683

(۱۷۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۰

(۱۸۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۷۰ - ۷۳

آتے ہیں جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد بقیہ ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں اور اگر کوئی ذی فرض نہ ہو تو کل ترکہ پانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ذوی الفروض اور عصبیات کے بعد تیسرا درجہ ذوی الارحام کا ہے۔ ”ذوی الارحام“ وہ اقارب ہیں جو نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبیات۔

یہی نقطہ نظر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا ہے۔ چنانچہ بمقدمہ عمر دین بنام محمد بخش قرار دیا گیا کہ اسلامی قانون میں ذوی الارحام کی اصطلاح میں وہ تمام خونی رشتے دار شامل ہیں، خواہ قریبی ہوں یا دور کے جو نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبیات۔ (۱۸۱)

چنانچہ ذوی الارحام میں وہ ورثاء شامل ہیں جو ذوی الفروض اور عصبیات کے علاوہ ہوں۔ احناف کے نزدیک اگر ذوی الفروض موجود نہ ہوں اور نہ عصبیات نسبی یا سببی تو ترکہ کے مستحق ذوی الارحام ہوں گے۔ شوہر یا زوجہ موجود ہوں تو ان کے حصص دینے کے بعد باقی ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک ذوی الارحام پر بیت المال مقدم ہے، بشرطے کہ منتظم ہو۔ (۱۸۲) چنانچہ ان کے نزدیک اگر بیت المال منتظم نہ ہو اور ذی الفروض یا عصبیات موجود نہ ہوں تو ذوی الارحام مستحق ہوں گے۔ یہی مسلک مالکیہ کا بھی ہے لیکن حنبلیہ کے نزدیک بیت المال کا کوئی حق نہیں۔ (۱۸۳)

احناف کے نزدیک ذوی الفروض اور عصبیات کے بعد ذوی الارحام کو مستحق قرار دینے کی بناء یہ ہے کہ وہ بہر حال میت کے قرابت دار ہیں۔ (۱۸۴) اس لیے ان کے نزدیک بیت المال کا درجہ سب سے آخر میں ہے اور راقم الحروف کے نزدیک یہی نقطہ نظر انسب ہے۔

(۱۸۱) 77 PLR 1904 27RP 1940

(۱۸۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵

المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۹۳ - ۹۲

(۱۸۳) المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۴۷

(۱۸۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵

بہر کیف مختلف صحابہ و تابعین و ائمہ مذاہب کے درمیان ذوی الارحام کی میراث کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۱۸۵) جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حنفی مسلک :

جمہور صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابو عبیدہ ابن الجراح، معاذ بن جبل، ابو الدرداء، ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ ذوی الارحام کی توریث کے قائل ہیں۔ تابعین میں علقمہ، ابراہیم نخعی، شریح، حسن بن زیاد، ابن سیرین، عطا اور مجاہد بھی اس کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ صاحبین، امام زفر اور دیگر حنفی ائمہ نے بھی مذکورہ صحابہ و تابعین کا مسلک اختیار کیا ہے۔ (۱۸۶)

حنبلہ :

حنبلہ ذوی الارحام کی میراث کے قائل ہیں۔ (۱۸۷)

مالکیہ و شافعیہ :

زید بن ثابت اور ایک شاذ روایت کے بموجب ابن عباس ذوی الارحام کی میراث کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک اصحاب فرائض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا۔ تابعین میں حسن، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی بھی ذوی الارحام کی عدم توریث کے قائل ہیں۔ (۱۸۸)

(۱۸۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲
 المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا ج ۷، ص ۲۲۹
 الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵
 رد المحتار، محمد امین ابن عابدین، (۱۲۵۶ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۵۶
 (۱۸۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶
 (۱۸۷) المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۸۳-۸۲
 (۱۸۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶

مخالفین میراث ذوی الارحام کے دلائل :

جو ائمہ فقہاء ذوی الارحام کی توریث کے قائل نہیں ہیں وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید میں دو دلیلیں پیش کرتے ہیں :-

۱۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آیات موارث میں ذوی الفروض اور اور عصباء کے حصوں کا ذکر کیا ہے، ذوی الارحام کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر ذوی الارحام کا کوئی حصہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بیان فرماتا۔

۲۔ دوسری دلیل حدیث رسول (صلعم) پر مبنی ہے وہ یہ کہ حضور (صلعم) سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ ان دونوں کے لیے کوئی حصہ نہیں۔“ (۱۸۹)

قائلین میراث ذوی الارحام کے دلائل :

ذوی الارحام کی توریث کے قائل حضرات اپنے دعوے کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ”واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض“ پیش کرتے ہیں۔ یعنی میراث لینے میں بعض قرابت داروں کو بعض پر ترجیح ہے۔ چنانچہ اس آیت سے ان کا یہ استدلال ہے کہ اس آیت کے نزول سے قبل وراثت، ”سواخات“ کے ذریعہ قائم ہوتی تھی۔ جس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ جو حقوق اس زمانے میں سواخات کے سبب حاصل تھے وہ ذوی الارحام کو مل گئے۔ ذوی الارحام میں لغت کے اعتبار سے ہر قرابت دار شامل ہے خواہ ذی فرض ہو یا عصبہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے حصے مقرر فرمادیں اور بعض عصبہ کی حیثیت سے میراث کے مستحق قرار پائے لہذا اس آیت سے ان مذکورہ دو قسموں کے ماسوا دیگر ذوی الارحام کی میراث ثابت ہوگئی۔

(۱۸۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶

استحقاق میراث وصف عام سے ہوتا ہے یعنی ذو رحم (قربت دار) ہونا۔ اور یہ ممکن ہے کہ ایک ہی شخص میں وصف عام اور خاص دونوں پائے جائیں۔ دونوں وصفوں کا ایک وقت میں موجود ہونا آپس میں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے۔ لہذا جس کسی شخص کے حق میں وصف خاص نہ ہو تو استحقاق وصف عام سے ثابت ہوسکتا ہے۔ لہذا ذوی الارحام کو مستحق میراث ٹھیرانے کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب اللہ پر اضافہ ہے۔

قائلین میراث ذوی الارحام (احناف) اپنے نقطہ نظر کی تائید میں مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ چند احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ایک شخص نے سہیل بن حنیف کی طرف تیر پھینکا جو تیر لگنے سے مرگئے۔ ان کا سوائے ان کے ماسوں کے کوئی وارث نہ تھا۔ ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ ماسوں وارث ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ”کہ اللہ اور رسول وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہیں، اور ماسوں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہیں۔“ (۱۹۰)

۲۔ ثابت بن دحداح مرگئے تو نبی (صلعم) نے قیس بن عاصم سے دریافت فرمایا ”کہ تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس متوفی کا کوئی رشتہ دار ہے۔“ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم میں ایک مسافر تھا، ہم اس کے کسی وارث کو نہیں جانتے۔ مگر یہ کہ اس کی بہن کا ایک بیٹا ہے جس کا نام غالباً ابو لباب ابن عبداللہ بن منذر ہے، آپ نے اس متوفی کی میراث ابو لباب کو دے دی۔ (۱۹۱)

(۱۹۰) ترمذی، امام ترمذی، مطبوعہ کراچی، ص ۳۰۶

”عن ابی امامۃ بن ابی سہل بن حنیف قال کتب معی عمر بن الخطاب الی ابی عبیدۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ له والخال وارث من لا وارث له۔“

(۱۹۱) المبسوطہ امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳
المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۸۵

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ بھی ذوی الارحام کی میراث کے قائل ہیں۔ (۱۹۲)

ظاہریہ :

ظاہریہ ذوی الارحام کی میراث کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ذوی الفروض و عصبات و مولى عتاقہ اور اس کے عصبات و مقررہ بالنسب نہ ہونے کی صورت میں میت کا ترکہ بیت المال میں داخل ہوگا۔ (۱۹۳)

۲۸۶۔ ذوی الارحام کی ترتیب تواریث حسب ذیل ہے :-

ذوی الارحام کی
ترتیب تواریث

(۱) وہ جو میت کی طرف منسوب ہوں مثلاً میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد،

(۲) جن کی طرف میت منسوب ہو مثلاً نانا، نانا کا باپ، نانا کی ماں، یا نانا کی نانی وغیرہ۔

(۳) جو میت کے ماں باپ سے منسوب ہوں مثلاً بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، اخیافی بھائی، بہنوں کی اولاد وغیرہ، اور

(۴) وہ جو میت کے دوجہ یا دو جدہ کی طرف منسوب ہوں، یعنی دادا، نانا، دادی، نانی کی طرف مثلاً عینی، علائی، یا اخیافی بھوپھیاں، ماموں اور خالائین وغیرہ۔

تشریح

دفعہ ۲۸۶ میں مذکور ذوی الارحام کی ترتیب تواریث میں حسب ذیل قواعد کا لحاظ ضروری ہوگا۔

(۱) ذوی الفروض اور عصبات میں سے اگر کوئی موجود نہ ہو تو ذوی الارحام وارث ہوں گے اور اگر ذوی الفروض میں سے صرف خاوند یا بیوی ہوں

(۱۹۲) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر العلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۹۰-۱۸۹

(۱۹۳) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۲۶، ص ۳۸۰

تب بھی ان کے ساتھ ذوی الارحام وارث ہوں گے۔ مثلاً اگر خاوند اور نانا ہوں تو خاوند کا حصہ دے کر باقی نانا کو ملے گا۔

(۲) اگر ذوی الارحام میں صرف اکیلا ہی شخص ہو تو اس کو کل ترکہ (مثل عصبہ کے) مل جائے گا۔

(۳) جب تک درجہ اول کے ذوی الارحام میں کوئی بھی موجود ہو گو درجہ میں کتنے ہی نیچے ہو، درجہ دوم کے کسی ذی رحم کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح درجہ دوم میں کوئی بھی ذی رحم ہو گو درجہ میں کتنے ہی نیچے ہو درجہ سوم کے کسی ذی رحم کو ورثہ نہیں ملے گا، علیٰ ہذا القیاس، باقی درجوں میں بھی یہی ترتیب ہوگی۔

(۴) قریب کے درجہ والوں کے مقابلے میں بعید کے درجہ والے محروم ہوں گے۔ گو قریب کے درجے میں عورت ہی ہو، نیز ان میں قوی قرابت والا ضعیف قرابت والے کو محروم کر دے گا۔

(۵) جب ذوی الارحام ایک درجہ میں ہوں تو جس کی قرابت زیادہ قوی ہوگی وہ میراث پائے گا۔ باقی محروم ہوں گے، (اقوی مذکر ہو یا مؤنث)۔

(۶) اگر کسی ذی رحم کا دو طرف سے رشتہ ہو تو اس کو دو طرف سے حصہ ملے گا، سوائے دادی کے۔ وہ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایک ہی طرف سے ورثہ لے سکتی ہے۔

(۷) اگر ایک درجہ میں ذوی الفروض و عصبات و ذوی الارحام کی اولادیں جمع ہو جائیں تو میراث عصبات کی اولاد کو ملے گی۔ ان کی عدم موجودگی میں ذوی الفروض کی اولاد کو اور پھر ذوی الارحام کی اولاد کو۔

(۸) اگر اصول متفق ہوں تو ذوی الارحام میں تقسیم بطریق ابدان ہوگی، اگر اصول مختلف ہوں گے تو میراث بطریق اصول ملے گی۔ مگر ذوی الارحام درجہ دوم و چہارم میں اگر حق دار باپ اور ماں کی طرف کے ہوں مگر ایک

درجہ میں ہوں تو پہلے باپ کی طرف والوں کو دو تہائی اور ماں کی طرف والوں کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ اگر باپ یا ماں ایک ہی طرف کے ہوں تو کل ترکہ ایک ہی طرف تقسیم ہو گا۔ (۱۹۴)

عرب ممالک رائج الوقت قانون

مصر میں از روئے قانون الموارث مجریہ، ۱۹۴۳ ذوی الفروض نسبی اور عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں ذوی الارحام کو مستحق میراث قرار دیا گیا ہے۔ (۱۹۵) ملک شام میں بھی اسی طرز پر قانون سازی کی گئی ہے۔ (۱۹۶) عراق کا قانون میراث کل ۶ دفعات پر مشتمل ہے اس میں ذوی الارحام کو مستحقین ترکہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ (۱۹۷) تیونس کے قانون میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (۱۹۸) متعلقہ قوانین کی دفعات حسب ذیل ہیں :

مصری قانون

دفعہ ۳۱۔ جب کہ میت کا نہ کوئی عصبہ ہو اور نہ ذوی الفروض نسبی میں سے کوئی موجود ہو تو ترکہ یا بقیہ ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ہوگا۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔ بعض، بعض پر وراثت میں حسب ترتیب ذیل مقدم ہوں گی :

قسم اول۔ میت کی لڑکیوں کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ۔ اسی طرح پوتیوں کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ۔

دوسری قسم۔ اوپر تک کا جد غیر صحیح اور جدہ غیر صحیحہ۔

تیسری قسم۔ مادری بھائیوں کی اولاد در اولاد، اور حقیقی یا پدری

(۱۹۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۹۸-۹۷

(۱۹۵) قانون الموارث مصر، مجریہ، ۱۹۴۳ ع: دفعہ ۳۱

(۱۹۶) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعات ۹۷-۲۸۹

(۱۹۷) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ ع

(۱۹۸) مجلة الاحوال الشخصیہ، تیونس، ۱۹۵۶ ع

یا مادری بہنوں کی اولاد در اولاد، اور حقیقی یا پدری بھائیوں کے بیٹوں کی لڑکیاں اور ان کی اولاد در اولاد۔

چوتھی قسم - مذکورہ چھ فریق وراثت میں بعض، بعض سے حسب ترتیب ذیل شامل ہوں گے :-

(اول) میت کے مادری چچے، اور پھوپھیاں اور ماموں، اور حقیقی یا پدری یا مادری خالائیں،

(دوم) مذکورہ افراد کی اولاد در اولاد، اور میت کے حقیقی یا پدری چچاؤں کی لڑکیاں اور ان کے لڑکوں کی لڑکیاں نیچے تک اور ان لڑکیوں کی اولاد در اولاد،

(سوم) میت کے باپ کے مادری چچے، اور پھوپھیاں اور ماموں اور ہر قسم کی خالائیں، اور میت کی ماں کے چچے، پھوپھیاں، ماموں اور ہر قسم کی خالائیں،

(چہارم) مذکورہ صدر لوگوں کی اولاد در اولاد، اور میت کے باپ کے حقیقی یا پدری چچوں کی بیٹیاں، اور ان کے بیٹوں کے بیٹیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد در اولاد،

(پنجم) میت کے دادا کے مادری چچے، اور میت کی ماں کے باپ کے چچے، اور ان دونوں کی پھوپھیاں، ماموں، ہر قسم کی خالائیں، اور میت کی نانی کے چچے، اور میت کے باپ کی ماں کے چچے اور پھوپھیاں، ماموں، ہر قسم کی خالائیں۔ اور

(ششم) مذکورہ صدر لوگوں کی اولاد در اولاد، اور میت کے دادا کے حقیقی یا پدری چچوں کی لڑکیاں، اور ان کے بیٹوں کی لڑکیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد در اولاد۔

دفعہ ۳۲ - قسم اول کے ذوی الارحام درجہ میں قریب ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے میراث کے زیادہ مستحق ہوں گے، اگرچہ درجہ قرابت میں متحد ہوں تو صاحب فرض وارث کی اولاد، ذی رحم وارث کی اولاد سے افضل ہوگی، اور اگر سب درجہ میں برابر ہوں اور صاحب فرض کی اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو، یا سب صاحب فرض سے منسوب ہوں تو وراثت میں تمام مشترک ہوں گے۔

دفعہ ۳۳ - دوسری قسم کے ذوی الارحام میں وہ اولی ہوگا جو میت سے درجہ میں زیادہ قریب ہوگا، اگر درجہ میں تمام مساوی ہوئے تو جو صاحب فرض سے منسوب ہوگا، وہ اولی ہوگا، اور اگر درجہ میں تمام مساوی ہوئے اور ان میں کوئی صاحب فرض سے منسوب نہ ہو، یا تمام صاحب فرض سے منسوب ہوئے۔ پس اگر وہ محل قرابت میں متحد ہیں تو وراثت میں مشترک ہوں گے، اور اگر محل قرابت میں مختلف ہیں تو پدری قرابت داروں کی دو تہائی اور مادری قرابت داروں کو ایک تہائی تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۳۴ - تیسری قسم کے ذوی الارحام میں وراثت میں وہ اولی ہوگا جو میت سے درجہ میں قریب تر ہوگا، اگر تمام درجہ میں برابر ہوں تو عصبہ کی اولاد اولی ہوگی، بمقابلہ ذی رحم کی اولاد کے، اور ان میں مقدم وہ ہوگا جو قرابت میں میت سے قوی تر ہوگا۔ چنانچہ جس کی اصل حقیقی رشتہ رکھتی ہوگی وہ پدری رشتہ کی اصل سے اولیٰ ہوگا، اور جس کی اصل پدری رشتہ رکھتی ہوگی وہ مادری الاصل سے اولیٰ ہوگا، اب اگر درجہ و قوت قرابت میں بھی متحد ہوں تو وراثت میں تمام مشترک ہوں گے۔

دفعہ ۳۵ - چوتھی قسم کے ذوی الارحام کا فریق اول جو دفعہ ۳۱ میں بیان کیا گیا جب کہ پدری فریق، تنہا ہو اور یہ میت کے مادری چچے، پھوپھیاں ہیں، یا مادری فریق جو کہ ماسوں اور خالائین ہیں موجود ہوں تو ان میں جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا، لہذا حقیقی پدری سے اور پدری مادری سے مقدم ہوگا، اگر تمام قرابت میں مساوی ہوئے تو میراث میں مشترک ہوں گے۔ جب کہ دونوں فریق مجتمع ہوں دو تہائی پدری قرابت داروں کو

ایک تہائی مادری قرابت داروں میں تقسیم ہوگا، اور ہر فریق پر بطریقہ مذکورہ بالا تقسیم کی جائے گی۔ اور دونوں سابقہ فقروں کے احکام تیسرے اور پانچویں پر جاری ہوں گے۔

دفعہ ۳۶۔ دوسرے فریق سے وہ افراد مقدم ہوں گے جو درجہ میں میت سے قریب ہوں خواہ وہ بعید سے قرابت کے محل میں مختلف ہی کیوں نہ ہوں، لیکن اگر درجہ اور قرابت کے محل میں متحد ہوئے تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا جب کہ وہ عصبہ کی اولاد سے ہو یا ذوی الارحام کی اولاد سے ہو، اگر مختلف ہوئے تو عصبہ کی اولاد، ذوی الارحام کی اولاد پر مقدم ہوگی،

اور جب قرابت کے محل میں اختلاف ہو تو پدری سلسلہ دو تہائی کا اور مادری سلسلہ ایک تہائی کا مستحق ہوگا۔ اب جو ترکہ جس فریق کے حصہ میں پہنچے گا وہ مذکورہ بالا طریق پر ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

دفعہ ۳۷۔ ذوی الارحام وراثت میں قرابت کی جہتوں کے تعدد کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ الا یہ کہ محل قرابت مختلف ہو۔

دفعہ ۳۸۔ ذوی الارحام کی تقسیم وراثت ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے اصول پر ہوگی۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۹۔ (۱) جب کہ کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبات نسبی سے نہ پایا جائے، تو اب میراث کا استحقاق ذوی الارحام کو ہوگا۔

(۲) صاحبان فروض اور عصبات نسبیہ کے ماسوا جو لوگ ہوں وہ ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔

دفعہ ۲۹۰۔ ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض دوسری بعض پر وراثت میں مقدم ہوتی ہیں جن کی ترتیب حسب ذیل ہے :

قسم اول - میت کی بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد نیچے تک کا سلسلہ،

قسم دوم - میت کے رحمی دادا (نانا) اور غیر ثابتہ دادیاں،

قسم سوم - میت کے والدین کی اولاد یعنی میت کی ہمشرگان، خواہ کوئی بھی ہوں، کی اولاد اور مادری بھائیوں کی اولاد، اور حقیقی بھائیوں کی بیٹیاں یا پدری بھائی کی بیٹیاں اور ان کی اولاد در اولاد، اور

قسم چہارم - جو لوگ میت کے اجداد یا جدات کی اولاد کی اولاد ہوں ان کے نیچے تک کا سلسلہ -

یہ چوتھی قسم کے لوگ کبھی تو ان کے درجات اعلیٰ ہونے کے اعتبار سے منقسم و مرتب ہوتے ہیں اور کبھی نیچے کے سلسلے کے اعتبار سے -

(الف) چوتھی قسم کی اولاد کی اولاد کا سلسلہ خواہ یہ سلسلہ کتنے ہی نیچے تک جاتا ہو -

(پہلا مرتبہ) میت کے قریب جد کی اولاد (یعنی باپ کے باپ کی اولاد اور ماں کے باپ کی و باپ کی ماں کی اولاد، اور ماں کی ماں کی اولاد -)

(دوسرا مرتبہ) میت دادوں کے دادے، اور اسی طرح،

(تیسرا مرتبہ) نمبر ۲ کی اولاد کا سلسلہ

اس تیسرے درجہ کی فروع کا ہر درجہ ایک ہی مرتبہ میں ہوگا مثلاً مادری چچاؤں، پھوپھیوں، ماسوں، خالاؤں کی اولاد، یہ مرتبہ اول کا اول مرتبہ ہے، - اور حقیقی چچاؤں کی بیٹیاں یا پدری کی بیٹیاں ان کا دوسرا مرتبہ ہے، علیٰ هذا القیاس -

دفعہ ۲۹۱ - (۱) ذوی الارحام کی پہلی قسم میں جو میت سے درجہ میں قریب تر ہوگا وہ میراث میں اولیٰ ہوگا -

(۲) اگر یہ سب درجے میں برابر ہوں تو صاحب فرض وارث کی اولاد ذی رحم وارث کی اولاد سے مقدم ہوگی۔

(۳) اگر تمام سلسلہ صاحب فرض سے منسوب ہوتا ہے یا بالکل منسوب نہیں ہوتا، تو سب وراثت میں مشترک ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۲ - (۱) ذوی الارحام کی دوسری قسم میں سے بھی جو میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ میراث پانے میں اولیٰ ہوگا۔

(۲) اگر یہ سب درجہ میں مساوی ہوں اور منسوب تو ہوں غور کرنا ہوگا:

(الف) اگر تمام باپ یا ماں کی جانب منسوب نہیں میراث میں مشترک ہوں گے۔

(ب) اگر نسبت میں مختلف ہیں تو باپ کی جانب نسبت والے دوتہائی ترکے کے اور ماں کی جانب والے ایک تہائی ترکے کے مستحق ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۳ - (۱) ذوی الارحام کی تیسری قسم کی بھی یہی صورت ہے کہ جو میت سے زیادہ قربت رکھتا ہوگا وراثت پانے میں مقدم ہوگا۔

(۲) اگر تمام درجہ میں مساوی ہوں تو ذی عصبہ کی اولاد ذی رحم کی اولاد سے مقدم ہوگی۔

(۳) اگر تمام عصبات کی اولاد ہیں۔ یا ذوی الارحام کی تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا چنانچہ حقیقی اس سے مقدم ہوگا جو محض پدری ہو یا مادری ہو اور حقیقی پدری، مادری کا حاجب ہوگا۔

(۴) اگر تمام قوت میں مساوی ہوں تو اب میراث میں تمام شریک ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۴ - (۱) چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے مراتب میں سے ہر

مرتبہ اپنے تمام طبقات کے ساتھ اپنے قوت قرابت کے اعتبار سے ایک دوسرے پر مقدم ہونے کا حق رکھے گا۔

(۲) ہر اعلیٰ قوی طبقہ ادنیٰ درجہ کا حاجب ہوگا۔

دفعہ ۲۹۰ - چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے مراتب میں سے ہر درجہ میں جب کہ متعدد لوگ موجود ہوں اور تمام باپ کی جانب سے ہوں، جیسا کہ پھوپیاں، یا تمام ماں کی جانب سے ہوں، جیسا کہ ماسوں تو قرابت میں قوی کو مقدم کیا جائے گا۔ چنانچہ حقیقی پھوپی یا پدری پھوپی، مادری چچا کی حاجب ہوگی، اسی طرح حقیقی خالہ، پدری ماسوں کی حاجب ہوگی۔

اگر یہ سب قرابت کی قوت میں مساوی ہوں وراثت میں تمام مشترک ہوں گے۔

(۲) جب کہ بعض باپ کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں، تو باپ کی جانب کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے جانب کے فریق کو ایک تہائی ترکہ ملے گا۔ اس کے بعد ہر فریق کا مال مذکورہ سابقہ فقرے کے مطابق قوت قرابت کے اعتبار سے ان میں تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۹۶ - چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے نچلے طبقات سے جو درجہ میں زیادہ قریب ہوگا وہ بعید سے مقدم ہوگا، اگرچہ ان میں کوئی باپ کی جانب سے ہو اور کوئی ماں کی جانب سے۔

(۲) جب کہ تمام درجہ میں برابر ہوں اور ایک جانب سے ہی ہوں، تو عصبہ کی اولاد، ذی رحم کی اولاد پر مقدم ہوگی، چنانچہ عصبی چچا کی بیٹی مادری چچا کے بیٹے کی حاجب ہوگی۔

اور جس صورت میں کہ یہ تمام عصبات کی اولاد ہوں، یا ذوی الارحام کی اولاد ہوں تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا، چنانچہ حقیقی پھوپی کا بیٹا مادری پھوپی کے بیٹے کی حاجب ہوگا۔

(۳) درجہ کی مساوات کی حالت میں جب بعض افراد پدری ہوں اور بعض مادری تو دو تمہائی پدری سلسلہ کو اور ایک تمہائی مادری سلسلہ کو دیا جائے گا۔ اور ہر فریق کے حصہ کو ان کے مابین سابقہ فقرے کے پیش نظر تقسیم میں عصبہ کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اس کے بعد قرابت کی قوت ملحوظ ہوگی۔

دفعہ ۲۹۷ - (۱) ذوی الارحام کی سیراث میں مطلقاً "للذکر مثل حظ الانثیین"، کا طریقہ جاری رہے گا۔

(۲) جس صورت میں ان میں سے کوئی ایک ہی موجود ہو تو کل سیراث کا مستحق ہوگا۔

(۳) ان میں قرابت کی جہتوں کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، الا یہ کہ ان کی جانب مختلف ہو کہ ایک شخص پدری ہو اور دوسرا پدری و مادری دونوں ہو۔

پاکستان میں :

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتیں حنفیہ و شیعہ مسلکوں کے بموجب ذوی الارحام کی سیراث کے حق میں فیصلے دیتی رہی ہیں، جب کہ کوئی ذی فرض یا عصبہ موجود نہ ہو۔

۷۔ مولى الموالاة

۲۸۷ - سابق میں مذکور وراثاء - ذوی الفروض یا عصبات یا ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہونے کی صورت میں ترکہ کا مستحق وہ مولى الموالاة قرار پاتا ہے، جس کے ساتھ ترکہ لینے کے واسطے بطریق جائز آپس میں معاہدہ موالاة کر لیا گیا۔

تشریح

مولى الموالاة وہ شخص ہے جس سے کسی مجہول النسب شخص نے خواہ مرد ہو یا عورت، یہ معاہدہ کیا ہو کہ تم میرے مولى ہو اور اگر میں تمہاری حیات میں مرجاؤں تو تم ہی میرے ترکہ کے مستحق ہوگے اور اگر

مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو جس سے تاوان لازم آئے تو تم ہی میرا تاوان ادا کرو گے۔ تو ایسا دوسرا شخص اس مجہول النسب کا سولی الموات کہلاتا ہے۔ چنانچہ اس مجہول النسب کی وفات پر اس کا ترکہ سولی الموات کو ملتا ہے اگر ہر دو اشخاص مجہول النسب ہوں اور باہم اس طریقہ پر معاہدہ کریں تو وہ ایک دوسرے کے سولی الموات ہوں گے اور یہ معاہدہ ”عقد موات“ کہلائے گا۔ (۱۹۹)۔

البتہ اگر شخص مجہول النسب کے زوجین میں سے کسی ایک کے موجود ہونے کی صورت میں اس شوہر یا زوجہ کو دے کر جو کچھ باقی رہے وہ سولی الموات کو ملتا ہے۔ (۲۰۰) یہ صورت حنفیوں کے نزدیک ہے۔ شافعیہ کے نزدیک سولی الموات کے لئے کوئی میراث نہیں۔ (۲۰۱) دیگر مذاہب فقہ میں بھی ”سولی الموات“ کی میراث ثابت نہیں۔ حنفی علماء ”سولی الموات“ کی میراث کے سلسلے میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ”تمیم دارمی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت (صلعم) سے عرض کیا ”اگر ایک شخص میرے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور مجھ سے موات کر لے تو، آپ نے فرمایا، وہ تیرا بھائی ہے اور تیرا سولی ہوگا۔ موت و زندگی میں تو اس کا حق دار ہوگا۔ (۲۰۲)

شیعہ مسلک:

شیعہ علماء کے نزدیک سولی الموات کو ”موات ضمان بالجریہ“ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک ذوی الارحام کے بعد سولی عتیق اور اس کے بعد سولی ضمان بالجریہ وارث ہوگا۔ ان کے نہ ہونے کی صورت میں وراثت امام کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ (۲۰۳)

-
- (۱۹۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹
 (۲۰۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹
 (۲۰۱) کتاب الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۷۸
 (۲۰۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۰
 ”وفی حدیث تمیم الداری انه قال ان رسول الله صلعم فقال ان الرجل لیا ثینی فیسلم علی یدی ووالینی فقال علیہ السلام ہواخوک فانت احق بہ بحیاء و ممانتہ۔“
 (۲۰۳) الاستبصار، ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی، مطبوعہ نجف، ۱۹۵۷ ع، ج ۳، الجزء الثالث
 القسم الثالث ص ۱۹۹

دور حاضر میں سولی الموات کی میراث کی صورت ناپید ہے نیز موجودہ زمانہ میں قتلے کے بموجب شوہر یا زوجہ کی موجودگی میں سولی الموات کو کچھ ترکہ نہ ملے گا کیونکہ شوہر یا زوجہ (جیسی صورت ہو) کو ان کا مقررہ حصہ دے کر بقایا ان پر رد کیا جائے گا۔

۲۸۸ - جب کہ متوفی نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا ہو تو مقررہ ترکہ کا مستحق ہوگا بشرطے کہ وہ مقررہ مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے شخص سے ثابت النسب نہ ہو اور مقرر نے اپنے اقرار سے تادم زیست رجوع نہ کیا ہو اور کوئی امر مانع میراث موجود نہ ہو۔

مقررہ یا نسب
علی الغیر

تشریح

مقررہ بالنسب علی الغیر وہ شخص ہے جس کے حق میں نسب کا اس طرح اقرار کیا گیا ہو کہ اولاً مقررہ کے نسب کا غیر سے اقرار ہوتا ہو اور پھر مقرر کی جانب منسوب ہو جاتا ہو۔ یعنی پہلے مقررہ کا نسب مقرر کے کسی قرابت دار سے منسوب ہو اور پھر اس مقرر سے۔ فقہی اصطلاح میں مقررہ بالنسب علی الغیر وہ شخص کہلاتا ہے جس شخص کے حق میں میت نے اپنے نسب کا اس طرح اقرار کیا ہو کہ اس اقرار سے اولاً غیر سے (مقرر کے کسی رشتہ دار سے) نسب منسوب ہوتا ہو اور پھر اس رشتہ دار کے ذریعہ مقررہ کا نسب اس شخص مقرر کے ساتھ منسوب ہو اور مقرر تادم زیست اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو اور اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا ہو، مثلاً کسی کو اپنا بھائی یا بہن کہا ہو۔ لیکن اس اقرار سے مقررہ کا نسب مورث کے دوسرے قرابت داروں کے ساتھ قائم نہیں ہوتا، مقررہ محض مقرر کے اپنے ترکہ کا حق دار ہوگا۔

جس کے حق میں نسب کا اقرار کیا جائے اس کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) یہ کہ اقرار کرنے والا ”بلا واسطہ اولاً“، اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے اور بعدہ اس کے واسطے سے مقررہ، مقرر کے دوسرے اقرباء کی طرف منسوب ہو جائے۔ مثلاً کسی شخص کے متعلق یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس صورت میں اولاً بلا واسطہ مقررہ کا نسب مقرر سے ثابت ہوگا

اور بعدہ مقرر کے باپ سے ثابت ہوگا۔ چنانچہ مقرر اولاً باپ قرار پائے گا، اور بعدہ مقرر کا باپ دادا ہوگا۔

(۲) یہ کہ مقرر اس طرح نسب کا اقرار کرے کہ اولاً مقرر کا نسب غیر سے ثابت ہو اور اس کے بعد اس غیر کے واسطے سے مقرر سے ثابت ہو، مثلاً کسی شخص کے حق میں یہ اقرار کرے کہ یہ مقرر کا بھائی یا بہن یا چچا ہے: اس صورت میں اولاً نسب باپ یا دادا سے منسوب ہوگا اور ان کے واسطے سے مقرر کے اقرار سے ثابت ہو کر مقرر کا بھائی یا بہن یا چچا قرار پائے گا۔

مندرجہ بالا دو قسموں میں سے اول قسم کا مقرر وارث ہوتا ہے جب کہ دوسری قسم کے مقرر کے لیے احکام مختلف ہیں۔ اس موقع پر دوسری قسم کا مقرر مراد ہے۔

مقررہ بالنسب علی الغیر کی حسب ذیل شرائط ہیں :-

(۱) میت نے نسب کا جو اقرار کیا ہو وہ شرعاً معتبر ہو مثلاً میت نے اگر ایک معروف النسب یا ایسے مجہول النسب کو جو باعتبار عمر اس کے باپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا اپنا بھائی کہا تو ایسے مقررہ کو ترکہ کا کوئی حصہ نہ ملے گا۔

(۲) جس نسب کا میت نے اقرار کیا ہو وہ نسب غیر پر محض اس کے اپنے اقرار سے اثر انداز ہوتا ہو۔ اس نسب کے متعلق اس غیر کا اقرار یا شہادت یا فراش ہونا موجود نہ ہو۔

(۳) مقرر مرتے دم تک اس اقرار پر قائم ہو اور اس نے اپنے اقرار سے رجوع نہ کیا ہو۔ مقررہ کا مجہول النسب ہونا ضروری ہے چونکہ اسلام میں تبنیت ناجائز ہے، اس لئے معروف النسب کے متعلق اقرار اصلاً صحیح نہ ہوگا۔ (۲۰۴)

(۲۰۴) التبنی فی الشرع الاسلامی، صبحی محمدصانی، النشرة القضائیه لبنان، ۱۹۳۵ء، ص ۶

الشریعیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۰

رد المحتار، محمد امین ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۳۰

احکام الترتکات و الموارث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۹۸

کیونکہ اقرار باستحقاق مال وارث کے خلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مقلہ بالنسب علی الغیر ما سبق مذکورہ ورثاء کی عدم موجودگی میں وارث ہوتا ہے۔ (۲۰۵) لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب میں مقلہ بالنسب علی الغیر کسی صورت میں وارث نہیں ہوسکتا۔ (۲۰۶)

ظاہریہ حضرات کے نزدیک بھی مقلہ بالنسب علی الغیر کا وراثت میں کوئی درجہ نہیں معلوم ہوتا۔ (۲۰۷)۔

مقلہ بالنسب علی الغیر نسبتاً وارث ہوئے بغیر میراث کا مستحق ہوتا ہے، حیما کہ مستحقین میراث کی ترتیب میں شامل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد اقرار پر ہے۔ (۲۰۸)

مقلہ بالنسب ”علی الغیر“ کا ”بحیثیت وارث“، ترکہ میں استحقاق قائم نہیں ہوتا بلکہ بحیثیت مقلہ ہوتا ہے جس کا اعتبار صرف مالی استحقاق میں کیا گیا ہے۔ لیکن مقلہ بالنسب (علاوہ غیر کے) صفت ارث کے سبب وارث ہوگا۔ چنانچہ ”کسی شخص کا کسی دوسرے کے متعلق یہ اقرار کرنا کہ وہ سیرا بھائی یا بہن ہے دو امر کے ثبوت کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے، اولاً مقلہ کے باپ سے نسب کا ثبوت، دوم مال کا استحقاق۔ چنانچہ غیر کے ذمہ

(۲۰۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۷۱
البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳۰
(۲۰۶) المیزان الکبری، عبدالوہاب شعرانی (م ۵۱۰۰۰)، مطبوعہ مصر، ۱۹۴۰ع، ص ۱۰۵
(۲۰۷) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۸۰
(۲۰۸) الترحکة و المیراث فی الاسلام، الدكتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، صص ۶۲ - ۳۶۱ :
”المادة ۴ - اولاً والمقلہ بالنسب غیر وارث، لان الارث یعمد ثبوت النسب و هو غیر ثابت بالاقرار وحدة“۔

مصری قانون کی اس دفعہ میں مقولہ بالنسب اور مقلہ بالنسب علی الغیر دونوں شامل معلوم ہوتے ہیں حالانکہ مقلہ بالنسب وارث ہوتا ہے کیونکہ اس کا نسب وارث سے ثابت شدہ ہے، خواہ وہ خود اس کے اقرار ہی کی بناء پر کیوں نہ ہو۔ البتہ غیر سے نسب کا اقرار ثبوت نسب کے لیے کافی نہیں، کسی حد تک نسب کا شبہ ضرور پیدا ہو سکتا ہے جس کی بناء پر حنفیہ مستحق نسبی ورثاء کی عدم موجودگی میں شبہ نسب والے شخص کو باعتبار وارث میراث دینے کے قائل ہیں۔

نسب کا اقرار نامقبول ہوگا، کیونکہ وہ یا تو دعویٰ متصور ہوگا، یا شہادت (اور یہ دونوں غیر صحیح ہیں) البتہ مالی استحقاق کا اقرار، چونکہ اپنی ذات سے متعلق ہے اس لیے قابل قبول ہوگا اور اسی بناء پر غیر کے حق میں نسب کے اقرار کا اثر خود مقرر کی ذات تک محدود رکھا گیا ہے اور اس کا اعتبار صرف اس کے اپنے ورثہ کے معاملہ میں معتبر قرار دیا گیا ہے البتہ اپنے ہی واسطہ سے نسب کا اقرار کرنا یعنی مقررہ کے حق میں اپنا بیٹا یا بیٹی ہونے کا اقرار کرنا صفت ارث کا حامل ہوگا اور وہ صفت ارث کے سبب وارث ہوگا جیسا کہ عام ورثاء ہوتے ہیں۔

نسب کی شہادت :

خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الفرائض میں لکھا ہے کہ اگر دو عادل گواہ یہ شہادت دیں کہ فلاں شخص فلاں کا وارث ہے اور اس فلاں شخص کے کسی وارث کا علم نہ ہو اور نہ ذکر کیا جاتا ہو، تو اس کو اس شخص متوفی سے منسوب کیا جائے گا اور وہ اس کا وارث ہوگا۔ (۲۰۹)

مصری قانون :

قانون الموارث المصری کے تحت مقررہ بالنسب علی الغیر بلاصفت ارث ترکہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ متعلقہ دفعہ حسب ذیل ہے :-

دفعہ ۴۱ - جب کہ میت نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا تو مقررہ اس حالت میں ترکہ کا مستحق ہوگا جب کہ وہ مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے سے ثابت النسب نہ ہو، اور مقرر نے اپنے اقرار سے رجوع بھی نہ کیا ہو، اور اس حالت میں یہ شرط ہوگی کہ مقررہ مقرر کی وفات کے وقت زندہ موجود ہو خواہ موت حقیقی ہو یا حکمی، اور یہ کہ میراث کے سوانح میں سے کوئی امر مانع موجود نہ ہو۔

(۲۰۹) خلاصۃ الفتاویٰ، مطبع فاروقی دہلی، ۱۳۱۸ھ، ج ۲، ص ۴۱۱

شام کا قانون :

دفعہ ۲۹۸ - جب کسی شخص نے کسی مجہول النسب شخص کے حق میں اپنے کسی رشتہ کا اقرار کیا ہو تو مقلہ حسب ذیل شرطوں کے ساتھ ترکہ کا مستحق ہو سکے گا۔

- (۱) یہ کہ مقلہ کا نسب مقلہ علیہ سے ثابت نہ ہو،
- (۲) یہ کہ اقرار کنندہ نے اپنے اقرار سے رجوع نہ کر لیا ہو، اور
- (۳) یہ کہ وراثت کے موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو۔

مقلہ کو مقلہ کی موت کے وقت زندہ ہونا چاہئے، یا جس وقت حاکم نے مقلہ کی موت کا حکم دیا ہے اس وقت مقلہ، زندہ موجود ہو۔

۲۸۹ - مورث کا کوئی وارث یا مقلہ بالنسب علی الغیر موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت موصیٰ لہ بجمیع المال کے حق میں نافذ العمل ہوگی۔

موصیٰ لہ بجمیع
المال

تشریح

موصیٰ لہ بجمیع المال وہ شخص ہے جس کو میت نے کل ترکہ دینے کی وصیت کی ہو۔ چنانچہ جب مذکورہ سابق اشخاص میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ترکہ کا مستحق وہ شخص ہوگا جس کے حق میں میت نے کل مال کی وصیت کی ہو۔ بذریعہ وصیت ایک تنہائی سے زائد نہ دینے کی پابندی وراثت کی موجودگی کے سبب تھی کیونکہ اس طرح کی پابندی نہ لگانے سے ان وراثت کی حق تلفی ہوتی تھی۔ اب چونکہ حق تلفی کا کوئی امکان موجود نہیں اس لئے سب ترکہ موصیٰ لہ کو دے دیا جائے گا۔ (۲۱۰) حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

شافعیہ مسلک :

علماء شافعیہ کے نزدیک موصیٰ لہ کو ایک تنہائی سے زائد ترکہ نہ دیا جائے گا، اور کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ بیت المال کے

(۲۱۰) الشریفہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱

حوالے کیا جائے گا۔ (۲۱۱)

مالکیہ اور حنبلیہ مسلک:

یہی مسلک مالکیہ اور حنبلیہ کا ہے۔ (۲۱۲)

عرب ممالک میں قانون:

مصری قانون کے تحت ذوی الفروض، عصباء یا ذوی الارحام یا مقلدہ بالنسب علی الغیر نہ ہونے کی صورت میں موصیٰ لہ بجمیع المال کو ترکہ دیا جائے گا۔ (۲۱۳)

موصیٰ لہ بجمیع المال کو چونکہ وارث کی حیثیت سے ترکہ نہیں دیا جا رہا اس لیے اتحاد دین کی شرط لازم نہ ہوگی بلکہ وصیت کے عام احکام کا اطلاق کیا جائے گا۔ (۲۱۴)

۲۹۰۔ جس میت کے ترکہ کا دفعات سابقہ میں مذکور کوئی مستحق موجود نہ ہو، اسکا ترکہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی ملکیت ہوگا۔

بیت المال

تشریح

حکومت کے خزانہ عامرہ کو بیت المال کہا جاتا ہے۔ خلفاء راشدین و مابعد کے چند خلفاء کے عہد میں بیت المال میں جمع شدہ مال کی چار مدت مقرر کی گئی تھیں، اور ہر مد کا مصرف علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا تھا، نیز ان مدت پر صرف کرنے کا یہ اصول مقرر کیا گیا تھا کہ اگر بیت المال کی

(۲۱۱) المہذب (فقہ شافعی)، ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی،

محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۵۷ (کتاب الوصایا)

”واما اذا زاد اوصیٰ بما زاد علی الثلث فان لم یکن لہ وارث بطلت الوصیۃ فیما زاد علی

الثلث لان مالہ میراث للمسلمین ولا مجیز لہ“

(۲۱۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۱۸

(۲۱۳) قانون الموارث مصر، مجریہ ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴

”(ثانیاً) ما اوصیٰ بہ فیما زاد علی الحد الذی تنفذ فیہ الوصیۃ“۔

(۲۱۴) مجموعہ قوانین اسلام، جلد چہارم ڈاکٹر تنزیل الرحمن، (مؤلف کتاب ہذا) مطبوعہ

اسلام آباد ۱۹۷۳ء باب ۳۱ احکام وصیت۔

کسی مد میں رقم موجود نہ ہو تو دوسری مد سے لیا جاسکتا ہے، لیکن بعض مدات سے بطور قرض لیا جائے گا اور آمدنی ہونے پر اس قرض کو ادا کیا جائے گا، اور بعض مدات سے بغیر قرض کی صورت کے بھی لیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں بہتر یہ ہوگا کہ جس مد کے لئے لیا گیا ہو اگر اس میں کافی آمدنی ہو جائے تو لی ہوئی مد کی وہ رقم اس کے حساب میں داخل کردی جائے گی، بصورت دیگر داخل کرنا ضروری نہ ہوگا۔

چنانچہ بیت المال (خزانہ عامرہ) میں حسب ذیل چار مدات مقرر تھیں :

(۱) اول زکوٰۃ و صدقات ہر قسم، و عشر، اور مسلمان تاجروں سے چنگی کی آمدنی۔

(۲) غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس)، کانوں سے حاصل شدہ دولت اور زمین کا دینہ۔

(۳) خراج، جزیہ، مال صلح، کفار پر جرمانے، اور غیر مسلم تاجر سے ٹیکس کی آمدنی خواہ وہ سملکت کے شہری ہوں یا دارالکفر سے بغرض تجارت اجازت لے کر دارالاسلام میں آئے ہوں۔

(۴) راستے وغیرہ میں گرے پڑے اسواں اور لاوارث میت کے ترکے۔ اول کا مصرف حسب ذیل امور ہیں :-

(۱) فقراء و مساکین اور جو لوگ حکومت کی طرف سے ان کی وصولی پر مقرر ہوں، (عامل)،

(۲) غلام کی آزادی میں اس کی امداد (جو موجودہ زمانے میں مفقود ہے)،

(۳) مدیون (مقروض) دین (قرضہ) کی ادائیگی جب کہ وہ ادا کرنے سے معذور و مجبور ہو، اور

(۴) وہ حاجی جس کا مال کسی حادثہ سے حج کے سفر میں ضائع ہو گیا ہو۔

یہ امام محمد کا مسلک ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ مجاہد بھی جو اپنے اور اپنی عیال کے اخراجات کی کفالت سے معذور ہو۔ امام ابو یوسف کا قول مفتی بہ ہے۔

(۵) وہ مسافر جس کا مال سفر کی حالت میں ضائع ہو گیا ہو اور آئندہ جاری رکھنے کے لئے اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو۔

اس مد میں سے اہل ذمہ (مملکت اسلامیہ کے غیر مسلم شہری) کو دینا جائز نہیں۔ اسی طرح دارالکفر کے کسی غیر مسلم کو بھی دینا جائز نہیں۔ البتہ نفلی صدقہ سے حسب ضرورت دیا جا سکتا ہے۔

دوسری مد کا مصرف، یتیمی و سساکین (بیوائیں وغیرہ) اور مذکورہ بالا مسافریں ہیں۔

تیسری مد کا مصرف، حسب ذیل امور ہیں :-

- (۱) جنگی سپاہ،
- (۲) سرحد بندی،
- (۳) قلعہ بندی،
- (۴) فوجی چوکیاں قائم کرنا (یاراستوں کی حفاظتی چوکیاں قائم کرنا)، تاکہ ڈاکہ زنی وغیرہ سے حفاظت ہو سکے۔
- (۵) چھوٹے بڑے پل بنانا،
- (۶) نہروں کی کھدائی،
- (۷) مسافر خانے اور مساجد کی تعمیر،
- (۸) نہروں پر بند باندھنا، جہاں بند کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو ان مقامات کی اصلاح، حکام اور ان کے عملے کی تنخواہیں۔
- (۹) مفتی، قاضی (حاکم، جج، مجسٹریٹ وغیرہ) اور عدالتی عملہ کے مشاہرے،

(۱۰) پولیس کے محکمے کی تنخواہیں،

(۱۱) مدارس (اسکول) کے اساتذہ کے شاہرے اور طلبہ کے وظائف

(۱۲) وہ تمام لوگ جن کو اسور مسلمین کی اصلاح اور محافظت کے لیے حکومت کی طرف سے نگران مقرر کیا گیا ہو۔

چوتھی مد نادار مریضوں کی تیمارداری ادویات (شفاخانے کی تعمیر)، لاوارث میت کی تجہیز و تکفین، راستے سے اٹھائے ہوئے بچوں کی پرورش، پابھجوں اور ایسے محتاجوں پر صرف کرنا جو کسب سے عاجز ہو چکے ہوں اور ان پر صرف کرنے والا کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر ان کا نفقہ شرعاً واجب ہوتا۔

ہمارے خیال میں وہ آمدنی جو مسلمانوں سے جرمانے یا ٹیکس لگانے یا اسی قسم کے دوسرے اسور سے ہوتی ہے وہ اپنی مشابہ مد میں داخل ہوگی۔ نیز موجودہ زمانے میں جو آمدنی مذکورہ بالا آمدنیوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو وہ اسی مشابہ مد میں داخل ہونا چاہئے اور اس کا مصرف بھی وہی ہونا چاہئے۔

(۲۱۵)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ”حاکم اعلیٰ پر فرض ہے کہ وہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی دولت کو صرف کرنے میں خدا کا خوف اپنے قلب میں قائم رکھ کر بیت المال کی ہر مد کی آمدنی کو اس کے مصرف پر صرف کرے۔ کوئی فقیر (محتاج) ایسا نہ ہو کہ اس کو اس کا حق بیت المال سے پورا نہ دیا گیا ہو جو خود اس کو اور اس کے عیال کو کفایت کرے، اگر ایسا موقعہ پیش آ جائے کہ بیت المال میں صدقات کی مد میں کچھ موجود نہ ہو اور ضرورت مند افراد موجود ہوں تو ایسی صورت میں حاکم اعلیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ خراج و جزیہ کی مد سے لے کر ان لوگوں کی حاجت پوری کر دے، اور یہ رقم صدقات کی مد پر قرضہ تصور نہ ہوگی، کیوں کہ خراج یا

(۲۱۵) فتاویٰ عالمگیری نظام الدین، مطبوعہ دیوبند، ج ۱، ص ۹۸ (کتاب الزکاۃ)

المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۸-۱۷

جو آمدنی اس کے ہم معنی ہے مسلمانوں کی ضروریات ہی میں صرف کرنے کے لئے ہے، بخلاف اس صورت کے جب کہ حاکم اعلیٰ کو سپاہ پر (یا اس کے مشابہہ مذکورہ بالا امور پر) صرف کرنا ہو اور خراج (و جزیہ وغیرہ) کی مد میں رقم نہ ہو تو وہ صدقہ کی مد سے لے سکتا ہے، لیکن یہ لینا قرض کے طور پر ہوگا، خراج کی مد میں آمدنی ہونے پر قابل واپسی ہوگا۔ (۲۱۶)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ امام پر واجب ہے کہ وہ بیت المال میں تمام مذکورہ چار مدات قائم کرے۔ ہر مد کی آمدنی علیحدہ علیحدہ مقامات (یا بنکوں جو صورت بھی ہو) میں جمع ہو۔ اگر ہر مد کے لیے اس کے مصرف میں کوئی رقم موجود نہ رہے، تو پھر حاکم اعلیٰ کے لیے یہ جائز ہوگا کہ دوسری مد سے قرض لے کر صرف کر دے۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ اگر صدقات کی مد سے لیا گیا ہو اور خراجی مصارف پر صرف کیا گیا ہو تو پھر خراجی مد کی آمدنی ہونے پر اس قرض کو ادا کر دیا جائے، البتہ جس صورت میں کہ ملک کی ایسی جنگجو سپاہ پر خرچ کیا گیا ہو جو فقراء کے درجہ میں ہیں، چونکہ یہ صدقہ کا مصرف بھی ہوں گے لہذا اس مقدار کی ادائیگی قرضہ تصور نہ کی جائے گی کیوں کہ وہ اپنے مصرف پر صرف شدہ تصور ہوگا، قرض تصور نہ ہوگا۔ اور اگر خراجی مد سے لے کر صدقات کی مد فقراء و مساکین پر صرف کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ مقدار قرض تصور نہ ہوگی کیوں کہ خراجی مد پر فقراء و مساکین کا حق بھی ہے، کیوں کہ خراج کا حکم مال غنیمت اور فتنی کا حکم ہے، جس میں فقراء و مساکین کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اور حکام پر یہ بھی واجب ہے کہ مستحقین کو ان کے پورے پورے حقوق پہنچائیں کسی کا حق ضائع نہ ہونے پائے۔ حاکم وقت اور اس کے مقرر کردہ حکام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے زیادہ بیت المال سے لیں۔ یہ بھی جائز نہیں کہ وہ بیت المال سے لے کر ضرورت پوری کرنے کے بعد باقی رقم اپنے پاس جمع کرنے کی کوشش کریں (یعنی بینک بڑھائیں) باقی تمام اسوال بیت المال کے مسلمانوں کا حق ہوں گے۔ اگر حکام اس امر میں

کوتاہی کریں گے تو یہ ان کے لیے سخت سواخذہ کا باعث ہوگا، نیز حکام اور دیگر عملے کے لیے یہ افضل ہے کہ صرف ایک ماہ کی تنخواہ لیا کریں، یہ جائز نہیں کہ دو یا تین ماہ کی تنخواہ پیشگی وصول کر لیں، اہل ذمہ کا بیت المال پر کوئی حق نہیں ہوا کرتا الا یہ کہ ان زندگی کو بھوک و انسانی ضرورت نہ پورا ہونے سے خطرہ لاحق ہو، (تو ایسی صورت میں) حاکم اعلیٰ ضرورت کے مطابق ان کو دے سکتا ہے، کیوں کہ یہ لوگ بھی دارالاسلام میں مسلمانوں کی ذمہ داری پر اپنی ضروریات زندگی کے فراہمی کا حق رکھتے ہیں - (۲۱۷)

باغراض میراث بیت المال کا یہ حکم ہے کہ مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ترکہ لاوارث خیال کیا جائے گا اور سب مسلمان وارث متصور ہوں گے - اور ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا تاکہ ضرورت مند مسلمانوں کے کام آئے -

رد المحتار میں لکھا ہے کہ بیت المال میں سپردگی مال غنیمت کے طور ہوگی نہ کہ میراث کے طور پر - (۲۱۸)

اسی بنیاد پر حنبلیہ مکتب فکر کے نزدیک بیت المال مستحقین میراث کے زمرہ میں شامل نہیں ہے۔ اگر چہ شافعی علماء کے نزدیک بیت المال بطریق ارث ترکہ کا مستحق ہوتا ہے مگر متاخرین نے اس نقطہ نظر سے اختلاف کیا ہے۔

علماء شافعی کے نزدیک اگر بیت المال منتظم ہے تو بیت المال کا استحقاق ذوی الارحام پر بلکہ رد علی ذوی الفروض پر بھی مقدم ہے اور اگر غیر منتظم ہے اور عصبہ موجود نہیں تو ذوی الفروض نسبی پر رد کیا جائے گا، ذوی الفروض نسبی یا عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو دیا جائے گا ورنہ زوجین پر رد کیا جائے گا - (۲۱۹)

(۲۱۷) فتاویٰ عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، ج ۱، ص ۹۸

(۲۱۸) رد المحتار، محمد اسین ابن عابدین، مطبوعہ ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۳۱

(۲۱۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا جو خزانہ عامرہ (بیت المال) ہے وہ منتظم ہے یا غیر منتظم۔ بطور مثال پاکستان میں بعض حلقوں کی یہ رائے ہے کہ بیت المال غیر منتظم ہے۔ اگرچہ بیت المال (خزانہ عامرہ) میں آمدنی کی مددات علیحدہ علیحدہ قائم ہیں لیکن ان کے صرف کی نوعیت وہ نہیں جو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہونی چاہئے، بلکہ اس میں آزادانہ اور غیر محل پر تصوف کیا جاتا ہے، نیز زکوٰۃ و جزیہ وغیرہ کی آمدنی سے چونکہ حکومت نے دست برداری اختیار کر رکھی ہے اس لیے یہ مددات خزانے میں سرے سے قائم ہی نہیں ہیں حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے ان مددوں کا قائم ہونا صرف نہ اسلامی حکومت کے فریضے میں شامل ہے بلکہ واجبات کے درجہ میں ہے۔ بیت المال کے غیر منتظم ہونے کی ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حاکم غیر عادل ہے اور مستحقین کو حسب قاعدہ حق نہیں پہنچتا، اس لیے بیت المال غیر منتظم ہے۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا جو خزانہ عامرہ ہے اس کو بیت المال منتظم تسلیم کرنا ہوگا۔ جو حضرات اس بیت المال کو منتظم قرار دینے کو تیار نہیں ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ اور جزیہ جو فقہ میں منتظم بیت المال کی اولین مددوں میں شامل ہیں، موجودہ بیت المال میں مفقود ہیں۔ جہاں تک زکوٰۃ کی عدم موجودگی کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری حکومت پر ہی نہیں بلکہ قوم پر بھی ہے۔ چونکہ وہ حکومت کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے جو ان کا دینی فریضہ ہے۔ اگرچہ زکوٰۃ کے انتظام کا اسلامی حکومت کے فریضہ میں شامل ہونا واجبات کے درجہ میں ہے لیکن موجودہ حالات میں اس کا مداوا حکومت سے زیادہ عوام پر ہے۔ باقی رہا جزیہ کا سوال تو اگر مسلم حکومت کے غیر مسلم باشندے جزیہ دینے پر تیار ہوں تو فبہا، ورنہ ان سے بھی زکوٰۃ وصول کی جانی چاہئے جیسا کہ حضرت عمر نے شام کے چند عیسائی قبائل کے ساتھ روا رکھا، بلکہ چونکہ غیر مسلم اب مسلم حکومت کی دفاعی خدمات میں شامل ہیں اور مسلمانوں کے دوش بدوش ملک کی حفاظت میں شریک ہیں لہذا وہ اہل ذمہ نہ رہے اور اس لیے ان سے جزیہ کا مطالبہ صحیح نہیں ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ موجودہ بیت المال کے منتظم قرار دینے

میں کافی وزنی دلائل ہیں۔ عہد حاضر میں میزانہ کی تیاری، عوام کی منتعجب کردہ اسمبلیوں کے ذریعہ اس کی منظوری، علیحدہ علیحدہ حسابات کی ترتیب اور حکومت کی جواب دہی، پبلک اکاؤنٹس کمیٹیوں کے ذریعہ اس کی تنقیح، ایسے امور ہیں کہ عہد گذشتہ میں ناپید تھے۔ جہاں تک بیت المال منتظم کی اس شرط کا تعلق ہے کہ حاکم اعلیٰ اس میں آزادانہ بے جا تصرف نہ کرے بلکہ خزانے کے مصارف کی ان شرائط کو مانے جو اسلامی فقہ میں مقرر ہیں، تو یہ موجودہ دور میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ جس وقت اہل فقہ نے یہ شرائط مقرر کیں، مسلمانوں نے حکومت کا نظم و نسق باضابطہ کسی مدون و رسمی دستور یا آئین مملکت کے تحت نہ چلایا جاتا تھا، لیکن موجودہ دور میں ایک مدون اور منظم آئین کے تحت حکومت کا سارا کام سرانجام پاتا ہے۔ آمد و صرف کے مدات معین ہیں اور باقاعدہ میزانہ مرتب و منظور کیا جاتا ہے یہ بات کہ عملی طور پر خزانہ کے اموال کو کہیں کہیں بے جا طور پر صرف کیا جاتا ہو تو یہ بات اگرچہ حاکم کے لیے ایک جرم کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ امر سرے سے بیت المال کو غیر منتظم قرار دینے کے لیے کافی نہیں۔

بیت المال کے غیر منتظم قرار دینے کی ایک اور دلیل جو قدیم کتب فقہ میں ملتی ہے، امام کا غیر عادل ہونا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ امام کا غیر عادل، فاسق یا ظالم ہونا بیت المال کو غیر منتظم قرار دینے کے لیے کس حد تک وجہ جواز بن سکتا ہے، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے جس زمانہ اور جن حالات میں بیت المال کے منتظم قرار دینے کے لیے امام عادل ہونے کی شرط لگائی تھی، اس زمانہ میں امام کو ملک کے خزانہ عامرہ پر کلی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ وہ اس میں جا و بے جا تصرف کر سکتا تھا اور کوئی باضابطہ مشینری یا ادارہ ایسا نہ تھا جو اس کے تصرفات (ناجاہز) میں مانع ہو سکتا۔ بنا بریں فقہاء نے بیت المال کے منتظم قرار دینے کے لیے امام کے عادل ہونے کی شرط عائد کی۔ لیکن عہد حاضر میں صدر مملکت بھی خزانہ عامرہ (بیت المال) میں آزادانہ تصرف کا مجاز نہیں۔ خود اس کی تنخواہ

اور الاؤنس وغیرہ کی منظوری سلک کی پارلیمان دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دیگر ذرائع مثلاً رشوت ستانی یا صنعتی و تجارتی مراعات و اجازت نامہ (لائسنس) وغیرہ کے ذریعہ ناجائز طور پر کچھ منفعت حاصل کر لے مگر وہ بیت المال میں ایک مقررہ حد سے زیادہ کسی طرح تصرف کا مجاز نہیں۔ اندرین صورت پاکستان کے خزانہ عامرہ (بیت المال) کو منتظم قرار دینا ہوگا۔ از روئے فقہ اسلامی وراثت کے باب میں بیت المال کو جو استحقاق حاصل ہے اسے اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ بالآخر بیت المال کا قیام عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود اور ریاست کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہوتا ہے، جس سے بہر حال تمام شہری مستفید ہوتے ہیں۔

بہر کیف یہ بات ایک محدود دائرہ میں سیاست شرعی کے طور پر کہی گئی ہے کیونکہ لاوارث مال یا لقیطہ (وہ مال جو راستہ میں پڑا ہوا مل جائے جس کا کوئی مدعی نہ ہو) کی حقدار اسٹیٹ ہی ہوا کرتی ہے، جس کی صراحت خود دستور پاکستان میں موجود ہے۔
تاہم ایک اسلامی حکومت کے خزانہ عامرہ کو شرعی بیت المال قرار دینے کیلئے حسب ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے۔

- ۱۔ آمد و خرچ کی علیحدہ علیحدہ مدات قائم ہوں۔
- ۲۔ آمدنی کی کوئی مد غیر شرعی نہ ہو۔
- ۳۔ آمدنی کے صرف کی تمام تر نوعیت اسلامی ہو، غیر شروع، آزادانہ اور غیر شرعی محل پر صرف لہ کیا جائے۔
- ۴۔ حکومت نے زکوٰۃ، عشر، جزیہ کی آمدنی سے بلا جواز شرعی دست برداری اختیار نہ کر رکھی ہو۔
- ۵۔ حاکم وقت غیر عادل ہو۔
- ۶۔ مستحقین کو شرع کے مطابق خزانہ عامرہ سے ان کے مالی حقوق دیے جاتے ہوں۔

واضح رہے کہ کسی مسلم مملکت کے موجودہ خزانہ عامرہ پر شرع اسلام کا کوئی جزء منطبق ہو جاتا ہو تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ خزانہ ”شرعی بیت المال“ قرار پا گیا۔

پوئیسوال باب

عول

۲۹۱ - جب کسی میت کے ترکہ میں ذوی الفروض کے سهام کی تعداد زیادہ ہو اور ترکہ کی اکائی ان سهام کی تعداد کو ان کے حق کے مطابق پورا نہ کر سکتی ہو تو سهام میں کمی کر کے تمام ورثاء کے حق میں تقسیم کے لیے حسابی زیادتی پیدا کرنے کا ”نام عول“ ہے

عول

تشریح

جب مخرج ایسا کم واقع ہو کہ کل مستحق ورثاء کے حصوں پر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے تو اس مخرج کے اجزاء میں کسی جزو کو بڑھا کر کمی پوری کر دی جاتی ہے۔ اس عمل کو ”عول“ کہا جاتا ہے اور جس مسئلے میں عول واقع ہو اس کو ”مسئلہ عولیہ“ کہتے ہیں۔ سراجیہ میں لکھا ہے کہ ”عول یہ ہے کہ زیادہ کیا جائے مخرج پر کچھ اس کے اجزاء سے جب کہ مخرج ادائے فرض سے کم رہے۔“ (۱)

”عول“ کے لغوی معنی ”ظلم کی طرف مائل ہونا“ ہیں۔ اس کے علاوہ ”جور و زیادتی“ کے معنی بھی آتے ہیں۔ علم المیراث کی اصطلاح میں جب ذوی الفروض کے حصوں کی مجموعی تعداد ترکہ کی اکائی سے بڑھ جائے تو ترکہ کو اصل عدد کی طرف مرتفع اور اس کے مخرج سے زیادہ کر دینا (تاکہ وارثوں

(۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، مجولہ بالا، ص ۵۴

الدرالمختار بر حاشیہ رد المحتار، حصکفی، علاء الدین (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ج ۵، ص ۵۵۵ (”العول ان یزاد علی المخرج شی من اجزاء اذا ضاق عن فرض“)

کے حصوں میں کمی ہو جائے) ”عول“ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر میت نے شوہر، دو حقیقی بہنیں اور ماں چھوڑی۔ از روئے قرآن شوہر کو نصف، حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور ماں کو چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔ لیکن ان تمام حصص کا مجموعہ ترکہ کی اکائی سے بڑھ جاتا ہے اس لئے مسئلہ چھ سے بڑھ کر آٹھ کی طرف ”عول“ کر جائے گا۔ بالفاظ دیگر شوہر کو $\frac{3}{8}$ ، حقیقی بہنوں کو $\frac{2}{8}$ اور ماں کو $\frac{1}{8}$ ملے گا۔

عول کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حصوں کی کسر جمع کر کے نسب نما کو شمار کنندہ کے مجموعہ کے برابر کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا مثال میں نسب نما ۶ ہے جب کہ شمار کنندہ کا مجموعہ ۸ ہوتا ہے۔ لہذا نسب نما کو بھی بڑھا کر ۸ کر دیا جائے گا اور اس طرح حصص شمار کنندہ کے اعتبار سے تقسیم ہو جائیں گے۔

طریقہ عول کا آغاز :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عول کا حکم فرمایا۔ ان کے زمانے میں ایسی صورت واقع ہوئی کہ اصحاب فرائض کے سہام ترکہ کی اکائی سے زیادہ تھے۔ آپ نے صحابہ کبار سے مشورہ فرمایا۔ حضرت عباس بن مطلب نے عول کا مشورہ دیا، جس سے تمام صحابہ نے اتفاق فرمایا۔ ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود جیسے صحابہ مجتہدین شامل تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ سے اختلاف کرتے ہوئے عول کے مسئلہ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے اس قول میں محمد بن علی ابن ابی طالب، علی بن الحسن اور زین العابدین اور عطاء ابن ابی رباح رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی موافقت کی ہے۔ عباس بن احمد الحسنی الیمنی الصنعانی نے ”تتمۃ الروض النضیر“ میں لکھا ہے کہ امت محمدیہ کے اکثر علماء، صحابہ و تابعین عول کے قائل ہیں اور اکثر اہل بیت وغیرہم نے بھی عول کی صحت میں ان مذکورہ

حضرات کی موافقت کی ہے۔ اگر حضرت ابن عباس کی مخالفت مشہور نہ ہو جاتی تو عول کے مسئلہ پر اجماع قطعی کا حکم لگا دینا یقینی ہو جاتا۔ (۲)

عول کی ضرورت :

عول کی ضرورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں اس لیے پیدا ہوئی کہ آپ نے فرمایا ”مجھے قرآن سے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ ذوی الفروض میں سے کون قابل تقدیم ہے اور کون قابل تاخیر۔ تاکہ مقدم کو مقدم کردوں اور سوخر کو سوخر۔“ (۳) اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب اصحاب فرائض کے درمیان یکسانیت پیدا کرنے کے لئے عول کا طریقہ جاری فرمایا۔

حضرت ابن عباس کا مسلک :

حضرت ابن عباس، جنہوں نے حضرت عمر کی وفات کے بعد عول کے مسئلے میں اختلاف رائے کیا، اپنے نقطہ نظر کی دلیل میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ جس صاحب فرض کو اللہ تعالیٰ نے فرض کے ایک مقررہ حصے سے کم کر کے دوسرا مقررہ حصہ دینے جانے کا حکم دیا ہے وہ صاحب فرض قوی اور مقدم ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے مقدم رکھا ہے اور جس صاحب فرض کو فرض کے مقررہ حصے کے بعد کسی دوسرے غیر مقررہ حصے کی طرف پھیر دیا ہے وہ صاحب فرض ضعیف اور سوخر ہے مثلاً زوجین میں زوج یا زوجہ اولاد ہونے کی صورت میں نصف و ربع سے منتقل ہو کر چوتھائی اور آٹھویں حصے کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن بالکل محروم نہیں ہوتے۔ اس کے برخلاف بھائی اور بہنیں بعض حالتوں میں اپنے مقررہ حصوں سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں لہذا یہ اول کے مقابلے میں سوخر ہوں گے۔ چنانچہ ابن عباس کے قول کے مطابق وہ ذوی الفروض جن کے حصے کسی دوسرے وارث کی موجودگی میں ایک مقررہ

(۲) التركة والميراث في الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، محوله بالا، ص ۳۲.

(۳) التركة والميراث في الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، محوله بالا، ص ۳۲. المبسوط،

امام سرخسی، محوله بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۱

حصے سے دوسرے مقررہ حصے کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ان کو اولیت دی جائے گی، جیسے شوہر، زوجہ، باپ، ماں اور جن ذوی الفروض کے حصے کسی بناء پر مقررہ حصے سے غیر مقررہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یا جو بالکل محبوب ہو جاتے ہیں ان کے حصوں میں کمی کی جائے گی۔ مثلاً بیٹیاں، بہنیں وغیرہ، کیونکہ وہ ایک طریق پر صاحب فرض ہیں اور دوسرے طریق پر عصبیات۔ اس لیے پہلے قسم کے ذوی الفروض کو ان کا مقررہ حصہ دیا جائے گا اور دوسری قسم کے ذوی الفروض کے حصوں میں کمی کی جائے گی کیونکہ ذوی الفروض کا حق عصبیات سے پہلے دیا جاتا ہے۔

احناف کا جواب :

لیکن احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تمام ذوی الفروض جو کسی درجہ میں جمع ہوں از روئے استحقاق (بحیثیت فرضیت) برابر ہیں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ چونکہ ان سب کا استحقاق بذریعہ نص قرآن قائم ہوا ہے لہذا سب کا استحقاق برابر ہوگا اور ہر شخص اپنا پورا پورا حصہ لے گا، اگر مل سکے اور اگر ترکہ حسب حصص موجود نہ ہو تو سب کے حصوں میں برابر کمی کی جائے گی۔

ذوی الفروض و عصبیات کے درمیان ابن عباس کی مندرجہ بالا تفریق کے عدم جواز پر حنفیہ کی جانب سے یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ عصوبت قوی ترین سبب ارث ہے، اس لیے اس بنا پر نقصان دینا یا محروم کر دینا، جب کہ وہ صاحب فرض بھی ہو، درست نہیں ہو سکتا، بلکہ عول کے ذریعہ سے جو مخرج بڑھایا جاتا ہے اس کی وجہ سے جو نقصان عائد ہو وہ تمام مستحقین پر بقدر تناسب پھیلا دیا جائے۔ یہی اصح ہے اور اسی پر است کا عمل ہے۔

عول کے مسئلے میں ہمیشہ ذوی الفروض ہی ہوتے ہیں۔ عصبہ کوئی نہیں ہوتا کیونکہ عصبہ کو ذوی الفروض کے دینے کے بعد ملا کرتا ہے۔ یہاں عول کی ضرورت ہی اس وجہ سے ہے کہ ذوی الفروض کے لیے ہی ترکہ

پورا نہیں، لہذا عصبہ کو دینے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیعہ امامیہ مسلک :

فقہاء شیعہ جعفریہ ایک حد تک ابن عباس کے مسلک کی موافقت کرتے ہیں، چنانچہ ان کے ہاں جملہ حصص سیزان اگر اکائی سے متجاوز ہو جائے تو اس اضافہ کو بیٹی یا بیٹیوں، حقیقی یا علاتی بہنوں کے حصص سے سنہا کر دیتے ہیں مثلاً میت نے شوہر، بیٹی، باپ اور ماں کو چھوڑا تو شوہر کو بارہ حصوں میں سے تین حصے یعنی چوتھائی، بیٹی کو ۱۲ حصوں میں سے ۶ حصے یعنی نصف، باپ کو ۱۲ حصوں میں سے ۲ یعنی چھٹا حصہ اور ماں کو بھی ۱۲ حصوں میں سے دو حصے یعنی چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔ لیکن چونکہ حصوں کی سیزان بجائے بارہ کے تیرہ ہوگئی ہے اس لیے بیٹی کا ایک حصہ سنہا کر کے بجائے چھ کے پانچ کر دیے جائیں گے، چنانچہ ترکہ کے بارہ سهام میں تقسیم کر کے شوہر کو تین، باپ کو دو، ماں کو دو اور بیٹی کو پانچ سهام ملیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ میت نے شوہر، دو بیٹیاں، باپ اور ماں کو چھوڑا تو شوہر کو بارہ سهام میں سے تین یعنی چوتھائی ($1/3$)، دو بیٹیوں کو بارہ سهام میں سے آٹھ یعنی دو تہائی ($2/3$)، باپ کو بارہ سهام میں سے دو یعنی چھٹا حصہ ($1/6$) اور ماں کو بارہ سهام میں سے دو یعنی چھٹا حصہ ($1/6$) ملنا چاہئے، مگر حصص کی سیزان پندرہ ہوگئی جو سهام کی تعداد یعنی بارہ سے تین زیادہ ہے لہذا بیٹیوں کے حصص میں سے تین سهام گھٹا کر ان کے پانچ سهام کر دئے جائیں گے اور اس طرح کل ترکہ بارہ حصوں میں تقسیم ہو کر شوہر کو تین، باپ کو دو، ماں کو دو، اور بیٹیوں کو پانچ سهام ملیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے پیچھے شوہر، دو حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑیں تو شوہر کو جملہ چھ سهام میں سے تین یعنی نصف اور دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو جملہ چھ سهام میں سے چار یعنی $2/3$ ملنا چاہئے۔ لیکن اکائی میں ایک کا اضافہ ہوگیا، لہذا دو حقیقی یا علاتی بہنوں کے حصے میں سے ایک گھٹا کر اس کو چار سهام میں سے تین سهام کر دیا جائے گا اور

تقسیم ۶ سهام میں ہو کر تین شوہر کو اور تین دونوں حقیقی یا علاتی بہنوں کو ملیں گے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے پیچھے شوہر، اخیافی بہن اور حقیقی یا علاتی بہن کو چھوڑا تو شوہر کو جملہ چھ سهام میں سے تین سهام یعنی نصف، اخیافی بہن کو جملہ سهام میں سے ایک یعنی $1/6$ اور حقیقی یا علاتی بہن کو جملہ چھ سهام میں سے تین سهام یعنی $1/2$ ملے گا۔ لیکن اکائی میں ایک کا اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حقیقی یا علاتی بہن کے حصہ میں سے ایک سهام منہا کر دیا جائے گا اور اس طرح اس کا حصہ بجائے $3/6$ کے $2/6$ رہ جائے گا اور چھ سهام تقسیم ہو کر تین شوہر کو، ایک اخیافی بہن کو اور دو حقیقی یا علاتی بہن کو ملیں گے۔ (۴) یہ سب صورتیں شیعہ اساسیہ مسلک کے بموجب ہیں۔

شیعہ اساسیہ اس قاعدے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ حقیقی بہن جب اخیافی بہن کے ساتھ وارث ہوتی ہے تو رد کا پورا پورا استفادہ وہی حاصل کرتی ہے۔ لہذا انصافاً نقصان بھی اسی کو برداشت کرنا چاہئے یعنی اضافہ شدہ کسر کی منہائی حقیقی بہن کے حصے میں سے ہی ہونی چاہئے، لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ اخیافی بہن کے ساتھ جب علاتی بہن وارث ہو تو وہ کیوں کمی برداشت کرے اس کو پورا ترکہ بذریعہ رد نہیں ملتا؟

ظاہریہ مسلک :

علامہ ابن حزم نے چونکہ حضرت ابن عباس کا مسلک اختیار کیا ہے اس لیے اپنی مشہور کتاب ”المحلی“ میں عول کی تردید میں بڑی شد و مد کے ساتھ بحث کی ہے۔ حضرت ابن عباس کی جو روایت اوپر بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن ذوی الفروض کو مقدم کیا ہے اور کون وہ ہیں جن کو موخر کیا ہے، ابن حزم نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ”جو فریضہ

(۴) المیراث، توقیر مرزا رزقی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ع، صص ۸۲-۷۹
شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۲۰۱

(مقررہ حصہ) ایسا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس سے نیچے لا کر کم حصہ مقرر کیا ہے تو یہ وہ فریضہ ہوگا جس کو مقدم سمجھا جائے گا، اور جو فریضہ (مقررہ حصہ) ایسا ہو گا جب اس کو زائل کیا گیا اور پھر اس کے بعد کوئی حصہ (فریضہ) مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس کو سوخر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ شوہر کا مقررہ حصہ جب نصف سے نیچے آتا ہے تو چوتھائی مقرر ہو جاتا ہے۔ اس حصے سے کبھی محروم نہیں ہوتا اور زوجہ چوتھائی سے نیچے آتی ہے تو آٹھویں کی مستحق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ماں ایک تہائی سے چھٹے حصہ کی جانب آجاتی ہے، بالکل ساقط نہیں ہوتی۔ لہذا یہی وہ صاحبان فرض ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے اور ہمشیرہ اور بیٹیاں نصف کی حق دار بنائی گئی ہیں یا دو تہائی کی لیکن جب ان کا یہ فرض حصہ زائل ہو جاتا ہے تو پھر ان کے لیے کوئی حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمایا، لہذا یہ وہ اصحاب فرائض ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سوخر کر دیا ہے۔ چنانچہ ان اصحاب فرائض میں سے جب ان کا باہم اجتماع ہو جائے تو جس کو مقدم کیا ہے ان کے فریضے (مقررہ حصے) دینے کے بعد جو بچے وہ سوخر اصحاب فرائض کو دیا جائے گا اور اگر نہ بچے تو کچھ نہ دیا جائے گا۔

چنانچہ جس مقام پر میت کا شوہر اور بہن اور ماں جمع ہوں تو ان کے نزدیک شوہر کو نصف اور ماں کو تہائی دے کر باقی چھٹا رہتا ہے وہ بہن کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ رہتا تو کچھ نہ دیا جاتا۔ (۵)

جمہور فقہاء کا مسلک:

جمہور فقہاء، صحابہ اور تابعین ائمہ اربعہ و شیعہ زیدیدہ کے فقہاء عول کے قائل ہیں۔ امام سرخسی نے عول کی تائیدی دلیل میں فرمایا ہے کہ یہ تمام ورثاء (ذوی الفروض) استحقاقی حیثیت میں برابر درجہ رکھتے ہیں، لہذا ان کے درمیان مساوات اختیار کرنا لازمی ہے۔ اس لیے اگر ترکہ ان سب کے حقوق پورا کر دیتا ہے تو سب کو ان کے حقوق پہنچا دئے جائیں گے۔

(۵) المعلیٰ، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۲۰

اور اگر محل تقسیم (ترکہ) تمام وراثت کے حصوں کے پورا پورا دینے سے قاصر ہوگا تو پھر ان میں طریقہ عول اختیار کیا جائے گا۔ اور سب کے حصوں میں ان کے حصوں کے بقدر کمی کی جائے گی اور کسی کو بالکل محروم نہ کیا جائے گا۔ (۶)

نتیجہ فکر:

حضرت ابن عباس کی رائے اگرچہ فقہی نقطہ نظر سے بظاہر قابل توجہ ہے کیونکہ وہ صاحبان فرض میں سے قوی اور ضعیف کی معرفت کے ساتھ ان کو مقدم و سوخر کرنے کے قائل ہیں، جس کے لیے انہوں نے یہ فقہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ کون صاحب فرض ساقط نہیں ہوتا اور کون کس وقت ساقط ہو جاتا ہے، لہذا جو کبھی ساقط نہیں ہوتا وہ قوی ہے اور جو کبھی ساقط ہو جاتا ہے وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قوی کو دینے کے بعد اگر کچھ باقی رہے تو ضعیف کو اتنا باقی دے دیا جائے گا اور باقی نہ رہے تو محروم کر دیا جائے گا۔

لیکن راقم الحروف کے خیال میں اصحاب فرائض میں سے قوی اور ضعیف معلوم کرنے کی جو وجہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے یا امام ابن حزم نے اپنی کتاب ”المحلی“ میں بیان کی ہے اس کے لیے کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ کیونکہ تمام فقہاء صحابہ و فقہاء ما بعد کا اتفاق ہے کہ سنت نبوی سے اصحاب فرائض کی قوت اور ضعف کی علت کا اس طرح متعین ہونا ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن بھی اس علت کی بناء پر قوت و ضعف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے اصحاب فرائض میں سے ہر صاحب فرض کے مقررہ حصے کو کسی قوت و ضعف کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان فرمایا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا اسیرالمومنین عمر الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ”میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس صاحب فرض کو مقدم کیا ہے کہ میں اسے مقدم کردوں اور کس صاحب فرض کو سوخر کیا ہے کہ میں اسے سوخر کردوں۔“ (۷)

(۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۶۳ - ۱۶۱

(۷) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۱

”لاادری من قلہ اللہ فاقدہ ولا من اخرہ اللہ فاخرہ“

اس کے علاوہ دوسری وجہ عول کی صحت اور جواز کی یہ ہے کہ عول کا طریقہ اختیار کرنے سے تمام اصحاب فرائض کے درمیان ایک عادلانہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کسی ایک فرد یا جماعت کے حصے میں کمی کر دی جائے یا اس کو بالکل محروم کر دیا جائے۔ اس طرح تمام اصحاب فرائض کے حصوں میں ان کے حصوں کی نسبت سے یکساں طور پر کمی واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عول کا اس طرح عمل صلہ رحمی کے نقطہ نظر سے بھی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سیت پر اگر چند شخصوں کا قرضہ (بحالت صحت) واجب الادا ہو اور ترکہ تمام قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی کے لیے کافی نہ ہو تو تمام قرض خواہوں کے حق میں قرض کے تناسب سے کمی کر کے تمام قرض خواہوں کو دیا جائے گا، نہ کہ بعض کو محروم کر دیا جائے یا بعض کو پورا اور بعض کو کم کر کے دیا جائے۔ لہذا جب تک قرآن سے عبارتاً یا دلالتاً یا اقتضاءً یا اشارتاً اصحاب فرائض کے درمیان قوت و ضعف پر کوئی محکم دلیل نہ پائی جائے اس وقت تک ان سب کے حقوق میں مساوات اختیار کرنا انصاف ہوگا اور یہ عول ہی کے ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں آخری دلیل یہ بھی دی جا سکتی ہے کہ عول کا مسئلہ وہ مسئلہ ہے جس کو حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام فقہاء صحابہ نے متفقہ طور پر قبول کیا ہے جس سے صحابہ کا اجماع قائم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نیز ان حضرات کے بعد فقہاء تابعین میں سے جمہور فقہاء، مشہور مذاہب اربعہ کے ائمہ اور است کے سواد اعظم نے اس کو قبول کیا ہے نیز استدلالی حیثیت سے بھی یہ مذہب قوی نظر آتا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس اور ان کے اتباع میں ابن حزم کے مذہب پر عمل کی صورت میں بعض اصحاب فرائض کے حصے پر کمی کا پورا بار ڈال دینا یا بالکل محروم کر دینا لازم آتا ہے جو کتاب اللہ کی صریح طور پر مخالفت ہے۔ اس کے برخلاف جمہور کے مسلک کے مطابق عول کے ذریعہ یہ صورت پیش نہیں آتی، بلکہ ہر صاحب فرض کا حصہ اس کو پہنچتا ہے اور ایک مکلف کی طاقت میں یہی ہے کہ جس طرح ممکن ہو تمام اصحاب فرائض کو بحصہ مساوی پورا پورا یا بحصہ رسدی مساوی کمی کے ساتھ ان کے حصے پہنچا

دئے جائیں۔ اس لئے عول کے مسئلے کو اختیار کرنا ہی حق بجانب ہے۔

عرب ممالک میں رائج الوقت قانون :

مصر کے قانون الموارث، مجریہ ۱۹۳۳ ع کی دفعہ ۱۵ کے تحت یہ قانون ہے کہ جب اصحاب الفروض کے حصوں کی مجموعی تعداد ترکہ کی اکائی سے بڑھ جائے تو ان کے حصوں کے مطابق عول کر کے تقسیم عمل میں لائی جائے گی۔ (۸) یہی عبارت ملک شام کے قانون میں اختیار کی گئی ہے (۹) نیز تیونس میں بھی یہی قانون ہے۔ (۱۰) عراق کے قانون میں اگرچہ کوئی دفعہ عول کے سلسلہ میں مذکور نہیں لیکن اس میں یہ صراحت ضرور کردی گئی ہے کہ قرابت دار وراثہ کے سهام اور ان کے استحقاق میں ان احکام شریعت کا لحاظ کیا جائے گا جو قانون الاحوال الشخصیہ، ۱۹۵۹ ع سے قبل ملحوظ رہے ہیں۔ (۱۱) چنانچہ عراق میں قانون الاحوال الشخصیہ کے نفاذ سے قبل فقہی مکاتیب فکر کے مطابق عمل کیا جاتا ہے تھا۔ مراکش کے قانون میراث کی دفعات ۲۵۷، ۲۵۸، اور ۲۶۴ کے تحت عول کے مختلف مسائل بیان کیے گئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مراکش میں بھی عول کے طریقہ پر عمل ہوتا ہے۔

عدالتی فیصلے :

ہند و پاکستان کی عدالتوں نے ترکہ اکائی سے بڑھ جانے کی صورت میں عول کا طریقہ اختیار کیا ہے، اور اس مسئلہ میں سنی اور شیعہ فرقوں کی فقہ کے مطابق فیصلے کیے جاتے رہے ہیں اور یہی النسب ہے۔

(۸) قانون الاحوال الشخصیہ، مصر، مجریہ ۱۹۳۳ ع دفعہ ۱۵

”اذا زادت انصباہ اصحاب الفروض علی التركة قسمت بینہم بنسبہ انصباہہم فی الارث۔“

(۹) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۲۷۳

(۱۰) مجلہ الاحوال الشخصیہ، ۱۹۵۶ ع، فصل ۱۱۲

”جب کہ اصحاب فروض کے حصے تعداد میں ترکہ کی مقدار سے زائد ہوں تو ان کے وراثت کے حصوں کے بموجب ان کی مناسبت سے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔“

(۱۱) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ ع، دفعہ ۹۰

پیشیوال باب

حمل مفقود، سیر ولد الزنا، ولد الملاءعہ اور خنثی کی میراث

حمل کی میراث

۲۹۲ - بہ پابندی احکام متعلق نسب اولاد مندرجہ باب ۱۱ مجموعہ
ہذا، متوفی کے حمل کے لئے لڑکے یا لڑکی میں سے کسی ایک فرد کا وہ حصہ
روک رکھا جائیگا جس کی مقدار زیادہ ہوگی۔ یہ عمل اس وقت ہوگا جب کہ
حمل متوفی کے وارثوں میں سے کسی وارث کے لئے حجب نقصان کا سبب ہو
سکتا ہو، لیکن اگر حمل حجب حرمان کا سبب ہوتا ہو تو کل ترکہ تقسیم سے
روک دیا جائیگا، اور قبل پیدائش بصورت تقسیم ترکہ ورثاء سے ضمانت
(Security) لی جائے گی۔

۲ - حمل اس وقت وارث ہوسکے گا جب کہ اس کا کل یا نصف سے
زیادہ حصہ زندگی کی حالت میں پیدا ہوا ہو، لیکن جس صورت میں کہ نصف
سے کم حصہ زندہ پیدا ہو اور زیادہ حصہ مردہ، تو یہ کل مردہ تصور کیا جائے
گا اور وارث نہ ہوگا، البتہ اگر حمل پر دست اندازی کی گئی ہو اور اس کے
سبب حمل مردہ پیدا ہوا ہو تو اس صورت میں وہ حمل خود بھی وارث ہوگا
اور اس کے دیگر ورثاء بھی اس کے وارث ہونگے۔

۳ - جب کہ حمل پیدا ہو جائے تو جو حصہ روکا گیا ہے اگر وہ اس
پورے حصہ کا وارث ہے تو اس کو وہ پورا حصہ دے دیا جائے گا اور اگر
وہ اس کے جزو کا مستحق ہے تو وہ جزو دینے کے بعد جو باقی رہے گا،
ورثاء میں بقدر استحقاق تقسیم کر دیا جائے گا۔

تشریح

سابقہ ابواب میں ان ورثاء کے میراث کا ذکر کیا گیا ہے جن کی حیات
سورث کی وفات کے وقت متحقق (ثابت اور موجود) ہو۔ لیکن بعض صورتوں میں

وارث کی حقیقی حیات کا یقینی ثبوت اور اس کی جنس کا قطعی تعین دشوار ہوتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں ایسی صورتوں سے متعلق میراث کو ”ارث بالتقدیر“ یعنی ”اندازہ سے میراث“ کا نام دیا گیا ہے۔ ان میں میراث حمل، میراث مفقود میراث اسیر، میراث نخنی شامل ہیں۔ چونکہ ولد الزنا اور ولد اللعان کا مسئلہ بھی نسب کے تعین میں تردد کے باعث ایک غیر یقینی صورت کا حامل ہوتا ہے، اس لیے ان سب کی میراث کے مسائل کو اس باپ میں جمع کر دیا گیا ہے۔

میراث حمل :

تمام فقہاء است کے نزدیک حمل سنجمہ دیگر ورثاء کے وارث ہوتا ہے بشرطہ کہ وہ مورث کی وفات کے وقت بطن مادر میں موجود ہو اور زندہ پیدا ہوا ہو۔ (۱) البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ مورث کی وفات کے وقت سے زائد سے زائد کتنی مدت میں زندہ پیدا ہوا ہو، نیز یہ کہ وہ حمل خود میت کی زوجہ کا ہے یا کسی دوسری عورت کا ہے جو مورث کا وارث ہے۔

حمل کی کم سے کم مدت :

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس پر است مسلمہ کا اجماع ہے۔ اس کی بنیاد قرآن پاک کی حسب ذیل دو آیتوں پر قائم ہے :-

(۱) ”وَحَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا“ (یعنی اس کا حمل اور دودھ چھڑائی تیس ماہ ہے)۔ ۲

(۲) ”وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ“ (یعنی اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے)۔ ۳ مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے ملا کر پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچے کے حمل اور دودھ چھڑائی کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے۔ بالفاظ دیگر ۲۴ ماہ دودھ پلانے (رضاعت) کی (انتہائی) مدت ہوئی اور باقی چھ ماہ حمل کی۔

(۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۱-۵۰۔
(۲) ۴۶ : ۱۵ (احقاف - ک)
(۳) ۳۱ : ۱۴ (لقمان - ک)

ان ہر دو آیات کے مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے رضاعت اور حمل دونوں کی ایک ساتھ خبر دے رہا ہے، لیکن چونکہ اس میں یہ احتمال تھا کہ اگر حمل نو ماہ میں تولد ہو یا دس ماہ میں تو بقیہ ۲۱ یا ۲۰ ماہ کی آخری مدت رضاعت کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس احتمال کو رفع کرنے کی غرض سے رضاعت کا حکم علیحدہ بیان فرمایا جس کے لیے دوسری آیات نازل ہوئی اور رضاعت کی انتہائی مدت کا تعین ہو گیا۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ”جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہیں ان کے لیے آخری ، انتہائی میعاد یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔ (۴)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے رضاعت کی انتہائی مدت بیان فرمائی ہے کیا حمل کی بھی یہ مدت انتہائی ہے؟ کیونکہ بظاہر کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے اس باقی ماندہ مدت (چھ ماہ) کو کم سے کم قرار دیا جاسکے۔ اسی بناء پر فرقہ ظاہریہ جو قرآن پاک کے ظاہری معنی پر احکام کی بنیاد رکھنے کا قائل ہے چھ ماہ کو مدت حمل قرار دیتا ہے۔ وہ اس سلسلہ میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ عرصہ کی تقیید کا قائل نہیں ہے۔

اگرچہ قرآن پاک سے چھ ماہ کا حمل کی ”کم سے کم“ مدت ہونا ظاہر نہیں ہوتا لیکن حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ (۵) حضرت علی نے بھی اسی طرح استدلال کیا ہے اور حضرت عثمان اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ (۶)

حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حمل اور

(۴) ۲: ۲۳۳ (البقرة م)

”والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة“

(۵) ابن کثیر (اردو ترجمہ)، محولہ بالا، پارہ ۲۱، ص ۴۵

(۶) ابن کثیر، (اردو ترجمہ)، محولہ بالا، پارہ ۲۶، ص ۸

رضاعت کی کل مدت ۳ ماہ مقرر کردی ہے، چنانچہ جب کسی عورت کے نو ماہ میں بچہ پیدا ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہے اور جب سات ماہ میں ہو تو مدت رضاعت تیس ماہ اور جب چھ ماہ میں ہو تو مدت رضاعت دو سال کامل ہے۔ (۷) (ابن عباس کی یہ تفسیر مذکورہ بالا پہلی آیت سے متعلق ہے جس میں دونوں کا حکم ایک ساتھ بیان ہوا تھا۔ بعد میں دوسری آیت میں دو سال کی تصریح کردی گئی ہے)۔

بہر کیف، ان آیات و احادیث سے اس استدلال کے ذریعہ یہ امر موثق ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے چھ ماہ اقل (کم سے کم) مدت حمل بیان فرمائی ہے۔

حنفی مسلک:

احناف کے نزدیک حمل کی انتہائی مدت دو سال ہے۔ اگر حمل میت کی زوجہ مطلقہ یا بیوہ کا ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ عورت نے عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اگر عورت نے عدت گزرنے کا اقرار کر لیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو (خواہ پیدائش اندرون دو سال ہی کیوں نہ ہو) تو اس کا نسب متوفی (مورث) سے ثابت نہ ہوگا اور اس بچے کو میت کی میراث نہ ملے گی کیونکہ عدت گزرنے کے اقرار کے بعد وہ حمل متوفی (مورث) کا نہیں ہو سکتا۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ جو چیز ساقط ہوگئی وہ لوٹا نہیں کرتی اور جو چیز گزر گئی وہ حجت نہیں ہو سکتی۔ (۸)

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے، نیز کسی حنفی امام یا فقیہہ سے بھی اس مسئلے میں کوئی اختلاف منقول نہیں۔

مالکیہ و شافعیہ مسلک:

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اصح قول کے بموجب حمل کی انتہائی مدت چار سال تک ہے۔ ابن رشد نے امام مالک سے ایک قول پانچ

(۷) ابن کثیر، محولہ بالا، پارہ ۲۶، ص ۸ (اردو ترجمہ)

(۸) الشریفہ، شرح سراجیہ، سید شریف الدین جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۲

البدائع الصنائع، کاسانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۱۲

المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۵۱ - ۵۰

فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۱۰

سال کا بھی نقل کیا ہے۔ بعض فقہاء مالکیہ سات کے بھی قائل ہیں، لیکن محمد بن عبدالحکم (مالکی) صرف ایک سال تک کی آخری مدت کے قائل ہیں۔ ابن رشد نے اپنا ذاتی نظریہ ابن عبدالحکم اور ظاہریہ کے قول کی سواقت میں قائم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ابن عبدالحکم اور ظاہریہ کا قول عادت جاریہ سے زیادہ قریب ہے اور حکم بہر حال وہ واجب ہوتا ہے جو عادت جاریہ کے مطابق ہونہ کہ نادر اور ممکن ہے کہ وہ محال ہو۔ (۹)

حنبلیہ مسلک :

امام احمد ابن حنبل کے مشہور قول کے مطابق حمل کی زائد سے زائد مدت چار سال ہے، اگرچہ ان کا ایک قول حنفی مسلک کے سواقی بھی ملتا ہے۔

بعض دیگر اصحاب کی رائے :

مندرجہ بالا فقہی مذاہب کے علاوہ، لیث بن سعد کے نزدیک حمل کی انتہائی مدت تین سال، عباد بن عوام کے نزدیک پانچ سال اور امام ابن شہاب زہری کے نزدیک ایک روایت کے بموجب پانچ سال اور دوسری روایت کے مطابق سات سال ہے۔ ان اصحاب کے نزدیک مذکورہ مدت تک بچہ بطن مادر میں رہ سکتا ہے۔ (۱۰)

شیعہ امامیہ مسلک :

شیعہ فقہاء کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زائد سے زائد مدت نو ماہ اور بعض کے نزدیک دس ماہ تک اور بعض کے نزدیک یہ مدت ایک سال تک ہو سکتی ہے لیکن علامہ نجم الدین جعفر الحلی نے اپنی مشہور تصنیف شرائع الاسلام میں ایک سال کے قول کو متروک لکھا ہے۔ (۱۱)

(۹) بداية المجتهد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۸ :

”وقول ابن عبدالحکم و الظاہریة هو اقرب الی المعتاد، و الحکم انما یجب ان یکون بالمعتاد، لا بالنادر و لعلہ ان یکون مستحیلا۔“

(۱۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۴۷۷

(۱۱) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، مطبوعہ تہران، ۱۳۷۷ھ، ص ۱۹۷

ظاہریہ مسلک :

ظاہری فقہ کے امام داؤد بن علی الظاہری نے حمل کی مدت چھ ماہ تک قرار دی ہے۔ (۱۲) وہ دراصل قرآن کی ظاہر نص پر مسئلے کی بنیاد رکھتے ہیں کہ خود قرآن نے حمل کی مدت چھ ماہ قرار دی ہے۔ جس میں کم سے کم یا زائد سے زائد کی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ جس طرح قرآن پاک میں رضاعت کی انتہائی مدت دو سال قرار دی گئی ہے اسی طرح حمل کے لیے چھ ماہ کی مدت کے لیے بھی انتہائی ہونے کی لیے قرینہ پایا جاتا ہے۔ ظاہریہ چونکہ تعلیل نصوص کے قائل نہیں ہیں اس لیے وہ قرآن کے ظاہر معنی پر مسئلے کی بنیاد رکھتے ہیں لیکن اگر حمل کی انتہائی مدت کے بارے میں ان کی اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ یہ لازم آئے گا کہ قرآن جھوٹی خبر دے رہا ہے کیونکہ بالعموم بچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

احناف کے قول کی بنیاد :

حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال ہونے کے ثبوت میں احناف اپنی دلیل میں حضرت عائشہ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ”بچہ اپنی ماں کے بطن میں دو سال سے ایک لمحہ زیادہ نہیں رہتا،“۔ اس حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ (۱۳) یہاں ”ظل مغزل“ کا لفظی ترجمہ ”تکلی کا سایہ“ ہے۔ دراصل اس سے قلت وقت کی طرف کنایہ ہے۔ احناف کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ کا مذکورہ بالا قول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جائے گا اور اس کو ان کی ذاتی رائے تسلیم کیا جانا ممکن نہیں، کیونکہ ایسے احکام میں ذاتی رائے کو

(۱۲) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۸

(۱۳) دارقطنی، محولہ بالا، مطبوعہ مدینہ منورہ، جزء ۳، صص ۲۲ - ۳۲۱ :

”من طریق ابن المبارک ثنا داؤد بن عبدالرحمن عن ابن جریج عن جمیلۃ بنت سعد عن عائشۃ قالت : ”الولد لا یبقی فی بطن امہ اکثر من ستین، ولو بظل مغزل۔“

السنن الکبریٰ، بیہقی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۴۴۳

نصب الراية، عبدالله بن یوسف زہلی، (م ۵۷۶ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۳، صص ۶۵ - ۲۶۴ (باب ثبوت النسب)

دخل نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس قسم کے تشریحی حکم میں صحابی یا صحابیہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جائے گا۔ (۱۴)

ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی بنیاد :

امام مالک، شافعی اور احمد ابن حنبل اپنے نقطہ نظر کے ثبوت میں چند واقعات بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ولید بن مسلم سے مروی ہے :
 ”ولید نے کہا، کہ میں نے حضرت امام مالک کے سامنے جمیلہ بنت سعد کی اس حدیث کا ذکر کیا جس کو انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی عورت دو سال سے زیادہ حاملہ نہیں رہ سکتی۔ امام مالک نے فرمایا سبحان اللہ بھلا یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہماری ہمسایہ عورت، محمد بن عجلان کی بیوی، چار سال تک حاملہ رہی ہے۔“ (۱۵)

اس واقعہ کو امام شافعی نے بھی نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی بنو عجلان کے بارے میں کہا ہے کہ بنو عجلان کی عورتیں عموماً چار چار سال تک حاملہ رہی ہیں اور عجلان کی زوجہ کے تین بچے پیدا ہوئے اور ہر بچہ چار سال تک حمل میں رہا۔ اسی طرح محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی اپنی والدہ کے پیٹ میں چار سال تک رہے۔ ابو الخطاب نے ابراہیم بن نجیع العقیلی کے متعلق بھی یہی روایت کیا ہے۔ نیز حضرت عثمان اور حضرت علی سے بھی یہی منقول ہے۔

امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت ضحاک کے سلسلے میں منقول ہے کہ وہ دو سال کے بعد پیدا ہوئے، حتیٰ کہ ان کے دانت بھی نکل آئے تھے اور ہنسنے لگے تھے اور

(۱۴) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۱۱

فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۰۱

مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۴۳

(۱۵) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، صص ۷۸-۷۷

”قال قلت : مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ حدیث جمیلہ بنت سعد عن عائشہ لا تزيد المرأة علی السنتين فی الحمل، قال مالک : سبحان اللہ من یقول هذا؟ جارتنا امرأة محمد بن عجلان تعمل اربع سنين قبل ان تلد۔“

نصب الراية، عبداللہ بن یوسف زیلعی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۶۵

اسی وجہ سے ان کا نام ضحاک رکھا گیا تھا۔ اسی طرح عبد العزیز ماجشونی اور ان کے خاندان میں کئی اولادیں چار چار سال کے بعد پیدا ہوئیں۔ ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرد اپنی زوجہ سے دو سال تک غائب رہا اس کے بعد آیا تو اس کی زوجہ حاملہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگرچہ آپ کو عورت پر حد جاری کرنے کا اختیار حاصل ہے، لیکن اس کے حمل کو قتل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حد کو موقوف رکھا، یہاں تک کہ جب اس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو اس کے دانت نکل آئے تھے۔ اور وہ اپنے باپ کا ہم شکل تھا۔ اس شخص (باپ) نے کہا: خدا کی قسم یہ تو میرا بیٹا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت تسلیم کیا۔ حالانکہ وہ دو سال سے زیادہ میں پیدا ہوا تھا اور فرمایا کہ اگر معاذ موجود نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ (بجالت حمل حد جاری کرنے سے) ہلاک ہوجاتا۔

اسلامی ممالک میں مدت حمل کا تعین :

مدت حمل سے متعلق جن ممالک اسلامیہ میں قوانین پائے جاتے ہیں ان کے تحت مدت حمل کم از کم چھ ماہ اور زائد سے زائد ایک سال قرار دی گئی ہے گویا مالکی فقہیہ ابن عبدالحکم کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ (۱۶) ان ممالک میں اس مسئلہ کو قیاسی قرار دیتے ہوئے اس کی بنیاد طبی تجربات اور مشاہدات پر رکھی گئی ہے۔

پاکستان میں حسب دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ ع صحیح النسبی کے متعلق قطعی قیاس کے بارے میں جائز نکاح میں رہنے کی حالت میں یا اس نکاح کے انفساخ سے ۲۸۰ یوم کے اندر پیدائش حمل کو اس امر کا قطعی

(۱۶) قانون المصری، نمبر ۵۰، بابت ۱۹۲۹ ع، دفعہ ۱۵

قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ ع، دفعہ ۵۱

محلہ الاحوال الشخصیہ، تونس، دفعہ ۷۱

قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۱۲۸

حمل، مفقود، اسیر، ولدالزنا، ولد الملائعۃ اور خنثی کی میراث ۱۸۵۹

ثبوت قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس شخص کی اولاد ہے۔ اس اثنا میں بچہ کی ماں کا بے زوج رہنا لازمی ہے۔ البتہ دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ ع میں کم سے کم مدت حمل کا تعین نہیں کیا گیا۔

طبی نقطہ نظر:

وضع حمل کی مدت کے بارے میں متعدد اطباء نے اپنی طبی تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے۔ چنانچہ شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب ”القانون فی الطب“ (۱۷) میں لکھا ہے کہ وضع حمل عام طور پر اور اکثر ۹ ماہ کی مدت میں ہوتا ہے اور کم سے کم مدت سات ماہ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ماہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں شیخ نے محض طبی نقطہ نظر سے طبعی وضع حمل کا ذکر کیا ہے۔ غیر طبعی طور پر یہ مدت کہاں تک ہوسکتی ہے اس کے متعلق قدیم اطباء کی کتابوں میں باوجود تلاش کوئی تفصیل نہ مل سکی۔

ایک انگریزی کتاب *Origin of life and Process of reproduction* کا

مصنف Dr. Hollick بقراط، ارسطو، جالینوس اور شیخ کے حوالے سے اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۵۴ پر لکھتا ہے کہ ان سب کے خیال میں وضع حمل کی مدت عام طور پر نو ماہ ہے لیکن کبھی یہ مدت ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ماہ اور بعض اوقات ۱۵ ماہ تک ہوسکتی ہے۔

طبی نقطہ نظر سے وضع حمل عموماً دس (۱۰) قمری مہینوں میں ہوتا ہے اس طرح اوسطاً وضع حمل کی مدت ۲۶۶ دن ہوتی ہے۔ یک جماعی

(Single Sexual Exposure) حمل کی صورت میں یہ مدت ۲۶۹ دن شمار کی گئی ہے۔ تاہم مغربی مصنفین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت وضع حمل، جس کا ریکارڈ موجود ہے، ۲۸۹ دن، (۱۸)، ۳۱۳ دن (۱۹)، گیارہ ماہ (۲۰) اور ۳۳۰

(۱۷) القانون فی الطب، بو علی سینا، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۵۰

(۱۸) Ralph c. benson (hand-book of Obst. and Gyn-1964) 47-52

(۱۹) Medical Examiner, June 1946 with ref. of Origin of Life and process of reproduction P, 354-55.

(۲۰) Medical Gazette with ref. of Origin of Life and process of reproduction p. 355

دن سے ۳۴۲ دن تک ہے (۲۱)

ڈاکٹر عارف صدیقی (شام) نے اپنی کتاب ”الطب الشرعی“ جلد اول صفحہ ۱۲۲ میں تحریر کیا ہے کہ اس معاملے میں کوئی یقینی مدت ایسی نہیں ہو سکتی جس کا تعین کیا جاسکے۔ ہر کیس انفرادی نوعیت رکھتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر عورت کے حیض کے دور پر اس کا انحصار ہوتا ہے عام طور پر وضع حمل کی مدت دس دور یعنی ۲۸۰ دن ہوتی ہے جب کہ حیض کا ایک دور ۲۸ دن کا ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل:

۱۔ احناف کی جانب سے ائمہ ثلاثہ کی طرف سے بیان کردہ مندرجہ بالا روایات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ضحاک اور عبدالعزیز کی روایات میں خود ان دونوں حضرات کا اس معاملے کے متعلق اپنا کوئی علم یا اقرار نہ تھا اور محض دوسرے کا کسی امر واقعہ کی خبر دینا قابل حجت نہیں ہوتا، کیونکہ رحم کے اندر جو کچھ بھی ہو اس کا علم سوائے خدائے بزرگ و برتر کے کسی کو نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ایسا واقعہ کسی بیماری، رحم کا منہ بند ہو جانے یا کسی دوسرے عارضہ کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے جو نادر الوقوع اور مستثنیات میں سے ہوگا اور حکم شرعی کی بنیاد قرار نہ پائے گا۔

۲۔ احناف کی طرف سے اس غائب شخص کی روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس روایت میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جن سے صرف یہی سمجھا جائے کہ اس عورت کا شوہر دو سال کے بعد ہی آیا تھا، بلکہ یہ معنی بھی نکل سکتے ہیں کہ دو سال گزرنے کے قریب تھے کہ وہ شخص آگیا۔ مزید برآں صورت موجودہ میں اس شخص کا اقرار بالنسب کر لینا بچے کے ثبوت نسب کا ذریعہ قرار پایا ہے۔ (۲۲) نیز حضرت عمر کی یہ روایت (زائد از دو سال

Legal Medicine by Maj. Collis. (1902) Page 225-230. (۲۱)

(۲۲) الشریفیہ، شرح سراچیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۰

مدت حمل کے ثبوت میں) فقہی نقطہ نظر سے بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس عورت پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمانا، جب کہ نہ عورت نے زنا کا اقرار کیا تھا اور نہ زنا پر چار شخصوں کی شہادت قائم ہوئی تھی، کسی اصل شرعی کے تحت صحیح نہیں ہو سکتا! ایک شخص کا اپنی زوجہ کے متعلق محض زنا کے شبہ کا اظہار حد قائم کرنے کی حجت قرار نہیں پاسکتا۔ حضرت عمر محض شوہر کے شبہ کے اظہار کے نتیجے میں اس عورت پر حد جاری کرنے کا کیوں کر ارادہ فرما سکتے تھے! لہذا زائد از دو سال کی مدت حمل کے مسئلے میں یہ روایت مالکیہ و شافعیہ مسلک کی تائید میں استدلال کے لائق نہیں ہے۔

۳۔ مزید برآں، حنفیہ نے ایسے واقعات کے جواب میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ان کا قول شارع علیہ السلام کی طرف منسوب تصور کیا جائے گا۔ جس میں خطا کا احتمال نہیں اور یہ حدیث مذکورہ واقعات کے مقابلے میں (بدرجہ مرفوع) حجت قرار پائے گی۔ قطع نظر اس کے، اگر ان واقعات کے بارے میں امام مالک کے بیان کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے، تب بھی یہ امر قطعیت کے ساتھ ثابت قرار نہیں دیا جاسکتا کہ حمل کی انتہائی مدت چار سال ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس واقعہ (یا اس قسم کے واقعات) کو نادراالوجود کہا جاسکتا ہے۔ (۲۳) جس پر قطعیت کے ساتھ اور آخری طور پر شرعی حکم کا مدار نہیں رکھا جاسکتا۔ جب کہ دو سال مدت حمل کی بنیاد صحابیہ فقہیہ کے اثر پر ہے اور صحابی یا صحابیہ کی ایسی موقوف روایت جس میں کوئی شرعی تقدیری حکم بیان کیا جائے مرفوع کے درجے میں ہوتی ہے۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ کے مذکورہ بالا اقوال کے، کیونکہ ان کی بنیاد محض واقعات پر ہے جو اثر ضعیف کا درجہ بھی نہیں رکھتے۔ بعض کا قول طبی نقطہ نظر پر سببی ہے۔ طبی نتائج تغیر پذیر اور متبدل ہونے کی وجہ سے شرعی قانون کی محکم بنیاد و ماخذ قرار نہیں دئے جاسکتے۔ خصوصاً جب کہ اطباء کے تجربات بھی مختلف رہے ہوں، بعض طبیوں نے پندرہ سولہ ماہ میں بھی وضع حمل کا

(۲۳) فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۱۰
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۷۴

شاہدہ کیا ہے، جو تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت ہوتی ہے۔

اکثر ائمہ حدیث و فقہہ اس امر میں متفق ہیں کہ صحابی کے قول پر حکم شرعی کی بنیاد رکھنا قیاس کے مقابلے میں واجب ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کے اصول استخراج احکام شرعی کے بارے میں ابن عبدالبر نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے کہ ”سفیان ثوری نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے ابو حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں حکم شرعی کے لیے سب سے پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں، جب میں کتاب اللہ میں حکم شرعی نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اختیار کرتا ہوں اور جب میں کتاب و سنت میں حکم شرعی نہیں پاتا تو صحابہ رسول کے قول کو لیتا ہوں اور اگر صحابہ کے متعدد اقوال ہوں اور ان میں باہم اختلاف ہو تو میں جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں اور جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں اختیار نہیں کرتا۔ لیکن میں ان (صحابہ) کے قول سے غیر صحابہ کے قول کی طرف نہیں جاتا۔“ (۲۴) یعنی امام ابو حنیفہ کتاب و سنت کے بعد قول صحابی کو حکم شرعی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے میں کتاب و سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو مگر صحابی کا قول موجود ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حجت ہوگا اور کسی غیر صحابی کا قول یا رائے قابل اعتبار نہ ہوگی۔

امام قرشی نے بھی الجواهر المضمیئہ کے ذیل میں فرمایا ہے کہ ”جب کسی مسئلے میں حدیث صحیح وارد ہوتی تو امام ابو حنیفہ اس حدیث صحیح کا اتباع فرماتے (حدیث صحیحہ کی غیر موجودگی میں) اگر صحابہ یا تابعین کی کوئی روایت موجود ہوتی تو اس کا اتباع فرماتے تھے۔ (حدیث صحیح یا قول صحابہ یا تابعین نہ ہونے کی صورت میں) قیاس سے کام لیتے تھے۔ اور سب سے

(۲۴) الانتفاع، مطبوعہ مصر، ص ۱۴۲ :

” . . . ابن عبدالبر فی الانتفاء عن سفیان الثوری قال : سمعته (ای الامام ابی حنیفہ) یقول : آخذ بکتاب اللہ فمالم اجد فسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمالم اجد فی کتاب اللہ ولا فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذت بقول اصحابہ آخذ بقول من شئت منهم وادع من شئت منهم ولا اخرج من قولهم الی قول غیرهم۔“

بہتر قیاس کسی صحابی کے قول سے حجت لانا ہے، جب کہ اس (مسئلہ) میں قیاس کو دخل نہ ہو۔ (۲۵)

محمد بن احمد ابن سہل سرخسی نے اپنی کتاب ”اصول“ میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب متقدمین اور متاخرین میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس معاملے میں معرفت حکم شرعی کے لیے قیاس کو دخل نہیں ہو سکتا اس میں کسی ایک صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے۔ اور یہی صورت مقادیر کے معاملے میں ہے جن کو رائے سے نہیں پہچانا جاسکتا۔ اسی سبب سے ہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول کہ ”سہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے“ اختیار کر لیا۔ نیز انس کا قول کہ ”حیض کی کم سے کم مدت تین یوم اور زائد سے زائد دس یوم ہے“ اختیار کیا۔ نیز عثمان بن ابی العاص کے قول کو کہ ”نفاس کی مدت چالیس یوم ہے“ اور حمل کی زائد سے زائد مدت کے بارے میں حضرت عائشہ کا قول ”اس کی زائد سے زائد مدت دو سال ہے“ اختیار کر لیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ان (صحابہ) کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے قول میں ہرزہ سرائی کریں گے۔ لہذا یہ امر جائز نہیں ہے کہ ان (صحابہ) کے قول کو حکم شرعی کے معاملے میں کذب پر محمول کیا جائے۔

امام موصوف نے ایک اور جگہ اسی امر کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”شریعت کا طریقہ ان نصوص کے ذریعہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ انہیں صحابہ کے ذریعہ پہنچا ہے۔ چنانچہ ان کے قول کو جھوٹ پر محمول کرنے میں ان کی ذات اور قول کا فسق کے ساتھ (ثابت ہونا) لازم آتا ہے اور یہ امر ان کی روایت کو باطل کرتا ہے۔ لہذا اب جو امر باقی رہا وہ یا تو صحابی کی رائے ہے یا اس ذات سے سماعت پر مبنی ہے جس پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس باب میں رائے کو دخل نہیں اس لئے صحابی کے قول کا سماعت

(۲۵) ذکر القرشی فی ذیل الجواهر المزیثہ : و کان الامام (وابوحنفیۃ) اذاوردت مسئلۃ فیہا حدیث صحیح تبعہ ولوعن الصحابہ والتابعین والا قاس۔ فاحسن القیاس الاحتجاج بقول الصحابی فیما لا مدخل فیہ للقیاس۔،،

پر سببی ہونا متعین ہو گیا چنانچہ اس صحابی کا فتویٰ ہر حالت میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کا درجہ پا گیا۔، (۲۶)

علامہ بزدوی نے اپنی کتاب ”اصول“ کے باب ”متابعت الصحابہ“ میں لکھا ہے کہ بردعی نے کہا ہے ”صحابی کی تقلید واجب ہے اور اس بناء پر قیاس کو ترک کیا جائے گا،۔ (۲۷) اور امام کرخی نے کہا ہے کہ ”صحابی کی تقلید واجب ہے مگر اس مسئلے میں جس میں قیاس کے ذریعہ حکم شرعی کا ادراک نہیں کیا جاسکتا،۔ (۲۸) پھر علامہ بزدوی نے کہا ہے کہ ”بہر حال جس مسئلے کو قیاس کے ذریعہ متعین نہیں کیا جاسکتا اس مسئلے میں صحابہ کے قول پر عمل لازمی ہو گیا اور صحابی کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ صحابی کے لیے اس قول کی کوئی اور وجہ نہیں ہو سکتی الا یہ کہ وہ (قول) جھوٹ تصور کیا جائے اور یہ تصور کرنا باطل ہے، اس لیے اس قول پر عمل کرنا لامحالہ واجب ہو گیا۔ (۲۹)

(۲۶) ”اصول“ محمد ابن سہل السرخسی (م ۵۴۹۰) مطبوعہ مصر، الكتاب العربی (۵۱۳۷۲) ج ۲، ص ۱۱۰

”قال السرخسی فی اصولہ : ولا خلاف بین اصحابنا المتقدمین والمتأخرین ان قول الواحد من الصحابة حجة فيما لامدخل للقياس في معرفت الحكم فيه و ذلك نحو المقادير التي لا تعرف بالرأى فانا اخذنا بقول علي في تقدير المهر بعشرة دراهم و اخذنا بقول انس في تقدير اقل الحيض بثلاثة ايام و اكثره بعشرة ايام و بقول عثمان بن ابي العاص في تقدير اكثر النفاس باربعين يوما و بقول عائشة في ان الولد لا يبقى في البطن اكثر من سنتين۔“

و هذا لان احدا لا يظن بهم المجازفة في القول ولا يجوز ان يحمل قولهم في حكم الشرع على الكذب۔“

و ايضاً قال : فان طريق الدين من النصوص انما انتقل اليها بروايتهم و في حمل قولهم على الكذب و الباطل قول لفسقهم و ذلك يبطل روايتهم فلم يبق الا الراي او السماع ممن ينزل عليه الوحي و لامدخل للرأى في هذا الباب فتمين السماع و صار فتواه مطلقاً كرواية عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(۲۷) ”اصول فقہ“ علامہ بزدوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۴

(۲۸) اصول فقہ، علامہ بزدوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۴

(۲۹) اصول الفقہ، علامہ بزدوی (م ۵۴۸۲)، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۴ اور ۲۳۶ :

”و قال البزدوی : قال البردعی : تقلید الصحابی واجب یترک به القیاس و قال کرخی لا یجب تقلیدہ الا فیما لا یدرک بالقیاس۔“

”ثم قال البزدوی (بعدما اثبت الاختلاف فيما یدرک بالقیاس) اما فیما لا یدرک بالقیاس فلا بد من العمل به حملاً لذلك على التوفيق من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، لا وجه له غیر هذا الا التکذیب باطل فوجب العمل به لا محالة۔“

چنانچہ یہ قاعدہ اصول فقہ کے اکثر ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ ایسے امور میں جن کا تعلق حکم شرعی سے ہو اور اس میں قیاس جاری نہ ہو تو صحابی کا قول اس کے اپنے اجتہاد کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی خیال کیا جائے گا۔ اگر اس اصول سے اختلاف کیا جائے تو پھر موقوفہ اور مرسلہ احادیث کے سارے ذخیرے سے دست بردار ہونا لازم آئے گا اور اس طرح وہ فقہی مسائل جو ان احادیث موقوفہ یا مرسلہ سے مستخرج ہیں، ان کی بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔

احناف کے نزدیک حضرت عائشہ کا قول اس مسئلہ میں ایک اور دلیل کے سبب بھی حجت قرار پاسکتا ہے وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے ”پیدا کیا میں نے تم لوگوں کو بے قدرے پانی سے، پھر کر دیا ہم نے اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم میں)، مقررہ وقت تک - (۳۰)۔“ قرآن پاک کی یہ آیت اس امر کے بیان میں ”مجمل“ ہے کہ کب تک بچہ رحم مادر میں رہے گا؟ اور یہ اصول تمام ائمہ کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ اگر قرآن پاک کا کوئی حکم ”مجمل“ ہو تو اس کی تفسیر یا بیان ”خبر واحد کے ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے البتہ اگر حکم مطلق ہے تو احناف کے نزدیک ”خبر واحد“ کے ذریعہ اس حکم کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک مطلق حکم کی صورت میں بھی ”خبر واحد“ کو اس کی تفسیر یا بیان قرار دے کر حکم کو مقید کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سندرجه بالا قول خبر واحد کے درجے میں ہے اور یہ قول مذکورہ بالا آیت میں مذکور ”مجمل حکم“ کی تفسیر یا بیان ہے۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم میں مرفوع کے ہے، کیونکہ بمقادیر (شرعی) کا تعین قیاس سے نہیں ہو سکتا بلکہ وہ موقوف علی الوحی ہوتی ہیں۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محض اپنے قیاس اور رائے سے ”الی قدر معلوم“ کو دو سال سے تعبیر نہیں کر سکتی تھیں، جب تک کہ انہوں نے آنحضرت (صلعم) سے یہ قول نہ سنا ہوتا۔

(۳۰) ۷۷ : ۲۲ - ۲۰ (المرسلت)

”الم نخلقکم من ماء مهین - فجعلناہ فی قرار مکین - الی قدر معلوم“

محاکمہ :

حمل کی زائد سے زائد مدت کے تعین کے مسئلے میں احناف کا یہ موقف اصولی طور پر صحیح ہے کہ وہ اسور جن پر قیاس جاری نہیں ہوتا بلکہ خالص شرعی مسائل ہیں اور جن اسور میں قرآن و سنت سے کوئی تصریح نہیں پائی جاتی، ان میں صحابی کا قول حجت ہوگا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدت حمل کی تعیین ایک طبعی امر ہے، شرعی نہیں، بلکہ اس پر شرعی احکام جاری ہوں گے۔ فقہاء کرام کا یہ استدلال جن اسور پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں وہ تمام اسور اگر مقداری ہیں تو ان پر قیاس جاری نہیں ہوگا بلکہ صحابی کا قول کو حجت ماننا پڑے گا، کلی طور پر صحیح نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض مقادیری اسور خالص شرعی ہوتے ہیں جیسے تعداد صلوة و صوم و اوقات صلوة وغیرہ۔ ان مقادیر میں اصولی طور پر عقل کو کوئی دخل نہیں، اس لیے کہ یہ صرف شارع کی تعلیم پر منحصر ہیں۔ لیکن بعض مقادیری اسور طبعی ہوتے ہیں اگرچہ ان پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں۔ ایسے مقادیری اسور جو طبعی ہوں ان کا طریقہ علم مشاہدہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ مدت حمل ایک ایسا ہی طبعی مقدار کا مسئلہ ہے جس کا علم اصولی طور پر مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے اور جب مشاہدہ کے ذریعہ مدت حمل کی مقدار کی تعیین ہوگئی تو اس پر شرعی احکام کا اطلاق کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے بحالت مرض موت ہبہ کا حکم شرعی۔ یہ ایک حکم شرعی ہے کہ مرض الموت میں واہب کے ہبہ پر احکام وصیت کا اطلاق کیا جائے گا، لیکن کون سا مرض، مرض الموت ہے، یہ علم طب کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے۔ چونکہ مدت حمل کی مقدار کی تعیین ان اسور سے ہے جن کا انحصار مشاہدہ طبعی پر ہے اس لیے ان میں قیاس کو دخل ہے۔ بناء برین اس مسئلہ میں صحابی یا صحابیہ کا قول واجب العمل نہ ہونا چاہئے۔

نتیجہ فکر :

دراصل اختلاف اس میں ہے کہ مدت حمل کی تعیین کا مسئلہ قیاسی ہے

یا غیر قیاسی۔ بالفاظ دیگر اس کا انحصار عقل، مشاہدہ، تجربہ و علم طب پر ہے یا نہیں۔ احناف اس کو غیر قیاسی امور میں داخل کرتے ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ اس کو ایسے امور میں داخل کرتے ہیں جن میں قیاس کو دخل ہے۔ احناف اس ضمن میں حضرت عائشہ کی حدیث کے سبب اس کو امر شرعی قرار دے رہے ہیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ حضرت عائشہ کی حدیث کو محض ان کی ذاتی رائے قرار دیتے ہیں۔

اسلام اپنے بنیادی اخلاقی تصورات کے تحت بچہ کو صحیح النسب قرار دینے میں معمولی سے معمولی حجت کو بھی گوارا کرتا ہے تاکہ بچے کو اپنے والدین کی صحیح اولاد تسلیم کیا جا سکے۔ اس میں بہت سے سماجی فوائد اور تحفظات مضر ہیں۔ اسی لیے شرع اسلام میں نکاح فاسد و وطی بالشبہ کو بھی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی حجت قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ”الولد للفراش و للعاهر الحجر“، ایک اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ فقہاء امت نے مسئلے کی تفصیلات مرتب کرنے میں پوری توجہ اس طرف مرکوز کی ہے کہ بچہ صحیح النسب قرار دیا جائے۔ اس پس منظر میں جب ہم زائد سے زائد مدت حمل کے مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء نے بعید الوقوع صورتوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک حمل کی انتہائی مدت کے بارے میں حضرت عائشہ کی محولہ بالا حدیث پر اس مسئلے کا مدار رکھنا ہی انسب اور قرین صواب ہے۔ وضع حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال قرار دینے میں مصلحت یہ ہے کہ محض کسی عورت کا ایک سال سے زائد (اور یہ مدت دو سال تک ہو سکتی ہے) مدت میں بچے کو جننا بجائے خود بچے کے لیے غیر صحیح النسبی کے مترادف نہ ہوگا۔ کیونکہ عام مدت میں بچہ کی پیدائش سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں بلکہ غیر معمولی مدت میں پیدائش ایک مسئلہ ہے جو روز مرہ کے واقعات کے خلاف ہے اس لیے اس پر شرعی حکم کی ضرورت لاحق ہوگی۔ البتہ اگر مدت حمل کے مسئلے کو مدرک بالقیاس ہی تسلیم کیا جائے تو پھر ایک سال مدت حمل قرار دینا صحیح ہوگا۔

لیکن ساتھ ہی یہ امر مسلمہ ہے کہ دو سال میں وضع حمل کے واقعات شاذ ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ بناء برین اس خطرے کے سدباب کے لیے کہ ولد الزنا میت کی میراث حاصل نہ کرے باغراض وراثت مدت حمل کو اس پر مشروط کر دیا گیا کہ عورت نے اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔

چنانچہ احناف کے نزدیک بالاتفاق اگر کوئی شخص اپنی وفات کے وقت اپنی زوجہ کو حاملہ چھوڑ کر وفات پا جائے تو بچے کے دو سال کے اندر پیدا ہونے کی صورت میں یہ حمل میت کا وارث ہوگا بشرطے کہ عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو۔ اسی طرح میت کے دوسرے اقرباء بچے کے وارث ہوں گے۔ لیکن اگر انتہائی مدت حمل سے بھی زائد مدت میں پیدا ہوا، یا عورت نے دو سال کے اندر انقضائے عدت کا اقرار کر لیا تو اب نہ بچہ وارث ہوگا اور نہ میت کی نسبت سے بچے کا کوئی دوسرا قرابت دار اس کا وارث ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہ امر متحقق ہو جائے گا کہ بچہ موت کے وقت حمل میں موجود نہ تھا اس لیے نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ میراث ملے گی۔ یہ وہ صورت ہے جب کہ بچہ خود میت کی اپنی زوجہ کا ہو اور دونوں کے درمیان موت کے وقت نکاح قائم ہو۔

لیکن میت کی اپنی زوجہ کا حمل نہ ہو بلکہ میت کے وراثہ میں سے کسی کی زوجہ کا حمل ہو۔ مثلاً باپ، دادا، یا کسی دیگر وارث کی زوجہ میت کی موت کے وقت حاملہ تھی اور یہ عورت موت سے پورے چھ ماہ یا اس سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس صورت میں یہ بچہ میت کا وارث ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ بچہ موت کے وقت بطن مادر میں موجود تھا۔ لیکن چھ ماہ سے زیادہ مدت میں اس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو احناف کے نزدیک وارث نہ ہوگا، کیونکہ موت کے وقت حمل کا موجود ہونا یقینی نہیں رہتا۔ (ہو سکتا ہے کہ حمل میت کی وفات کے بعد ٹھہرا ہو)۔ مزید برآں اس صورت میں بچے کو میت کی موت کے وقت حمل میں موجود تصور کر لینے کی مجبور کر دینے والی ضرورت بھی موجود نہیں، اس لئے اس کو ورثہ نہیں ملے گا۔ بخلاف اس پہلی صورت کے، کہ وہ میت کی اپنی ذات کا معاملہ تھا اور اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ

سیت سے اس کے بچے کا نسب ثابت کیا جائے اور بچے کو ولد الزنا ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔ اس لیے انتہائی مدت حمل کا اعتبار کر کے اس کی طرف نسبت کی گئی، جب کہ دوسری صورت میں سیت کے علاوہ دوسرے کا نسب خود بخود ثابت ہونا چاہئے۔ (۳۱)

غیر سیت کی زوجہ کا حمل :

احناف کا سیت اور غیر سیت کی زوجہ کے حمل کی انتہائی مدت میں بہ اغراض وراثت مندرجہ بالا تفریق اصول قیاس پر مبنی ہے۔ اگرچہ غیر سیت کی زوجہ کے حمل کا نسب باغراض تعیین نسب سیت کے انتقال کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے کے بعد بھی (حمل کی انتہائی مدت، دو سال کے اندر) ثابت ہے مگر باغراض وراثت غیر، احتیاط کی بناء پر اسے میراث سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ یہ حکم اس امکان کے پیش نظر ہے کہ سبدا غیر سیت کی زوجہ کا حمل (سیت) کی وفات کے بعد قرار پایا ہو۔

حمل کے لئے ترکہ کی مقدار:

اس مسئلہ میں کہ حمل کے لیے ترکہ کا کتنا حصہ روکا جائے، ائمہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف نہ صرف امام ابو حنیفہ اور صاحبین بلکہ ائمہ ثلاثہ کے درمیان بھی ہے۔

حنیفہ مسلک :

اس امر میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرے تو حمل کے لیے ترکہ کا کس قدر حصہ روکا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چار لڑکے یا چار لڑکیوں میں سے جس کا حصہ زیادہ ہو وہ حمل کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کو چار بچوں تک ایک حمل میں پیدا ہونے کا عملی ثبوت ملا تھا۔ امام خصاص نے امام ابو یوسف سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک بیٹے یا بیٹی کے حصے میں

(۳۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۴ - ۵۵۔

جس کا بھی حصہ زیادہ ہو اسی کو حمل کے لیے روک رکھا جائے۔ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کا حصہ، جوںسا بھی زیادہ ہو، اٹھا رکھا جائے۔ اسی قول کو امام محمد الشیبانی سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

امام ابو یوسف کے متذکرہ بالا دو اقوال میں ایک بیٹے یا ایک بیٹی کے حصے میں سے جو حصہ زائد ہو اس کے روکے جانے والا قول اصح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ اکثر حمل سے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے حاملہ بیوی چھوڑ کر وفات پائی اور اس کا ترکہ حمل کے پیدا ہونے سے پہلے تقسیم کیا جائے تو اس صورت میں حمل کو لڑکا یا لڑکی فرض کیا جائے گا جو اس کے حق میں بہتر ہو، یعنی اگر لڑکا فرض کرنے سے اس کو زیادہ حصہ ملتا ہے تو اس کو لڑکا قرار دے کر اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا اور اگر لڑکی فرض کر کے زیادہ حصہ ملتا ہو تو اس کو لڑکی قرار دے کر اس کا حصہ محفوظ رکھیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شخص بیوی، بیٹا اور حمل چھوڑ کر مرا۔ اگر حمل کو لڑکا فرض کیا جائے تو اس صورت میں بیوی کا آٹھواں حصہ دے کر باقی سات حصوں میں دونوں بھائی شریک ہو جاتے ہیں اور اگر حمل کو لڑکی فرض کیا جائے تو بیوی کا آٹھواں حصہ نکال کر لڑکی باقی سات حصوں میں سے تہائی کی مستحق ہوگی۔ اس صورت میں چونکہ لڑکا فرض کرنے سے زیادہ حصہ ملتا ہے اس لیے حمل کو لڑکا فرض کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف ایک عورت اپنی ماں، شوہر، ایک اخیافی بہن اور ایک سوتیلی ماں کا حمل چھوڑ کر مری اس صورت میں حمل کو لڑکی یعنی علاتی بہن فرض کیا جائے تو ذوی الفروض کی حیثیت سے نصف ترکہ کی مستحق ہوگی اور مسئلہ چھ سے ہو کر آٹھ کی طرف عول کرے گا اور اگر اس کو لڑکا یعنی علاتی بھائی فرض کیا جائے تو عصبہ ہو کر اس سے کم تر حصے کا مستحق ہوگا اس لیے مندرجہ بالا صورت میں حمل کو علاتی بہن فرض کر کے اس کا نصف حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔

امام شافعی کے نزدیک حمل کی صورت میں کسی وارث کو حصہ نہ

دیا جائے گا۔ البتہ کسی خاص وارث کو جس کا حصہ حمل کے لڑکے یا لڑکی یا ایک سے زائد ہونے کی صورت میں تبدیل نہ ہوتا ہو دیا جا سکتا ہے۔

دراصل حمل کی صورت میں حصہ روکنے کے لیے دیگر ورثاء کی موجودگی کا لحاظ از بس ضروری ہے کہ وہ کس درجہ کے ورثاء ہیں۔ لڑکے یا لڑکی پیدا ہونے کے سبب ان کے حصوں میں حجب حرمان یا حجب نقصان پیدا ہونے کا امکان پایا جاتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے مطابق ترکہ کی مقدار روک لینی چاہئے۔ لیکن کل ترکہ کی تقسیم کو روکے رکھنا بالعموم منفعت کے مقابلے میں ضرر کا سبب ہوتا ہے البتہ بعض ناگزیر صورتوں میں کل ترکہ بھی روکا جا سکتا ہے۔

احناف کے نزدیک حمل کے مستحق سیراث ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو۔ اس امر کے معلوم کرنے کا طریقہ، کہ حمل زندہ پیدا ہوا ہے، یہ ہے کہ اس کی آواز نکلے، درآن حالے کہ وہ چیختا ہوا ہو یا اس کی چھینک سنی جائے یا انفصال کے بعد اس کے بعض اعضا حرکت کرتے ہوں۔ اگر بچے کے بعض اعضا نکلے درآن حالے کہ وہ حرکت کر رہا تھا تو اگر اس کے اکثر اعضا نکلے تو کہا جائے گا کہ یہ اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر کم اعضا نکلے اور ان اعضا میں سے ایک عضو نے حرکت کی تو یہ اس بات کی دلیل نہ ہوگی کہ وہ زندہ تھا۔ اگر آدھے سے زائد زندہ نکلا پھر مر گیا تو وہ وارث ہوگا۔ کیونکہ اکثر کے واسطے کل کا حکم ہوتا ہے۔ بچے کے اکثر حصے یا اقل حصے کی پہچان اس طرح ہوگی کہ بچہ سیدھا پیدا ہوا ہو یعنی پہلے بچہ کا سر برآمد ہوا تو سینہ تک برآمد ہونے پر اکثر حصہ برآمد شدہ مانا جائے گا، اور اس سے کم قلیل درجہ۔ اور اگر پاؤں کی جانب سے برآمد ہو تو ناف تک برآمد ہو جانا اکثر حصہ متصور ہوگا اگر ناف تک ظاہر نہ ہوا تو وارث نہ ہوگا۔ (۳۲)

(۳۲) شریفیہ، شرح سراچیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۳
البحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۲ھ، محولہ بالا، ج ۸، ص ۵۰۳

حمل کے مردہ پیدا ہونے کی صورت میں میراث نہ دئے جانے کا سبب یہ ہے کہ وراثت ایک خلافت ہے اور ایک معدوم شخص کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی کا خلیفہ ہوتا ہے، کیونکہ خلافت کا ادنیٰ درجہ ”موجود ہونا“ ہے۔ اور خلافت اس وقت تک متحقق نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی صفت وجود نہ پائی جائے۔ (اور صفت وجود حیات پر مبنی ہے)۔ چونکہ ایک بیت دوسری بیت کی خلیفہ (قائم مقام) نہیں ہو سکتی اس لیے وہ حمل جو مردہ برآمد ہوا ہو بیت کا وارث نہیں ہو سکتا۔ دراصل حمل کیلئے جو ورثہ رکھا جاتا ہے اس کے لیے یہ اعتبار مال (نتیجہ) زندگی کا حکم عطا کیا جاتا ہے۔ جب نتیجہ میں وہ مردہ برآمد ہو تو نتیجہ کا اعتبار کرتے ہوئے بیت کا وارث نہ ہوگا۔

لیکن جب حمل مردہ برآمد ہو تو وہ اس وقت وارث نہ ہوگا جب کہ جنین بطن مادر سے خود جدا ہوا ہو۔ اگر حاملہ عورت کے پیٹ میں اس طرح ضرب پہنچائی گئی جس سے اس کا حمل (جنین) ساقط ہو گیا ہو اور وہ حمل (جنین) مادر سے جدا کیا گیا تو منجملہ وارثوں کے قرار دیا جائے گا، کیونکہ شرع نے اس ضرب پہنچانے والی پر تاوان واجب کیا ہے اور تاوان کا واجب ہونا اسی وقت ہوتا ہے کہ جب زندہ پر جنایت کی جائے۔ مردہ پر جنایت کا تاوان واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب اس کے زندہ ہونے کا حکم دیا گیا تو اس کو میراث ملے گی اور اس کا حصہ (بوجہ مرگ) اس کے وارثوں میں اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح کہ اس کی جان کا بدلہ (دیت) اس کے وارثوں کے واسطے اس کی میراث قرار پاتا ہے۔ (۳۳)

ائمہ ثلاثہ کا مسلک :

ہر سہ ائمہ کے نزدیک وراثت حمل میں احناف کی مانند زندہ متولد ہونا شرط ہے، لیکن ان سب حضرات کے نزدیک اس وقت زندہ تصور کیا جائے گا

(۳۳) المبسوط، امام سرحسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۵۴ - ۵۰
خلاصۃ الفتاویٰ، طاہر بن محمد، جلد دوم محولہ بالا، صص ۲۱ - ۲۰

جب کہ پورے طور پر بطریق معمول روتا اور چلاتا ہوا پیدا ہوا ہو۔ محض بعض اعضا کے ظاہر ہونے اور آواز نکلنے پر زندگی اور وراثت کا حکم نہ دیا جائے گا۔

حمل کے لیے حصہ روک لینے میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ اختلاف حصہ کی مقدار میں ہے۔ امام شافعی کی اس روایت کے مطابق جو ابن ربیع سے منقول ہے چار بچوں کے حصے کی مقدار روکی جائے گی اور دوسری روایت کے مطابق اگر حمل کے سوا میت کا کوئی دوسرا وارث ایسا موجود ہے جو ایسے حصہ کا مستحق ہے جو ناقابل تغیر ہے تو اس کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ روک لیا جائے گا اور اگر ایسا وارث ہے جس کا حصہ مقرر نہیں ہے تو کل ترکہ حمل کے پیدا ہونے تک روک رکھا جائے گا۔ (۳۴)

امام مالک امام شافعی سے متفق ہیں (۳۵) امام احمد کے نزدیک اگر لڑکوں کا حصہ ترکہ سے زیادہ مقدار میں نکلتا ہو تو دو لڑکوں کا حصہ روک لیا جائے گا اور اگر لڑکیوں کے حصے کی مقدار زیادہ ہو تو وہ روک لیا جائے گا۔ (۳۶)

ظاہریہ مسلک :

ظاہریہ کے نزدیک جو بچہ سورث کی موت کے بعد پیدا ہوا اس کی حیات جس طرح سے بھی ثابت ہو وہ وارث ہوگا، خواہ اس کا زیادہ حصہ زندہ پیدا ہوا ہو یا بعض قلیل حصہ، خواہ آواز نکالی ہو یا نہ نکالی ہو۔ چھینک آئی ہو یا نہ آئی ہو، بلکہ صرف آنکھ یا ہاتھ یا جسم کے کسی عضو کی حرکت جو زندگی کا ثبوت بہم پہنچاتی ہو تمام حالات میں بچہ وارث ہوگا اور سورث بھی۔ (۳۷)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک جب کہ بچہ زندہ ہو یا کسی دست اندازی

(۳۴) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۷-۱۹۵ (ماخوذ) المہذب (فقہ شافعی)،

ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲

(۳۵) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ص ۲۳۹

(۳۶) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۹۵

(۳۷) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۷۶

کے بغیر یا دست اندازی کی بنا پر ساقط ہوا اور پیدا ہونے کے بعد زندوں جیسی حرکت کی ہو تمام صورتوں میں وارث ہوگا، البتہ اگر نصف زندہ ہو اور نصف مردہ حالت میں تو وارث نہ ہوگا۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ بچے کے جسم میں ایسی حرکت ہوئی ہو جیسی ایک مذبوح کے جسم میں ذبح ہونے کے بعد واقع ہوتی ہے (یعنی پھڑکنا) تب بھی وارث نہ ہوگا۔ (۳۸)

اسلامی ممالک کے قوانین میں ترکہ کی مقدار کا تعین :

مصر کے قانون میں اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے کہ حمل کے لیے لڑکے یا لڑکی کا، دونوں کے حصوں میں جو زیادہ ہو وہ حصہ روکا جائے گا۔ (۳۹) باغراض وراثت مصری قانون میں میت اور غیر میت کے حمل کی مدت میں فرق رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر حمل میت کی زوجہ کا ہے تو ولادت حمل کی آخری مدت مورث کی وفات یا تفریق سے ۳۶۵ دن مقرر کی گئی ہے جب کہ غیر میت کی زوجہ کی ولادت حمل کی مدت معتدہ ہونے کی صورت میں ۳۶۵ دن اور حالت زوجیت میں مورث کے یوم وفات سے ۲۷۰ دن مقرر کی گئی ہے (۴۰)

معمولی لفظی تغیر کے ساتھ تقریباً یہی قانون شام، تیونس اور مراکش میں بھی رائج ہے۔ شام کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت میراث پانے کے لیے انہیں شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے جو ثبوت نسب کے لیے لازمی ہیں جن کا ذکر قانون الاحوال الشخصیہ کتاب ثالث کے باب اول کی دفعات ۱۲۸

(۳۸) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۹۷

(۳۹) قانون الموارث، مصر، ۱۹۳۳ء، بابت ۱۹۳۳ء، دفعہ ۴۲

”یوقف للحمل من تركة المتوفی اکثر النصیبین علی تقدیر انه ذکر اوائلی۔“

”اذا توفی الرجل عن زوجته او عن معتدته فلا يرثه حملها الا اذا ولد حیا لخمسة وستین

وثلثائة یوم علی الاکثر من تاریخ الوفاة او الفرقة۔“

(۴۰) قانون الموارث، مصر، ۱۹۳۳ء، بابت ۱۹۳۳ء، دفعہ ۴۳ : ولا میراث للحمل غیرایہ الا فی الحالتین :

اولی، ان یولد حیا لخمسة وستین وثلثائة یوم علی الاکثر من تاریخ وفاة المورث اثناء

العدة۔ الثانیة، ان یولد حیا لسبعین ومائتی یوم علی الاکثر من تاریخ وفاة المورث ان کان

من زوجیة قائمہ وقت الوفاة۔“

حمل ، مفقود ، اسیر ، ولد الزنا ، ولد الملاعنة اور خنثی کی میراث ۱۸۷۵

تا ۱۳۳ میں کیا گیا ہے جن کے تحت انتہائی مدت حمل ایک سال ہے۔ (۴۱)
مذکورہ ممالک کے قوانین کی متعلقہ دفعات حسب ذیل ہیں :-

مصری قانون :

دفعہ ۴۲۔ متوفی کے ترکہ سے مرد یا عورت وارث کے حصوں میں سے جو حصہ بمقدار میں زیادہ قرار پاتا ہو وہ حمل کے لیے محفوظ کر لیا جائے گا۔

دفعہ ۴۳۔ جب کوئی شخص اپنی زوجہ یا معتدہ کو چھوڑ کر فوت ہوگا تو اس کا حمل اس حالت میں وارث ہوگا جب کہ وفات یا فرقت کی تاریخ سے زائد ۳۶۵ یوم میں زندہ پیدا ہو جائے، اور حمل اپنے باپ کا حسب ذیل دو حالتوں میں وارث ہو سکے گا :

(اول) یہ کہ حمل تاریخ موت یا فرقت سے ۳۶۵ کے اندر زندہ پیدا ہو جب کہ اس کی ماں معتدہ وفات یا معتدہ فرقت ہو، اور معتدہ فرقت کے حمل کی صورت میں مورث عدت کے درمیان وفات پا گیا ہو۔

(دوم) یہ کہ ۲۷۰ یوم میں تاریخ وفات مورث سے منکحہ زوجہ غیر کے پیدا ہوا ہو، جس کا نکاح بوقت وفات قائم ہو۔

دفعہ ۴۴۔ اگر وہ حصہ جو حمل کے لیے محفوظ کیا گیا تھا اس کے لئے کم ثابت ہو تو اس کے مکمل کرنے کے سلسلے میں اس وارث کی جانب رجوع کیا جائے گا جس کا حصہ دیگر ورثاء کے مقابلے میں زائد ہو۔ اور جب محفوظ کیا ہوا حصہ زائد ثابت ہو تو زائد حصہ اس وارث کو دیا جائے گا جو اس زائد کا مستحق ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۹۹۔ حمل کے لیے متوفی کے ترکے سے مرد و عورت کے حصے سے جو بڑی مقدار کا حصہ ہو وہ روک لیا جائے گا۔

(۴۱) قانون الاحوال الشخصیہ، شام ۱۹۵۳ع، دفعات ۳۰۱-۲۹۹
تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "مجموعہ قوانین اسلام"، جلد سوم، ۱۹۶۹ع
صص ۶۶-۸۶۳ اور ۸۵۶

دفعہ ۳۰۰ - جب کوئی شخص اپنی زوجہ چھوڑ کر یا معتدہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس زوجہ کا حمل اس وقت تک وارث نہ ہوگا جب تک کہ وہ قانون ہذا کے ثبوت نسب کے شرائط کے ساتھ زندہ نہ پیدا ہو جائے۔

دفعہ ۳۰۱ - (۱) حمل پیدا ہونے کے بعد جب اس حصہ سے زیادہ کا مستحق ثابت ہو جو اس کے لیے روک رکھا گیا تھا تو وارثوں میں سے جس کو زیادہ مقدار کا حصہ ملا ہو، اس کے حصہ سے حمل کا حق پورا کیا جائے گا۔
(۲) اور جب روک رکھا گیا حصہ زیادہ ہو تو زائد کو مستحق وارث پر لوٹا دیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۴۷ - حمل کے لیے میت کے بیٹے یا بیٹی کے حصہ میں سے جو زائد ہو وہ حصہ روک لیا جائے گا، جب کہ حمل وراثت کے ساتھ وراثت میں شریک ہو یا ان کے لیے حاجب بہ حجب نقصان ہو، لیکن اگر حجب حرمان کا سبب ہو تو پورا ترکہ محفوظ رکھا جائے گا، تقسیم نہ کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۴۸ - جب حمل وراثت میں شریک ہو یا حجب نقصان کا سبب ہو تو جس وارث کا حصہ فرض متغیر نہیں ہوتا اس کو، اس کا حصہ دے دیا جائے گا، اور جس وارث کا حصہ زائد سے کم کی جانب متغیر ہوتا ہو اس کو اس کم درجہ کا دیا جائے گا، اور حمل کی مذکورہ دو حالتوں میں جو وارث ساقط ہوتا ہو وہ محروم کر دیا جائے گا۔

دفعہ ۱۴۹ - جب کہ عورت حمل کی دعویدار ہو اور وراثت اس کی تکذیب کرتے ہوں تو اس معاملے کو اطباء ماہرین کے سپرد کر دیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵۰ - جب کوئی شخص اپنے بعد زوجہ یا معتدہ چھوڑے تو اس کا حمل اس وقت وارث ہوگا جب کہ مدت معروفہ میں وضع (حمل) ہو جائے۔
اور حمل مسطورہ ذیل دو حالتوں کے علاوہ اپنے باپ کے غیر کا وارث نہ ہوگا :

(اول) یہ کہ باپ کی موت یا فرقت کے وقت سے ۳۶۵ یوم میں زندہ پیدا ہوا ہو، بشرطے کہ اس کی ماں معتدہ موت یا معتدہ فرقت ہو اور مورث (معتدہ فرقت کی حمل کی صورت میں) عدت کے دوران وفات پا گیا ہو۔ (۴۲)

(دوم) یہ کہ مورث کی وفات کے بعد زائد سے زائد ۲۷۰ یوم میں پیدا ہو اور زوجیت کا تعلق بوقت وفات قائم ہو۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۸ - بچہ جب آواز نکالتا دوا پیدا ہوگا وارث ہوگا، ورنہ وارث نہ ہوگا۔

مفقود کی میراث ۲۹۳ - مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی موت و زیست کی کوئی اطلاع نہ ہو سکے حمل کی طرح اس کا حصہ میراث اس کے لئے روک رکھا جائیگا۔

۲ - اگر حاضر وراثت میں سے مفقود کسی کے لئے حاجب ہوتا ہے تو کل مال تقسیم سے روک رکھا جائیگا اور اگر کسی کے لئے خجب حرمان کا سبب نہیں ہوتا تو ہر وارث کو مفقود کے حصہ کے بقدر کم کر کے تقسیم کیا جائیگا۔

۳ - اگر مفقود کی حیات ثابت ہو جائے اور وہ زندہ واپس آچائے تو اس کا حصہ اس کو دے دیا جائے گا۔

۴ - جب کہ اس کی موت کا حکم دے دیا جائے تو مفقود کا وہ حصہ اس کے ان موجودہ وراثت میں تقسیم کر دیا جائے گا جو موت کے حکم کے وقت موجود ہوں گے موت کا حکم دینے سے قبل جن لوگوں کا انتقال ہو چکا ہوگا وہ وارث ہوگا۔

تشریح

وہ گم شدہ شخص جس کی زندگی اور موت کا تلاش کے باوجود کوئی پتا نہ چل سکا ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ یعنی اس کا زندہ یا مردہ

(۴۲) تونس کے قانون کی متذکرہ دفعہ ۵۰ قانون مصر کے مطابق ہے ملاحظہ ہو مجلہ الاحوال الشخصية تونس ۱۹۵۶ء -

ہونا کچھ معلوم نہ ہو یا دشمن گرفتار کر کے لیے گیا ہو یا شکار میں نکلا اور پھر کچھ پتا نہ چل سکا ہو مفقود کی تعریف میں داخل ہے۔ (۴۳)

امام سرخسی نے اپنی مشہور تصنیف ”المبسوط“ میں لکھا ہے کہ مفقود کی حیثیت ایک ایسے بچے کی مانند ہے جو اپنی رحم مادر میں ہو۔ جس کی زندگی اور موت میں تردد ہوتا ہے کہ آیا زندہ ہے یا مردہ۔ (۴۴)

مفقود کی میراث کے مسئلے کی فقہی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں زندہ تصور کیا جاتا ہے لیکن دوسرے کے مال کے حق میں اس کو مردہ تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی مفقود کے مال میں اس وقت تک تصرف نہ کیا جائے گا جب تک کہ اس کی زندگی یا موت کا یقینی علم نہ ہو جائے۔ لیکن اگر شخص مفقود کا کوئی مورث مر جائے تو متوفی کے مال سے مفقود کا حصہ نکال کر بطور امانت رکھ دیا جائے گا، جس طرح کہ حمل کا حصہ رکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ مفقود کی حیات درجہ علم میں ہے اور جو اس علم کے درجے میں ہو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اس کو اسی علم کی حالت پر باقی رکھا جائے۔ مفقود کی حیات کا حکم استصحاب حال کے قاعدے ”ابقاء ما کان علی ما کان“ پر دیا گیا ہے۔ یعنی جو چیز (مشاہدے اور احساسات میں) جس حالت پر تھی جب تک اس کے خلاف یقینی ثبوت نہ مل جائے اس کو سابقہ حالت ہی پر تصور کیا جائے گا۔ چونکہ وہ شخص مفقود ہونے کے وقت زندہ رہ کر غائب ہوا تھا اس لیے اسی حالت پر باقی رہنا تصور کیا جائے گا۔ استصحاب حال دفع ضرر کی حجت تو ہو سکتا ہے لیکن کسی ایسے امر کے ثابت کرنے کی حجت نہیں ہوتا، جو پہلے ثابت نہ ہو۔ اس لیے قاعدہ شرعی ”ابقاء ما کان علی ما کان“ کے تحت مفقود اپنے مملوکہ مال میں زندہ تصور کیا جائے گا۔ البتہ دوسرے کے مال میں اس کی حیات ثابت نہ ہوگی۔ استصحاب مستحق ہونے کے ثبوت کی دلیل نہیں ہو سکتا، بلکہ دفع ضرر کی دلیل ہوتا ہے۔ چونکہ مفقود کی موت

(۴۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۷

(۴۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۵

الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۳۸-۱۳۷

و حیات محتمل ہے اس وجہ سے دوسرے کے مال میں اس کا حصہ بنظر احتیاط اسانت کے طور پر رکھا جائے گا اور زیر تقسیم نہ لایا جائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دو لڑکیاں اور ایک لڑکا مفقود چھوڑ کر فوت ہو گیا اور ترکہ دونوں بیٹیوں کے قبضہ میں ہے اور اس مفقود لڑکے کی اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بھی موجود تھا نیز ان تمام وراثت کو اس مفقود کے مفقود ہونے کا اقرار تھا، ان تمام لوگوں نے حاکم عدالت کے سامنے وراثت کا دعویٰ پیش کیا، حاکم عدالت کے لیے یہ امر جائز نہ ہوگا کہ میت کی بیٹیوں کے قبضہ سے لے کر اس کو تقسیم کر دے بلکہ مفقود کا متروکہ نصف بیٹیوں کے قبضہ میں بطور ملکیت رہے گا اور باقی نصف مفقود کی ملکیت تصور کرتے ہوئے ان کے پاس بطور اسانت رکھ دیا جائے گا اگر مفقود زندہ ثابت ہو تو یہ حصہ اس کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کی حقیقی یا حکمی موت واقع ہوگئی تو اس باقی ماندہ (نصف) میں سے $\frac{1}{6}$ لے کر دو بیٹیوں کو دیا جائے گا تاکہ تکملة الثلثین ہو بقیہ ایک تہائی مفقود کی اولاد میں ”لذکر مثل حظ الانثیین“ کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴۵) یہاں دو بیٹیوں کو $\frac{1}{6}$ اس لیے دیا جا رہا ہے کہ مفقود کے بارے میں یوم دعویٰ سے سب کا اقرار ہے کہ وہ مفقود ہے۔ البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس کی موت کا حکم کب دیا جائے گا۔

حنفی مسلک :

مفقود کی موت کے حکم کے سلسلہ میں احناف کی ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کی موت کا حکم اس وقت دیا جائے گا جب اس کے ہم عصر و ہم زمان لوگوں میں سے کوئی شخص زندہ نہ رہا ہو۔ ایک روایت ایک سو بیس سال گزر جانے کی ہے اور دوسری سو سال گزر جانے کی ہے لیکن صحیح و مشہور ظاہر روایت یہی ہے کہ جب اس کے ہم عصر مر جائیں تو اس کی موت کا حکم دیا جائے گا۔ چنانچہ جب مفقود کی موت کا حقیقی معنی میں علم ہو جائے یا عدالت کی جانب سے استقرار یہ حکم دے دیا جائے تو اس کی میراث

(۴۵) شرح المعجزة، الاتاسی، خالد، مطبوعہ حمص، ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ع ج ۱، ص ۲۱

کا وہ حصہ جو روک رکھا گیا تھا اس کے ان وارثوں میں تقسیم ہوگا جو بوقت تیقن یا حکم موت موجود ہوں۔ اس حقیقی علم یا حکم عدالت سے پہلے وراثت میں سے جو لوگ مر چکے ہوں ان کا اس ترکہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا، کیونکہ توریث میں یہ شرط ہے کہ سورت کی موت کے بعد وارث زندہ موجود ہو۔ لہذا مفقود کی موت کا جس وقت یقینی علم ہوا یا حکم دیا گیا اس وقت جو وارث زندہ ہوں گے وہ ترکہ کے مستحق ہوں گے۔ (۳۶)

مالکی و شافعی مسلک :

امام مالک و امام شافعی کا بھی اس حکم میں احناف سے اتفاق ہے کہ مفقود کا سال اس وقت تقسیم نہ کیا جائے گا جب تک اس کی یقینی یا حکمی موت ثابت نہ ہو جائے۔

حنبلی مسلک :

امام احمد ابن حنبل کے نزدیک ایسے حالات میں جن کے تحت مفقود کی ہلاکت کا غالب احتمال ہوتا ہے مثلاً جنگ کی صفوں میں شامل ہونے والا، یا ایسی جماعت میں شامل ہونے والا جس کی ہلاکت مجموعی طور پر واقع ہوگئی ہو یا جہاز ڈوب گیا ہو اور وہ اس میں سفر کر رہا ہو یا کسی ایسے جنگل یا بن میں گیا ہو جہاں لوگ بالعموم ہلاک ہوجاتے ہوں وغیرہ وغیرہ، ایسے مفقود کا چار سال تک انتظار کرنے کے بعد اس کا سال اس کے وراثت میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۳۷) لیکن وہ شخص اگر ایسے حالات میں مفقود ہوا ہے جن میں ہلاکت کا احتمال غالب نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں امام احمد ابن حنبل سے متعدد روایات منقول ہیں :-

(۱) یہ کہ موت کے ثبوت تک سال تقسیم نہ کیا جائے جیسا کہ دیگر

ائمہ کا مذہب ہے۔

(۳۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۴-۵۵
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۸-۳۷
خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، جلد دوم، ص ۴۰
(۳۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۰۵

(۲) یہ کہ ولادت کے وقت سے ۹ سال کی مدت تک انتظار کیا جائے گا،

اور

(۳) یہ کہ موت کا تعین حاکم وقت کی صواب دید پر موقوف ہوگا۔ (۴۸)

شیعہ امامیہ کا مسلک :

شیعہ امامیہ (اثناء عشریہ) کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے کہ جب تک موت کا یقینی علم نہ ہو اس وقت تک مفقود اپنے مال کا مالک ہوگا اور اس کے مال میں وصیت و دیگر تاوانوں کی ادائیگیاں جو اس کے ذمہ ہوں، کی ایک مدد ہے جاتی رہیں گی۔ (۴۹)

ظاہریہ مسلک :

ظاہر یہ مذہب حنفیہ، مالکیہ و شافعیہ کے موافق ہے۔ (۵۰)

چند نئی صورتیں :

مفقود کے مسئلہ میں بعض ایسی صورتیں بھی پیش آسکتی ہیں کہ اسے خرکار پکڑ کر لے جائیں، یا وہ شخص اپنی یادداشت کھو بیٹھے یا کسی نفسیاتی یا سماجی دباؤ کے بڑھ جانے کے سبب خود کو روپوش رکھے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں پاکستان میں قانون سازی کی جائے۔ فی الوقت فسخ نکاح کے سلسلہ میں ۴ سال کی مدت مقرر ہے لیکن فسخ نکاح اور تقسیم ترکہ کے باب میں فرق ملحوظ رکھنا ہوگا، کیونکہ ان دونوں مسئلوں کی تہ میں جو سماجی عوامل کار فرما ہوتے ہیں وہ مختلف ہیں۔ حکومت کی بہرحال یہ ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ مفقود شہری کا کھوج لگانے کے لیے سرگرمی کے ساتھ اپنے ذرائع و وسائل استعمال کرے۔

(۴۸) المحرر فی فقہ الحنبلی، ابو البرکات (م ۵۶۵۲) مطبوعہ مصر، ۱۹۵۰ع، ج ۱، ص ۴۰۶

المعنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲ صص ۶-۲۰۵

جواہر الا کلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۹

(۴۹) الاستبصار، جعفر محمد بن الحسن طوسی (م ۵۴۶۰)، مطبوعہ نجف، ج ۴، ص ۱۹۷

(۵۰) المعلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۶۴

اسلامی ممالک میں مفقود کی میراث کا قانون :

مصر کے قانون الموارث نمبر ۷۷ بابت ۱۹۴۳ ع کی دفعہ ۴۵ کے تحت مفقود کی میراث کے بارے میں قرار دیا گیا ہے کہ مفقود کے واسطے مورث کے ترکہ میں سے اس کا حصہ روکا جائے گا۔ جب وہ زندہ آسجود ہو تو اپنا حصہ لے لے گا اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا ہو تو اس کا حصہ ان ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا جو اس کی موت کے وقت سوجود ہوں۔ موت کے حکم کے بعد اگر وہ آجائے تو اس کا جو حصہ ورثاء کے پاس بچ گیا ہو وہ اس کو لینے کا مستحق ہوگا۔ (۵۱)

یہی قانون ملک شام میں رائج ہے (۵۲) البتہ تونس کے رائج الوقت قانون کے تحت ہر وہ شخص جس کی خبر منقطع ہو جائے اور اس کے متعلق یہ معلوم ہونا ممکن نہ ہو کہ وہ زندہ ہے، اس کے بارے میں مفقود الخبر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

تونس کے قانون میں مزید قرار دیا گیا کہ جب کوئی شخص بوقت جنگ یا استثنائی (غیر معمولی) حالات میں مفقود ہو جائے تو اس کے لئے غالب گمان یہ کیا جائے گا کہ وہ مر گیا۔ پس اگر حاکم کوئی مدت (اس کے لوٹ آنے کی مقرر کردے تو وہ مدت دو سال سے متجاوز نہ ہوگی۔ پھر اس کو حاکم عدالت مفقود الخبر قرار دے گا اور اگر کوئی شخص ان حالات کے علاوہ مفقود ہو جائے تو اس کی موت کا مسئلہ حاکم کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے گا جو نشر و اشاعت کے تمام ذرائع اختیار کر کے تحقیق کرنے کے بعد فیصلہ کرے گا کہ وہ مفقود زندہ ہے یا مردہ۔ (۵۳) متعلقہ دفعات حسب ذیل ہیں :-

(۵۱) قانون الموارث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ ع، دفعہ ۴۵
 ”یوقف للمفقود من ترکه مورثه نصیبه فیہا فان ظہر حیاً اخذہ۔ و ان حکم بموتہ رد نصیبہ الی من یتحقیق من الورثۃ وقت موت مورثہ، فان ظہر حیاً بعد الحکم بموتہ اخذ ما بقی من نصیبہ با یدی الورثۃ۔“
 (۵۲) قانون الاحوال الشخصیة، شام، ۱۹۵۳ ع، دفعہ ۳۰۳
 (۵۳) مجلة الاحوال الشخصیة، تونس، فصل ۸۱
 ”یعتبر مفقوداً کل من انقطع خبره ولم یکن الکشف عنه حیاً“
 ”اذا فقد الشخص فی وقت الحرب او فی حالات استثنائیة یقلب فیہا الموت فان الحاکم یضرب اجلاً لا یتجاوز العاسین للبحث عنه ثم یحکم بفقدانه و اذا فقد الشخص فی غیر تلك الحالات فیفوض امره الی من یحکم بموت المفقود بعد ما الی الحاکم بعد التحزی بكل الطرق الموصلة الی معرفة ان کان المفقود حیاً او میتاً۔“ (فصل ۸۲)

مصری قانون :

دفعہ ۴۵ - مفقود کے لیے اس کے سورت کے ترکہ سے اس کا اپنا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا۔ اگر وہ زندہ ثابت ہوا یہ حصہ حاصل کر لے گا، اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اس کا محفوظ شدہ حصہ اس کے ان ورثاء کے جانب لوٹا دیا جائے گا جو سورت کے موت کے وقت موجود تھے۔ اب اگر موت کے حکم کے بعد وہ زندہ ظاہر ہوا تو جتنا ترکہ ورثاء کے پاس باقی موجود ہوگا حاصل کر لے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۳۰۲ - (۱) مفقود الخبر کے لیے اس کے سورت کے ترکے میں سے اس کا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا۔ اگر وہ زندہ ثابت ہوا تو اپنا محفوظ شدہ حصہ حاصل کر لے گا، لیکن اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اب اس کے سورت کی موت کے وقت جو اس کے ورثاء تھے ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۲) اگر مفقود حکم موت کے بعد زندہ ثابت ہو گیا ، تو جتنا حصہ باقی ہوگا سیت کے ورثاء سے وصول کر لیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۵۱ - مفقود کے لیے اس کے سورت کے ترکہ سے اس کا اپنا حصہ روک رکھا جائے گا، اگر زندہ ثابت ہوا تو حاصل کر لے گا، اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اس کا محفوظ حصہ ان دیگر ورثاء کی جانب رد کر دیا جائے گا جو سورت کی موت کے وقت اس کے مستحق ہوں گے۔ اب اگر حکمی موت کے بعد مفقود زندہ ظاہر ہوا تو وہ جس قدر حصہ ورثاء کے قبضہ میں باقی ہوگا حاصل کر لے گا۔

سراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۰ - مفقود غیر کے حق میں زندہ متصور ہوگا لہذا اس کا مال اس وقت

تک اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم نہ کیا جا سکے گا جب تک حاکم اس کی موت کا حکم نافذ نہ کرے، اور اپنی ذات کے حق میں مفقود مردہ متصور ہوگا، لہذا کسی دوسرے (سورث) کا وارث نہ ہوگا، اس کا حصہ اس کی حیات کے متحقق ہونے تک محفوظ رکھا جائے گا۔

۲۹۳ - (۱) کوئی مسلمان جو کفار کی قید میں ہو اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے۔ اس کے واپس آنے تک اس کا حصہ میراث محفوظ رکھا جائے گا۔

اسیر کی میراث

(۲) اگر زندہ واپس نہ آیا تو اس کا حصہ محفوظ اس کے ورثاء کا ہوگا۔

(۳) اگر مرتد ہو گیا تو اس کے مال پر مرتد کے احکام مرتب ہونگے

تشریح

احناف کے نزدیک مسلمان اسیر جو کافروں کی قید میں ہو اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے جب تک کہ اس نے اپنا دین نہ چھوڑا ہو، اور اگر اس نے دین اسلام چھوڑ دیا تو اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کی میراث کا ہے۔

اگر اس کا مرتد ہونا یا زندگی یا موت کا کوئی حال معلوم نہ ہوا ہو تو اس کا حکم مثل مفقود کے ہے۔ (۵۴)

امام مالک کے نزدیک تمام حالات میں اسیر کی موت یا ارتداد کے وقت تک مال موقوف رکھا جائے گا۔ (۵۵)

امام شافعی کے نزدیک اسیر اور مفقود کا ایک حکم ہے۔ (۵۶)

(۵۴) الشریفہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴۲

(۵۵) مدونۃ، امام سخون (م ۵۲۴)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، جلد ۱، ص ۱۳۸

(۵۶) المہذب (فقہ شافعی)، ابی اسحاق الفیروزآبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۶

امام احمد بن حنبل اس حکم میں احناف سے متفق ہیں کہ مسلم امیر دیگر وارثوں کی طرح وارث ہوگا۔ (۵۷)

۲۹۵ - ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں کے اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہونگے اور یہ عورت (ماں) اس کی اور اس کے قرابت داروں کی وارث ہوگی۔ باپ یا اس کے قرابت داروں سے مہراث کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

ولد الزنا اور
ولد الملاعنة کی میراث

تشریح

ولد الزنا اس اولاد کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان بلا رشتہ ازدواج ، زنا (بد فعلی) کا نتیجہ ہو۔ جب کہ ولد الملاعنة اس اولاد کو کہتے ہیں جو مرد کے اپنے زوجہ پر تہمت لگانے اور اور عورت کے انکار کرنے کی صورت میں لعان کے بعد موجود ہو۔ شافعیہ کے نزدیک نفس لعان سے اور حنفیہ کے نزدیک لعان کے سبب قاضی کے دونوں میں تفریق کر دینے سے بچہ کا نسب شوہر سے منقطع ہو کر ماں کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔ لعان کرنے والی عورت کا بچہ گویا بغیر باپ کے ہوتا ہے۔ یہی صورت ولد الزنا کی ہے۔ لہذا ولد الملاعنة اور ولد الزنا کے عصبہ بھی اس کی ماں کے قرابت دار ہوتے ہیں۔ یہ دونوں اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں سے میراث پاتے ہیں۔ اسی بناء پر ولد الزنا اور ولد الملاعنة کی میراث میں اس کا باپ یا اس کے باپ کے قرابت دار شریک و سہیم نہیں ہوسکتے۔ (۵۸)

ولد الزنا اور ولد الملاعنة میں فرق :

ولد الزنا اور ولد الملاعنة میں حکماً یہ فرق کیا گیا ہے کہ ولد الزنا کا باپ جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے شرعاً بحق میراث اس کا باپ نہ ہوگا،

(۵۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۳۱

(۵) خزائنہ الفقہ، ابواللیث سمرقندی، ج ۱، مطبوعہ بغداد، ج ۱، ص ۴۱۲

المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۵-۱۲۱

خواہ وہ اس کا باپ ہونے کا مدعی ہو، لیکن ولد الملاعنه کا باپ اگر اس کا باپ ہونے کا مدعی ہو تو شرعاً نسب ثابت اور باہم سیراث قائم ہو جائے گی۔

ولد الزنا اور ولد الملاعنه میں ایک اور دقیق فرق یہ ہے کہ اگر ولد الزنا جڑواں (توام) پیدا ہوئے تو ولد الزنا اپنے توام سے اخیافی بھائی کی سیراث پاتا ہے، یعنی چھٹا حصہ پائے گا اور اگر ولد الملاعنه جڑواں (توام) پیدا ہوئے تو ولد الملاعنه اپنے توام سے عینی بھائی کی سیراث پائے گا۔ (۵۹)

اس کی علت یہ ہے کہ ولد الزنا کے واسطے شرعاً باپ ہی قرار نہیں دیا گیا اس لیے اس کا جڑواں (توام) بھائی یا بہن صرف مادری ہوگا، جب کہ ولد الملاعنه کے حق میں دنیاوی احکام میں زنا کی تہمت جائز نہیں، کیونکہ لعان کا مدار آخرت پر رکھا گیا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ آخرت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا) اس لیے ولد الملاعنه کا جڑواں (توام) بھائی یا بہن ایک ہی باپ سے ہے اگر چہ باپ سے نسب کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے (۶۰)۔

شیعی فقہ میں ولد الزنا کا ورثہ :

شیعی فقہ میں ولد الزنا کو ورثہ میں مطلقاً کوئی حق نہیں ہے حتیٰ کہ وہ ماں اور ماں کے قرابت داروں تک کا بھی وارث نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا کوئی وارث ہو سکتا ہے۔ (۶۱) شیعہ مسلک اصول فقہ و دنیاوی مصالح کے خلاف نظر آتا ہے۔

اسلامی ممالک میں رائج الوقت قانون :

قانون الموارث مصر نمبر ۷۷ بابت ۱۹۴۳ ع کے تحت ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور ماں اور اس کے قرابت

(۵۹) الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۴ فتاویٰ عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، ج ۴، ص ۴۰۵

(۶۰) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۴، ص ۱۱۹ البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳۸

(۶۱) شرائع الاسلام، نعم الدین ابی جعفر الحلّی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۹۵

دار بھی ان کے وارث ہوں گے۔ (۶۲) یہی قانون شام و تونس میں رائج ہے۔ (۶۳)
متعلقہ دفعات قانون حسب ذیل ہیں :

مصری قانون :

دفعہ ۴۷۔ دفعہ ۴۳ کے آخر فقرے کے اعتبار سے جو مدت مقرر ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور ان دونوں کے وارث ان کی ماں اور اس کے قرابت دار ہوں گے۔

شام کا قانون :

دفعہ ۳۰۳۔ دفعہ (۳۰۰) کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے جو مدت مقرر کی گئی ہے، ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور اسی طرح ان کے وارث ان کی ماں اور ماں کے قرابت دار ہوں گے۔

تونس کا قانون :

ولد زنا اپنی ماں اور ماں کے قرابت داروں کا وارث ہوگا اور اس کے وارث اس کی ماں اور اس کے قرابت دار ہوں گے۔

سراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۹۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اور ولد لعان و ولد زنا اور اس کے والد کے درمیان وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

خنثی کی میراث ۲۹۶ - (۱) خنثی اگر مرد ہے تو اس کو مرد کا حصہ میراث دیا جائے گا اور اگر عورت ہے تو اسے عورت کا حصہ میراث دیا جائے گا۔
(۲) اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثی مرد ہے یا عورت تو اگر مرد قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ میراث ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیا جائے گا۔ اور اگر عورت قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ ملتا ہے تو اسے عورت قرار دیا جائے گا۔

(۶۲) قانون الموارث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ع، دفعہ ۴۳

(۶۳) مجلۃ الاحوال الشخصیہ، تونس، ۱۹۵۶ع، الفصل ۱۵۲

تشریح

خنثی کے لغوی معنی ”نرسی اور مڑاؤ، کے ہیں۔ اصطلاحاً وہ شخص خنثی کہلاتا ہے جو پیدائشی طور پر مرد و عورت کے آلہ تناسل رکھتا ہو یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ رکھتا ہو۔ پہلی صورت میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ البتہ دوسری صورت میں شیعہ فقہاء کے نزدیک ایسا شخص خنثی نہیں بلکہ ”قرع“ کہلائے گا۔ دونوں آلات رکھنے کی صورت میں اگر مرد کے آلہ سے پیشاب آتا ہو تو اس کی باغراض میراث و دیگر احکام شرعی مردوں میں شمار کیا جائے گا اور اگر پیشاب عورت کے آلہ سے نکلتا ہو تو اس کو عورتوں میں شمار کیا جائے گا۔

قدری پاشا نے ”الاحکام الشرعية فی الاحوال الشخصية“ میں لکھا ہے کہ خنثی اس ذات کو کہتے ہیں جس میں مرد اور عورت دونوں کے اعضاء تناسل موجود ہوں، یا دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ پہلی حالت میں اگر وہ مرد کے آلہ سے پیشاب کرتا ہو تو مرد ہوگا، اور اگر نسوانی مخرج سے پیشاب کرتا ہو تو لڑکی ہوگی، اور اگر دونوں سے برابر پیشاب آتا ہو تو جس آلے سے پہلے برآمد ہو اس کا حکم دیا جائے گا، لیکن اگر اس میں بھی یکسانیت ہو تو پھر یہ خنثی مشکل کہلائے گا (یعنی جس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ نہ ہو سکے)۔ یہ تفصیلات بلوغ سے قبل کے لیے ہیں۔ بالغ ہونے کے بعد اگر اس کے ڈاڑھی نکل آئے یا عورت سے ہم بستری کر سکے یا جس طرح مرد کو احتلام ہوتا ہے اس طرح احتلام ہونے لگے، تو وہ مرد ہوگا، اور اگر اس کے پستان ابھر آئیں یا دودھ اتر آئے یا حیض آنے لگے، یا حمل قرار پا جائے، یا اس کے ساتھ عورت کی طرح ہم بستری کی جا سکے تو وہ عورت ہوگی، لیکن اگر اس میں کوئی مذکورہ علامت موجود نہ ہو یا ان علامات میں تعارض پیدا ہو، تو اب یہ بھی خنثی مشکل قرار پائے گا۔ اس کے لیے میراث کا اقل حصہ ہوگا، بطور مثال، اگر اس کے باپ کا انتقال ہو اور وہ اپنی وفات کے بعد ایک بیٹا چھوڑے اور دوسرا یہ خنثی، تو لڑکے کو اس کے مقابلے میں دوہرا حصہ دیا جائے گا

(۶۴) الاحکام الشرعية فی الاحوال الشخصية، قدری پاشا، مطبوعہ مصر، ۱۸۹۵ء، دفعہ ۶۳۳

اور ایک حصہ خنثی کو۔ کیونکہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے مقابلہ میں اقل ہے۔ (۶۴)

ابن عدی نے کاسل میں ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے خنثی کی میراث کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا ”جہاں سے پیشاب کرے گا، اسی کا اعتبار ہو گا،“۔ عبد الرزاق نے بھی اپنی کتاب ”المصنف“ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی طرح روایت کی ہے کہ ”اگر دونوں جگہ سے پیشاب کرتا ہے تو جہاں سے پہلے پیشاب نکلتا ہے اس آلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔“، یہ متفق علیہ ہے لیکن اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثی مرد ہے یا عورت تو ایسی صورت میں اسے کم تر حصہ کا مستحق خیال کیا جائے گا۔ اگر مرد قرار دینے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہے تو مرد قرار دیا جائے گا، اور اگر عورت قرار دینے سے حصہ کم ملتا ہے تو اس کو عورت قرار دیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ صاحبین کے نزدیک بھی یہی مختار (معتبر ہے)۔ اور اکثر صحابہ سے بھی یہی منقول ہے کہ خنثی مشکل کے لیے جس میں اس کا نقصان ہو وہی اس کا نصیب (حصہ) ہے، البتہ امام شعبی مرد و عورت دونوں کے حصوں کو جمع کر کے اس کا نصف دلواتے ہیں، لیکن فتویٰ امام ابو حنیفہ کے مذہب پر ہے۔ (۶۵)

مصری قانون :

مصر کے قانون الموارث کے تحت خنثی مشکل کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ خنثی مشکل وہ ہے جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو سکا ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت، اس کے لیے مرد یا عورت دونوں کے حصہ میں جو بھی کم ہو دیا جائے گا، اور سابقہ ترکہ باقی وراثہ میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۶۶)

(۶۵) الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۰-۱۲۴

(۶۶) قانون الموارث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ع، دفعہ ۴۶

”للخنثی المشکلا، وهو الذی لا یعرف اذکر هوام انثی، اقل النصیبین“

چھتیسواں باب

موانع میراث

موانع میراث ۲۹۷ - موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ہوتا ہے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ہیں۔

تشریح

موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ہوتا ہے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ہیں۔ (۱)

موانع میراث کی اقسام ۲۹۸ - موانع میراث حسب ذیل ہیں۔

- (الف) (۱) قتل عمد و شبہ عمد، بشرطے کہ ناحق ہو،
- (۲) اختلاف دین (مذہب)
- (۳) اختلاف دار (مملکت)
- (ب) (۱) ارتداد،
- (۲) اشتباہ وارث و مورث۔

تشریح

(الف) شرع اسلام میں موانع میراث فی نفسہ حسب ذیل چار امور ہیں :-

(۱) غلامی، (۲) قتل ناحق، (۳) اختلاف مذاہب، (۴) اختلاف

دارین۔،،

(۱) رد المختار، محمد امین ابن عابدین (۸۱۲۵۶)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ھ، ج ۱۵، ص ۵۴۳

(ب) متذکرہ بالا چار امور کے علاوہ تبعاً حسب ذیل دو امور بھی سوانع میراث کے ضمن میں آتے ہیں :-

(۱) ارتداد (۲) اشتباہ وارث و مورث -

عام طور سے فقہاء نے (الف) میں مذکور صرف چار سوانع کو اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے۔ (ب) میں مذکور دو امور کو بطور مانع میراث نہیں کہا، کیونکہ ان دونوں میں شرط یا سبب کے غیر موجود ہونے کی بناء پر وراثت سے محرومی ہوجاتی ہے نہ کہ مانع اصلی موجود ہونے کی بناء پر۔ (۲)

چونکہ آخر الذکر امور بھی تبعاً مانع میراث ہیں اس لیے ان کا ذکر بھی اسی باب کے تحت کیا گیا ہے۔ قدیم کتب فقہ میں سوانع میراث میں سب سے پہلا مانع ”غلامی“ بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ عہد حاضر میں ادارہ غلامی کا کوئی وجود نہیں اس لیے دفعہ قانون میں اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کا اجمالاً ذکر فٹ نوٹ میں کیا جا رہا ہے۔ (۳)

۲۹۹ - (۱) کوئی وارث جو مورث کے قتل عمد یا شبہ عمد کا مرتکب ہوا ہو مقتول مورث کا وارث نہ ہوگا، بشرطیکہ قتل ناحق ہو۔
استثناء (۱) اگر قتل اپنی جان کی حفاظت کے لئے کیا گیا ہو تو قاتل محروم الارث نہ ہوگا۔
(۲) اگر قاتل بچہ یا دیوانہ ہو تو محروم الارث نہ ہوگا۔

قتل ناحق

(۲) درالمنتقى بر حاشیہ مجمع الانهر، علاءالدین حصکفی (۵۱۰۸۸) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ

ج ۲، ص ۷۹

رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۳۳

(۳) غلامی، خواہ کامل ہو یا ناقص مانع ارث ہے اگر وارث میں کسی طرح کی معلوکیت ہو تو وہ مورث کی میراث نہیں پاسکتا، خواہ وارث ایسا شخص ہو جس کی آزادی کا سبب منعقد ہو گیا ہو مگر ابھی آزاد نہیں ہوا۔ مثلاً مکاتب، مدبر، ام ولد:

مکاتب :- وہ غلام ہے جس سے یہ معاملہ ہو چکا ہو کہ اس قدر روپیہ ادا کر دینے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا

”مدبر“ :- اس غلام کو کہتے ہیں جس سے مالک نے یہ کہا کہ تو میری وفات کے ساتھ آزاد ہو جائے گا۔

ام ولد :- وہ کنیز ہے جس کے بطن سے مالک کی اولاد پیدا ہوئی ہے۔ مالک کی وفات کے ساتھ ہی یہ کنیز آزاد ہو جائے گی خواہ مالک آزاد کرے یا نہ کرے۔

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۸۹۵

تشریح

شرع اسلام میں باعتبار اثر یا حکم قتل کی دو قسمیں ہیں :-
(الف) وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ لازم ہوجاتا ہے، اور

صفحہ ۱۸۹۳ کا باقی فٹ نوٹ

غلام اس لئے وراثت سے محروم رہتا ہے کہ وہ مال کا قطعاً مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام مال جو غلام کے پاس ہوتا ہے، اس کے مالک کی ملکیت ہوتا ہے۔ اس لیے اگر غلام کو اس کے مورث کا وارث بنا دیا جائے تو اس صورت میں ورثہ بھی بالواسطہ اس کے مالک ہی کا ہو جائیگا جو مورث سے اپنے تعلق کے اعتبار سے اجنبی ہوتا ہے اور باین سبب ورثہ کا قطعی مستحق نہیں ہوتا۔ اس مسئلے میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہے تو وہ میراث کا مسحق ہوگا یا نہیں!

امام ابو حنیفہ کا مسلک :- امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ غلام جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو ایک کامل غلام کی طرح میراث سے محروم رہے گا۔ ان کے نزدیک جب تک وہ کامل آزاد نہ ہو جائے وارث نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مکاتب کہ جب تک اس پر کتابت کا ایک روپیہ بھی باقی ہے، آزاد متصور نہ ہوگا اور وراثت سے محروم رہے گا اور دوسرے ورثاء کے لیے میراث سے حاجب (محروم کرنے والا) بھی نہ ہو سکے گا۔

صاحبین کا نقطہ نظر :- صاحبین کے نزدیک وہ آزاد متصور ہوگا چنانچہ ان کے نزدیک ایسا غلام جس کا کچھ حصہ آزاد ہو وارث بھی ہوگا اور حاجب بھی۔ امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کی وجہ :- اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک آزادی، قابل تجزیہ (حصے کٹے جانے کے قابل) نہیں، جب کہ صاحبین اس کو ”قابل تجزیہ“ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک تہائی، چوتھائی حصہ کا آزاد غلام بمنزلہ آزاد کے ہوگا اور ورثہ سے محروم نہ ہوگا۔ (شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱)

امام مالک کا مسلک :- امام مالک کا مسلک اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ کے موافق ہے۔ حنبلیہ مسلک :- المغنی کے مصنف، علامہ ابن قدامہ المقدسی نے اس مسئلہ میں مختلف مذاہب کے نقطہ ہائے نظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”حنبلیہ کے نزدیک مدبر اور ام ولد کامل غلام کے درجے میں ہیں۔ البتہ مکاتب کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ کتابت کا مال ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور دوسری یہ کہ قدرت نہ رکھتا ہو۔ آخر الذکر صورت میں وہ وارث نہ ہوگا۔ اول صورت کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نہ وارث ہوگا اور نہ مورث۔ یہی قول امام شافعی کا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وارث بھی ہوگا اور مورث بھی۔ چنانچہ دوسری روایت کے مطابق اگر ایسا کوئی شخص فوت ہو جائے جس کا یہ (مکاتب) وارث ہو سکتا تھا تو یہ وارث ہوگا اور اگر خود مرجائے تو اس کے متروکہ مال سے کتابت کا واجب الادا حصہ مالک کو ادا کرنے کے بعد جو مال بچ رہے وہ اس (مکاتب) کے ورثاء کا ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکاتب خود وارث نہیں ہو سکتا، البتہ مورث بن سکتا ہے یعنی مرجانے کے بعد جو مال چھوڑے اس مال سے کتابت کا حصہ مالک کو ادا کرنے کے بعد باقی مکاتب کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ (المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۲، صص ۳۲ - ۳۱) امام شافعی اور امام حنبلیہ کا مسلک :- رد المحتار میں ایسا ہی قول امام شافعی کا بیان کیا ہے

باقی صفحہ ۱۸۹۶ پر

(ب) وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

قتل مستلزم کفارہ :

جس قتل سے قصاص یا کفارہ لازم ہو جاتا ہے اس کی تین صورتیں ہیں :

” (۱) قتل عمد

(۲) قتل شبہ عمد (قتل جو عمد کے مشابہ ہو)، اور

(۳) قتل خطاء۔

قتل غیر مستلزم کفارہ :

وہ قتل جس سے قصاص (۴) یا کفارہ لازم نہیں ہوتا اس کی دو صورتیں

ہیں :-

(۱) قتل قائم مقام خطاء، (۲) قتل بالتسبب۔

صفحہ ۱۸۹۵ کا باقی فٹ نوٹ

گیا ہے اور امام احمد بن حنبل کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے نزدیک جس غلام کا بعض حصہ آزاد ہو گیا ہے وہ آزاد حصہ کے مطابق وراثت پائے گا اور اسی کے مطابق دوسرے وراثت اس کی وراثت لیں گے۔ (رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۴۱)

ظاہریہ مسلک : ظاہریہ کا مسلک کامل غلام کے بارے میں دیگر ائمہ کے موافق ہے لیکن مکاتب کے متعلق ان کا نظریہ وہی ہے جو امام احمد بن حنبل کا ہے۔

(درالمنقی بر حاشیہ مجمع الانہر، علاء الدین حصکفی (۱۰۸۸ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۴۸ - المعلیٰ، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۶۸)

شیعہ مسلک : شیعہ مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔ (شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلّی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۲)

(۴) عربی زبان میں ”قص“ کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ اسی سے لفظ ”قصاص“ ماخوذ ہے۔

جس سے مراد ضرر رسیدہ شخص کے زخم یا قتل کے بدلے مجرم کو زخمی یا قتل کرنا ہے (لسان العرب، مطبع اسیرہ، طبع اول، جلد ۸، ص ۳۴۱)

قصاص ایک مقرر سزا ہے جو ایک فرد کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہے ضرر رسیدہ شخص یا اس کے وراثت اگر چاہیں تو اسے معاف کر سکتے ہیں اور معافی سے سزا ختم ہو جاتی ہے

(تبیین الحقائق، شرح کنز الدقائق، زیلعی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۵ھ، طبع اول، جلد ۶، ص ۹۷)

بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۴۰۱

احکام السلطانیہ، العاوردی، مطبوعہ مصر، ص ۲۱۹

تشریح الجنائی الاسلامی، عبدالقادر عودہ، مطبوعہ مصر، ص ۷۸

القصاص فی الشریعۃ الاسلامیہ، الدكتور محمد ابراہیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۳ھ، (م ۱۹۴۴م)،

ص ۳۶

قتل عمد :

قتل عمد وہ قتل ہے جس کا وقوع مار ڈالنے کے ارادے سے ہوا ہو، یعنی قاتل نے اس نیت سے حملہ کیا ہو کہ وہ مقتول کو مار ڈالے نیز یہ کہ قتل ہتھیار سے کیا گیا ہو۔

امام ابو حنیفہ کی رائے :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد وہ ہوگا جس کا ارتکاب ارادہ قتل کے ساتھ اسلحہ یا اس کے مانند کسی ایسی چیز سے کیا گیا ہو جو فارق اعضائے بدن ہو یعنی وہ چیز اعضاء کو ٹکڑے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو مثلاً نوکدار پتھر، لکڑی یا اس کے مشابہ دوسری چیزیں۔ اس قسم کے اسلحہ کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا استعمال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل ارادہ قتل رکھتا تھا۔ (۵)

صاحبین کا نقطہ نظر :

صاحبین کے نزدیک قتل کے لیے ہتھیار وغیرہ کی کوئی شرط نہیں بلکہ ایسی شے کا ہونا معتبر ہے جس کا اغلب نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قتل عمد آلے سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے جن کے نتیجے میں عادتاً موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے وہ ڈبوںے گلا گھونٹنے، کسی اونچی جگہ مثلاً چھت وغیرہ سے گرانے اور اس قسم کے زہر کھلانے کو بھی قتل عمد قرار دیتے ہیں جو فوراً قتل کرتا ہو اور مجرم جانتا ہو کہ وہ سہلک ہوگا۔ (۶)

امام طحاوی کا نقطہ نظر :

امام طحاوی کا نقطہ نظر بھی صاحبین کے موافق ہے۔ (۷)

(۵) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳۳ تبیین الحقائق، شرح کنز الدقائق، زیلی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۵ھ، ج ۶، ص ۹۷

(۶) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳۳

(۷) المختصر الطحاوی، امام طحاوی، مطبوعہ دکن، ۱۳۷۰ھ، ص ۲۳۲

مالکیہ نقطہ نظر:

امام مالک کے نزدیک قصداً کسی ایسی شے سے مارنا جو انسان کی موت کا باعث ہوتی ہو "قتل عمد"، کہلاتا ہے۔ (۸)

ابو زہرہ نے اپنی کتاب "احکام التَرَکات و المیراث"، میں امام مالک کا مذہب اس طرح بیان کیا ہے کہ "امام مالک کے نزدیک جو قتل میراث سے ممانع ہوتا ہے وہ قتل ہے جو ظلماً بطور قصد مکلف سے بغیر عذر ہوا ہو، خواہ کسی طریقے سے واقع ہوا ہو۔ (۹)

شافعیہ مسلک:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قاتل اگر ارادتاً تیز دھار والے آلے سے قتل کرتا ہے جو لوہے کا ہو یا ایسی چیز کا ہو جو لوہے کی طرح گوشت سے گزرتی ہو، نیز اس طرح جو چیز اپنے بوجھ کی وجہ سے قتل کردیتی ہو مثلاً پتھر اور لکڑی یا جس کے بارے میں یہ خیال ہوتا ہو کہ اس کے استعمال سے موت واقع ہو جائے گی تو یہ تمام قتل، قتل عمد شمار ہوں گے اور قصاص واجب ہوگا۔ (۱۰)

حنبلیہ مسلک:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک کسی معصوم انسان کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ انسان ہے کسی ایسی شے سے قصداً ہلاک کردینا جو اغلب طریقہ پر قتل کا موجب ہو جاتی ہے قتل عمد کہلاتا ہے۔ حنبلی فقہ کی کتاب "الاقناع"، میں قتل عمد کی چند قسمیں بھی بیان کی گئی ہیں جو آلات قتل کے اعتبار سے ہیں۔ (۱۱)

(۸) زرقانی، شرح موطا، محمد بن عبدالباقی بن یوسف (م ۱۱۲۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۲ھ

(۱۹۶۲ع)، ج ۵، ص ۱۷۳

(۹) احکام التَرَکات و المیراث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۶

ابو زہرہ نے امام مالک کا یہ مذہب طریقہ قتل کے عموم میں بیان کیا ہے۔ آلہ قتل کے اعتبار سے قتل عمد کی تعریف کی حیثیت سے نہیں کیا، جو قتل ممانع میراث ہے اس میں فقہاء کے پیش نظر دو امور ہیں ایک آلہ قتل اور دوسرا طریقہ قتل، چنانچہ آلہ قتل کے اعتبار سے زرقانی نے امام مالک سے منسوب جو جو تعریف کی ہے وہ صحیح ہے۔ (مؤلف)

(۱۰) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۵

(۱۱) الاقناع، (فقہ حنبلی)، شرف الدین مقدسی، (م ۹۶۸ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۳، ص ۱۶۳

شیعہ امامیہ مسلک:

شیعہ امامیہ کے نزدیک قتل کی محض دو قسمیں ہیں: ”قتل عمد اور قتل خطاء“۔ جن کو قتل بالمباشرت اور قتل بالتسبب بھی کہا جاتا ہے۔

شیعہ فقہ میں قتل عمد کی تعریف:

”کسی عاقل و بالغ کا کسی معصوم جان کو قصداً بطور ظلم، بغیر تخصیص آلہ قتل کے ایسی شے سے قتل کر دینا جس سے اکثر حالات میں موت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد ہے“۔ چنانچہ ذبح کرنا، گلا گھونٹ دینا، زہر پلا دینا، تلوار سے مار دینا، چہرا بھونک دینا، کسی وزنی چیز سے مار دینا، ایسا پتھر مار دینا جو کچل دیتا ہو یا قتل کے لیے انجکشن لگا دینا یہ تمام امور قتل عمد میں داخل ہیں۔

لیکن ایسی شے سے قتل کر دینا جس سے قتل نادر الوقوع ہے اس میں اختلاف ہے۔ صحیح روایت کے مطابق اگر کسی ایسی شے سے ارادہ قتل کیا جس سے موت واقع ہونا نادر الوقوع ہے اور موت واقع ہوگئی تو یہ بھی قتل عمد میں داخل ہوگا۔

ظاہریہ مسلک:

ظاہریہ کے نزدیک قتل کی خاص طور پر دو قسمیں ہیں۔ قتل عمد و قتل خطاء۔ قتل کی مذکورہ بالا دیگر اقسام کے یہ حضرات قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بھی قتل عمد ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو قصداً کسی ایسی شے سے قتل کرے جس سے انسان کبھی مر جاتا ہو اور کبھی بچ جاتا ہو، بشرطے کہ قاتل عاقل بالغ اور مکلف ہو۔ ان حضرات کے نزدیک قتل کی ایک ایسی قسم بنی ہے جو نہ قتل عمد ہے نہ قتل خطاء، نہ کوئی دوسرے نام کا قتل۔ مثلاً ایسی کسی شے سے قتل کیا ہو جس سے انسان کبھی نہیں مرتا ایسے قتل میں ان کے نزدیک نہ قصاص ہے نہ دیت نہ کفارہ بلکہ صرف تادیب کا مستوجب ہوگا۔ (۱۲)

(۱۲) المعلیٰ، ابن حزم، مولہ نالا، ج ۲، ص ۴۱۷

قتل عمد میں ارادہ کا دخل:

جہاں تک قتل عمد کے سلسلے میں ارادہ کا تعلق ہے اس کے لیے عام قصد کافی ہوگا، یہ ضروری نہیں کہ پہلے سے تصور اور تصمیم (پختہ ارادہ) موجود ہو۔ (۱۳) قتل عمد میں قصاص لازم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں آتا ہے ”العمد قود“، یعنی قتل عمد موجب قصاص ہے۔ (۱۴) البتہ اس میں یہ استثناء ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو عمداً قتل کیا تو بوجہ احترام پدری باپ کے ذمہ سے قصاص ساقط ہو گیا، لیکن باپ اس کی میراث سے محروم ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے مورث کو ناحق قتل کیا۔

نتیجہ فکر:

مندرجہ بالا نقطہ ہائے نظر کی روشنی میں باسانی اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے کہ قتل عمد کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ قاتل نے قتل کا ارتکاب عمداً کیا ہو۔ اس کے ارادہ قتل میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور وہ اپنے فعل کا براہ راست مرتکب ہوا ہو۔ اور کسی بھی سبب سے مقتول کا خون قاتل کے لیے حلال نہ ہو۔

قتل شبہ عمد:

حنفیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد وہ قتل ہے جو مار ڈالنے کے قصد کے ساتھ صادر ہوا ہو لیکن کسی ایسے ہتھیار یا شے سے نہ ہوا جو مفرق اعضائے بدن ہو۔ (یعنی بدن کے اجزاء کو چیرنے، ٹکڑے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً چھوٹی سی لکڑی)۔

قتل شبہ عمد کے بارے میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لوہے کے سوا باقی ذرائع مثلاً ڈنڈے، آگ یا ان کے مشابہ دوسری چیزوں سے جو قتل کیا جاتا ہے وہ قتل شبہ عمد ہے۔ ان کے نزدیک جو قتل ایسے آلات سے، جو جسم نہ کاٹتے ہوں یا جسم میں نہ گھولنے جاسکتے ہوں، کیا جائے وہ قتل

(۱۳) النظریۃ العامہ والعقود فی الشریعہ الاسلامیہ، صبحی محمصانی، مطبوعہ بیروت، ص ۳۳-۳۴۔

(۱۴) احکام القرآن، امام جصاص (م ۵۳۷)، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۳۵-۳۶۔

شبہ عمد ہوتا ہے، اگرچہ وہ آلات ایسے ہوں جن سے بالعموم موت واقع ہو جایا کرتی ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد وہ ہوتا ہے جو ایسے ذرائع سے واقع ہوا ہو جن سے بالعموم قتل واقع نہ ہوتا ہو۔ بالفاظ دیگر صاحبین کے نزدیک جب کبھی ایسا ذریعہ قتل استعمال کیا گیا ہو جس سے بالعموم ہلاکت نہ ہوتی ہو تو اس سے قتل واقع ہو جانے کی صورت میں اسے قتل شبہ عمد کہا جائے گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد وہ ہوتا ہے جس میں ضرب تو عمداً لگائی جائے مگر قتل خطاءً واقع ہو جائے۔ یعنی جہاں قاتل مقتول کو بالا ارادہ مار پیٹ رہا ہو لیکن قاتل کا مقصد اسے مار ڈالنا نہ ہو اور مقتول کی موت اس کے قصد کے بغیر واقع ہو گئی ہو۔ چنانچہ امام شافعی کے نزدیک قتل عمد وہ ہوگا جس میں فعل اور نتیجہ فعل (قتل) دونوں کا ارادہ موجود ہو جب کہ قتل شبہ عمد میں ارادہ قتل مفقود ہوتا ہے۔

امام احمد ابن حنبل بھی امام شافعی سے متفق نظر آتے ہیں۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد کی کوئی قسم قتل عمد سے ممیز نہیں ہے۔ یہی صورت ظاہریہ کے نزدیک بھی ہے۔

قتل شبہ عمد میں گناہ گاری اور دیت مغلظہ و کفارہ لازم ہوتا ہے۔ قصاص لازم نہیں آتا۔ البتہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا۔ (۱۵)

قتل خطا:

قتل خطا وہ قتل ہے جو ایک جائز کام کے دوران مار ڈالنے کے قصد کے بغیر بلا فعل یا ارادہ یا دونوں کی غلطی سے واقع ہوا ہو۔ جیسے شکاری، شکار کی طرف تیر پھینکے اور کسی آدمی کے جا لگے، اسے ہلاک کر دے یا

(۱۵) ”دبت“ وہ مالی تاوان ہے جو قاتل کے اہل خاندان (عصبات) مقتول کے ورثاء کو بمعاضہ

ہلاکت ادا کر کے بری الذمہ ہوں۔، (مجمع البحرین، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۶۳۷)

البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۵۱

خزانہ الفقہ، ابو الیث سمرقندی (۵۳۸۳ھ)، مطبوعہ بغداد، ۱۹۶۵ع، جلد اول، صص ۵۵-۳۵۴

مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا ج ۲، ص ۶۱۷

تکملہ بحر الرائق، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۴ھ، ج ۸، ص ۲۹۱

یا ایک شخص کار میں سوار ہے اور کوئی شخص اس کار کے نیچے آکر ہلاک ہو جائے۔

قتل خطاء میں ملزم اقدام ایک چیز کا کرتا ہے لیکن اس سے فعل یا ارادے میں غلطی ہو جاتی ہے اور اس طرح جرم قتل سرزد ہو جاتا ہے۔ قتل خطاء میں بہر حال فعل (قتل کے علاوہ) کا ارادہ پایا جاتا ہے لیکن اگر ملزم کے دل میں کسی فعل کا ارادہ بھی نہ ہو اور قتل کسی فعل، قصد و ارادہ کے بغیر ہی واقع ہو جائے تو یہ فعل جار مجری خطاء یعنی قتل خطا کی طرح یا اس کے قائم مقام کہلائے گا۔ پہلی صورت میں بطور مثال، شکار کے دوران گولی چل جانے سے بجائے شکار کے آدمی مرجائے جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا، اور دوسری صورت میں، مثال کے طور پر، ایک آدمی سو رہا ہے، سوتے میں کروٹ لے اور نیچے گر پڑے اور جو آدمی نیچے سو رہا تھا اس کی موت واقع ہو جائے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی قتل خطاء وہ ہوگا جس میں دونوں کا ارادہ نہ ہو، نہ فعل کا اور نہ ان نتائج کا جو اس فعل سے مرتب ہوئے ہوں۔

امام ابن حزم کے نزدیک جو قتل اول معنی (قتل عمد) کے خلاف ہو وہ قتل خطا ہے۔ قتل خطا وہ ہے جس میں کسی کے قتل کا ارادہ نہ ہو۔ (۱۶)

قتل خطا میں دیت اور کفارہ لازم ہوتا ہے اور قتل شبہ عمد کے مقابلے میں قاتل گناہ گار نہیں ہوتا۔ البتہ علاوہ امام مالک کے، دیگر آئمہ کے نزدیک مجرم مقتول کی میراث اور وصیت سے محروم ہوگا۔ (۱۷)

قتل قائم مقام خطا :

قتل قائم مقام خطا وہ قتل ہے جو قاتل کے ایسے فعل سے واقع ہو جو قتل کا ذریعہ نہ تھا۔ لیکن ذریعہ بن گیا، جیسے سونے والا کروٹ لے اور دوسروں

(۱۶) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۱۷

(۱۷) خزائن الفقہ، ابواللیث سمرقندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۵۳ - ۵۵

مجمع الا نہر، داماد آندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۷

تکملہ بحر الرائق، ج ۸، ص ۲۸۷

پر گر کر اسے ہلاک کر ڈالے۔ اس کا حکم وہی ہے جو قتل خطا کا ہے۔ (۱۸)

قتل بالتسبب :

قتل بالتسبب وہ قتل کہلاتا ہے کہ قاتل مقتول کو بذات خود قتل نہ کرے۔ قتل خطا اور قتل بالتسبب میں یہ فرق ہے کہ قتل خطا میں قتل براہ راست مجرم کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے، جب کہ قتل بالتسبب میں قتل مجرم کے فراہم کردہ اسباب کی بناء پر واقع ہوتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک قتل بالتسبب قتل خطا سے سمیز قسم کا ہے۔ جب کہ شافعیہ اور حنبلیہ قتل بالتسبب کو بھی قتل خطا کی ایک صورت قرار دیتے ہیں۔

شیعہ فقہاء کے نزدیک قتل بالتسبب کے چار مرتبے ہیں، جن کی تفصیل شرائع الاسلام میں بیان کی گئی ہے۔ (۱۹)

ظاہریہ قتل بالتسبب کو قتل ہی پر قیاس کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قتل بالتسبب میں قاتل مقتول کو مباشرتاً قتل نہیں کرتا یعنی خود فعل قتل میں شریک نہیں ہوتا مگر (اس کا فعل) بطور تجاوز سبب قتل بنتا ہے یعنی قتل بذات خود اس سے سرزد نہیں ہوتا مگر جو فعل اس سے صادر ہوا ہے وہ قتل تک پہنچانے والا ہے۔ بالفاظ دیگر قتل خطا اور قتل بالتسبب میں یہ فرق ہے کہ قتل خطا میں قتل براہ راست مجرم کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے جب کہ قتل بالتسبب میں قتل مجرم کے فراہم کردہ اسباب کی بناء پر واقع ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کنواں کھدوایا راستہ میں پتھر رکھا، دوسرا شخص غلطی سے کنویں میں جاگرا اور ہلاک ہو گیا یا پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مر گیا۔ (۲۰)

(۱۸) خزائنہ الفقہ، ابواللیث سمرقندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۵۵-۳۵۴

مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۷

تکملہ بحر الرائق، ج ۸، ص ۲۸۷

(۱۹) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، (کتاب القصاص)، ص ۶۵-۲۶۴

(۲۰) رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۲۵، ص ۵۴۱

اس کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ گواہان کسی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے اور ان کی شہادت کی بنا پر اسے قاتل گردانا جائے۔ اگر نفاذ حکم کے بعد وہ گواہان اپنی شہادت سے رجوع کر لیں اور اقرار کریں کہ وہ اس شخص کو سزائے موت دلوانا چاہتے تھے اس لیے ان لوگوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی یا مثلاً جج کو یہ معلوم ہو کہ ملزم بے گناہ ہے لیکن وہ اسے قصداً سزا دے اور بعد میں اعتراف کرے کہ اس نے جان بوجھ کر اسے سزا دی تھی۔ (۲۱)

حنفی فقہاء کے نزدیک قتل بالتسبب میں قصاص یا کفارہ لازم نہیں ہوتا بلکہ خاندان پر اور بصورت رجوع شہادت گواہان پر دیت واجب ہوتی ہے۔ (۲۲) لیکن امام مالک و امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قتل بالتسبب کے مرتکب پر قصاص واجب ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جو احکام قتل خطا پر لاحق ہوتے ہیں وہی احکام اس سے متعلق ہوں گے۔ (۲۳)

موجودہ مصری قانون کے تحت مورث کو عمداً قتل کر دینا وراثت کا مانع ہوگا، خواہ قاتل فاضل اصلی ہو یا قاتل کا شریک ہو یا اس کی جھوٹی شہادت کے ذریعہ قتل عمل میں آیا ہو جب کہ قتل بغیر حق و بلا عذر شرعی ہو اور قاتل عاقل و بالغ ۱۵ سال کی عمر کا ہو۔ بالفاظ دیگر مورث کا قتل خواہ بطریقہ مباشرت ہو یا بطریقہ سببیت ہو، مانع ارث ہوگا۔ البتہ مصری قانون میں یہ صراحت کردی گئی ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں یہ قتل عمد مانع ارث نہ ہوگا:-

۱۔ جب کہ قاتل سنہ شمسی کے اعتبار سے دس سال کی عمر کو نہ پہنچا ہو۔

۲۔ جب کہ اباحت کا کوئی سبب موجود ہو یا قانون تعزیرات کے تحت کسی (دوسری) سزا کا مستحق ہو۔

(۲۱) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۸

(۲۲) بحر الرائق، ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۱۳۷

(۲۳) احکام الترتکات و الموارث، ابو زھرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۶

۳ - دفاع شرعی کے حق سے تجاوز نہ کیا ہو۔

۴ - زوجہ زانیہ کو فوری طور پر قتل کیا ہو۔ (۲۴)

قتل کا اثر میراث پر:

احناف کے نزدیک قاتل جس نے ناحق قتل کیا ہو، مقتول کی کسی شے کا وارث نہیں ہوتا خواہ اس کا قتل عمداً ہو یا خطاء (۲۵) بہ الفاظ دیگر قتل عمد و قتل شبہ عمد اور قتل خطا تینوں صورتوں میں (جن میں احناف کے نزدیک قصاص یا کفارہ لازم ہوتا ہے) قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

قتل عمد (اور قتل شبہ عمد) کے نتیجہ میں قاتل کے مقتول کی میراث سے محروم ہوجانے کے سلسلہ میں شیعہ و سنی ائمہ متفق ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قتل کی دیگر صورتوں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو گیا یا نہیں!

حنفیہ مکتبہ فکر:

جیسا کہ سطور ما قبل میں بیان کیا گیا، احناف قتل خطاء کی صورت میں بھی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار دیتے ہیں۔

مالکی نقطہ نظر:

امام مالک کا اس مسئلے میں احناف سے اختلاف ہے۔ وہ قتل بلا عمد (خطاء) کی صورت میں قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار نہیں دیتے۔ (۲۶)

شافعی نقطہ نظر:

امام شافعی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کے سلسلے میں انتہا پسند نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ وہ نہ صرف خطاء کی صورت میں قاتل کو

(۲۴) احکام الموائث فی الشریعہ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۰ء، ص ۹۴

(۲۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۴۷-۴۶

(۲۶) جواہر الاکلیل، شرح تصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، ولہ بالا، جزء دوم، ص ۳۳۸

المبسوط، امام سرخسی، ولہ بالا، ج ۳۰، ص ۴۷-۴۶

سیراٹ سے محروم قرار دیتے ہیں بلکہ قاتل خواہ کسی طرح قتل مورث میں شریک ہو، مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قصاص لینے والا، امام و قاضی (جس نے قتل کا حکم دیا ہو) اور جلاذ و شاہد وغیرہ تمام اشخاص مقتول کے ترکہ کی حد تک محروم الارث ہیں اور انہیں مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ (۲۷)

حنبلی مکتب فکر :

حنبلی مکتب فکر کے نزدیک ہر وہ قتل میراٹ سے محروم کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں قاتل کسی قسم کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے خواہ وہ سزا قصاص ہو یا دیت ہو یا کفارہ۔ چنانچہ ان کے نزدیک قتل کی تمام مذکورہ بالا صورتوں میں قاتل مقتول کی میراٹ سے محروم ہو جائے گا البتہ وہ قتل جس کے بعد کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہوتا ہو میراٹ سے محرومی کا سبب نہ ہوگا جیسے قصاص میں قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔ (۲۸)۔

شیعہ مکتب فکر :

شیعہ امامیہ (جعفریہ) بھی قتل خطاء کی صورت میں قاتل کو محروم الارث قرار نہیں دیتے۔ (۲۹) چنانچہ شیعہ فقہاء کے نزدیک قتل عمد میراٹ سے مانع ہوگا نہ کہ قتل خطاء۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قتل خطاء کی صورت میں دیت میں سے قاتل کو وراثت نہ دی جائے گی۔ یہ روایت پسندیدہ بیان کی گئی ہے۔ (۳۰)۔

(۲۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۶۳

احکام الترتکات و الموارث (فقہ عام)، ابو زھرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۳

(۲۸) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۶۲

المحرر فی الفقہ الحنبلی، مجدالدین ابو البرکات، محولہ بالا، ج ۲، ص ۴۱۲

الاتناع، شرف الدین المقدسی، مطبوعہ مصر، ج ۳، ص ۱۲۳

المختصر، عمر بن الحسین الخرقی (۳۳۴ھ)، المکتبہ الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ع)

ص ۱۲۶

(۲۹) الاستبصار، ابو جعفر بن الحسن طوسی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۹۳-۱۹۳

(۳۰) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر العلی، محولہ بالا، القسم الرابع، ج ۲، ص ۱۸۲

ظاہریہ مکتب فکر :

ظاہر یہ قتل خطا کے نتیجہ میں میراث سے محرومی کے مسئلہ میں حنفیہ سے متفق نظر آتے ہیں کیونکہ وہ تعلیل نصوص کے قائل نہیں ہیں۔

فقہاء کے اقوال کی بنیاد :

فقہاء کے اقوال کی بنیاد رسول اللہ کی حدیث ”قاتل کے لیے کوئی میراث نہیں“ (۳۱) پر ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابن عباس سے منقول ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ”جس نے کسی (اپنے) کو قتل کیا، پس قاتل مقتول کا وارث نہ ہوگا، خواہ قاتل کے سوا مقتول کا کوئی وارث موجود نہ ہو، اگرچہ قاتل باپ ہو یا بیٹا، قاتل کے لیے میراث نہیں۔“ (۳۲)

مندرجہ بالا حدیث کا تجزیہ :

امام ترمذی نے ”القاتل لا یرث“، والی حدیث کو روایت کرتے ہوئے باعتبار اسناد اس میں کلام کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا۔ خواہ قتل عمداً ہو یا خطاء۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جب قتل خطاء ہو تو قاتل اس کی میراث لے گا۔ یہ قول امام مالک کا ہے۔ (۳۲)

ابن ماجہ نے بھی اس متن کو اپنی سند سے روایت کیا ہے، جس کی ابتداء میں ایک راوی محمد بن ربیع ان کی اپنی سند کا جدید ہے باقی تمام وہی راوی ہیں جو ترمذی کی روایت کے ہیں، البتہ ابن ماجہ نے اس باب میں حضرت قتادہ سے حضرت عمر کے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے کہ ابو قتادہ جو بنی مدلیج کے ایک قبیلہ سے تھے انہوں نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تھا، حضرت عمر نے

(۳۱) ترمذی، محولہ بالا، ص ۳۰۷ :

”عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال القاتل لا یرث“،

(۳۲) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۶۱ :

”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من قتل قتیلاً فانہ لایرثہ وان لم یکن وارث غیرہ وان کان والدہ او ولدہ فلیس للقاتل شیء“۔

ابوقنادہ سے ایک سو اونٹ دیت میں لیے جو دیت کے لیے شرعاً مقرر ہیں پھر وہ اونٹ مقتول کے بھائی کو دیتے ہوئے حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: ”قاتل کے لیے میراث نہیں۔“ (۳۳)

علامہ شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار میں بیان کیا ہے کہ قاتل کے عدم استحقاق وراثت کے سلسلہ میں ابوداؤد نے عمرو ابن شعیب سے بواسطہ شعیب ان کے دادا کی سند سے روایت کیا ہے اور اسی سند سے نسائی نے نقل کرتے ہوئے اپنی سند کو معلول (۳۵) قرار دیا ہے۔ نیز دارقطنی اور ابن عبدالبر نے روایت کرتے ہوئے اس سند کی تائید کی ہے۔ اس حدیث کو امام شافعی، عبدالرزاق اور بیہقی نے بصورت انقطاع روایت کیا ہے، البتہ بیہقی نے ایک دوسری سند کے ذریعہ اس کو مرفوع نقل کیا ہے۔ نیز یہی مضمون حضرت ابن عباس سے دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سندوں سے روایت کیا ہے لیکن ہر دو سندوں میں کچھ نہ کچھ ضعف موجود ہے۔ اسی طرح طبرانی نے ابو کثیر اشجعی کے قصہ میں اور خطابی نے عدی الجذاسی کا ایسا ہی واقعہ نقل کیا ہے۔ ابو داؤد نے جس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں محمد بن راشد دمشقی مکحولی ہیں جن کو بعض محدثین نے مجروح کہا ہے جب کہ بعض کے نزدیک وہ ثقہ ہیں۔ (۳۶)

قرآن پاک کا استدلال:

قتل ناحق کے سلسلہ میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ نساء میں ارشاد فرماتا ہے کہ ”کسی مومن کے یہ شایان

(۳۳) ترمذی، محولہ بالا، باب الفرائض، ص ۳۰۷

”والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم ان القاتل لا يرث، سواء كان القتل خطاء او عمداً

وقال بعضهم اذا كان القتل خطاء يرث و هو قول مالک۔“

(۳۴) سنن، ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی، ص ۱۹۰

(۳۵) ”معلول“ یا ”معلل“، وہ حدیث ہے جس کے متعلق قرائن کے ذریعہ کسی ایسی علت کا

وجود ہو جو حدیث کو ضعیف کر دیتی ہو۔ مثلاً راوی نے مرسل یا منقطع حدیث کو موصول

روایت کر دیا ہو یا ایک حدیث کے متن کا کچھ حصہ دوسری کے متن سے ملا کر روایت

کردیا ہو (نخبۃ الفکر، مطبوعہ کراچی، ص ۶۴)

(۳۶) نیل الاوطار، علامہ شوکانی (م ۵۱۲۵۰) مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ع، (۵۱۳۸۰) ج ۲، ص ۸۰

شان نہیں کہ وہ کسی دوسرے سوسن کو بغیر حق قتل کردے مگر یہ کہ خطاءً ایسا واقع ہو جائے،۔ اسی سلسلے میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ”اور جو شخص کسی سوسن کو بالقصد قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہے۔ جس میں وہ (قاتل) ہمیشہ رہے گا اور (اس پر) خدا کا غضب اور لعنت ہوگی اور (خدا نے) اس کے لیے درد ناک عذاب مقرر فرمایا ہے،۔“ (۳۷)

مذکورہ بالا آیت قرآنی اور احادیث نبوی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ کی احادیث منشاء خداوندی کی تفسیر و بیان ہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ قتل عمد کے مرتکب کے حق میں اللہ تعالیٰ نے جس قسم کی وعید نازل فرمائی ہے اس قسم کی وعید اور سزا ایسے لوگوں کے حق میں مقرر فرمائی گئی ہے جو دین و دنیا میں خدا کی طرف سے اس کی نعمتوں سے محروم کر دئے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وارث کو اپنے سورت کے قتل کی بناء پر وراثت کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ اس دلیل کی بناء پر قتل عمد کے قاتل کا محروم الارث ہونا قطعی الثبوت قرار پاتا ہے، البتہ خطاء کی صورت میں متقدمین فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام مالک کے دلائل :

قتل خطاء کی صورت میں قاتل کے سورت کی وراثت سے محروم نہ کئے جانے کے سلسلے میں امام مالک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ شخص جو کسی ایسے شخص کے ناحق قتل کا ارادہ کرتا ہے جس کا وہ وارث ہوگا تو وہ دراصل میراث جلد حاصل کرنے کی نیت و ارادہ سے اس جرم قتل کا مرتکب ہوتا ہے اس لیے بطور سزا ایسے مقتول کی وراثت سے محروم کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ نیت و ارادہ ایک ایسے قتل میں مفقود ہے جو اگرچہ ناحق ہو مگر بلا عمد (خطاءً) سرزد ہو گیا ہو۔ اس لیے اسے مقتول کی میراث سے محروم نہ کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ خاطی (خطا کرنے والا) معذور ہوتا ہے اور سزا کا مستوجب نہیں ہوتا۔ خطا کرنے والے پر شرعاً رحم کیا جاتا ہے اس لیے بھی اسے میراث سے محروم نہ کیا جائے گا،

(۳۷) ۳ : ۲۹ (النساء م) :

”وما كان لمومن ان يقتل مؤمناً الا خطاء و من يقتل مؤمناً متعمداً فجزاءه جہنم خالداً فیها و غضب الله علیه و لعنه و اعدله عذاباً عظيماً۔“

البتہ جہاں تک خون بہا (دیت) کا تعلق ہے جو قاتل کے اہل خاندان مقتول کے ورثاء کو ادا کریں گے اس میں وہ (قاتل) میراث پانے کا مستحق نہ ہوگا۔

چنانچہ سوطا امام مالک کی شرح زرقانی میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ اگر ورثاء میں سے کسی ایک نے دوسرے کو خطا قتل کر دیا تو اس صورت میں قاتل مقتول کے ذاتی مال کا وارث ہوگا لیکن دیت میں جو مال ملے گا اس کا وارث نہ ہوگا۔، اس مضمون کی حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن اہل مدینہ کے اتفاق (تعامل) نے اس حدیث کو قوت پہنچائی ہے۔ البتہ قاتل کا اس مقتول کے مال میں وارث ہونے کے سلسلے میں اس وجہ سے اختلاف ہوا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مال کے قبل از وقت حاصل کرنے کی کوشش کا اتہام اس کے ذمہ لازم نہیں آتا اور یہ اتہام ہی قتل عمد کی صورت میں اس کے وراثت سے محروم ہونے کی علت تھی، اور قتل خطا کی صورت میں یہ علت (غیر موجود) پائی گئی۔ اس سلسلے میں امام مالک فرماتے ہیں کہ ”سیرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ قاتل (قتل خطا کی صورت میں) مقتول کے اپنے ذاتی مال سے وارث ہوگا لیکن دیت میں جو مال حاصل ہو گا اس میں وارث نہ ہوگا۔ (۳۸)

قتل کے سبب محرومی میراث کا اصول

قتل کے سبب محروم الارث قرار دیا جانا اس اصول کے تحت ہے کہ جو ”شخص کسی شے کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے حاصل کرنا چاہے اس کو محرومی کی سزا بھگتنی پڑے گی“۔ (۳۹) اسی اصول کے تحت اگر موصی لہ موصی (وصیت کرنے والا) کو قتل کر دے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ جو شخص کسی

(۳۸) زرقانی شرح سوطا، محمد بن عبدالباقی بن یوسف، محولہ بالا، ج ۵، ص ۱۶۷ :

”و ان قتل صاحبہ خطا ورث من مالہ ولا یرث من دیتہ رواہ الدار قطنی باسناد ضعیف لکنہ اعتضد باتفاق اہل المدینۃ علیہ، وقد اختلف فی انہ یرث من مالہ لا یتہم علی انہ قتلہ لیرثہ ولیاخذ مالہ الذی علة منع ارثہ فی قتلہ عمداً فاذا انتفت العلة یكون القتل خطا۔ ورث من المال الا یرث عملاً بعموم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس للقاتل شیء، فاحب القولین الی ان یرث من مالہ ولا یرث من دیتہ، لان الحکم یدور مع العلة وجوداً وعدماً۔“

(۳۹) المجلة الاحکام العدلیہ، مطبوعہ کراچی، دفعہ ۹۹ :

”من استعجل بالشئی قبل اوانہ عوقب بحرمانہ۔“

شرح المجلة الاحکام العدلیہ، الاتاسی، مطبوعہ حمص، ۱۹۳۰ع، ص ۲۶۸

شے سے اس کے وقت سے پہلے فائدہ اٹھانا چاہے گا اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ اس کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے مورث کو جلد میراث حاصل کرنے کے لیے عمداً یا بہ شبہ عمد یا خطاً قتل کر دے تو وہ اس مورث کی میراث سے محروم کر دیا جائے گا اور اس (قاتل) کو میراث نہ ملے گی، البتہ اگر وہ قتل کا سبب بنا ہے تو اس صورت میں محروم نہ ہوگا کیونکہ جو شخص قتل کا سبب ہوا کرتا ہے وہ حقیقت میں قاتل نہیں ہوا کرتا مثلاً ایک شخص دوسرے کی سملو کہ زمین میں کنواں کھودے اور اس کنویں میں کنواں کھودنے والے کا مورث گر کر مر جائے تو یہ کنواں کھودنے والا میراث سے محروم نہ ہوگا، بلکہ صرف قتل کی دیت اس پر واجب ہوگی۔ لیکن میراث سے محرومی کے اس اصول کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ قتل قصاص کے لیے نہ ہوا ہو یا کسی شرعی حق کی بناء پر واقع نہ ہوا ہو چنانچہ اگر ایک عادل شخص اپنے باغی مورث کو (بغاوت کی رو سے) قتل کر دے تو یہ قاتل اس کا وارث ہوگا کیونکہ یہاں قاتل کا قتل کرنا ”قتل بحق شرع“ تھا، یا یہ کہ جن باغیوں کو قوت حاصل ہو چکی ہو ان میں سے کوئی فرد اپنے آپ کو اپنے خیال میں حق پر تصور کرتے ہوئے اہل عدل میں سے اپنے مورث کو قتل کر دے تو یہ اس مورث کا وارث ہوگا کیونکہ قاتل اپنے گمان میں خود کو حق پر تصور کئے ہوئے ہے۔

مصر کا قانون میراث نمبر ۷۸ مجریہ ۱۹۴۳ ع امام مالک کے مسلک کو اپناتے ہوئے قتل خطاء میں قاتل کو میراث سے محروم نہیں کرتا۔ اسی طرح مصر کا قانون وصیت نمبر ۷۱ مجریہ ۱۹۴۶ ع بھی مالکی مسلک کے اتباع میں قتل خطاء کے مجرم کے حق میں وصیت کو صحیح (قابل نفاذ) قرار دیتا ہے۔

احناف کا جواب :

احناف اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں، کہ قتل عمد و خطاء دونوں صورتوں میں قاتل مورث کی میراث سے محروم ہو جائے گا، یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قتل ایک ایسا فعل ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور قاتل کا مقتول کی میراث کے حق سے محروم ہونا دراصل اس قتل کی سزا کے طور پر ہے جو ممنوع ہے، کیونکہ

خاطی کے لیے بھی قتل ممنوع ہے۔ ممنوع کی ضد سباح ہے۔ غلطی سے قتل کرنے کے سبب سے وہ فعل قتل سباح نہیں ہوجاتا اور ایسا کرنے والا قتل سباح کا مرتکب متصور نہیں ہو سکتا اس لیے جرم قتل کا بدلہ دینا ہوگا، کیونکہ جس طرح غیر فعل میں فعل کا تصور نہیں ہو سکتا اسی طرح غیر سباح میں اباحت (جواز) کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قتل غلطی سے بھی ممنوع ہے اور اسی بناء پر اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے جو گناہ کو ڈھانپ دیتا ہے۔ اگر یہ قتل شرعاً معاف ہوتا تو اس کا کفارہ بھی مقرر نہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا جب کفارہ کا حکم دیا گیا ہے تو قاتل کو میراث سے محروم کرنا بھی جائز ہوگا۔ احناف کہتے ہیں کہ دراصل غلطی سے قتل کرنے میں استعجال میراث کا الزام رہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس نے قتل خطا کے ذریعہ استعجال میراث ہی کا قصد کیا ہو اور غلطی کا اظہار (بہانہ) کر رہا ہو۔ لہذا یہ گمان میراث سے محروم کر دینے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ احناف کے نزدیک ہر ایسا قتل جس کے ارتکاب میں قاتل نے حصہ لیا ہو خواہ وہ قتل عمداً کیا گیا ہو یا غلطی سے سرزد ہو گیا ہو اس کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کا باعث ہوگا، البتہ ایسا قتل جو خود اس سے بذاتہ (مباشراً) سرزد نہ ہوا ہو بلکہ جو فعل اس سے سرزد ہوا ہو وہ قتل تک بالسبب پہونچانے والا ہو ایسی صورت میں وہ میراث سے محروم نہ ہوگا مثلاً قاتل نے کنواں کھودا اور سورٹ اس میں گر کر ہلاک ہو گیا یا راستہ میں پتھر رکھا، سورٹ اس سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مر گیا یا کسی شخص نے اپنے مکان کا چھجہ آگے کو نکالا جو سورٹ پر گر پڑا اور سورٹ مر گیا۔ ان تمام صورتوں میں وہ شخص میراث سے محروم نہ ہوگا کیونکہ وہ قاتل نہیں کہلا یا جا سکتا اور ایسی صورت میں اس کے ذمہ کوئی قصاص یا کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، جس کی وجہ یہ ہوگی کہ مذکورہ امور سے قاتل کی طرف یہ شبہ قائم کرنے کی کوئی وجہ نہیں پیدا ہوتی جس کی بناء پہ کہا جا سکے کہ اس نے میراث کو عجلت سے حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہوگا کیونکہ مذکورہ افعال کے ارتکاب کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فاعل نے ان کے کرنے سے اپنے سورٹ کے قتل کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس شخص

کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کا سورت اس کنوین میں گر ہی جائے گا یا پتھر سے ضرور ٹھوکر کھائے گا اور مرجائے گا یا مکان کا چھجہ اس کے نکلتے ہی اس پر گر پڑے گا اس سے پہلے یا بعد نہ گرے گا اور اپنی جگہ قائم رہے گا۔ میراث سے محرومی کا سبب قتل ممنوع کی مباشرت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ مذکورہ طریقے پر قتل کا سبب ہونے والا مباشر (مرتکب) نہیں تھا، اس لیے میراث سے محروم نہ ہوگا۔ (۴۰)

عرب ممالک میں رائج الوقت قوانین :

لبنان اور مصر کے قانون کے تحت نہ صرف اپنی ذات کے تحفظ کی خاطر حملہ آور کو قتل کر دینا موجب قصاص و حرمان میراث نہیں بلکہ دوسروں کی جان کا دفاع بھی اس استثناء میں شامل ہے۔

اسی طرح جلاد کا محکوم علیہ کے قتل کا فعل (جس کے قتل کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت دفاع جان و مال کے لیے قتل جب کہ ما سوائے قتل کے مال کا دفاع ممکن نہ ہو استثنائی صورتوں میں شامل ہیں۔

مصر کا قانون :

دفعہ ۵۔ وراثت کے سوانح، سورت کا عمداً قتل کرنا، خواہ قاتل فاعل اصلی ہو یا قتل میں شریک ہو، یا ایسی جھوٹی شہادت دی ہو جس کی بنا پر سورت کا قتل واقع ہو گیا ہو، بشرطے کہ قتل ظلماً اور بغیر عذر کے واقع ہوا ہو اور قاتل عاقل و بالغ ۱۰ سال کی عمر کا ہو، اور دفاع شرعی سے تجاوز کرنا عذر متصور نہ ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۴۔ اسور ذیل وراثت کے مانع ہوں گے :

(الف) وصیت کے وہ سوانح جن کو دفعہ ۲۲۳ میں بیان کیا گیا ہے۔

(ب) مسلم اور غیر مسلم وغیرہ ہونے کا اختلاف دین۔

(ج) ایک اجنبی وراثت سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے گا، الا یہ کہ

(۴۰) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۰-۴۷

قانون شام نے اس جیسے اجنبی شخص کے لیے کوئی قانونی دفعہ مرتب کی ہو۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۸۸ - قتل عمد وراثت کا مانع ہوگا، خواہ قاتل اصلی ہو یا قاتل کا شریک ہو، یا ایسی جھوٹی شہادت دی ہو جو مقتول کے قتل کا باعث ہوگئی ہو اور حاکم نے اسی بنا پر قتل کا فیصلہ صادر کر دیا ہو۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۰ - جو شخص ظلماً اپنے سوڑ کو عمداً قتل کر دے گا وہ سوڑ کے ذاتی اور دیت کسی سال سے وارث نہ ہوگا، اور نہ کسی وارث کا حاجب ہو سکے گا۔ لیکن جس شخص سے قتل خطا واقع ہو تو وہ سوڑ کی ذاتی سال سے وارث ہوگا، دیت کے سال سے نہ ہوگا۔ اور وہ دیگر وارثوں کا حاجب ہوگا۔

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر :

جہاں تک قاتل کے لیے قتل (عمد) کے سبب میراث سے محرومی کے اصول کا تعلق ہے اس کا اطلاق برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں میں بھی ہوتا رہا ہے چنانچہ بمقدمہ سماء شاہ خانم بنام قلندر خان قرار دیا گیا کہ مصلحت عامہ کے اس اصول کے پیش نظر کہ ”کوئی مجرم اپنے جرم کے نتیجے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔“ ایسا شخص جو مقتول کے قتل میں معین ثابت ہوا ہو مقتول کے ترکہ میں وارث نہیں ہو سکتا،۔ (۴۱)

اسی طرح پاکستان میں جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان، لاہور (بینچ) (بعدہ جج سرہیم کورٹ، پاکستان) نے بمقدمہ بیگوسن بنام سارو قرار دیا کہ ”انصاف،“ (Justice) نصفت (equity) حسن نیت (Good Conscience) کے اصولوں کے تحت ایک قاتل

یا اس کی اولاد (نسل) کو اپنے جرم قتل سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، گو قاتل باپ ہو۔ اور اگر اس کی اولاد اس کے ذریعہ سے وراثت کی مدعی ہو تو اس کی اولاد کو بھی ورثہ نہیں مل سکتا، کیونکہ جس سرچشمہ کے ذریعہ وراثت جاری تھی وہ اس کے جرم کے ارتکاب کے سبب مسدود اور جڑ سے اکھڑ جاتا ہے،۔ (۴۲)

(راقم الحروف کو باوجود تلاش قتل خطا کے نتیجے میں میراث سے محرومی یا استحقاق کے سلسلے میں کوئی عدالتی فیصلہ نہ مل سکا)۔

نتیجہ فکر:

راقم الحروف کے نزدیک قتل خطا کے سلسلے میں دیگر ائمہ کے اقوال کی بہ نسبت امام مالک کا قول مرجح اور پسندیدہ ہے۔ ہر دو جانب سے جو احادیث پیش کی گئی ہیں ضعیف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اور جس طرح دیگر ائمہ اجماع اہل علم کو ان احادیث کی قوت کا سبب تصور کرتے ہیں اسی طرح امام مالک اجماع اہل مدینہ کو اپنی قوت استدلال کا سبب خیال کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ”لیس للقاتل شیء“ کی حدیث کے عموم کو ”وان قتل صاحبہ خطا ورث من مالہ ولا یرث من دیتہ“ کی حدیث سے مقید تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک آنحضرت (صلعم) کا اول فرمان اگرچہ عام ہے لیکن دوسرے فرمان نے اس میں خصوص پیدا کر دیا اور جس طرح کتاب اللہ میں آیات عامہ کے لیے دوسری آیات تخصیص پیدا کر سکتی ہیں اسی طرح احادیث میں ایک حدیث دوسری کے لیے خصوص کا موجب ہو سکتی ہے۔ نیز اگر کتاب اللہ کی مذکورہ آیات پر غور کیا جائے تو ان سے بھی امام مالک کے قول کی تائید اور تقویت کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کیونکہ قرآن حکیم نے صراحت کے ساتھ قتل عمد کے قاتل کے حق میں شدید ترین سزا کا اعلان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ”من قتل مؤمناً متعمداً فجزاعہ جہنم“، اس آیت میں سزا کا وہ

(۴۲) PLD, 1964, LAH. 451

PLR, 1965. (2) West Pkistan, 114

16 DLR (West Pakistan) 1

درجہ بیان فرمایا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بعض دینی اور کل اخروی نعمتوں سے محروم فرمادیا ہے۔ اس کے بعد قتل خطاء کے مرتکب کو اس سزا سے مستثنیٰ فرما کر ارشاد فرمایا ہے ”من قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة و دية مسلمة الى اهله“، ”کہ جس شخص نے کسی مؤمن کو خطاء قتل کر دیا اس پر مؤمن غلام کا آزاد کرنا اور دیت جو مقتول کے اولیا کو دینا لازم ہے“، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کے مقابلے میں قتل خطاء کی سزا میں انتہائی تخفیف فرمادی، جس کا مقتضی یہ ہوا کہ قتل خطاء کا مرتکب اس محرومی کا مستحق نہیں جو قتل عمد کے مرتکب کے لیے تجویز کی گئی ہے۔

امام مالک اپنے مسلک کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ”رفع عن امتی الخطاء و النسیان وما استکر ہوا علیہ“، پیش کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خطا کرنے والا مرفوع القلم ہے اور اس کے فعل پر مواخذہ نہ ہوگا۔ ”اس حدیث کی روشنی میں اس کے فعل خطاء پر سیراٹ سے محروم ہو جانا سندرجہ بالا حدیث کے خلاف عمل ہوگا۔ (یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ائمہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کا اطلاق مواخذہ آخرت پر ہوگا۔ دیکھئے بحث ”طلاق مکرہ“، جلد دوم صفحہ ۶۴-۶۳)۔

احناف کا یہ استدلال کہ قتل اگرچہ خطاء واقع ہوا ہو لیکن بحیثیت قتل کے مباح نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس پر کتاب اللہ میں دیت اور کفارے کی سزا مقرر کی گئی ہے، جو قتل خطاء کے جرم ہونے کی دلیل ہے، راقم الحروف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں دیت اور کفارہ کا حکم دیا جانا دو احتمال رکھتا ہے۔ پہلا احتمال وہی ہے جس کو احناف نے بیان کیا ہے کہ قتل خطاء کا فعل جرم ہے اور اس بناء پر دیت و کفارہ سزا کے طور پر رکھا گیا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دیت اور کفارہ قتل خطاء کے جرم میں ہونے کی بناء پر نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ ایک مسلمان کا خون جو قابل احترام شے ہے اس کا اعزاز و اکرام باقی رہے اور لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کا خون اس درجہ گراں قدر ہے کہ اس کا ضائع ہونا کسی طرح خداوند عالم کو پسند نہیں۔

لہذا مذکورہ بالا دو احتمالوں میں سے جب تک پہلا احتمال متعین

نہ ہو اس وقت تک یہ کہنا مشکل ہوگا کہ چونکہ قتل خطاء جرم تھا اس لیے اس کی سزا میں دیت اور کفارہ لازم کیا گیا ہے۔ مزید برآں اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو امام مالک کے مسلک کی تائید خود کتاب اللہ کی آیت کے سیاق سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ کسی ایسے فعل سے جو شرعاً جرم ہو کسی دوسرے فعل کے استثناء کا اقتضاء یہ ہے کہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہہ کے حکم سے خارج کر دیا جائے۔ نیز دیت اور کفارہ کی آیت کا اختتام ”توبہ من اللہ“ پر ہوا ہے۔ توبہ جس وقت بندے کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہ سے رجوع کر کے معافی کا خواستگار ہوا اور جب خدا کی طرف سے منسوب ہو تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ خدا نے بندے پر مہربانی فرمائی اور عفو کے ساتھ درگزر فرمایا۔ آیت مذکورہ میں توبہ کی نسبت صراحت کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف فرمائی گئی ہے اور آیت کے مجموعی مضمون کے سیاق سے یہاں صحیح مطلب یہ ہوگا کہ قتل خطاء کے جرم ہونے سے درگزر کر دینا خدا کی مہربانی اور اس کی طرف سے عفو و درگزر ہے۔ اور یہ عفو و مہربانی اسی وقت کامل ہوگی جب کہ اس فعل پر سزا مرتب نہ ہو بلکہ دیت اور کفارہ کو خون مسلم کے اعزاز و اکرام کی بقاء کے لیے تصور کیا جائے۔ اس تفسیر کی روشنی میں بھی امام مالک کا نقطہ نظر کہ قتل خطاء میں محرومی میراث کا حکم نہ دیا جائے گا، اصح اور قرین صواب نظر آتا ہے۔ البتہ یہ حکم اس وقت دیا جانا چاہئے جب کہ حاکم کے نزدیک صحیح معنی میں یہ ثابت ہو جائے کہ قتل واقعی خطاء ہوا ہے جس کا ذریعہ شواہد اور خارجی قرائن ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور حاکم کو ظاہری حالات کو پیش نظر رکھ کر ہی حتی الاسکان صحیح فیصلہ کرنے کا مکلف کیا گیا ہے، جیسا کہ خود امام شافعی نے فرمایا ہے کہ قاضی کو ظاہری حالات پر اجتہاد کا مکلف بنایا گیا ہے۔ (۴۳) مراد یہ ہے کہ حاکم عدالت کو شہادت اور آثار و قرائن سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جائے کہ قتل واقعی خطاء (غلطی سے) سرزد ہوا ہے تو قاتل کو میراث سے محروم نہ کیا جائے گا۔

(۴۳) الرسالہ، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۹۴۰ع، ص ۴۹۷ :
 ”انہ انما کلف فی الحکم الاجتہاد علی الظاہر، دون المغیب“

جہاں تک قتل بالتسبب میں میراث سے محرومی کا تعلق ہے اگر واقعی طور پر وہ قتل محض اس سبب کے ذریعہ واقع ہو مگر سبب کے بانی کا کسی طرح بھی اس قتل سے تعلق، نیت یا ارادہ ظاہر نہ ہوتا ہو تو اس میں میراث سے محرومی کا حکم نہ دیا جائے گا لیکن اگر قاتل نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ سبب اختیار کیا ہو جس سے بالواسطہ ارتکاب قتل کا ثبوت فراہم ہوتا ہو تو قاتل کو قتل شبہ عمد کے اثر و نتیجہ کے تحت میراث سے محروم قرار دیا جانا چاہئے۔ چنانچہ اگر قتل بالتسبب میں اس سبب کے اختیار کرنے ہی میں ارادہ قتل مضمحل ہے یعنی ایسا ارادہ ثابت ہو جائے جو قتل کا موجب ہوا ہو تو اس پر بھی حرمان میراث کا حکم لگانا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص بحکم شرعی اپنے مورث کو حد یا قصاص میں مار ڈالے یا اس حالت میں اسے مار ڈالنے کا مرتکب ہو کہ مورث اس پر اولاً خود حملہ آور ہوا ہو اور اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر حق تحفظ ذات کے تحت مورث کو قتل کیا تو ایسے قتل سے نہ قصاص لازم آتا ہے نہ کفارہ اور نہ قاتل میراث سے محروم ہوتا ہے۔ یہ مسلک حنفیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کا ہے، لیکن امام شافعی اس سے متفق نہیں ہیں ان کے نزدیک قاتل خواہ کسی طرح مورث کے قتل میں شریک ہو مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ امام شافعی قتل ناحق کے سبب میراث سے محرومی کے نظریہ کو نابالغ اور پاگل تک وسعت دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک نابالغ یا پاگل بھی اگر قتل مورث کا مرتکب ہو تو اس کو میراث سے محروم کیا جائے گا، کیونکہ وہ قتل ناحق کا مرتکب پایا گیا ہے۔ (۴۴) لیکن راقم الحروف کو اس مسئلے میں امام شافعی سے اختلاف ہے، کیونکہ میراث سے محروم ہونا قتل حرام کی سزا ہے۔ نابالغ اور پاگل کے افعال اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ فعل ممنوع وہ ہے جس کے ساتھ شرع نے خطاب کیا ہو اور یہ امر نابالغ یا پاگل میں نہیں پایا جاتا۔ علاوہ ازیں قاتل کے خلاف حرمان میراث کے حکم کی بنیاد استعجال میراث (یقینی یا ظنی) کے قاعدہ پر ہے۔ نابالغ یا پاگل کے قصد استعجال میراث کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا، حرمان

(۴۴) المسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۴۸ :-

”واما العبی و المجنون اذا قتل مورثہ لم یحرم عن المیراث عندنا و عند الشافعی یحرم

عن المیراث لوجود القتل بغیر حق۔“

میراث اس امر یا فعل کے بچنے سے کوتاہی کے سبب ہوتا ہے اور کوتاہی خاطر سے سرزد ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اس امر کا اہل ہے کہ اس سے کوتاہی منسوب کی جائے اور یہ نسبت پاگل اور نابالغ میں نہیں پائی جاتی وہ اس نسبت کے شرعا اہل نہیں ہیں۔ امام شافعی کا نقطہ نظر انتہائی درجہ تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہے، مگر اس سے قواعد شرعیہ کی مخالفت لازم آتی ہے اس لیے ان کا مذہب مرجوح قرار پائے گا۔

۳۰۰ - کافر مسلم کا اور مسلم کافر کا وارث نہ ہوگا۔

اختلاف مذاہب

تشریح

مسلم اور غیر مسلم مورث اور وارث کے درمیان مذہب یعنی توحید و شرک کا اختلاف بھی مانع ارث ہے۔ البتہ غیر مسلم اختلاف ملت کفر کے باوجود ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ مسلمان باہم وارث ہوتے ہیں، لیکن کافر کسی مسلمان کی میراث نسبی یا سببی رشتہ سے نہیں لے سکتا۔ (۴۵) اس پر است مسلمہ کا اجماع ہے۔ البتہ مسلمان کا کافر کی میراث پانے کے متعلق فی الجملہ اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء صحابہ کے نزدیک ایک مسلمان غیر مسلم کا وارث نہ ہوگا۔ یہی قول احناف اور امام شافعی کا ہے۔ لیکن صحابہ میں حضرت معاذ بن جبل اور معاویہ بن ابی سفیان اور تابعین میں سے حسن بصری، محمد بن حنفیہ، محمد بن علی بن الحسین اور مسروق تابعی کے نزدیک مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوگا۔ جس کی دلیل آنحضرت (صلعم) کا ارشاد ”الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ، ہے۔ چونکہ وراثت حاصل کرنا بھی ایک قسم کی برتری ہے اس لیے اسلام کفر پر غالب ہے جو مذکورہ حدیث کی رو سے مسلمان کا حق ہے۔

ائمہ اربعہ کا مسلک :

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ ان مذکورہ حضرات کے نزدیک استحقاق وراثت بھی ایک قسم کی ولایت ہے اور غیر مسلم کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں، البتہ مسلم کو غیر مسلم پر ولایت حاصل

ہوتی ہے۔ اس لیے (ان مذکورہ حضرات کے نزدیک) مسلم غیر مسلم کا وارث ہوگا۔ علاوہ ازین، ارث کا استحقاق کبھی عام سبب سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی خاص سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ سبب عام کے تعلق سے مسلم غیر مسلم کا وارث ہوتا ہے جیسا کہ ذمی (اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری) کا ترکہ اگر اس کا دارالاسلام میں کوئی وارث موجود نہ ہو تو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا ہے جو مسلمانوں کا حق ہوتا ہے۔ اس طرح گویا مسلمان اس ذمی کے مال کے وارث ہو جاتے ہیں۔ لیکن سبب عام کے ذریعہ کوئی غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ لہذا یہی حکم اس صورت سے بھی متعلق ہوگا جب کہ سبب خاص وارث کا ذریعہ بنے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مسلم بعض خاص حالات میں مرتد کا وارث ہوتا ہے لیکن مرتد مسلم کا وارث نہیں ہوتا۔ اور مرتد چونکہ کافر ہوتا ہے اس لیے اسی پر دیگر کفار کو قیاس کرنا چاہئے۔ اس نظریہ کی تائید میں رسول اللہ (صلعم) کی حدیث ”الاسلام یزید ولا ینقص“، پیش کی جاتی ہے یعنی اسلام (حقوق کی) زیادتی کا ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ ان کی کمی کا۔ چنانچہ غیر مسلم اپنے غیر مسلم قرابت دار سے وراثت پانے کا پہلے سے مستحق تھا اب مسلمان ہونے کے بعد اس کو کس طرح محروم قرار دیا جا سکے گا، کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اسلام اس کے حق کی کمی کا سبب ہو جائے، اور یہ جائز نہیں ہو سکتا۔

لیکن جمہور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ”ولا یتوارث اهل ملتین بشئی لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم“، (۳۶) نیز یہ حضرات قرآن سے استدلال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ”والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض“، پیش کرتے ہیں کہ کفار آپس میں بعض کے ولی ہیں۔ اس سے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان قیام ولایت کی نفی کی گئی ہے۔ اب اگر اس ولایت سے مخصوص طور پر وراثت مراد ہو تو یہ واضح ہو جائے گا کہ دونوں فریق کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر ولایت سے ولایت عام مراد ہو تو یہ واضح ہے کہ وراثت ولایت

(۳۶) صحیح بخاری، امام بخاری، مطبوعہ اصح المطابع کراچی، ج ۲، ص ۱۰۰۱

مسلم، بشرح نووی، امام مسلم، ج ۱۱، ص ۵۲ (کتاب الفرائض)۔

عام کا ایک فرد خاص ہے اور وارث اپنے مورث کا بحیثیت مالک ہونے اور قابض ہونے کے تصرفات میں قائم مقام ہوتا ہے، اب دین کے مختلف ہونے سے ایک کو دوسرے پر خلیفہ ہونے کی حیثیت سے کس طرح ولایت حاصل ہوگی؟ چنانچہ غور کیا جائے کہ جب ہجرت فرض تھی اس وقت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا ”والذین آمنوا ولم يهاجروا مالکم من ولايتهم من شئ حتى يهاجروا“، یعنی جن لوگوں نے ایمان لاکر ہجرت نہ اختیار کی ہو ان پر تم کو کچھ بھی ولایت حاصل نہ ہوگی جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں۔ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانوں اور کافروں میں باہم ولایت نہیں رہتی۔ (۴۷) کیونکہ جب دارالکفر میں رہنے والے مسلم سے عدم ہجرت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے دارالاسلام میں رہنے والے مسلم کے مابین ولایت کو قطع فرما دیا تو ظاہر ہے کہ ایک مسلم اور کافر میں بطریق اولیٰ ولایت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ البتہ غیر مسلم خواہ کوئی ملت رکھتے ہوں، احناف کے نزدیک، باہم وارث ہوں گے، ان اسباب کے ذریعہ جن کے ذریعہ مسلمان باہم وارث ہوتے ہیں، نیز ایسے اسباب کے ذریعہ بھی جو مسلمانوں کے یہاں وراثت کا ذریعہ نہیں ہیں، لیکن ان میں بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کے ذریعہ ان میں اگرچہ وراثت جاری ہو لیکن اسلام ان ذرائع کو وراثت کا ذریعہ قرار نہیں دیتا تو ان میں وراثت کا حق پیدا نہ ہوگا جیسے وہ نکاح جو مسلمانوں کے مابین کسی حال میں درست نہیں ہوتے مثلاً محرمات نسبی یا رضاعی سے نکاح۔ امام مزنی نے اپنی کتاب ”المختصر“ میں امام شافعی سے بھی اس کے موافق نقل کیا ہے لیکن بعض اصحاب شافعی سے مروی ہے کہ جب تک اعتقادی نوعیت میں متفق نہ ہوں گے اس وقت تک وارث نہ ہوں گے۔ ابو القاسم نے امام مالک سے بھی یہی نقل کیا ہے (۴۸)

امام احمد حنبل کے نزدیک اگر مسلمان کا غیر مسلم وارث میراث تقسیم ہونے سے قبل اسلام لے آیا تو اس کا وارث ہوگا اور دیگر وراثت کے ساتھ وراثت

(۴۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴

المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۱

(۴۸) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۱

الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴

میں شریک ہو جائے گا۔ (۴۹) یہ نقطہ نظر معتدل ہے۔

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک اختلاف دین اس طرح مانع ارث ہے کہ کافر مسلم کا وارث نہ ہوگا لیکن مسلم ہر قسم کے کافر کا وارث ہوگا۔ (۴۹)

ظاہریہ :

امام ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں لکھا ہے کہ کافر مسلمان کی اور مسلمان کافر کی میراث نہیں لے سکتا۔ (۵۰)

مصری قانون :

مصری قانون الموارث ۱۹۴۳ ع، کی دفعہ ۶ کی رو سے مسلم اور غیر مسلم میں وراثت جاری نہ ہوگی البتہ غیر مسلم باہم وارث ہوں گے۔ (۵۱)

شام کا قانون :

شام کے قانون کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۱۳ کتاب ہذا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۹ - مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اور ولد اللعان و ولد الزنا اور اس کے والد کے درمیان وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

نتیجہ فکر :

مندرجہ بالا دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہوگا کہ قرآن پاک "ملل کفر"، والوں کو باہم وارث تسلیم کرتا ہے لیکن "ملل

(۴۹) المغنی، ابن قدامہ مقسسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۷۱

(۴۹) (۱) الاستبصار، طوسی، مطبوعہ نجف ۱۹۵۶ ع، ج ۳، ص ۹۰-۱۸۹

(۵۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۷۱

(۵۱) احکام الموارث فی الشریعہ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۸۳

کفر و اسلام، کے بارے میں خاموش ہے۔ البتہ حدیث نبوی جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اس مسئلہ میں صریح نص کے طور پر وارد ہوئی ہے۔ دیگر ائمہ جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، ان کی نوعیت ایک عام اصول اور ضابطہ کی ہے جو مسئلہ متعلقہ میں صریح حدیث کی موجودگی میں لائق استدلال نہیں۔ بنا بریں راقم الحروف کے نزدیک یہ نقطہ نظر اقرب الی الصواب ہے کہ جس طرح غیر مسلم مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا اسی طرح مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہونا چاہئے۔

معاذ بن جبل وغیرہ کی دلیل کہ ”مسلم غیر مسلم وارث کا ولی ہو سکتا ہے اور وراثت ولایت کی ایک قسم یا شاخ ہے“، اس مسئلہ میں بطور حجت پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ ولایت ایک مستقل حق بالذات نہیں بلکہ ایک امر عارضی ہے جو ایک معین عمر یا حالت تک قائم رہتا ہے، جب کہ وراثت مستقل بالذات ہے جس کا تعلق قائم ہونے کے بعد صرف وارث کی ذات سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ولایت قابل انتقال نہیں جب کہ وراثت میں ملا ہوا ترکہ قابل انتقال بھی ہوتا ہے۔ ولایت اور وراثت میں مندرجہ اعتبارات سے جو امتیاز موجود ہے وہ اس امر کے لیے کافی ہے کہ ان حضرات کا وراثت کو ولایت پر قیاس کرنا اور اس سبب سے مسلم کو غیر مسلم کی میراث دلانا منطقی طور پر بھی درست نہیں۔

۳۰۱۔ مملکت اسلامیہ کے غیر مسلم شہری اور مملکت غیر اسلامیہ کے غیر مسلم شہری کے درمیان، بجز حالت جنگ مابین ہر دو ملک، اختلاف مملکت مائع ارث نہ ہوگا، الا یہ کہ مملکت غیر اسلامیہ کا قانون اس کا مائع ہو۔

اختلاف دار

تشریح

دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحوں کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ عہد نبوت و عہد صحابہ میں اس کا سراغ ملتا ہے۔ البتہ بعد کے اجتہادی دور کی کتب فقہ میں ”کتاب السیر“ کے تحت مستقل بحثیں ملتی ہیں، جن میں باہم مسلم و غیر مسلم ممالک و افراد کے باہمی قانونی تعلقات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جو اصطلاحیں اختیار کی گئی ہیں، ان میں

دارالاسلام، دارالحرب، دارالکفر، دارالعہد اور دارالامان کی اصطلاحیں معروف ہیں۔ ان کے علاوہ دارالخوف، دارالشر، غیر دارالاسلام، دارالمسلمین، دار فرار، دارالسلم اور دار موادعت کی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں۔ یہ اصطلاحات تغیر زمانہ کے سبب اپنی تعریف، اطلاق اور حدود وسعت کے لحاظ سے بدلتی رہی ہیں، ابتداء اسلام میں جنگ کا بنیادی سبب مذہب ہوتا تھا اور مسلمان ہر طرف جنگ و جدال میں مصروف تھے اسی بناء پر مسلمان مملکتوں کو دارالاسلام اور دیگر تمام اجنبی حکومتوں کو دارالحرب کہا جاتا تھا البتہ جن پڑوسی اجنبی ممالک سے باہم عہد و پیمان ہو جاتے تھے ان کو دارالعہد کہا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم کتب فقہ میں کثرت کے ساتھ دارالاسلام، دارالحرب اور دارالعہد کی اصطلاحیں ملتی ہیں، اور دوسری اصطلاحوں کا استعمال کم ہوا ہے۔

دارالاسلام و دارالکفر (دارالحرب):

فقہاء کی تصریح کے مطابق دارالاسلام میں تین شرطوں کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ صدر مملکت کو جسے فقہاء عام طور پر "امام" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ناموس شریعت کا محافظ اور پاسبان ہونا چاہئے۔

۲۔ ملک میں اسلامی قانون رائج ہونا چاہئے جس کا بنیادی مقصد عدل و احسان کے قیام اور فواحش و منکرات کا استیصال ہے۔

۳۔ ہر مسلمان خواہ کسی ملک اور علاقہ کا باشندہ ہو اور اس اعتبار سے ایک مقامی قومیت رکھتا ہو، اس کو دارالاسلام میں بلا روک ٹوک آنے کی اجازت ہوگی اور اسے وہاں پہنچنے ہی وہ تمام شہری حقوق حاصل ہو جائیں گے جو وہاں کے پہلے سے رہنے والے (مسلمانوں) کو حاصل ہیں۔ وہ وہاں زمین خرید سکتا ہے، کھیتی باڑی اور کاروبار کر سکتا ہے۔ ملازمت میں لیا جا سکتا

ہے اور جاگیر و جائیداد پیدا کر سکتا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ جب تک چاہے وہاں قیام کرے۔ حکومت اس کو ملک سے نکل جانے کا حکم نہیں دے سکتی۔ اسی بناء پر مسلمان اگر کسی دوسرے ملک میں کسی جرم کا ارتکاب کر کے آیا ہو تو دارالاسلام کی حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اسے سزا دے۔ (۵۲)

لیکن جدید عہد میں شاید ہی کوئی ایسا اسلامی ملک ہو جہاں بالخصوص تیسری شرط کا لحاظ کیا جاتا ہو۔ راقم الحروف کے نزدیک دور حاضر کے مخصوص مقتضیات کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اکثریت والے ایسے ملک کو دارالاسلام کہا جا سکے گا، جہاں شرعی قوانین کے نفاذ میں کوئی امر مانع موجود نہ ہو، نیز جو ملک پہلے دارالاسلام ہو اور پھر اس پر غیر مسلموں کا غلبہ ہو جائے تو اس کو اس وقت تک دارالحرب نہ کہا جائے گا جب تک اس میں اسلامی احکام کا کچھ بھی جزو باقی ہے، اگرچہ اہل اسلام کا غلبہ نہ رہا ہو، کیونکہ جس حکم کا وجود کسی علت پر مبنی ہوتا ہے تو جب تک وہ علت بالکل نہ اٹھ جائے، حکم باقی رہتا ہے۔

بالفاظ دیگر دارالاسلام اس دار (ملک) کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو غلبہ و تسلط حاصل ہو اور جہاں غلبہ اور تسلط حاصل نہ ہو، شرعی اصطلاح میں، وہ ملک دارالکفر کہلائے گا۔ دارالاسلام اور دارالکفر کی اس تعریف میں ائمہ کے درمیان اختلاف نہیں۔ البتہ اگر کوئی ملک دارالاسلام ہو تو وہ کب اور کن حالات میں دارالکفر (دارالحرب) میں تبدیل ہو جائے گا اس میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے

چنانچہ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غیر مسلموں کا ملک تین شرطوں سے دارالحرب بنتا ہے :

۱۔ یہ کہ یہ ملک تاتاریوں (اس وقت تک یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے) کے ملک سے ملا ہوا ہو۔

(۵۲) ”برہان“، دہلی، (ماہنامہ)، سعید احمد اکبر آبادی، مولانا، (مدیر)، اکتوبر ۱۹۶۶ ع صص ۱۰۱۲- (ہندوستان کی شرعی حیثیت)

۲ - یہ کہ اس میں کوئی مسلمان سابق امان کے ساتھ نہ ہو اور اسی طرح کوئی ذمی سابق امان کے ساتھ نہ ہو، اور

۳ - یہ کہ یہ لوگ شرک کے احکام ظاہر کریں -

اس کے بر خلاف امام ابو یوسف اور محمد الشیبانی کے نزدیک (صرف) احکام کفر کے اظہار (اجراء) کرتے ہی یہ ملک دارالحرب بن جاتا ہے۔ (۵۳)

اسی طرح امام علاء الدین الکلسانی نے لکھا ہے کہ ”ہمارے اصحاب کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ دار کفر میں احکام اسلام کے ظہور سے دارالکفر، دارالاسلام ہو جاتا ہے البتہ اس میں ہمارے اصحاب نے اختلاف کیا ہے کہ دارالاسلام کس سبب سے دارالکفر ہو جاتا ہے۔ (امام) ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ تین شرائط پائے جانے کے بغیر دارالکفر نہیں ہو سکتا۔ ایک یہ کہ اس میں احکام کفر کا ظہور ہو، دوسرے یہ کہ وہ دار، دارالکفر سے متصل ہو اور تیسرے یہ کہ اس میں نہ کوئی مسلمان اور نہ کوئی ذمی، امان اول (امان المسلمین) کے ساتھ قائم ہو (یعنی مسلمان حکومت نے جو امان دی ہوئی تھی وہ قائم نہ رہے)۔ (اس کے برخلاف) ابو یوسف اور محمد (الشیبانی) نے فرمایا ہے کہ وہ دار صرف احکام کفر ظاہر ہونے ہی دارالکفر ہو جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارکفر میں اسلام اور کفر کی طرف نسبت ہے اس لیے جو چیز کہ اسلام یا کفر کی طرف نسبت کرتی ہے وہ اس (دار) میں اسلام یا کفر کا ظاہر ہونا ہے۔ . . . اور اسلام اور کفر کا ظہور ان دونوں کے احکام کے ذریعے ہوتا ہے (یعنی اگر اسلامی احکام کا ظہور ہوگا تو وہ دارالاسلام کہلائے گا اور اگر احکام کفر کا ظہور ہوگا تو وہ دارالکفر کہلائے گا۔ چنانچہ جب دار میں احکام کفر ظاہر ہوں تو وہ دارالکفر ہو گیا اور نسبت صحیح ہو گئی۔ اسی طرح احکام اسلام کے ظہور کے سبب وہ دار، دارالاسلام ہو گیا۔ (۵۴) امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دار کی

(۵۳) المبسوط، امام سرحسی، محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۱۱۳ (باب المرتدین)

(۵۴) البدائع الصنائع، علاء الدین کلسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۱-۳۰

اضافت (نسبت) اسلام کی طرف یا کفر کی طرف اس بنا پر نہیں ہے کہ اس ملک میں اسلام یا کفر کا وجود ہے (جس کی وجہ سے ملک کو داراسلام یا دار کفر کہا جا رہا ہے)، بلکہ اضافت سے مقصود (اصلی) امن اور خوف کا وجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے اس ملک میں مطلقاً امن حاصل ہے اور کفار کے لیے مطلقاً خوف موجود ہے تو اس ملک کو داراسلام کہا جائے گا۔ اور اگر کفار کو مطلقاً امن حاصل ہے اور مسلمانوں کو مطلقاً خوف لاحق ہے تو یہ دار کفر ہوگا۔ چنانچہ احکام کی بنیاد امن اور خوف پر رکھی جائے گی۔ اسلام یا کفر کی ذات کے وجود پہ نہ رکھی جائے گی۔ اس لیے (داراسلام یا دار کفر میں) امن طلبی کی ضرورت نہ محسوس ہو تو جو امن پہلے سے قائم تھی اس کو مطلقاً برقرار سمجھا جائے گا، لہذا ایسا ملک دار کفر قرار نہ پائے گا، اور جو امن علی الاطلاق ثابت شدہ ہو وہ اس وقت تک زائل متصور نہ ہوگی جب تک اس ملک کا اتصال دار کفر سے نہ ہو جائے۔ چنانچہ (امام ابو حنیفہ کے نزدیک) ایسے ملک کا داراسلام سے دار کفر کی صفت اختیار کر لینا ان دونوں کے وجود پر موقوف ہوگا۔ . . . اس کے ماسوی دار کی اضافت (نسبت) اسلام کی جانب اس معنی کا احتمال بھی رکھتی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے، اور اس معنی کا بھی احتمال رکھتی ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے لیے اس ملک میں مطلقاً امن ثابت ہو، اور اہل ذمہ کے لیے ان کے ذمی اور طالب امن ہونے کی بناء پر امن حاصل ہو، پس اگر اضافت کی وجہ وہ ہے جو آپ نے بیان کی ہے تو اس معنی کی بناء پر جو آپ نے بیان کیے ہیں دار کفر ہوگا اور اگر اضافت کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے تو یہ ملک دار کفر نہ ہوگا، بلکہ اس طرح ہوگا جس طرح ہم نے کہا ہے۔ لہذا جو ملک یقینی طور پر داراسلام تھا وہ مشکوک دلیل سے دار کفر قرار نہ پائے گا، بخلاف دار کفر کے، کہ وہ اسلام کے احکام کے اجراء سے داراسلام قرار پا جائے گا۔

الخ (۵۵)

(۵۵) البدائع الصنائع، امام کلسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۱-۳۰ (کتاب السیر)
نتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۷۰ (کتاب السیر)

تجزیہ :

مندرجہ بالا اقتباسات کا تجزیہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس ملک پر کفار غالب آگئے ہوں یا اہل ملک مرتد ہو گئے ہوں اور انہوں نے کفر کے احکام اس میں جاری کر دیے ہوں، صاحبین کے نزدیک وہ ملک دار کفر قرار دیا جائے گا۔ جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر اس ملک کے مسلمان اپنی سابقہ امان کی حالت میں برقرار ہوں اور اہل ذمہ بھی اپنے سابق عہد و پیمان کی بنا پر برقرار ہوں نیز اس ملک کا اتصال کسی دار کفر کے ساتھ نہ ہو تو فقط کفر کے احکام جاری ہونے سے وہ دار، دار کفر نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک اس ملک کے دار کفر ہونے کی محض ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ کفار کے غلبہ کے بعد احکام کفر کا اجراء ہو جائے۔ مسلمان اہل ملک غلبہ کے بعد جدید امان حاصل کرنے کے محتاج ہوں اور یہ ملک کسی دوسرے دار کفر سے متصل بھی ہو۔ اگر یہ تینوں امور موجود نہ ہوں تو دار کفر قرار نہ پائے گا۔ مثلاً اجراء احکام کفر ہو گیا، لیکن مسلمانوں کے لیے امان بدستور باقی ہو، اور کسی دار کفر کا اتصال بھی نہ ہو یا اجراء احکام کفر ہو گیا، اور دار کفر سے اتصال بھی ہے لیکن مسلمانوں کیلئے ان کی امان بدستور سابقہ حالت پر باقی ہے یا مسلمانوں کے لیے سابقہ امان باقی ہے، اجراء احکام کفر نہیں ہوا محض کفار کا غلبہ ہو گیا، کسی دار کفر کا اتصال ہے، یا نہیں ہے، ان تمام صورتوں میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دار کفر نہ ہوگا۔ اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ کی بیان کردہ تعریف صاحبین کے مقابلے میں قابل ترجیح نظر آتی ہے۔

چنانچہ دارالاسلام اس وقت تک دارالاسلام رہے گا جب تک کہ مسلمانوں کا تسلط منقطع ہو کر مایوسی کی حد میں نہ داخل ہو جائے اور آثار و قرائن ایسے ہوں کہ مسلمانوں کے غلبہ و تسلط کی کوئی امید باقی نہ رہے۔

موجودہ زمانے میں قومیت و وطنیت کا ایک نیا تصور پیدا ہوا ہے۔ مسلم

اور غیر مسلم اقوام بلا لحاظ ملک و ملت اپنے قومی اور بین الاقوامی معاملات میں اس جدید تصور پر عمل پیرا ہیں۔ پر امن بقائے باہمی، انفرادی اور اجتماعی مذہبی آزادی، عام امن و امان قانون کی بالادستی اور مساوات، بین الاقوامی میثاق اور جذبہ خیر سگالی کے پیش نظر دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحات کا وہ مفہوم اور اثر علی الاطلاق اختیار کرنا جو متقدمین فقہاء کے نزدیک تھا، کس حد تک درست ہوگا، یہ مثلہ غور طلب ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان کے پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی نے اپنے ایک مقالے میں دارالحرب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”دارالحرب کی“ جو تعریف (کتب فقہ میں) بیان کی گئی ہے، نیز قرون اولیٰ میں دارالحرب و دارالاسلام کے جو تعلقات تھے اور جو جنگی نتائج مرتب ہوئے تھے ان سب پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ آج کل کی سلطنتوں اور ریاستوں کو جہاں بدنظمی نہیں بلکہ ایک خاص نظام قائم ہے اور مسلمان با امن و امان رہتے ہیں بلکہ اپنی تعداد کے مطابق سیاسی امور میں بھی حصہ لیتے ہیں، دارالحرب قرار نہیں دیا جاسکتا۔“ (۵۶)

پاکستان کے ممتاز مفکر پروفیسر محمد شریف، ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور نے بھی لکھا ہے کہ ”ہندوستان کا دستور اگرچہ سیکولر ہے لیکن اس میں عقیدہ، عمل اور مذہب، کی جو آزادی دی گئی ہے وہ بعینہ وہ ہے جو اسلام دیتا ہے۔ اس بناء پر لفظوں میں فرق ہے ورنہ پاکستان کی اسلامی ریاست اور ہندوستان، آسٹریلیا اور امریکہ کی سیکولر اسٹیٹ یہ سب ایک ہی ہیں۔“ (۵۷)

راقم الحروف کو ڈاکٹر معصومی اور پروفیسر محمد شریف کی ان آراء کو صحیح تسلیم کرنے میں تامل ہے۔ ڈاکٹر معصومی کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ وہ دارالحرب کی اصطلاح کو لفظ ”حرب“ کا تابع سمجھ کر امن و امان اور نظم و نسق کی صورت میں دارالحرب قرار دینے کے منکر نظر آتے ہیں، حالانکہ یہاں دارالحرب کی اصطلاح دارالکفر کے مترادف استعمال ہوتی ہے۔ اگر کسی ملک

(۵۶) ”الرحیم“، حیدرآباد (سندھ) پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، شماره جون، ۱۹۶۶ع،

صص ۷۱-۷۲

(۵۷) اسلامک اینڈ ایجوکیشنل اسٹیڈیز، لاہور محمد شریف، ص ۶

میں غیر مسلموں کا تسلط اور غلبہ ہے تو وہ ملک دارالکفر (دارالحرب) ہی کہلائے گا نہ کہ دارالاسلام۔ اسی طرح پروفیسر محمد شریف بھی مغالطہ کا شکار ہیں وہ محض عقیدہ اور عمل کی آزادی کو دارالاسلام کی علامت اصلی قرار دیتے ہوئے امریکہ اور پاکستان کو ایک پلڑے میں رکھتے ہیں۔ یہ خود ساختہ اصول ہے جو اسلام کی روح کے منافی ہے۔ پروفیسر موصوف کی اس تعمیم (generalization) سے ملل کفر و اسلام کا سرے سے کوئی جھگڑا ہی نہیں رہتا۔ یہ تخیل مغرب کی فسوں کاری کے سوا کچھ نہیں، جس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی حکومت کے بنیادی خدوخال کو اس طرح مسخ کر دے کہ مسلم قومیت کے تشخص کی بنیاد — مذهب — کا کوئی تعلق نظم مملکت سے وابستہ نہ رہے جس کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالکفر کا وہ بنیادی نظریہ قائم نہ رہنے پائے جو اسلام اور کفر کی حکومتوں کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے۔

نتیجہ فکر :

مندرجہ بالا مباحث کی روشنی میں عہد جدید کے تقاضوں اور قانون بین الاقوام کے موجودہ نظریات کے پیش نظر غالباً یہ تجویز کرنا اصول شرع کے خلاف متصور نہ ہوگا کہ موجودہ عہد میں دارالاسلام و دارالحرب کی اصطلاحات کے بجائے ”مملکت اسلامیہ“ و ”مملکت غیر اسلامیہ“ کی اصطلاحیں اختیار کرنا مناسب ہوگا۔ ان کے مابین نقطہ امتیاز یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ جس مملکت میں اسلامی قوانین کو بالفعل یا بالقوة نافذ کیا جاسکے اور غیر مسلم رعایا اپنے مذہبی امور پر عمل کرنے میں اس کی اجازت و منظوری کی محتاج ہو وہ ملک اسلامی کہلائے گا، لیکن جس مملکت پر غیر مسلموں کا اس طرح تسلط ہو کہ وہ مملکت اپنی مسلم رعایا کے احکام و قوانین نافذ کرنے پر بالفعل یا بالقوة قاصر ہو، اور مسلمان قوم کے افراد اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے میں اس کی اجازت کے محتاج ہوں تو وہ مملکت غیر اسلامی ہوگی۔

چنانچہ وہ تمام حکومتیں جن کے سربراہ اور عام رعایا غیر مسلم ہے اور مسلمان

اپنے دینی احکام پر عمل کرنے میں ان کی اجازت و منظوری کے محتاج ہیں غیر اسلامی حکومتیں کہلائیں گی، اگرچہ ان حکومتوں نے اپنے بعض عہدوں پر مسلم افراد کا تقرر ہی کیوں نہ کر دیا ہو، کیونکہ یہ مسلم افراد حقیقی معنی میں احکام نافذ کرنے میں غیر مسلموں ہی کے محتاج ہوں گے۔

عہد حاضر میں حکومتوں کے باہمی تعلقات و معاہدات، معاشی حالات، ذرائع رسن و رسائل و حمل و نقل اور نقل وطن و ترک سکونت کی بنا پر مسلم و غیر مسلم حکومت و افراد کے مابین شخصی قانون بین الاقوام کے دائرہ میں جو مسائل پیدا ہوئے ہیں وہ ہمارے علماء کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ ان ہی امور میں دو مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کی میراث کا مسئلہ بھی شامل ہے۔

اختلاف دار۔ مانع ارث :

قدیم کتب فقہ کی رو سے دار (ملک) کا اختلاف بھی مانع ارث ہے یعنی ایک کافر ذمی دارالکفر میں ہو اور دوسرا دارالاسلام میں، تو باہم میراث جاری نہ ہوگی۔

میراث کے باب میں دارالاسلام و دارالکفر کے یہ معنی ہیں کہ ہر دو ممالک کے سربراہ اپنی فوج، قوانین، املاک اور حکومت میں ایک دوسرے سے اس درجہ استقلال رکھتے ہوں، کہ دونوں ملکوں کے سربراہ کسی وقت بھی ایک دوسرے کے مقابل تغلب سے کھڑے ہو سکتے ہوں، دونوں کے نزدیک ایک دوسرے کو جنگ کرنا جائز ہو، کیونکہ ایسی حالت میں ان ملکوں کی باہمی عصمت منقطع ہو جاتی ہے۔ (۵۸)

اختلاف دار غیر اہل اسلام میں معتبر ہے۔ مثلاً حربی، ذمی یا مستامن۔ اختلاف دار کی دو صورتیں ہیں۔ حقیقی اختلاف اور حکمی اختلاف۔ لیکن ہر دو صورتوں کا حکم یہی ہے کہ یہ اختلاف ارث کا مانع ہوگا۔ البتہ مسلمانوں میں اختلاف دار (ملک) مانع ارث نہیں ہے۔

(۵۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۶

اختلاف دار کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دار الاسلام کی حدود میں اس کا شہری ہو، اور دوسرا دارالکفر کی حدود میں رہ کر وہاں کا شہری ہو۔ چنانچہ اگر وارث و مورث مختلف دار سے تعلق رکھتے ہیں تو غیر مسلم ہونے کی صورت میں باہم وارث نہ ہوں گے۔ جیسے حربی و ذمی و ذمی مستامن جو مختلف ملکوں کے ہوں، کہ ایک داراسلام میں حکومت اسلام کا مطیع ہو کر جزیہ دے کر یہاں کا شہری ہو، اور دوسرا غیر مسلم دارالکفر کا شہری ہو تو ایک کو دوسرے کی میراث نہ ملے گی۔

بالفاظ دیگر دارالکفر میں غیر مسلم مرا تو دار الاسلام کا غیر مسلم شہری کا باپ یا بیٹا وارث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دارالاسلام میں ذمی (دار الاسلام کا غیر مسلم شہری) مرا تو دارالکفر میں رہنے والا اس ذمی کا باپ یا بیٹا اس کا وارث نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ان دونوں میں حقیقی معنی کے اعتبار سے اختلاف دار ہے، اگرچہ ملت میں متحد ہیں۔ اگر حربی (دارالکفر کا کافر شہری) دار الاسلام میں مال لے کر آیا اور مر گیا تو اس سے وراثت کا رشتہ رکھنے والا ذمی اس کا وارث نہ ہوگا، بلکہ حربی کافر نے جو مال چھوڑا ہو اس کے ملک کو بھیج دیا جائے گا۔ اگر دارالاسلام میں ذمی فوت ہو گیا جس کا دارالاسلام میں کوئی وارث نہیں البتہ دارالکفر میں موجود ہے تو اس ذمی کا ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ دارالکفر کے رہنے والوں کو وراثت نہ ملے گی، کیونکہ ان میں حکماً اختلاف دار موجود ہے اگرچہ اس وقت دونوں ایک ہی ملک میں موجود ہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی مسلمان دارالکفر میں جا کر مرے یا مسلم دارالاسلام میں مرے اور (اس کے مسلمان) وارث دارالکفر میں ہوں تو دارالاسلام کے وارث اس کے ترکہ کے وارث ہوں گے، کیونکہ اختلاف دار کا قانون غیر مسلموں کے لیے ہے، اسی طرح اگر ذمی کافر دارالکفر میں اجازت لے کر گیا اور اس کے وراثت دارالاسلام میں موجود نہیں تو یہ دارالاسلام کا متروکہ بیت المال کا حق ہوگا، دارالکفر کے وراثت کو نہ ملے گا۔ (۵۹)

(۵۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۵

البحر الرائق، ابن نجیم محولہ بالا، ج ۸، ص ۵۰۱

رد المحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ج ۵، صص ۴۳-۴۴

امام شافعی کے نزدیک اختلاف دار مانع ارث نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی امام شافعی کے موافق ہے۔ مالکی کتب فقہ کی عبارتوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک شافعیہ و حنبلیہ کے مطابق ہے، کیونکہ ان کی کتب میں اختلاف دار کے متعلق کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ (۶۰)

ظاہریہ :

علامہ ابن حزم سے بھی اختلاف دارین کے سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک بھی اختلاف دارین معتبر نہیں معلوم ہوتا۔ (۶۱)

مصری قانون :

مصری قانون الموارث ۷۷، ۱۹۳۳ ع کی دفعہ ۶ کے تحت مذکور ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف دارین وراثت سے مانع نہ ہوگا نیز غیر مسلموں کے درمیان بھی مانع ارث نہ ہوگا الا یہ کہ دار اجنبی (غیر ملک) نے خود ہی (اپنے قانون کے تحت) ان کے باہم توارث کو ممنوع قرار دے دیا ہو۔ (۶۲)

دفعہ ۶۔ دو مملکتوں کا اختلاف مسلمانوں کے حق میں وراثت کا مانع نہ ہوگا، اور نہ غیر مسلمین کے درمیان مانع ہوگا، الا یہ کہ کسی دوسری مملکت کا قانون اس میں مانع ہو۔

نتیجہ فکر :

اختلاف دار کے مسئلہ میں مختلف مذاہب فقہ کے مطالعہ سے جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف دار کے سلسلہ میں احناف ایک غیر مسلم کا وارث صرف اس صورت میں تسلیم کرتے ہیں جب کہ وارث و مورث (غیر مسلم) میں کوئی اختلاف دار نہ ہو۔ اگر اختلاف دار موجود ہو تو غیر مسلم

(۶۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، صص ۶۹-۶۸
 (۶۱) الاستبصار، طوسی، مطبوعہ نجف، ۱۹۵۶ ع، ج ۳، صص ۹۰-۱۸۹
 (۶۲) احکام الموارث فی الشریعہ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۰۱

مورث (ذسی) کا ترکہ دارالکفر میں رہنے والے غیر مسلم (وارث) کو نہیں دیتے۔ اور یہی حکم اس کے برعکس صورت میں لگاتے ہیں یعنی اگر دارالکفر میں کوئی غیر مسلم مرجائے اور اس کا وارث غیر مسلم ذسی دارالاسلام کا شہری ہو تو اس صورت میں بھی ان کے نزدیک وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف، شافعیہ اور حنبلیہ غیر مسلموں کے درمیان اختلاف دار کو مانع ارث کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ مالکیہ، ظاہریہ اور شیعہ مکاتب فکر اس بحث میں خاموش نظر آتے ہیں۔ مصر میں رائج الوقت قانون کے تحت غیر مسلم کے درمیان اختلاف دار کو مانع ارث قرار نہیں دیا گیا، جب کہ اس سے قبل محاکم شرعیہ، ۱۹۱۰ ع کی رو سے حنفی مذہب کے مطابق فیصلے کئے جاتے تھے اور اختلاف دار کو مانع ارث قرار دیا جاتا تھا۔

نتیجہ فکر :

بہ نظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حنفی مسلک سیاست شرعی کے اصولوں اور مصلحتوں کو اپنی تہ میں لئے ہوئے ہے جس میں ایک اسلامی ملک کی انتظامی مصلحتوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آخر کوئی اسلامی مملکت، اپنے غیر مسلم شہری کے حق وراثت کو، جو اسے کسی غیر مسلم ملک میں اس کے کسی غیر مسلم مورث کے فوت ہو جانے سے حاصل ہوا ہو، کیونکر نافذ کرا سکتی ہے؟ اسی لئے علماء احناف نے اپنے غیر مسلم شہری کے لئے اختلاف دار کو مانع میراث قرار دیا ہے لیکن مسلمانوں میں اختلاف دار کسی کے نزدیک بھی مانع میراث نہیں ہے۔ البتہ غیر مسلموں کی میراث کے سلسلہ میں عصری تقاضوں کے پیش نظر، یہ استثناء کیا جا سکتا ہے کہ اگر دو مملکتوں یعنی مملکت اسلامی و مملکت غیر اسلامی کے درمیان کوئی معاہدہ قرار پا جائے جس کے تحت ہر دو ملک کے باشندوں کے لئے باہم استحقاق میراث کی قرار داد طے شدہ ہو، تو اسکے نفاذ میں بظاہر کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا، کیونکہ اس طرح ان غیر مسلموں کے حقوق کا اجراء ایک دوسرے کے ملک میں ممکن العمل ہو سکے گا۔ معاہدہ کی غیر موجودگی میں ایک مملکت دوسرے مملکت کے غیر مسلم شہری کے حقوق وراثت کے تسلیم کرنے سے منکر اور ان کے نفاذ میں مانع ہو سکتی ہے، جس کے نتیجہ میں استحقاق میراث پر اثر ہو سکتا ہے۔

لہذا راقم الحروف کے نزدیک، معاہدہ، کی مندرجہ بالا شق کے ساتھ، اس مسئلہ میں حنفی مسلک ہی النسب اور قرین صواب ہے۔

ارتداد

۳۰۲۔ (۱) ارتداد مانع ارث ہے۔ مرتد اور مرتدہ (مرد و عورت) اپنے مسلمان ورثاء کی میراث سے محروم ہوں گے۔

(۲) ارتداد اس مال کے حق میں جو مرتد نے بعد ارتداد حاصل کیا ہو، اس کے ورثاء کے حق میں مانع ارث ہوگا۔ یہ مال بیت المال کی ملکیت ہوگا۔ البتہ مرتد کا مسلم وارث اس مال کا وارث ہوگا جو مرتد نے اسلام کی حالت میں حاصل کیا ہو۔

استثناء:- مرتدہ (عورت) کا حالت اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں کا مال اس کے ورثاء کا حق ہوگا۔

تشریح

ارتداد:

سوانح سیراث میں ارتداد بھی ایک سبب ہے۔ یہ مانع اصلاً نہیں ہے بلکہ بالتبع ہے کیونکہ شرط اسلام معدوم ہوجانے کے سبب دوسرے دین پر لوٹ جانے کا امر عارض ہو گیا ہے۔

مرتد کی تعریف:

جو شخص کلمہ کفر ادا کرنے کے بعد دین اسلام سے کسی دوسرے دین کی طرف رجوع کر جائے اس کو شرعی اصطلاح میں مرتد کہتے ہیں۔ لغت میں اس کے معنی ”واپس ہوجانے“ کے ہیں۔ (۶۳)

مرتد کے مال کے بارے میں ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر:

مرتد اگر مارا جائے یا مرجائے یا دارالحرب میں رہ پڑے تو جو کچھ اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کی میراث قرار پائے گا، اور جو کچھ حالت ارتداد میں کمایا ہے وہ بیت المال کی ملکیت ہوگا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔ صاحبین کے نزدیک اسلام اور ردت دونوں حالتوں یا زمانوں کی کمائی میں مرتد کے مسلمان ورثاء وارث ہوں گے۔ امام شافعی (اور امام مالک) کے نزدیک دونوں زمانوں کی کمائی بیت المال کی ملکیت

(۶۳) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۶۸۲

ہوگی۔ ان کے ایک قول کے مطابق یہ ملکیت بطور مال غنیمت کے اور دوسرے قول کے مطابق بطور مال ضائع کے ہوگی۔ (۶۴)

البتہ احناف کے نزدیک مرتدہ (عورت) مرجائے تو اس کا کل مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا خواہ وہ اس عورت نے مرتد ہونے سے پہلے کمایا ہو یا بعد میں۔

مسلمان جو مرتد کی میراث لیتا ہے وہ دراصل سد ذرائع اور منع احتیال (حیلہ سازی) کے طور پر ہے۔ (۶۵)

مرتد کی زوجہ بشرطے کہ وہ مسلمان ہو، اس کی وارث ہوگی۔ یہی صورت اس وقت ہوگی جب کہ اس کا مرتد شوہر مرجائے، درآں حالے کہ وہ عدت میں ہو۔ اگر مرتد اپنی مسلمان زوجہ کی عدت ختم ہونے کے بعد انتقال کرے یا مرتد نے اس سے صحبت ہی نہ کی ہو تو وہ میراث کی مستحق نہ ہوگی۔ (اصولی طور پر مرتد کی حیثیت ”زوجہ فار“، طلاق دیکر میراث سے بھاگنے والے شوہر کی زوجہ کی مثل ہے جو بصورت وفات شوہر (دوران عدت) وارث ہوتی ہے۔ اگر وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ مرتد ہوگئی ہو تو اس کو کچھ میراث نہ ملے گی، جس طرح کہ وہ اقارب جو مرتد ہوں مرتد کے وارث نہیں ہوتے)۔

مرتد ولایت کا اہل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ کسی سے میراث نہیں پاتا کیونکہ اس نے مرتد ہو کر گناہ (جرم و جنایت) کا ارتکاب کیا ہے۔ میراث سے بطور سزا محروم ہو جانا ارتداد کا شرعی صلہ ہے، جیسے کہ قاتل قتل ناحق کے سبب مقتول کے ورثاء سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام مالک اور شافعی کے نزدیک مرتد نہ خود کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ دوسرا اس کی میراث لیتا ہے جو کچھ وہ چھوڑتا ہے، خواہ حالت اسلام میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں، یت المال کی ہوتا ہے۔

(۶۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۸-۳۷
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴۰
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۶۸۲
(۶۵) المیراث، صبھی محمدیانی، مطبوعہ، ص ۱۹۰

جب زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں اور پھر ان سے بچہ پیدا ہو، تو اگر مرتد ہونے کے دن سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو اس کو میراث ملے گی، کیونکہ یہ امر اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ وہ اپنی ماں کے بطن میں اس وقت موجود تھا جب کہ اس کے والدین مسلمان تھے اس لیے وہ اسلام کا تابع قرار دیا جائے گا اور ماں باپ کے مرتد ہوجانے سے مرتد قرار نہیں قرار دیا جائے گا، جب کہ وہ دارالاسلام میں رہے۔ چونکہ اسلام کا حکم بطریقہ تبعیت دار کے ابتداءً ثابت ہوتا ہے اس لیے اس کا باقی رہنا اولیٰ ہوگا، لہذا جب بچہ مسلمان رہا تو وہ مرتد کے ورثاء میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر وہ بچہ یوم ارتداد سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا تو وہ اپنے مرتد والدین سے سیراث پانے کا مستحق نہ ہوگا، اگرچہ ان دونوں کے درمیان نکاح قائم ہو، کیوں کہ ایسی صورت میں نطفہ کا قائم ہونا قریب ترین وقت سے لیا جائے گا اور قریب ترین وقت (باعبار کم از کم مدت حمل) چھ ماہ ہے۔ چنانچہ جب بچہ کا نطفہ مرتد کے قطرہ سنی سے قائم ہوا تو وہ بچہ بھی اپنے والدین کے ساتھ مرتد کے حکم میں ہوگا۔ (۶۶)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک جب کہ مرتد ردت پر قائم رہتے ہوئے مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ حکم کے اس جزو میں وہ امام مالک و شافعی سے متفق ہیں۔

اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو ان کے درمیان باہم وراثت جاری نہ ہوگی خواہ وہ دارالحرب میں چلے گئے ہوں یا دارالاسلام میں مقیم ہوں۔ امام مالک و شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

جو بچہ مرتد ہوجانے کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا ہو، امام احمد کے نزدیک اس کا غلام بنا لینا جائز ہوگا، (جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے نزدیک بچہ مرتد کا تابع ہوگا اور وارث نہ ہوگا)۔ یہی قول امام شافعی کا ہے۔

جب مرتد دارالکفر میں چلا جائے تو ایسی صورت میں اس کا مال موقوف

(۶۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۷
الشریفہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴۱

رکھا جائے گا۔ اگر اسلام لے آیا تو مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر مرگیا تو وہ غنیمت تصور کیا جائے گا۔ یہی قول امام مالک اور شافعی کا ہے۔ اہل عراق اس کے مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک دارالکفر میں چلا جانا ہی زوال ملک کا سبب ہوگا، اس لیے مرتد کی واپسی کے بعد مال واپس نہ ہوگا بلکہ جس طرح اس کی موت کی صورت میں اس کے اقرباء کے تصرف میں آجاتا ہے اسی طرح ان کے تصرف میں آجائے گا۔ اگر اسلام کی طرف واپس آجائے تو جو مال باقی ہوگا وہ لے لے گا، اور ورثاء نے جو صرف کر دیا ہوگا وہ واپس نہ ہوگا۔ (۶۷)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک مرتد کسی مسلم کا وارث نہ ہوگا لیکن مسلم مرتد کا وارث ہوگا۔ لیکن ترکہ کس وقت تقسیم کیا جائے گا اس کے متعلق امامیہ کے یہاں دیگر مذاہب کے مقابلے میں ایک نئی تفصیل پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک ایک پیدائشی کافر مسلمان ہو کر پھر اپنے اسی دین کی طرف لوٹ جائے تو اس کا ترکہ فوری قابل تقسیم قرار دیا جائے گا خواہ قتل کر دیا گیا ہو یا زندہ ہو بشرطے کہ مرد ہو، لیکن اگر عورت ہے تو تاوقتیکہ فوت نہ ہو جائے اس کا ترکہ تقسیم نہ ہوگا۔

اور اگر پیدائشی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کا ترکہ قتل یا موت سے قبل تقسیم نہ کیا جائے گا، البتہ اس کی زوجہ عدت کا زمانہ پورا ہونے کے بعد بائنہ ہو جائے گی۔ (۶۸)

ظاہریہ :

ظاہریہ کے نزدیک مرتد کا نہ کوئی وارث ہو سکتا ہے نہ مرتد کسی کا وارث ہو سکتا ہے۔ جو مال چھوڑے گا وہ مسلمانوں کے بیت المال کا حق ہوگا۔ خواہ اسلام کی طرف رجوع کرے یا نہ کرے یا ارتداد کی حالت میں مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دارالحرب میں منتقل ہو جائے۔ لیکن وہ مال

(۶۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۸-۷۷

(۶۸) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر العلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۸۲-۸۱

جو اس کے قتل یا موت کے بعد حاصل ہو وہ اس کے کافر ورثاء کا حق ہوگا۔ (۶۹)

پاکستانی قانون :

پاکستان میں اگرچہ اسلامی قانون وراثت کا، مسلمانوں کے منجملہ دیگر شخصی قوانین کے، مختلف اطلاقی ایکٹوں کے ذریعہ نافذ و رائج ہونا قرار دیا جا چکا ہے، لیکن مرتد کی میراث کے مسئلہ میں شریعت کے خلاف عمل درآمد ہو رہا ہے۔ شرع اسلام کا یہ ایک واضح حکم ہے کہ جو مسلمان مرتد ہو جائے وہ میراث سے محروم ہو جاتا ہے مگر یہ حکم مذہبی آزادی کے ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ ع کے سبب نافذ نہیں ہو سکتا، جس کے تحت کسی شخص کا اپنے دین سے منحرف ہو کر دوسرا دین اختیار کر لینا اس کے حقوق کو متاثر نہیں کرتا اس لیے وراثت کے احکام میں شرعی قانون کا اطلاق ہونے کے باوجود مرتد کے اطلاقی احکام میراث آج بھی عدالتوں کے ذریعہ نافذ نہیں کرائے جاسکتے۔ ضرورت ہے کہ ۱۸۵۰ ع کا مذکورہ ایکٹ منسوخ کیا جائے۔

تجزیہ :

”مرتد کی میراث“ کے مسئلے کے دو جزو ہیں :

۱۔ مرتد کا خود میراث سے محروم ہو جانا،

۲۔ اس کے مسلمان ورثاء کا وارث ہونا۔

جہاں تک مسئلے کے پہلے جزو کا تعلق ہے اس میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد خود میراث سے محروم ہوگا۔ البتہ دوسرے جزو میں یہ اختلاف ہے کہ احناف حالت اسلام اور حالت ارتداد میں کمائی ہوئی دولت میں فرق کرتے ہیں جب کہ دیگر ائمہ ایسے فرق کے قائل نہیں۔ احناف کے نزدیک حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا اور حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال بیت المال کی ملکیت ہوگا، بشرطے کہ مرتد مرد ہو، البتہ عورت کی صورت میں دونوں حالتوں میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء کا حق ہوگا۔ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ کل مال بیت المال کی ملکیت قرار دیتے ہیں، خواہ وہ مرد ہو

(۶۹) المحلی، ابن حزم، معولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۷۱

یا عورت۔ شیعہ امامیہ بھی اس بارے میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ البتہ وہ میراث ایک مقررہ وقت تک روکنے کے قائل ہیں جس سے (غالباً) یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ وہ بلا امتیاز حالت مسلمان وراثت کے استحقاق کے قائل ہیں۔ ظاہریہ جس طرح مرتد کو کسی مسلمان کا وارث نہ ہونا جملہ مذاہب کے مطابق تسلیم کرتے ہیں وہاں اس نقطہ نظر کے قائل نظر آتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہ ہوگا۔ جیسا کہ وہ کافر کی میراث میں قائل ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک کافر و مرتد کی میراث کے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں۔ مصالح شرعی کے اعتبار سے حنفی نقطہ نظر قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔

نوٹ: اس باب میں دارالاسلام، دارالکفر، دارالحرب وغیرہ کی جو تعریفات بیان کی گئی ہیں وہ ائمہ احناف کے نظریہ کے مطابق ہیں۔ دیگر ائمہ کی کتب میں باوجود تلاش تفصیلات نہ مل سکیں۔

۳۰۳۔ ایک ساتھ غرق ہو جانے والے یا دب کر مر جانے والے یا آگ میں چل کر مرنے والے جب کہ ان کے درمیان وراثت کا رشتہ قائم ہوتا ہو، باہم ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، بشرطیکہ ان میں یہ پتہ نہ چل سکتا ہو کہ کون پہلے فوت ہوا، اور کون بعد میں۔ اسی صورت میں ان کا ترکہ ان کے ذی حیات وراثت میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اشتباہ مورث و وارث

تشریح

سوانع میراث کی بحث میں تبعاً اشتباہ وارث و مورث بھی ایک سبب مانع میراث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وارث و مورث ایک ساتھ مرے اور ان کے انتقال کی تاریخ یا وقت میں تقدیم و تاخیر کا پتہ نہیں چل سکتا، مثلاً چند اقارب جو باہم وارث ہوں ایک ساتھ دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مر جائیں یا کشتی یا ہوائی جہاز میں سوار ہوں اور کشتی کے ڈوبنے یا جہاز کے گر جانے سے سب مرجائیں یا لڑائی میں مارے جائیں اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون

(۷۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۸۶

خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، جلد دوم، ص ۳۲۰

پہلے مرا اور کون بعد میں، ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے جیسے کہ باپ، بیٹا ایک ساتھ ہوائی جہاز کے حادثہ میں مر گئے تو باپ بیٹے کا یا بیٹا باپ کا وارث نہ ہوگا بلکہ باپ کا ترکہ اس کے موجودہ وارثوں میں اور بیٹے کا اس کے موجودہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ یہ مسلک حنفیہ کا ہے مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ (۷۰)

حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر بن الخطاب اور زید بن ثابت کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ جب یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے کون مرا تو ان میں سے بعض دوسرے بعض کے وارث نہ ہوں گے۔ ان سب کی سیراٹ ان کے زندہ وارثوں کے لیے ہوگی۔ یہی فیصلہ زید بن ثابت نے یمامہ کے مقتولین اور طاعون عمواس اور مقتولین الحرة کے سلسلے میں دیا تھا۔ حضرت علی سے بھی جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل ہوجانے والوں کی سیراٹ کے سلسلے میں یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ یہی قول حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہے اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس نظریہ کی بنیاد آثار صحابہ اور قیاس پر قائم ہے۔ استحقاق سیراٹ کا سبب مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا ہے۔ بطور مثال اگر زید اور عمر جو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے تھے ایک ساتھ آگ میں جل مرے۔ اگر زید کو عمر کا وارث قرار دیا جائے تو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ عمر پہلے مرا اور زید بعد کو۔ ایک ساتھ جل کر مرجانے یا ڈوب کر مرجانے کے سبب یقینی طور پر عمر کی موت کا تقدم یا تاخر ثابت نہیں کیا جا سکتا، لہذا بلا تقدیم و تاخیر مرجانے والوں کی سیراٹ ان کے موجود ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ (۷۱)

(۷۱) الشریفہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴۲

المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۷

المہذب فقہ شافعی، ابی اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا،

ج ۲، ص ۲۶

المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۸۸-۱۸۶

مصری قانون :

دفعہ ۳ - جب دو شخصوں کا یکدم انتقال ہوا اور یہ پتہ نہ چلے کہ پہلے کون فوت ہوا تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر وراثت کا حق حاصل نہ ہوگا، خواہ ان کی موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا مختلف حادثوں کا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۱ - جن دو شخصوں کی کسی ایک یا چند حادثوں میں اس طرح موت واقع ہو کہ یہ نہ معلوم ہو سکے کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی تو ایسے دو شخصوں کے درمیان باہم وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۸۶ - جب دو شخصوں کا انتقال ایک دم ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ پہلے کس کا انتقال ہوا تو ان دونوں کے درمیان ایک کو دوسرے کی میراث پانے کا حق نہ ہوگا، خواہ ان کی موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا دو حادثوں کا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۲ - جب چند افراد ایک ساتھ فوت ہوں جن میں ایک دوسرے کا وارث تھا اور ان کی وفات کا تقدم و تاخر معلوم نہ ہو سکے تو ان میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، خواہ موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا چند حادثوں کا۔



سیتسوال باب

حجب و حرمان

حجب کی تعریف ۳۰۴ - کسی شخص کے وجود کی وجہ سے دوسرے شخص کا میراث ہانے سے رک جانا، و حجب، کہلاتا ہے جس کے سبب وہ کل میراث سے یا میراث کے کسی جزء سے روک دیا جاتا ہے۔

تشریح

گزشتہ صفحات میں وراثہ کی مختلف حالتوں سے واضح ہو گیا ہوگا کہ سیت کے کچھ وراثہ ایسے ہوتے ہیں جو وراثت میں کسی مانع کے موجود ہونے کی بناء پر مستحقین وراثت کی فہرست سے خارج ہو جاتے ہیں، جیسے قتل اور اختلاف دین وغیرہ۔ جن وراثہ میں ان سوانع میں سے کوئی مانع پایا جاتا ہے وہ سیت کی نسبت سے ایک ایسے اجنبی کے درجے میں قرار پاتے ہیں جن کا سیت سے کسی قسم کا کوئی قرابتی تعلق نہ ہو۔ ان کو ”محروم الارث“ کہا جاتا ہے۔ باقی رہے وہ افراد جو سیت کے وراثہ کہلاتے ہیں لیکن ان افراد میں بعض وراثہ وہ ہوتے ہیں جو بعض اوقات کچھ نہیں پاتے، اور بعض وراثہ وہ ہوتے ہیں جو اپنے حصے سے کم کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔ لہذا جو وارث بعض حالات میں بالکل حصہ نہیں پاتا اس کو ”محجوب“ (جس کے لیے آڑ آگئی ہو) کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے نہیں پاتا اس کو ”حاجب“ (آڑ آجانے والا) کہتے ہیں اور ”حجب“ اس آڑ اور رکاوٹ کو کہتے ہیں جو ”محجوب“ کے سامنے قائم ہو جاتی ہے۔

حجب کی تعریف :

حجب کے لغوی معنی ”سنع کرنے“ کے ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص میراث سے محروم ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میراث سے ممنوع ہے۔ اگرچہ لفظ ”سنع“ اور ”حجب“ دونوں مترادف الفاظ ہیں، لیکن علم میراث کی اصطلاح میں ان دونوں لفظوں میں تھوڑا سا فرق پیدا ہو گیا ہے۔ جس مقام پر میراث پانے کی اہلیت ہی ختم ہو جائے وہاں ”حرمان“ یعنی ”ممنوع الارث“، یا ”محروم الارث“ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے لیکن جہاں اہلیت باقی ہو لیکن درمیان میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہو اگر وہ نہ ہوتی تو وہ شخص وارث ہو جاتا، وہاں ”حجب“، یعنی ”محجوب الارث“ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

مانع اور حاجب کے درمیان فرق :

دوسرے لفظوں میں حاجب اور مانع کے درمیان یہ فرق ہے کہ مانع سے تو صلاحیت میراث کی معدوم ہو جاتی ہے یعنی وارث نہیں رہتا لیکن حاجب سے میراث کی صلاحیت معدوم نہیں ہوتی بلکہ وارث رہتا ہے لیکن ایک حاجب درمیان میں حائل رہنے کی وجہ سے میراث نہیں پا سکتا، اگر حاجب (پردہ) حائل نہ ہوتا تو میراث کا مستحق ہوتا۔

۳۰۵ - حجب کی دو قسمیں ہیں :-

حجب حرمان

(۱) حجب حرمان، اور (۲) حجب نقصان۔

تشریح

۱- حجب حرمان :

حجب حرمان یہ ہے کہ کوئی وارث کسی دوسرے وارث کے موجود ہونے کی وجہ سے ورثہ سے بالکل محروم ہو جائے اور کچھ بھی نہ پائے، مثلاً

باپ کی موجودگی میں دادا کا محروم ہونا یا سیت کے بھائی کی موجودگی میں بھائی کے بیٹے کا کلیۃً محروم ہو جانا۔ (۱)

۲ - حجب نقصان :

حجب نقصان یہ ہے کہ وارث حاجب کی وجہ سے زائد حصے سے محجوب ہو کر کم حصے کی طرف منتقل ہو جائے اور اپنے بڑے حصے کے بجائے چھوٹے حصے کا مستحق قرار پائے۔ مثلاً اولاد نہ ہونے کی صورت میں مان کو تہائی حصہ ملتا ہے جب کہ اولاد ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ یا سیت کے اولاد موجود ہونے کی وجہ سے شوہر کا $\frac{1}{2}$ سے $\frac{1}{4}$ کی طرف منتقل ہو جانا یا زوجہ کا $\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{8}$ کی طرف منتقل ہو جانا یا باپ کا کل سے $\frac{1}{6}$ کی طرف منتقل ہو جانا۔

چھ وارث ایسے ہیں جو کسی حاجب کی وجہ سے کبھی بالکل محجوب (بحجب حرمان) نہیں ہوتے۔ البتہ حاجب کی موجودگی کے سبب زائد حصے سے کم حصے کی طرف منتقل ہوتے ہیں، یعنی محجوب بہ حجب نقصان ہوتے ہیں۔ یہ چھ ورثاء حسب ذیل ہیں :-

(۱) باپ، (۲) بیٹا، (۳) شوہر (۴) زوجہ، (۵) مان، اور (۶) بیٹی۔
یہ افراد (ورثاء) کسی وقت میں بھی میراث سے بالکل محروم نہیں ہوتے زائد سے زائد یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض بڑے حصے سے محروم ہو کر چھوٹا حصہ پاتے ہیں۔ مثلاً شوہر نصف حصے کی بجائے چوتھائی حصہ پائے، زوجہ چوتھائی کی بجائے آٹھواں حصہ پائے یا مان تہائی کی بجائے چھٹا حصہ پائے، یا پوتی نصف حصے کے بجائے چھٹا حصہ پائے۔

ان چھ وارثوں کے علاوہ جو افراد ہیں حجب حرمان سے محجوب ہو سکتے گے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص سیت سے زائد قریب ہوتا ہے وہ بعید کو محجوب کر دیتا ہے، مثلاً حقیقی بھائی، حقیقی بھتیجے کو محجوب

(۱) خلاصہ الفتاویٰ، طاہر بن احمد، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۸ھ، ج ۲، ص ۱۹۴

کی وجہ سے قربت حاصل کرے وہ اس شخص کی موجودگی میں وارث نہیں ہو سکتا، سوائے اولاد کے، کہ وہ ماں کی موجودگی میں میراث حاصل کرتی ہے (۲) (حالانکہ باپ سے اس کا رشتہ ماں کے واسطے ہی سے قائم ہوتا ہے)

حرمان کی چند مثالیں :

- ۱۔ بیٹا پوتے پوتی کو محروم کر دیتا ہے، اور پوتا اپنے سے نیچے پر پوتے کو محروم کر دے گا۔
- ۲۔ ایک بیٹا یا دو بیٹیاں پوتیوں کو محروم کر دیتی ہیں۔
- ۳۔ میت کا بیٹا یا پوتا اور ان کی اولاد ذکور اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دادا، بھائی، بہن کو محروم کر دیتے ہیں۔
- ۴۔ متذکرہ بالا قرابت دار اور حقیقی بھائی علاتی بھائی کو محروم کر دیتے ہیں۔
- ۵۔ متذکرہ بالا قرابت دار یا دو یا دو سے زائد حقیقی بہنیں یا ایک بھائی علاتی بہن کو محروم کر دیتے ہیں۔
- ۶۔ میت کی اولاد ذکور اور اولاد کی اولاد ذکور اور باپ دادا، اخیافی بھائی کو محروم کر دیتے ہیں۔
- ۷۔ متذکرہ بالا عصبی وراثہ اخیافی بہن کو محروم کر دیتے ہیں۔
- ۸۔ باپ دادا کو محروم کر دیتا ہے خواہ دادا عصبہ ہونے کی بناء پر وارث ہو رہا ہو یا ذی فرض ہونے کی بناء پر جیسا کہ دادا بیٹے کے ساتھ ہو، یا فرض و تعصیب دونوں کی بناء پر وارث ہو رہا ہو جیسے کہ دادا بیٹی کے ساتھ ہوتا ہے۔
- ۹۔ ماں ہر قسم کی دادی کو محروم کر دیتی ہے۔
- ۱۰۔ ماں نالی کو محروم کر دیتی ہے۔

(۲) خلاصہ الفتاویٰ طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۸ھ، ج دوم، ص ۳۱۹

حجب کا اثر دوسرے ورثاء پر:

جو شخص ”محروم“ ہو وہ کسی کو محبوب نہیں کرتا مثلاً کافر یا قاتل۔ لہذا ایسے محروم شخص کی بناء پر کوئی وارث محبوب نہیں ہو سکتا، نہ بطریق حجب حرمان اور نہ حجب نقصان۔ (۳) لیکن جو وارث ”محبوب“ ہو وہ دوسرے کو محبوب کر سکتا ہے۔ مثلاً بھائی، باپ کی موجودگی میں محبوب ہوتے ہیں لیکن ماں کو بہ حجب نقصان محبوب کر دیں گے یعنی ماں کو تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔ (۴)

چنانچہ حجب کی ان دو قسموں کی وجہ سے ورثاء پر جو صورتیں مرتب ہوتی ہیں ان میں پہلی صورت یہ ہے کہ وارث بالکل محروم ہو جائے اور دوسری یہ کہ حجب حرمان کو کسی حالت میں قبول نہیں کرتی یعنی ورثاء بالکلیہ محروم نہیں ہوتے بلکہ صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ بڑے حصے کی بجائے چھوٹے حصے کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔

۳۰۶ - حجب میں حسب ذیل تین بنیادی اصولوں کا اعتبار کیا جائے گا:-

حجب کے بنیادی
اصول

- (۱) حجب کی میت سے بلا واسطہ قرابت داری،
- (۲) حجب کا محبوب کے مقابلے میں میت سے اقرب ہونا اور
- (۳) میت سے حجب کی قرابت کا بمقابلہ محبوب قوی تر ہونا۔

تشریح

حجب کے بنیادی اصول

حجب کے حسب ذیل تین بنیادی اصول ہیں:

۱۔ حجب کی میت سے بلا واسطہ قرابت داری

پہلے اصول کے تحت میت کا بیٹا، پوتے کے مقابلے میں بلا واسطہ میت سے نسبت رکھتا ہے، بخلاف پوتے کے، کہ اس کے اور میت کے درمیان اس

(۳) الشریفیہ، شرح سراچیہ، سید شریف جرجانی، ص ۷۷

(۴) الشریفیہ، شرح سراچیہ، سید شریف جرجانی، ص ۷۷

کے باپ کا واسطہ موجود ہے۔ یا میت کا باپ بھتیجے کے مقابلے میں میت سے بلا واسطہ نسبت رکھتا ہے، کیونکہ بھتیجے اور میت کے درمیان میت کے بھائی کا واسطہ موجود ہے۔ اس لیے بیٹا پوتے کے لیے اور بھائی بھتیجے کے لیے حاجب ہوتا ہے۔ اسی طرح میت کا باپ دادا کے لیے حاجب ہوتا ہے، کیونکہ دادا اور میت کے درمیان باپ خود واسطہ ہے۔ اس کے اور میت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۲۔ حاجب کا میت سے اقرب ہونا:

اقرب الی المیت اپنے جس وصف اور سبب کی بنا پر میراث کا مستحق ہوتا ہے یہ ایسے ابعد کے لیے، جو اسی وصف اور سبب کی بنا پر میراث کا مستحق ہو، حاجب ہوگا مثلاً مان، دادی (جدہ) کے لیے، بیٹیاں پوتیوں کے لیے اور حقیقی بہنیں علاتی کے لیے حاجب ہوں گی۔ چونکہ ان کے درمیان وہ وصف یا سبب، جس کی بنا پر ورثہ کا استحقاق پیدا ہوتا ہے، مشترک ہے اس لیے میت سے اقرب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا وراثہ میں جو وراثہ عصبات کا درجہ بھی رکھتے ہوں ان کے باہم حاجب اور محبوب ہونے میں اقرب و ابعد کے اصول کے اطلاق کے لیے قرابت کا لحاظ کیا جائے گا اور سبب وراثت اور وصف وراثت کے اتحاد کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا، لیکن جو وراثہ محض صاحب فرض ہیں ان کے اقرب و ابعد ہونے میں سبب و وصف کے اتحاد کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ باپ اور دادا میں تقدم کے لیے اصول اور فروع کے وصف کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

۳۔ میت سے حاجب کی قرابت کا بمقابلہ محبوب قوی تر ہونا:

جو وارث میت سے قرابت میں محبوب کی بہ نسبت قوی تر ہو وہ ضعیف القرابت کا حاجب ہوتا ہے بشرطے کہ دونوں ہم درجہ ہوں۔ چنانچہ حقیقی بھائی علاتی بھائی کا حاجب ہوتا ہے اور حقیقی بھتیجا علاتی بھتیجے کا حاجب

ہوتا ہے۔ حقیقی چچا علاتی چچا کا حاجب ہوتا ہے اور حقیقی بہن علاتی بہن کی حاجبہ ہوتی ہے۔

چونکہ ان تینوں اصولوں میں حجب کی دونوں قسمیں یعنی حجب حرمان اور حجب نقصان مشترک ہیں اس لیے مناسب ہوگا کہ جو لوگ حاجب و محجوب ہوتے ہیں ان کو حتی الامکان وضاحت کے لیے جمع کر کے بیان کر دیا جائے۔

۱۔ ماں حاجبہ ہوگی اور دادی محجوب۔ دادی (جدہ) قریبہ دادی (جدہ) بعیلہ کی حاجبہ ہوگی، خواہ ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے۔

۲۔ باپ تمام اجداد کا حاجب ہوگا۔

۳۔ سیت کی اولاد اس کے تمام بھائی بہنوں کے لیے حاجب ہوگی جس طرح کہ باپ حاجب ہوتا ہے۔

۴۔ پوتیوں کے لیے بیٹے اور وہ پوتے جو ان (پوتیوں) سے درجے میں اعلیٰ ہوں حاجب ہوں گے۔

۵۔ پوتی سیت کی دو صلبی بیٹیوں یا ایسی دو پوتیوں کے ذریعہ جو اس پوتی سے درجے میں اعلیٰ ہوں محجوبہ ہوگی اور یہ دو صلبی بیٹیاں یا اصلی درجہ کی دو پوتیاں اس کے لیے حاجبہ ہوں گی، بشرطے کہ کوئی لڑکا ان کے درجہ میں ان (بیٹیوں یا پوتیوں) کو عصبہ بنانے والا نہ ہو۔

۶۔ بیٹا یا پوتا خواہ کتنے ہی نیچے درجہ میں کیوں نہ ہو سیت کی حقیقی بھائی بہنوں کا حاجب ہوگا، جس طرح سیت کا باپ ان کا حاجب ہوتا ہے، کیونکہ سیت کی بہنوں کی وراثت اس صورت میں ہے کہ سیت کلالہ ہو اور کلالہ اس وقت ہوگی جب کہ سیت کی اولاد اور ماں باپ موجود نہ ہوں جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان فرمایا ہے۔

۷۔ سیت کی علاتی بہن اس کے بیٹے یا پوتے، خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو، اور باپ کی موجودگی میں محجوبہ ہو جائے گی۔ حقیقی بہن جب بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوگئی ہو تو علاتی بہن کی حاجب ہو جاتی ہے۔

علیٰ هذا القیاس، حجب کے تمام جزئی مسائل میں مذکورہ بالا تین اصول کارفرما رہیں گے۔ ظاہریہ اور شیعہ اساسیہ بھی اصولی طور پر جمہور علماء سے حجب میں متفق ہیں۔ اگرچہ شیعہ فقہ میں وراثت کی درجہ بندی کے سبب بعض صورتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر بنیادی طور پر حجب کے اصول میں فرق نہیں ہے۔ (شیعی نقطہ نظر کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب هذا باب - ۳۳)

مصری قانون:

دفعہ ۲۳ - حجب کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص باوجود وراثت کی اہلیت رکھنے کے کسی دوسرے وارث کے سبب وراثت نہ پائے۔ محبوب دوسرے کا حاجب ہو سکتا ہے۔

دفعہ ۲۴ - جو شخص وراثت کے کسی مانع کے موجود ہونے کے سبب وراثت سے محروم ہو گیا ہو، وہ کسی وارث کا حاجب نہ ہو سکے گا۔

دفعہ ۲۵ - میت کی ماں مطلقاً جدہ صحیحہ کی حاجب ہوگی، اور جدہ قریبہ جدہ بعیدہ کی، اور باپ باپ کی جدہ کا حاجب ہوگا، جیسا کہ جد صحیحہ اپنی اصل کی جدہ کا حاجب ہوتا ہے۔

دفعہ ۲۶ - باپ، جد صحیح، خواہ کتنے ہی اوپر کا ہو، اور بیٹا، پوتا، نیچے تک کا مادری اولاد کے حاجب ہوں گے۔

دفعہ ۲۷ - میت کا بیٹا اور پوتا نیچے تک کا اس پوتی کا حاجب ہوگا جو اس سے نیچے درجہ میں ہوگی۔ اسی طرح دو بیٹیاں اور دو پوتیاں جو درجہ میں اعلیٰ ہوں پوتی کی حاجب ہوں گی بشرطے کہ یہ پوتیاں بمطابق حکم دفعہ ۱۹ اپنے طبقہ کے کسی پوتے کے سبب عصبہ نہ ہوگئی ہوں۔

دفعہ ۲۸ - میت کا بیٹا اور نیچے تک کا کوئی پوتا، اور باپ حقیقی بہنوں کے حاجب ہوں گے۔

دفعہ ۲۹ - باپ، بیٹا اور پوتا نیچے تک کا مادری بہن کا حاجب ہوگا، جس طرح کہ حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں بحکم دفعہ ۲۰ جب کہ بھائیوں کے ہمراہ عصبہ ہوں ان کی حاجبہ ہوں گی اور دو حقیقی بہنیں جب کہ اس بہن کے ہم راہ پدری بھائی نہ ہو۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۱ - (۱) حجب کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص وارث ہونے کی اہلیت رکھے لیکن کسی دوسرے وارث کے موجود ہونے کی وجہ سے محروم ہو جائے اور وراثت نہ پا سکے۔

(۲) محبوب وہ ہوگا جس کے لیے دوسرا وارث حاجب آ جائے۔

دفعہ ۲۸۲ - وراثت کے موانع کی وجہ سے جو شخص وراثت سے محروم ہو وہ کسی دوسرے وارث کا حاجب نہ ہوگا۔

دفعہ ۲۸۳ - (۱) جدہ ثابتہ ماں کے موجود ہونے سے مطلقاً، اور جدہ بعیدہ، جدہ قریبہ کے موجود ہونے سے اور پدری جدہ (دادی)، باپ کے موجود ہونے سے محروم ہو جائے گی۔

(۲) جد دادی کو محبوب کر دے گا جب کہ اس کے سلسلہ سے ہو۔

دفعہ ۲۸۴ - ماں اور باپ کی اولاد (اخیا فی اور علاتی بھائی بہن) اور، دادا میت کے بیٹوں یا نیچے تک کے پوتے موجود ہونے سے محبوب ہو جائیں گے۔

دفعہ ۲۸۵ - (۱) میت کا بیٹا اور نیچے تک کا پوتا اس پوتی کو محبوب کر دے گا جو ان سے زیریں پشت میں ہوگی۔

(۲) اسی طرح میت کی دو بیٹیاں یا دو پوتیاں جو درجہ میں اعلیٰ ہوں محبوب کر دیں گی بشرطے کہ حسب دفع ۲۷۷ ان کو کوئی عصبہ بنانے والا موجود نہ ہو۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۲۲ - کسی معین وارث کا کسی دوسرے وارث کو کل میراث یا جزء میراث سے روک دینا حجب کہلاتا ہے:

(اول) حجب نقصان، وراثت سے کم حصہ کی جانب رجوع کر جانے کو کہتے ہیں۔

(دوم) حجب حرمان میراث سے محروم ہونے کو کہتے ہیں

دفعہ ۱۲۳ - چھ ورثاء محبوب بحجب حرمان نہیں ہوتے:

(۱) باپ، (۲) ماں، (۳) بیٹا، (۴) بیٹی، (شوہر)، (۶) زوجہ

حجب نقصان زوجین اور والدین، دادا، جد، پوتی، حقیقی و علاتی بہن پر موثر ہوتا ہے۔

دفعہ ۱۲۴ - جو ورثاء حجب نقصان کا باعث ہوتے ہیں ان کی تعداد چھ ہے:

(۱) بیٹا، (۲) پوتا، (۳) بیٹی، (۴) پوتی، (۵) بھائی ہونا مطلقاً (۶) حقیقی

ہمشیرہ۔

دفعہ ۱۲۵ - میت کا بیٹا، پوتا، میت کے شوہر کا نصف سے $\frac{1}{4}$ کی جانب حاجب ہوگا، اور میت کی زوجہ کو $\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{8}$ کی جانب منتقل کر دے گا، (نیز میت کی ماں کو $\frac{1}{3}$ سے $\frac{1}{6}$ کی جانب اور باپ و دادا کو عصبہ ہونے سے $\frac{1}{6}$ کی جانب۔

دفعہ ۱۲۶ - میت کی ایک صلبی بیٹی پوتی کی اس طرح حاجب ہوگی کہ اس کو $\frac{1}{2}$ سے $\frac{1}{6}$ کی جانب منتقل کر دے گی اور دو پوتیوں کو $\frac{2}{3}$ سے $\frac{1}{6}$ کی جانب، اور حقیقی یا علاتی بہن کو $\frac{1}{2}$ سے عصبہ ہونے کی جانب، اور دو حقیقی یا علاتی بہن کو دو ٹھائی سے عصبہ ہونے کی جانب اور شوہر کو $\frac{1}{2}$ سے $\frac{1}{4}$ کی جانب، زوجہ کو $\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{8}$ کی جانب

ماں کو $1/3$ سے $1/6$ کی اور باپ، دادا کو عصبہ ہونے سے $1/6$ کی جانب اور بقیہ کے حق میں عصبہ ہونے کی جانب منتقل کر دے گی۔

دفعہ ۱۲۷ - میت کی پوتی اپنے درجہ سے نیچے کی پوتیوں کی جب کہ ان پوتیوں کے کے ہم راہ ان کا کوئی بھائی موجود نہ ہو یا چچا کا بیٹا نہ ہو جو ان کے درجہ میں مساوی ہوتا، چنانچہ یہ ایک پوتی ان کو $1/2$ سے $1/6$ کی جانب منتقل کر دے گی، اور دو ایسی پوتیاں $1/3$ سے $1/6$ کی جانب منتقل کر دین گی اور حقیقی بہن یا علاتی بہن کو نصف سے عصبہ ہونے کی جانب، اور دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو دو تہائی سے عصبہ ہونے کی جانب شوہر کو نصف سے $1/3$ کی اور زوجہ کو $1/3$ سے $1/8$ کی جانب، اور ماں کو $1/3$ سے $1/6$ کی جانب، اور باپ، دادا کو عصبہ ہونے سے $1/6$ کی جانب مع بقایا کے حق میں عصبہ ہونے کے منتقل کر دے گی، اور بہن بھائی جس جہت کے بھی ہوں، خواہ یہ وارث ہوں یا محبوب ہوں ماں کے حاجب ہوں گے اور اس کو $1/3$ سے $1/6$ کی جانب منتقل کر دین گے۔

دفعہ ۱۲۸ - حقیقی بہن، علاتی بہن کی، $1/2$ سے $1/6$ کی جانب حاجب ہوگی بشرطے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی ایسا بھائی موجود نہ ہو جو علاتی بہن کو عصبہ بنا دینے والا ہو، اور اسی شرط کے ساتھ دو علاتی بہنوں کے حق میں دو تہائی سے $1/6$ کی جانب حاجب ہوگی۔

دفعہ ۱۲۹ - کل ترکہ سے محروم کر دینے والے وراثت سولہ ہیں :-

- (۱) بیٹا، (۲) پوتا، پرپوتا (اولاد در اولاد)، (۳) بیٹی، (۴) پوتی،
- (۵) حقیقی بھائی، (۶) علاتی بھائی، (۷) حقیقی بھائی کا بیٹا، (۸) علاتی بھائی کا بیٹا، (۹) حقیقی چچا، (۱۰) حقیقی چچا کا بیٹا، (۱۱) بیٹی یا پوتی حقیقی کے ساتھ (۱۲) دو حقیقی بہنیں (۱۳) یا دو علاتی بہنیں، (۱۴) دادا (۱۵) ماں، اور (۱۶) نانی۔

دفعہ ۱۳۰ - میت کے بیٹے یا نیچے تک کے کسی ہوتے کے موجود ہونے ہونے بیٹے کی یا پوتوں کی اولاد خواہ مرد ہو یا عورت وارث نہ ہوسکے

گی اور نہ حقیقی یا پدری یا مادری بھائی یا چچا پدری یا مادری وارث ہوسکین گے۔

دفعہ ۱۳۱ - میت کی بیٹی اور پوتی کے ساتھ، مادری بھائی خواہ ایک ہو یا زائد، مرد ہو یا عورت وارث نہ ہوں گے، اور نہ دو بیٹیوں کے ساتھ مادری بھائی اور نہ بیٹے کی بیٹی جب کہ اس کے ہمراہ اس کا کوئی بھائی عصبہ یا چچا کا بیٹا عصبہ موجود نہ ہو، لیکن موجود ہونے کی صورت میں بقیہ ترکے کی بحیثیت عصبہ کے وارث ہوں گی، تقسیم ”لذکر مثل حظ الانثیین“ ہوگی اور جو حکم دو بیٹیوں کے وجود کا ہے وہی حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان کی جگہ دو پوتیاں موجود ہوں جب کہ ان کی نسبت ان سے نیچے طبقہ کی جانب کی جائے۔

دفعہ ۱۳۲ - میت کے حقیقی بھائی کے مقابلے میں پدری ایک بھائی یا زائد اور حقیقی چچا یا علاتی چچا وارث نہ ہوں گے لیکن اخیافی بھائی محبوب نہ ہوگا۔

دفعہ ۱۳۳ - علاتی بھائی کے مقابلے میں، حقیقی چچا، علاتی چچا، اور بھائی کے بیٹے وارث نہ ہوسکین گے، خواہ یہ حقیقی بھائی کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں۔

دفعہ ۱۳۴ - میت کے حقیقی بھائی کے بیٹے کے مقابلے میں چچا خواہ حقیقی ہو وارث نہ ہوگا اور نہ پدری بھائی کا بیٹا اور نہ اس سے نیچے کی اولاد۔

دفعہ ۱۳۵ - علاتی بھائی کے بیٹے کے مقابلے میں ہر قسم کا چچا، اور ہر قسم کے بھائیوں کی اولاد وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۳۶ - میت کے حقیقی چچا کے مقابلے میں، علاتی چچا اور اس سے نیچے کی حقیقی یا علاتی چچا کی اولاد وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۳۷ - حقیقی چچا کے بیٹے کے مقابلے میں علاتی چچا کا بیٹا اور اس سے نیچے ہر قسم کے چچاؤں کی اولاد وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۳۸ - بیٹی کے، حقیقی بہن کے، یا پوتی اور حقیقی بہن کے مقابلے میں علاتی بھائی، ایک یا زائد، وارث نہ ہو سکیں گے۔

دفعہ ۱۳۹ - میت کے دو حقیقی بہنوں کے مقابلے میں علاتی بہن جب کہ اس کے ساتھ اس کا بھائی موجود نہ ہو وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۴۰ - میت کے باپ کے مقابلہ میں دادا، دادی، چچا، بھائی وارث نہ ہو سکیں گے۔

دفعہ ۱۴۱ - میت کے دادا کے مقابلہ میں اس سے اوپر کا کوئی دادا، اور اخیافی بھائی، بھائی کے بیٹے اور چچا وارث نہ ہوں گے۔

دفعہ ۱۴۲ - میت کی ماں کے مقابلہ میں دادی، نانی وارث نہ ہوں گی۔

دفعہ ۱۴۳ - میت کی نانی کے موجود ہوتے ہوئے، اپنی دادی کے سوا دور کی دادیاں وارث نہ ہوں گی۔

مراکشی کا قانون :

دفعہ ۲۵۲ - ”حجب“ کسی معین وارث کا کسی دوسرے وارث کو کل حصہ وراثت سے یا بعض سے روک دینا ہے۔

۲۵۳ - حجب کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) حجب نقصان (کہ وراثت کے حصے میں کمی واقع کردے)،

(۲) حجب اسقاط (میراث کو بالکل ساقط کردے)۔

۲۵۴ - چھ وارث حجب اسقاط سے متاثر نہیں ہوتے، جو حسب ذیل

ہیں :-

بیٹا، بیٹی، باپ، ماں، شوہر اور زوجہ

۲۵۵ - (۱) پوتا، پوتی حجب اسقاط سے متاثر ہو جائے ہیں میت کا

بیٹا خصوصی طور پر ان کا حاجب ہو جاتا ہے، اور قریب درجہ کے پوتے بعید کے لیے حاجب ہوتے ہیں، خواہ پوتے ہوں یا پوتیاں۔

(۲) باپ، دادا کا حاجب ہوتا ہے، اور ہر جد قریب، جد بعید کا حاجب ہوگا۔

(۳) حقیقی بھائی بہن کو میت کا باپ اور بیٹا اور پوتا محبوب کر دینے ہیں۔

(۴) اور علاتی بھائی بہن کو حقیقی بھائی اور جو اس کے حاجب ہوں محبوب کر دین گئے لیکن حقیقی بہن محبوب نہ کرے گی۔

(۵) اور حقیقی چچا زاد بھائی کے دادا، اور علاتی بھائی اور ان کو جو لوگ محبوب کرتے ہوں حاجب ہوں گے۔

(۶) پدری بھائی کے لڑکے کو حقیقی بھائی کا لڑکا اور اس کے حاجب محبوب کر دین گئے۔

(۷) حقیقی چچا کو پدری بھائی کا بیٹا اور اس بیٹے کے حاجب لوگ محبوب کر دین گئے۔

(۸) علاتی بھائی کا بیٹا اور اس کے حاجب اشخاص، علاتی چچا کے کے حاجب ہوں گے۔

(۹) پدری چچا اور اس کے حاجب اشخاص، حقیقی چچا کے بیٹے کے حاجب ہوں گے۔

(۱۰) میت کے چچا کا بیٹا، اور میت کی بیٹی، اور پوتا، پوتی (نیچے تک کا سلسلہ) اور باپ دادا، اوپر تک کا، مادری چچا کے بیٹے کے بیٹے کا حاجب ہوگا۔

(۱۱) میت کی ماں خاص طور پر نانی کی حاجب ہوگی۔

(۱۲) میت کا باپ اور ماں دادی کے حاجب ہوں گے۔

۲۵۶ - مسطورہ ذیل وارث محبوب بحجب نقصان ہوتے ہیں :

(۱) بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، دو یا زائد بھائی یا بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی نیز ماں کو $\frac{۱}{۲}$ سے $\frac{۱}{۶}$ کی جانب منتقل کر دیں گے۔

(۲) بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، شوھر کو $\frac{۱}{۲}$ سے $\frac{۱}{۴}$ کی جانب منتقل کر دیں گے۔

(۳) میت کا بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، زوجہ کو $\frac{۱}{۴}$ سے $\frac{۱}{۸}$ کی طرف منتقل کر دیں گے۔

(۴) پوتی کو ایک بیٹی $\frac{۱}{۲}$ سے $\frac{۱}{۶}$ کی جانب منتقل کر دے گی، جیسا کہ دو یا زائد پوتیوں کو $\frac{۲}{۳}$ سے $\frac{۱}{۶}$ کی جانب منتقل کر دے گی۔

(۵) ایک حقیقی بہن علاتی بہن کو $\frac{۱}{۲}$ سے $\frac{۱}{۶}$ کی جانب اور دو یا زائد کو $\frac{۲}{۳}$ سے $\frac{۱}{۶}$ کی جانب منتقل کر دے گی۔

(۶) میت کا بیٹا اور پوتا میت کے باپ کو عصبہ ہونے سے $\frac{۱}{۶}$ کی جانب منتقل کر دے گا۔

(۷) میت کا باپ نہ موجود ہونے کی صورت میں دادا کو میت کا بیٹا یا پوتا عصبہ ہونے سے $\frac{۱}{۶}$ کی جانب منتقل کر دے گا۔

(۸) بیٹی، پوتی، حقیقی ہمشرہ اور پدری ہمشرہ کو ان کا بھائی فرض کے حصہ سے عصبہ ہونے کی جانب منتقل کر دے گا۔

(۹) حقیقی ہمشیروں اور پدری ہمشیروں کو میت کی لڑکیاں عصبہ کر دیتی ہیں، لہذا میت کی ایک بیٹی یا زائد انہیں فرض سے عصبہ ہونے کی جانب منتقل کر دیں گی۔

۳۰۷ - دادا یا نانا کے انتقال پر اس کے اپنے بیٹے کی موجودگی میں اس کے دوسرے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جو اس کی حیات میں وفات پاچکے ہوں) کی اولاد دادا یا نانا کے ترکہ میں میراث پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

تشریح

موجودہ دور میں حجب حرمان کی بحث میں جس مسئلے کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے وہ میت کے اپنی صلیبی اولاد موجود ہونے کے باوجود یتیم پوتے، پوتی، نواسے اور نواسی کی میراث کا مسئلہ ہے۔ یعنی دادا یا نانا کے انتقال پر اس کے اپنے بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے اس کے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جو میت کی حیات میں وفات پا چکے ہوں) کی اولاد دادا یا نانا کے ترکہ میں میراث پانے کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلے میں حضور اکرم (صلعم) کہ زمانے سے اے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ دادا یا نانا کے انتقال پر اگر اس کا کوئی بیٹا موجود ہو تو اس کے (دوسرے مرحوم) بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اس مسئلے میں نہ صرف اہل سنت و الجماعت کے مشہور فقہی مذاہب (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ) اور شیعہ امامیہ و زیدیہ اور ظاہریہ سب متفق ہیں، بلکہ جن مذاہب اور ائمہ و فقہاء کے نقطہ ہائے نظر عرصے سے غیر معروف یا صرف اہل علم کی حد تک محدود ہیں ان میں سے بھی کسی امام، فقیہ، یا مجتہد کا کوئی قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ البتہ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک یہ صورت ہے کہ اگر میت کے بیٹے کی بجائے صرف ایک بیٹی ہو اور میت کے مرحوم بیٹے کی اولاد (پوتہ اور پوتی) بھی موجود ہو تو بیٹی کو نصف دے کر وہ پوتے اور پوتیاں ”للذکر مثل حظ الانثیین“، آپس میں بقیہ نصف تقسیم کر لیں گی، یا اگر بیٹی کے ساتھ ایک پوتی ہو تو چھٹا حصہ پوتی کو دے کر بقیہ عصبات یعنی پوتوں کو دیا جائے گا۔ لیکن شیعہ امامیہ کے نزدیک کل ترکہ ”الاقرب فالاقرب“ کے اصول کے تحت صرف بیٹی کو ملے گا۔ یتیم پوتے اور پوتیاں بالکل محروم قرار پائیں گی۔

جدید قانون سازی :

بہر صورت، اس مسئلے میں اجماع است رہا ہے کہ میت نے اگر ایک بیٹا اور بیٹی چھوڑی اور میت کے مرحوم بیٹے یا بیٹی کی اولاد موجود ہو تو کل

ترکہ میت کے موجود بیٹے اور بیٹی کو ملے گا اور پوتہ و پوتی یا نواسہ و نواسی وارث نہ ہوں گے۔ لیکن دور حاضر میں متعدد اسلامی ممالک میں میت کی مرحوم (یا مرحومہ) اولاد کی اولاد کے سلسلے میں جدید قانون سازی کی گئی ہے۔ چنانچہ مصر کے قانون الوصیۃ، ۱۹۳۶ ع (۵) کے تحت یہ قرار دیا گیا ہے کہ میت کے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں (جن کے والدین میت کی زندگی میں فوت ہو چکے ہوں)، بلا لحاظ اس امر کے کہ مرحوم کی خود اپنی اولاد موجود ہے، میت کے ورثہ میں سے اپنے مرحوم والدین کے اس حصے کی مستحق ہوں گی جو اس مرحوم یا مرحومہ (والد یا والدہ) کو بشرط حیات ملتا، مگر لازم ہے کہ وہ حصہ، جہاں ضروری ہو، (ایک تہائی سے زائد کی صورت میں) کم کر کے کل ترکہ کی ایک تہائی تک کر دیا جائے گا، تاکہ وصیت کی مقررہ حد یعنی تہائی سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ سزید لازم ہوگا کہ ان متعلقہ پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کو یہ مقدار میت کی جانب سے بذریعہ ہبہ یا بذریعہ وصیت (اختیاری) نہ سلی ہو۔

(۵) و نص هذه المواد :

مادہ ۷۶ - اذا لم يوص الميت لفرع ولده الذي مات في حياته أو مات معه ولو حكما بمثل ما كان يستحقه هذا الولد ميراثا في تركته لو كان حيا عند موته وجبت للفرع في التركة وصية بقدر هذا النصيب في حدود الثلث بشرط ان يكون غير وارث وألا يكون الميت قد اعطاه بغير عوض من طريق تصرف آخر قدر ما يجب له - وان كان ما أعطاه أقل منه وجبت له وصية بقدر ما يكمله . وتكون هذه الوصية - لاهل الطبقة - الاولى من اولاد البنات، ولا اولاد الابناء من اولاد الظهور وان نزلوا على أن يحجب كل أصل فرعه دون فرع غيره، وان يقسم نصيب كل أصل على فرعه وان نزل قسمه - الميراث - كما لو كان أصله أو أصوله الذين يدلى بهم الى الميت ماتوا بعده و كان موتهم مرتبا كترتيب الطبقات -

مادہ ۷۷ - اذا أوصى الميت لمن وجبت له الوصية - بأكثر من نصيبه كانت الزيادة وصية اختيارية، وان أوصى له بأقل من نصيبه وجب له ما يكمله -

وان أوصى لبعض من وجبت لهم الوصية دون البعض الآخر وجب لمن لم يوص له قدر نصيبه - ويؤخذ نصيب من لم يوص له و يوفى نصيب من أوصى له بأقل مما وجب من باقي الثلث فان ضاق عن ذلك فممنه و مما هو مشغول بالوصية الاختيارية -

مادہ ۷۸ - الوصية الواجبة مقدمة على غير ها من الوصايا - فاذا لم يوص لمن وجبت لهم الوصية و أوصى لغير هم استحق كل من وجبت له الوصية قدر نصيبه من باقي التركة ان وفي والا فممنه و مما أوصى به لغيرهم -

شام کے قانون ۱۹۵۳ ع کے تحت بھی اسی قاعدہ کو اختیار کیا گیا ہے تیونس نے بھی ۱۹۵۷ ع میں اور مراکش نے ۱۹۵۸ ع میں اسی کے مطابق قانون سازی کی ہے۔ البتہ شام اور مراکش کے قانون کے تحت اس قاعدہ کا اطلاق صرف میت کے مرحوم بیٹے کی اولاد (پوتے پوتیوں) تک محدود کر دیا گیا ہے، یعنی وہاں اس کا اطلاق میت کی مرحوم بیٹی کی اولاد (نواسے نواسیوں) پر نہیں کیا جاتا۔ اس کے برخلاف پاکستان کے عائلی قانون ۱۹۶۱ ع کی دفعہ ۴ کے تحت پوتے، پوتی اور نواسی، نواسہ کو اپنے باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ پاکستان میں سب سے پہلے ۳ دسمبر، ۱۹۵۳ ع کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک بل (مسودہ قانون) پیش کیا گیا کہ بیٹے کی موجودگی میں (یتیم) پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو میراث کا حق دیا جائے۔ ملک گیر مخالفت کے سبب یہ بل منظور نہ ہو سکا۔ ۱۹۵۵ ع میں حکومت پاکستان نے ایک عائلی قانون کمیشن قائم کیا۔ جب کہ مرکزی و صوبائی مقننہ کو صدارتی فرمان مجریہ، ۱۹۵۸ ع کے ذریعہ توڑا جا چکا تھا، مارشل لاء کے دور میں آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ ع کی دفعہ ۴ کے ذریعہ پاکستان میں یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد کو چھوڑے جو اس کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو تو مرحوم کی اولاد اس حصے کو پانے کی مستحق ہوگی، جو ان کے باپ یا ماں کو ملتا، اگر وہ اس شخص کی وفات کے وقت موجود ہوتے۔ چنانچہ پاکستان میں دیگر اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں ”وصیت واجبہ“ کے برخلاف پوتے پوتی نواسے نواسی کو اپنے باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کے قائم مقام کی حیثیت سے ”وارث“ قرار دیا گیا ہے۔

عائلی قوانین آرڈی نینس، ۱۹۶۱ ع کی دفعہ ۴، (بابت وراثت) (۶) کے

Section 4 In the event of the death of any son or daughter of the propositus before the opening of the succession of the children of such son or daughter, if any, living at the time the succession opens, shall per stripes receive a share equivalent to the share which such son or daughter, as the case may be, would have received, if alive.

اطلاق کے بارے میں جسٹس نورالعارفین نے بمقدمہ عباس بنام عصمت مصطفیٰ (۷) قرار دیا کہ ”قانون مذکور دفعہ ۳ کا اطلاق ان بیٹوں یا بیٹیوں پر ہوگا جو آرڈی نینس کے نفاذ سے قبل فوت ہوئے ہوں یا بعد کو۔ دفعہ ۳ میں واحد شرط یہ ہے کہ موت جانشینی (وراثت) کے آغاز سے پہلے واقع ہو چکی ہو۔“ جسٹس نورالعارفین نے اپنے فیصلے میں مزید لکھا کہ ”اگر دفعہ ۳ کا اطلاق کو صرف ان اسوات تک محدود رکھا جائے جو آرڈی نینس کے نفاذ کے بعد واقع ہوں تو یہ اطلاق قانون ہذا کی منشاء کے مطابق نہ ہوگا۔ آرڈی نینس کا مقصد ان بد نصیب بچوں کی تکالیف کا مداوا کرنا ہے جن کے والد یا والدہ کودادا کی حیات میں موت (کے بے رحم ہاتھوں) نے چھین لیا ہو۔“ (۸)

پاکستان میں اس قانون کے شریعت اسلام کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کے سلسلہ میں شروع ہی سے دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ سٹک کی عظیم اکثریت [جن میں علماء (سوائے معدودے چند کے) شامل ہیں]، اس نقطہ نظر کی حامل ہے کہ یہ دفعہ ۳ شرع اسلام کے منافی ہے جب کہ ایک قلیل التعداد طبقہ جو جدید تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے اس کو شرع اسلام کے مطابق قرار دیتا ہے۔ احکام قرآنی، احادیث نبوی اور آثار صحابہ کے ذریعہ بآسانی اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے عائلی قانون نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ ع کی مذکورہ بالا دفعہ ۳ امت مسلمہ کے اجماعی نقطہ نظر کے خلاف ہے۔

قرآن پاک سے استدلال، قدیم مباحث:

۱ - سورہ نساء کی آیات سیراث میں ہے: ”یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین“، یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ مذکر کے لیے اس کا حصہ دو سوئٹ کے حصہ کے برابر ہے۔

”اولاد“، ولد کی جمع ہے اور ”ولد“، سے ماخوذ ہے جس کے معنی جننے کے ہیں۔ ”ولد“، فلق کی طرح مفلوق (مفعول) مولود (جننے ہوئے) کے معنی

(۷) PLD, 1968, Karachi, P. 480

(۸) آرڈیننس کا نفاذ ۱۰ جولائی، ۱۹۶۱ ع سے عمل میں آیا۔

میں ہے۔ مذکر (لڑکا) اور مؤنث (لڑکی) دونوں اس کے معنی میں شامل ہیں۔ کیونکہ دونوں جنمے ہوئے ہیں، لیکن ”ولد کے“، معنی دو طرح مستعمل ہیں :-

(الف) ایک حقیقی جو بلا واسطہ جنا ہوا ہو یعنی بیٹا، اور بیٹی،

(ب) دوسرے مجازی جو کسی واسطہ سے جنا ہوا ہو یعنی پوتا، پوتی،

پر پوتا، پر پوتی وغیرہ جو بیٹوں کی اولاد ہے۔

بیٹیوں کی اولاد نواسی، نواسے اس کے مفہوم میں داخل نہیں، کیونکہ نسب باپ سے چلتا ہے۔ بیٹوں کی اولاد باپ کی اپنی صلبی اولاد کی طرح ہے اور بیٹیوں کی اولاد ان کے اپنے باپ دادا کی ہے، نہ کہ نانا کی۔ وہ صرف عزیز ہیں، ذوی الارحام ہیں۔ یہ بات عرف و رواج ہی نہیں بلکہ قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ میت کی اپنی بلاواسطہ اولاد، ”ولد“ کے حقیقی معنی ہیں، اور پوتا پوتی مجازی معنی ہیں۔ اور نواسہ نواسی ”ولد“ کی تعریف میں داخل نہیں۔

عربی زبان میں حقیقی و مجازی معنی کی شناخت کے لیے ایک ضابطہ مقرر ہے جو دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی جاری ہوتا ہے وہ یہ کہ جس معنی سے لفظ کی نفی نہ کی جاسکے، وہ حقیقی معنی ہے اور جن معنی سے اس لفظ کی نفی کے دوسرا الفاظ بولا جاسکے، وہ مجازی ہے۔ مثلاً اسد کے حقیقی معنی شیر کے ہیں۔ شیر کے معنی سے لفظ اسد کی نفی نہیں کی جا سکتی لہذا لفظ ”اسد“ کا حقیقی معنی ”شیر“ ہی ہے۔ اسد کا مجازی معنی قوت والا یا بہادر ہے۔ قوت والا یا بہادر کے لیے اسد کی بجائے دوسرا لفظ شجاع یا جری موجود ہے اس سے ثابت ہوا کہ قوت والے یا بہادر پر قوی یا جری یا شجاع کا لفظ بولا جا سکتا ہے لہذا لفظ ”اسد“ کا اطلاق بمعنی بہادر محض مجازی ہے۔

علم بلاغت اور اصول فقہ کا ایک اور قاعدہ ہے جو دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی رائج ہے کہ ایک لفظ سے ایک وقت اور حالت میں مذکورہ بالا دونوں معنی یعنی حقیقی اور مجازی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ جب کوئی کہے گا کہ میں نے شیر دیکھا تو یا درندہ (حقیقی) مراد ہوگا یا بہادر انسان (مجازی) مگر ایک ہی معنی مراد ہوں گے۔ دونوں معنی بیک وقت مراد نہیں ہو سکتے۔

جس لفظ سے حقیقی یا مجازی دونوں معنی (دو حالتوں میں) مراد لیے جاسکتے ہیں ایسے لفظ سے کب حقیقی معنی مراد ہوں اور کب مجازی، اس کے لیے یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ بالعموم لفظ کے حقیقی معنی مراد ہوں گے لیکن جب حقیقی معنی کا وجود نہ ہو یا اس سے مراد لینا محالات سے ہو یا یا عبارت میں کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کی وجہ سے حقیقی معنی مراد نہ لیے جاسکیں تو اس وقت مجازی معنی مراد ہوں گے، کیونکہ اصل معنی حقیقی معنی ہی ہیں جس کے لیے زبان میں اس لفظ کو وضع اور مقرر کیا گیا ہے۔

مجازی معنی کسی علاقے و مناسبت سے مراد ہوتے ہیں۔ لہذا جب تک حقیقی معنی معدوم یا ممنوع یا محال نہ ہوں مجازی معنی مراد نہیں لیے جائیں گے۔
مذکورہ بالا قواعد کی رو سے لفظ ”اولاد“ کے معنی کے لیے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

(۱) اولاد کے حقیقی معنی بیٹا، بیٹی ہیں اور مجازی معنی پوتا پوتی، پڑپوتا پر پوتی خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

(۲) حقیقی اور مجازی معنی (دونوں) ایک وقت اور حالت میں مراد نہیں ہو سکتے مثلاً یہ کہ بیٹا، بیٹی بھی مراد ہوں اور پوتا پوتی بھی۔ یعنی لفظ ”اولاد“ سے بیک وقت ایک حالت میں دونوں معنی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں اس کی اولاد یعنی میت کے پوتے، پوتی کو ترکہ نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ لفظ ”ولد“ میں حقیقی و مجازی دونوں معنی یا حقیقی معنی کے موجود ہوتے ہوئے مجازی معنی بھی مراد ہوں۔

(۳) جب تک حقیقی معنی کا وجود ہوگا مجازی معنی مراد لینا جائز نہ ہوگا، یعنی لفظ ”ولد“ کے حقیقی معنی (بیٹا بیٹی) کی موجودگی میں پوتا، پوتی وغیرہ مراد نہ لیے جاسکیں گے۔

لہذا آیت ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ کا مطلب یہ ہوگا کہ بیٹا ہوتے

ہوئے پوتا پوتی کا کوئی حق نہ ہوگا، چاہے وہ پوتا پوتی زندہ بیٹے سے ہوں یا مرحوم بیٹے سے۔

امام جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کہ ”امت کے اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حق تعالیٰ کے ارشاد ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ میں صلبی اولاد مراد ہے اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ پوتا صلبی بیٹے کے ساتھ اس میں داخل نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ صلبی بیٹا نہ ہو تو مراد بیٹوں کی اولاد ہے، بیٹیوں کی نہیں۔ لہذا یہ لفظ صلبی اولاد کو اور جب صلبی نہ ہو تو بیٹے کی اولاد کو شامل ہے۔“ (۹)

اس لیے ساری امت کے اہل علم کے نزدیک مذکورہ بالا آیت کا بھی مفہوم ہے کہ اولاد سے فقط بیٹا، بیٹی مراد ہیں اور اگر بیٹا نہ ہو تو پوتا پوتی مراد ہوں گے۔ بیٹے کی موجودگی میں پوتا اس لفظ ”ولد“ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

مذکورہ بالا آیت ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ میں بیٹا بیٹی کا حصہ بیان کیا گیا ہے، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں پوتا پوتی کا، جب کہ مذکر و مؤنث دونوں جنسین موجود ہوں، یعنی بیٹے بھی ہوں اور بیٹیاں بھی۔ اگر صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں یعنی بیٹیاں ہی بیٹیاں یا ایک بیٹی ہی ہو تو اسی آیت کے دوسرے حصے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”اگر وہ (اولاد) مؤنث ہی ہو، دو یا زیادہ، ان کے لیے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہو تو اس کے لیے نصف۔“ (۱۰) اب اگر یہ مؤنث اولاد باعتبار حقیقی معنی کے حقیقی بیٹیاں ہوں تو وہ وارث ہیں اور ان کا حصہ مقرر ہے اور اگر مؤنث اولاد کے حقیقی معنی میں موجود نہ ہوں یعنی حقیقی بیٹیاں موجود نہ ہوں بلکہ پوتیاں ہوں تو باعتبار مجازی معنی کے ان کے ایک ہونے کی صورت میں نصف اور کئی

(۹) احکام القرآن، امام جصاص، محولہ بالا، ج ۲ ص ۹۶ :

”ولم یختلف اهل العلم فی ان المراد بقوله تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولادکم اولاد الصلب و انه اذالم یکن ولد الصلب فالمراد اولاد البنین دون اولاد البنات فقد انتظم اللفظ اولاد الصلب و اولاد الا بن اذالم یکن ولد الصلب۔“

(۱۰) ”ان کن نساء“ فوق اثنتین فلهن ماترک فان کانت واحدة فلها النصف۔“

ہونے کی صورت میں بیٹیوں کی طرح ترکہ کے دو تہائی حصے کی مستحق ہوں گی۔ لیکن اگر بیٹی ایک اور پوتیاں کئی ہوں تو ”ولد“ کے حقیقی معنی بیٹی کے لیے ہوں گے یعنی بیٹی کو اس کا مقرر ترکہ کا نصف حصہ ملے گا۔ مگر چونکہ موٹ کے ایک سے زائد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ دو تہائی مقرر ہے اور صورت موجودہ میں بیٹی کو نصف حصہ دے کر پوتی چھٹا حصہ پاتی ہے چنانچہ حقیقی بیٹی کو اس کا مقررہ حصہ دینے کے بعد ”ولد“ کے حقیقی معنی معدوم ہو جائیں گے، اور اب دوسری حالت میں ولد کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔ اسی طرح پوتی کو بقیہ چھٹا حصہ دے کر حکم قرآنی ”تکملۃ الثلثین“ پر عمل کیا جا سکے گا۔ بالفاظ دیگر، ایک حالت میں نصف کا استحقاق حقیقی معنی کے تحت ہے دوسری حالت میں دو تہائی کی تکمیل مطلوب ہے اس کے لیے حقیقی معنی کا وجود نہ رہا تو ولد کے مجازی معنی پوتی مراد لی جائے گی، ایک ہو یا کئی، بقیہ چھٹا حصہ ان کو دے دیا جائے گا۔

لیکن پوتے اور پوتی کے درمیان ایک فرق ہے وہ یہ کہ بیٹے کے ساتھ پوتے کو کچھ نہ ملے گا اگرچہ ایک بیٹی کے ساتھ پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لیے بقیہ حصہ ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موٹ اولاد کا حصہ مقرر ہے، ایک کا نصف اور دو یا زائد کا دو تہائی۔ ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے نصف کے حصے میں فقط موٹ اولاد حقیقی ہے جو اپنا مقررہ حصہ لینے کے بعد گویا معدوم ہوگئی اور اب بقیہ ترکہ کے لیے مجازی معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے دونوں معنی دو حالتوں میں مختلف ہیں اور علیحدہ علیحدہ حالتوں میں مراد لیے گئے ہیں۔ مذکور اولاد کے لیے جو بیچ رہے وہ سب اس کا ہے اس لیے اگر حقیقی معنی بیٹے کے ہوتے ہوئے ولد کے مجازی معنی یعنی پوتا بھی مراد لیے جائیں گے تو اسی بیٹے کے کل حصے میں شرکت اور ایک ہی حالت میں حقیقت و مجاز کا جمع کرنا لازم آئے گا جو اصول فقہ و لغت کے خلاف ہے۔

۲۔ سورۃ نساء رکوع ۵ میں مذکور ہے کہ ”ہر ایک کے لیے ہم نے سوا بنائے ہیں اس ترکہ کے، جس والدین اور قریب تر اعزاء چھوڑ جائیں۔“ (۱۱)

(۱۱) النساء: ۵:

”وکل جعلنا سواى معاترك الوالدان والاقربون“

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ موالی عصبات ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (۱۲)

امام جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کہ ”حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہاں موالی سے عصبات مراد ہیں۔ (۱۳) امام جصاص نے اگلے صفحہ پر موالی سے عصبات مراد ہونے کی دلیل میں یہ حدیث درج کی ہے کہ حضور (صلعم) کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص مر جائے اور مال چھوڑے تو اس کا مال موالی یعنی عصبہ کے لیے ہے۔ (۱۴) لفظ ”اقربون“، اقرب کی جمع اور اسم تفضیل ہے، جو قرب سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں زیادہ قریب۔ لہذا جب عصبات والدین کے وارث ہوں یا دیگر عزیزوں کے وارث ہوں تو یہ وارث ہونے والے عصبات بھی وہ ہوں گے جو ان عزیزوں سے زیادہ قریب ہوں۔ یہ قریب ہونا قرابت میں ہوتا ہے، اور قرابت کی قربت تین طرح کی ہے :

۱ - کوئی واسطہ درمیان میں نہ ہو جیسے بیٹا اور باپ یا دوسروں کی نسبت سے کم واسطے ہوں جیسے پوتا بہ نسبت پر پوتے کے۔

۲ - اگر ایک درجہ میں ہوں تو ایک کی قرابت دوسرے سے زائد ہو جیسے حقیقی بھائی علاتی بھائی سے اقرب ہے، حقیقی میں ماں اور باپ دو کا علاقہ ہے جب کہ علاتی میں صرف باپ کا ایک علاقہ ہے۔

۳ - ہم درجہ ہوں تو ایک کی قرابت قوی تر ہو جیسے بیٹا اور باپ کہ دونوں میت کے بلا واسطہ قریب ہیں مگر بیٹا میت کا جزو ہے باپ نہیں، لہذا بیٹا اقرب ہے۔

سابقہ سطور میں بیان کردہ ”فان کن نساء فوق اثنتین . . .“ والی آیت میں سونٹ اولاد کے مقرر شدہ حصہ کا ذکر کیا گیا تھا کہ ایک کے لیے نصف

(۱۲) تفسیر جلالین، علامہ جلال الدین السيوطی (م ۸۹۱۱)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ، ج ۲، ص ۱۷۲ (بر حاشیہ بیضاوی جلد اول مطبوعہ مصر)

(۱۳) احکام القرآن، امام جصاص، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۲۳

(۱۴) حدیث: ”من مات و ترک مالا فماله للموالی العصبه“

اور زائد کے لیے دو تہائی ہے، نیز مذکورہ آیت سیراث سے دوسرے اصحاب الفرائض کے حصوں کا حال معلوم ہوا لیکن بقیہ ترکہ یا ورثاء کا کیا ہوگا؟ اس آیت ”للرجال نصیب مما ترک الوالدان والا قربون“ سے معلوم ہوا کہ باقی ترکہ اس عصبہ کو ملے گا جو سب سے قریبی قرابت دار ہوگا اور ابعدا محروم رہے گا۔ اس آیت سے سارے عصبات کا حکم معلوم ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ذوی الفروض کے بعد وارث ہونے کا مدار قریب تر قرابت پر ہے یعنی اقرب کو ابعدا پر فوقیت حاصل ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ والدین کے ترکہ میں بیٹے جن کا حصہ معین نہ تھا عصبہ ہین یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں جمع ہوں تو ان کا معین حصہ نہیں رہا بلکہ بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ عصبہ ہین۔ اب جو لوگ ان کے ساتھ عصبہ ہین ان میں سے جو اقرب ہوں گے وہی وارث ہوں گے بیٹا، بیٹی اقرب ہین، دونوں موجود ہوں گے تو مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا ملے گا۔ صرف بیٹے ہوں گے تو برابر کے شریک ہوں گے۔ اگر ایک ہوگا تو کل کا وارث ہوگا اور پوتا (منجملہ دوسرے مرحوم بیٹے کا بیٹا) ہوگا تو وہ بیٹے کی بہ نسبت ابعدا ہوگا اور اس بیٹے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا۔ نیز پرپوتا پوتے کے مقابلے میں ابعدا ہونے کے سبب پوتے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا۔ اسی طرح بھائی اقرب ہے لہذا بھتیجا بھائی کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہوگا۔ چنانچہ بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو وارث قرار دینا آیت قرآنی و احادیث نبوی (جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) کے خلاف اور باطل بنیاد پر تحکم فی الدین ہے۔

۳۔ اس بحث کو دوسرے انداز پر اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے ”الاقرب فالاقرب“ کا اصول قائم رکھا ہے اور اس کو پسند فرمایا ہے جیسا کہ ”وللرجال نصیب مما ترک الوالدان والا قربون“، والی آیت میں ”اقربون“ کا لفظ واضح طور پر اس معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس لفظ ”اقربون“ سے میت کے عام رشتہ دار مراد نہیں ہین بلکہ وہ رشتہ دار مراد ہین جو میت کے قریب تر ہوں۔ اس آیت کے آخری حصہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ”واذا حضر القسمة اوالوالقربی“، یعنی جب کہ تقسیم کے وقت صاحبان قرابت حاضر ہو جائیں چنانچہ اگر ان ”اوالوالقربی“ سے وہی ”اقربون“

مراد لیے جائیں جن کا ذکر آیت کے شروع میں فرمایا گیا ہے تو اس صورت میں ان کو ”نصیباً مفروضاً“ کے حکم میں داخل کرنا ہوگا جو ”والدان“ اور ”الاقربون“ کے لیے صادر فرمایا گیا ہے۔ ان کے حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازمی طور پر مقرر کردئے گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اولوا القربى کو یتامی اور مساکین کے سلسلے سے منسلک فرمانے کے بعد فرماتا ہے: ”فارزقوہم منہ وقولوا لہم قولا معروفاً“۔ یہ حکم پہلے حکم کے خلاف ہے ”کہ اس ترکہ میں سے کچھ ان کو بھی دے دو اور ان سے رسم و رواج کے مطابق اچھی بات کرو“۔ یتامی اور مساکین کو متروکہ میں سے کچھ دے جانے کا حکم بطور حسن سلوک و صلہ رحمی کے ہے نہ کہ بطور فرضیت کے۔ اسی سلسلے میں ”اولوا القربى“ کو بھی شامل فرمایا گیا ہے کہ ان دونوں فریق (یتامی و مساکین) کی مانند ان (اولوا القربى) کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ”اولوا القربى“ اپنے معنی میں ”الاقربون“ سے مختلف ہیں اور ان سے وہ قریبی رشتہ دار مراد ہیں جو اول کی بہ نسبت قرابت میں بعید ہوں اور وراثت سے محروم قرار پاتے ہوں۔

بالفاظ دیگر، آیت کے ابتدائی حصے میں ”اقربون“ فرمایا گیا ہے اور یہاں ”اولوا“ کا اضافہ فرما کر ”اولوا القربى“ فرمایا گیا ہے۔ یہ ”اولوا“ کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اول سے وہ قرابت دار مراد ہیں جن کے اور میت کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو اور دوسرے (اولوا القربى) سے وہ قرابت دار مراد ہیں جن کے اور میت کے درمیان واسطہ ہو۔ لہذا قرآن کریم کی ان دو مختلف اصطلاحات کے پیش نظر، جب کسی میت کا صلیبی بیٹا اور دوسرے مرحوم بیٹے کا بیٹا (پوتا) موجود ہو تو میت کا اقرب بیٹا ہوتا ہے اور پوتا اس کے مقابلے میں ابعدا۔ جس طرح کہ میت کے باپ اور دادا دونوں موجود ہوں تو میت سے اقرب میت کا باپ ہوتا ہے اور دادا اس کے مقابلے میں ابعدا۔ چنانچہ بیٹا ”اقربون“ سے ہوگا اور ”پوتا“ اولوا القربى“ سے ہوگا۔ نیز بیٹے کے مقابلے میں پوتا وراثت سے محروم ہوگا لیکن اولوا القربى کے ساتھ اس موقع پر حسن سلوک اور صلہ قرابت کا برتاؤ خداوند عالم کی نظر میں پسندیدہ اور محبوب عمل شمار کیا جائے گا۔

۴۔ یہاں یہ امر واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمام آیات سابقہ کو پیش نظر رکھنے کے بعد اقتضاء نصوص سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اسلام نے میراث کے سلسلے میں تعین حصص میں سیت کے اقرباء کے فقر و احتیاج اور بے چارگی کو بنیاد قرار نہیں دیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر یہ نہ فرمایا جاتا کہ ”آباؤکم و ابناءکم لاتدرون ایہم اقرب لکم نفعا و فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیما حکیما“، یعنی تمہارے آباء و ابناء میں سے تم کو نفع پہنچانے میں کون قریب تر ہے اس کو تم نہیں جانتے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اللہ تعالیٰ نے جو مقرر فرمایا ہے (بس وہی صحیح ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ علیم اور حکمت والا ہے۔ یہ آیت واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ وراثت اور ان کے تعین حصص میں کسی کے فقیر و محتاج اور بے چارہ ہونے کو بنیاد نہیں بنایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نہ فرمایا جاتا کہ: للذکر مثل حظ الانثیین“، یعنی مذکر کے لیے دو مونثوں کے برابر ہے بلکہ اس طرح ہوتا: ”للانثی مثل حظ الذکرین“، یعنی مونث کے لیے دو مذکر کے برابر ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ لڑکے کے مقابلے میں لڑکی مال کی زیادہ حاجت مند ہوتی ہے اور بے چارگی و صفت نسائیت کے سبب اس کو سیت کے مال کا زیادہ مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شوہر کو زوجہ کی اولاد نہ ہونے پر نصف کا مستحق قرار دیا گیا ہے جب کہ زوجہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کو شوہر کے ترکہ میں سے ایک چوتھائی کا مستحق قرار دیا گیا ہے، حالانکہ حاجت مندی و بے چارگی و عدم کسب معاش و ضعف قوت کا تقاضا یہ تھا کہ شوہر کے لیے ایک چوتھائی اور زوجہ کے لیے نصف مقرر ہوتا۔ چنانچہ ان نصوص سے اقتضاء یہ ثابت ہوتا ہے کہ وراثت میں ذی حاجت ہونا یا عدم اکتساب و بے چارگی ملحوظ نہیں بلکہ ان امور کا لحاظ اس مسئلے میں آخری درجہ میں آتا ہے، اور آیت ”واذا حضر القسمة اولوا القربی و التیاسی و المساکین فارزقوہم منہ و قولوا لہم قولا معروفا“، سے اسی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ نیز سابقہ آیت میں اس طرح فرمایا ہے ”لاندرن ایہم اقرب لکم نفعا“، جس کے یہ معنی ہیں کہ ”تم نہیں جانتے کہ ان آبا و ابناء میں سے تم کو نفع پہنچانے میں کون تم سے زیادہ قریب ہے“۔ دقیق نظر کے بعد واضح ہو جاتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ورثاء کو میت کے لیے میت کے حق میں نفع پہنچانے والا قرار دے کر حکم دے رہا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ میت ان ورثاء کو نفع پہنچائے اور یہ ظاہر ہے کہ پوتے کے مقابلے میں بیٹا زیادہ نفع بخش ہوتا ہے، دادا کے مقابلے میں باپ زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر ”جامع الاحکام القرآن“ میں فرمایا ہے کہ: ”ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس آیت (سیراث) میں تین فائدے موجود ہیں۔ اول سیراث کی علت کو بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ قرابت ہے، دوم قرابت کا عموم خواہ قریب ہو یا بعید ہو، سوم مقررہ حصوں کا اجمال جس کو سوارث کی آیت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔“

صاحب تفسیر خازن علاء الدین (م ۷۲۵ھ) نے اپنی تفسیر میں آیت مذکور کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت اوس بن صامت انصاری کی بیوی کا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ”اذا حضر القسمة“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے ”کہ جب تقسیم سیراث کے وقت (یہ خطاب وارثین کو ہے) ایسے قرابت دار موجود ہوں جو وارث نہ سکتے ہوں اور یتامی و مساکین بھی موجود ہوں، کہ یتامی کو مساکین پر یتامی کے ضعف اور شدت احتیاج کی بناء پر مقدم کر دیا گیا ہے، تو ان لوگوں کو بھی ترکے کے مال سے کچھ دے دو۔“

چنانچہ مفسرین کی عبارتوں سے واضح ہے کہ ”اذا حضر القسمة اولوا القربی“، والی آیت سے وہ قرابت دار مراد ہیں جن کی میت سے قرابت داری تو ہے لیکن وہ ”اقربون“ کے مقابلے میں وارث نہیں ہو سکتے اور اس وجہ سے وہ یتامی اور مساکین کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میت سے قرابت رکھنے کی بناء پر وہ دونوں فریق (یتامی و مساکین) سے مقدم ہیں۔ اس سے مسئلہ زیر بحث واضح ہو جاتا ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا ان اقرباء کے درجہ میں ہے جو ”اذا حضر القسمة اولوا القربی“ کا مصداق ہیں۔

احادیث نبوی و آثار صحابہ:

۱۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور بعض دیگر مجموعہ احادیث میں

منقول ہے کہ ”حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو پھر جو بچے وہ نیت کے سب سے قریبی مرد مذکر کے لیے ہے۔“ (۱۵) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس مرد کا رشتہ میت سے خود یا بواسطہ مرد کے ہے وہ عصبہ ہے اور اس کا حصہ قرآن مجید میں مقرر و معین نہیں۔ بیٹا، پوتا، بھائی، چچا وغیرہ اور ان کی اولاد عصبات ہیں، جن کا حصہ مقرر نہیں ہے۔ لہذا ان میں جو میت سے قریب تر ہوگا وہ وارث ہوگا۔ چچانچہ بیٹا پوتے سے اور بھائی بھتیجے سے قریب تر ہے۔ اس لیے پوتے اور بھتیجے کے مقابلہ میں بیٹا اور بھائی وارث ہوگا۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ”امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مقررہ حصہ پانے والوں کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ عصبہ کا ہے، جو سب سے قریب (عصبہ) ہے وہ مقدم کیا جائے گا، پھر وہ جو اس کے بعد سب سے قریب کا ہے، (کوئی دور کا عصبہ قریبی عصبہ کے ساتھ وارث نہ ہوگا) اور عصبہ وہ مذکر ہے جو خود قرابت کا ایسا تعلق رکھتا ہو کہ اس کے اور میت کے درمیان سونٹ نہ ہو جب یہ تنہا ہوگا تو کل مال لے لے گا۔“ (۱۶)

امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں ”کہ تمام مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مقررہ حصوں کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات کا ہے جو سب سے قریب کا ہے وہ مقدم کیا جائے گا پھر جو اس سے قریب کا ہوگا۔ لہذا دور کا عصبہ قریبی کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا (۱۷)۔ بخاری میں

(۱۵) صحیح بخاری، امام بخاری (م ۵۲۰۴) مطبوعہ کراچی، ج ۲، ص ۹۹۷ :
”عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحقوا الفرائض باهلها فما بقي فلاولى رجل ذكر۔“

(۱۶) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، علامہ (م ۵۸۵۲)، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۸ھ، ج ۱۲، ص ۱۰ :
”اجمعوا على ان الذى يبقى بعد الفروض للعصبه يقدم الاقرب فالاقرب فلا يرث عاصب بعيد مع عاصب قريب والعصبه كل ذكر يدلى بنفسه بالقرابة ليس بينه وبين الميت انثى فعتى انفراد اخذ جميع المال۔“
صحیح مسلم، امام مسلم، (مع شرح نووی) محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۵۳ :

(۱۷) ”قد اجمع المسلمون على ان ما بقي بعد الفروض فهو للعصبات يقدم الاقرب فالاقرب فلا يرث عاصب بعيد مع وجود قريب۔“

ہے ” کہ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہ ہوگا،“ (۱۸) نیز علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری کہتے ہیں ” کہ حضرت زید نے جو کچھ کہا اسی پر اجماع ہے۔“ (۱۹)

۳ - حضرت ربیع بن صبیح نے حضرت عطاء سے روایت کیا ہے ” کہ حضرت ابو بکر فرماتے ہیں کہ اگر میت کا باپ موجود نہ ہو تو میت کا دادا باپ کا درجہ پائے گا جس طرح کہ میت کا بیٹا موجود نہ ہونے پر پوتا بیٹا تصور کیا جاتا ہے۔“ (۲۰)

۴ - حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت سے مروی ہے کہ ”علم فرائض کے اصول و مطالب وہ (معتبر ہیں) جو زید بن ثابت سے لیے گئے ہوں اور ان کی تفسیر وہ جو ابوالزناد سے حضرت زید کے مطالب پر مبنی ہو۔“ (۲۱)

اس روایت کے آخری حصے کے متن میں منقول ہے کہ زید بن ثابت نے فرمایا ”اور میت کے بیٹوں کی اولاد کا مرتبہ جب کہ بیٹے موجود نہ ہوں میت کی اولاد کا مرتبہ ہوگا۔ ان کی اولاد کے مذکر اصل اولاد کے مذکر کی طرح ہوں گے اور ان کی عورتیں صلبی اولاد کی عورتوں کے مرتبہ میں ہوں گی۔ جس طرح وہ وارث ہوتے تھے، اسی طرح یہ وارث ہوں گے اور جس طرح وہ حاجب یا محجوب ہوتے تھے یہ بھی اسی طرح حاجب و محجوب ہوں گے۔ چنانچہ اگر میت کا بیٹا اور پوتا جمع ہو جائیں تو بیٹے کے مقابلے میں پوتے کو میراث نہ ملے گی اور میت کی دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کو کچھ نہ

(۱۸) صحیح بخاری، امام بخاری، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۷ :

”قال . . . ولا يرث ولد الابن مع الابن۔“

(۱۹) عمدة القاری، شرح بخاری، علامہ بدرالدین عینی، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۸ھ، ج ۱۱، ص ۹۷ :

”و هذا الذي قاله زيد اجماعاً“

(۲۰) السنن الكبرى، احمد بن الحسن البيهقي (م ۳۵۸ھ)، مطبوعہ . . . ج ۶، ص ۲۲۵ :

”كان ابو بكر يقول الجد اب مالم يكن دونه اب كما ان ابن الابن، ابن مالم يكن دونه

ابن۔“

(۲۱) السنن الكبرى، احمد بن الحسن البيهقي، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۲۹ :

”عن خارجة بن زيد عن ابيه زيد بن ثابت ان معاني هذه الفرائض و اصولها عن زيد بن

ثابت و اما التفسير فتفسير ابى الزناد و على معاني زيد۔“

ملے گا، مگر یہ کہ پوتیوں کے ساتھ میت کا پوتا بھی پایا جائے۔، (۲۲)

۵۔ حضرت مغیرہ نے اپنے اصحاب سے حضرت زید بن ثابت اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ میت کی اولاد کی اولاد، میت کا بیٹا نہ ہونے کی حالت میں بمنزلہ اولاد شمار ہوگی، چنانچہ اگر کسی نے اپنے مرنے کے بعد بیٹا اور پوتا چھوڑا تو پوتے کو کچھ میراث نہ ملے گی اور اسی طرح جب میت کا پوتا ہو اور پڑپوتا ہو اور اس سے نیچے کے ، سلسلے میں ایسا ہی ہو تو اعلیٰ کے مقابلے میں اسفل کو کچھ نہ ملے گا جس طرح بیٹے کے ساتھ پوتے کو کچھ نہیں ملتا ہے۔ (۲۳)

حضرت ابو بکر و زید بن ثابت و حضرت علی و عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے یہ آثار اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ خیر القرون، (عبد صحابہ) میں اس مسئلے میں کسی ایک صحابی کا اس کے خلاف کوئی قول موجود و منقول نہیں ہے۔ تمام صحابہ اس امر پر متفق تھے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہ ہوگا۔

فقہاء امت کی آراء :

مندرجہ بالا آیات قرآنی و احادیث نبوی اور آثار صحابہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ تمام صحابہ و تابعین اور مفسرین و محدثین اس پر متفق ہیں کہ اصحاب فروض کے مقررہ حصے ان کو پہنچانے کے بعد ”الاقرب فالاقرب“ کے اصول پر عمل کیا جائے گا۔ جہاں تک فقہاء کرام کا تعلق ہے،

(۲۲) السنن الکبریٰ، احمد بن الحسن البیہقی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۲۹ :
”قال و منزلة ولد الابناء اذالم یکن دونهم ولد کمنزلة الولد، سواء ذکرهم کذکرهم و انثاهم کانثاهم، یرثون کما یرثون و یحجبون کما یحجبون، فان اجتمع الولد، و ولد الابن و کان فی الولد ذکر فانه لا میراث معه لا حد من ولد الابن، وان لم یکن الولد ذکر او کانت اثنتین فاكثر من البنات فاته لا میراث لبنات ابن معهن الا ان یكون مع بنات الابن ذکر هو من المتوفی۔“

(۲۳) السنن الکبریٰ، احمد بن الحسن البیہقی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۳۸ :
”وهم بمنزلة الولد اذا لم یکن ولد، و اذا ترک ابنا و ابن ابن فلیس لا ابن شیئی، و كذلك اذا ترک ابن ابن و اسفل منه ابن ابن و بنات ابن ابن اسفل فلیس للذی اسفل من ابن الابن مع الاعلیٰ شیئی کما انه لیس لا ابن الابن مع الابن شیئی۔“ (الخ)

راقم کو ائمہ اربعہ یا دیگر فقہاء و تابعین و تبع تابعین و ما بعد کے کسی فقیہ یا مجتہد کا کوئی قول باوجود تلاش ایسا نہ مل سکا جس نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہو اور بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے پوتے کو دادا کے ترکے میں وارث بنانے کے قول کو خود اپنی طرف سے بیان کیا ہو یا کسی دوسرے فقیہ یا مجتہد کا قول اختیار کیا ہو۔ بالفاظ دیگر اس مسئلہ میں تمام امت کا اجماع ہے جس پر گذشتہ چودہ سو سال سے برابر عمل ہوتا رہا ہے۔ بطور تقویت مزید، مختلف فقہی مسلک سطور ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں :

حنفیہ مسلک

(۱) شمس الائمہ سر خسی اپنی کتاب ”المبسوط“ میں فرماتے ہیں کہ ان تمام مسائل میں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں بیٹے کی اولاد میت کی صلبی اولاد کے اس وقت قائم مقام ہوگی جب کہ صلبی اولاد موجود نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ اور اولاد کا لفظ بیٹے کی اولاد پر مجازاً بولا جاتا ہے (نہ کہ حقیقتاً)۔ بطور مثال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”یا بنی آدم“ اور آیت کے نزول کے وقت حضرت آدم کی کسی صلبی اولاد کا وجود نہ تھا۔، (بلکہ کروڑوں سلسلوں سے اولاد کی اولاد تھی)۔

دو سطور کے بعد امام سرخسی لکھتے ہیں کہ ”اگر صلبی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد کسی صورت میں جمع ہو جائیں اور صلبی اولاد میں میت کا بیٹا موجود ہو تو میت کے پوتوں یا پوتیوں یا دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا، کیونکہ صلبی بیٹا اولاد کے حقیقی معنی ہونے کی حیثیت سے تمام مال کا مستحق ہو گیا اور جب کسی لفظ کے حقیقی معنی پر عمل ہو سکتا ہو تو مجازی معنی ساقط ہو جاتے ہیں۔ ایک لفظ سے ایک ہی حالت میں حقیقی اور مجازی معنی مراد لینا محال ہے۔ (۲۴)

(۲۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۴۱ :
 ”واولاد الا بن یقومون مقام اولاد الصلب عند عدم اولاد الصلب فی جمیع ما ذکرنا، لقولہ تعالیٰ (یوصیکم اللہ فی اولادکم) واسم الاولاد، یتناول اولاد الابن مجازاً . . . قال اللہ تعالیٰ (بنی آدم) و عند نزول الایۃ لم یکن بقی احد من صلب آدم علیہ السلام، . . . فان اجتمع اولاد الصلب و اولاد الابن فان کان فی اولاد الصلب ذکر فلا شئی لاولاد الابن ذکوراً کانوا اواناثا او مختلطین لان المذکر اولاد الصلب مستحق لجمع المال باعتبار حقیقۃ الاسم و عند العمل بالحقیقۃ یسقط اعتبار المجاز فان الجمع بین الحقیقۃ و المجاز فی لفظ واحد فی حالة واحدة متعذر۔“

(۲) احناف کے ایک اور زبردست عالم علامہ ابن نجیم مصنف ”بحر الرائق“ نے لکھا ہے کہ پوتہ بیٹے کی موجودگی میں محبوب ہو جاتا ہے کیونکہ بیٹا پوتے کے مقابلہ میں اقرب ہے۔ چنانچہ پوتے، پوتیاں بیٹے کی موجودگی میں بذریعہ عصویت وارث نہیں ہوتے۔ یہی صورت فرضیت میں بھی ہے۔ (۲۵)

مالکیہ مسلک:

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”موطاء“ میں لکھا ہے کہ بیٹے کی اولاد بیٹے کی غیر موجودگی میں بیٹے کے قائم مقام ہوگی۔ چنانچہ مذکور کے مانند اور مونث مونث کی مانند ہوں گے۔ جس طرح وہ وارث ہوتے ہیں اسی طرح یہ وارث ہوں گے اور جس طرح وہ محبوب کرتے ہیں اسی طرح یہ محبوب کریں گے۔ اگر صلیبی بیٹا اور بیٹے کا بیٹا جمع ہو جائیں اور بیٹا صلیبی ہو تو (پوتے کے لیے) اس کے ساتھ میراث نہیں ہے، اور پوتے کو کچھ نہ ملے گا۔“ (۲۶)

(۲) علامہ ابن رشد نے بھی کتاب ”بداية المجتهد“ میں لکھا ہے کہ ”اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ بیٹوں کی اولاد اس وقت وارث ہوگی جب کہ میت کے اپنے بیٹے موجود نہ ہوں۔“ (۲۷)

شافعیہ مسلک:

ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی الشیرازی اپنی کتاب ”المہذب فی الفقہ الشافعی“ میں لکھتے ہیں کہ ”عصبات میں سب سے اقرب بیٹا اور باپ ہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے میت سے نسبت رکھتے ہیں اور دوسرے قرابت داروں کی قرابت ان دونوں سے نسبت کی جاتی ہے۔ اگر باپ اور بیٹا دونوں

(۲۵) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۴۹۴:

”ولد الا بن یحجب بالا بن ذکورہم وانا ثم فیہ سواء لان الا بن اقرب وہم عصبة فلا یرثون معہ بالعصوبۃ و کذا بالفرض۔“

(۲۶) زرقانی، شرح موطا، محمد بن عبدالباقی بن یوسف (۱۱۲۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ء، ج ۳، ص ۴۲۱:

”و منزلة ولد الابناء الذکور اذالم یکن ولد کمنزلة الولد سواء ذکور ہم کذکور ہم و انا ثم کانا ثم یرثون کما یرثون و یحجبون کما یحجبون فان اجتمع الولد للصلب و ولد الابن و کان فی الولد للصلب ذکر فانه لا میراث معہ لا حد من ولد الابن۔“

(۲۷) بداية المجتهد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۴۰:

”واجمعوا من هذا الباب علی ان نسی النبن یقومون مقام البنین عند فقد البنین۔“

جمع ہو جائیں تو بیٹے کو مقدم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میراث کو بیٹے ہی سے شروع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اولاد کے بارے میں مقرر فرماتا ہے کہ مذکور کے لیے دو سونٹوں کے برابر حصہ ہے اور اہل عرب اہم شے کے ساتھ شروع کیا کرتے ہیں۔“ (۲۸)

حنبلہ مسلک:

ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے اپنی کتاب ”المغنی“ میں لکھا ہے کہ میراث کے زیادہ مستحق اسوات کے اقرب ہیں۔ جو ان کے بعد ہوں وہ ساقط ہو جائے ہیں، جیسا کہ نبی (صلعم) کا قول ہے کہ ”اصحاب فرائض کو ان کے حصے دے کر جو بچ رہے وہ اولیٰ مرد کے لیے ہے۔۔۔۔۔ اقرب ابعداً کو ساقط کر دیتا ہے۔“ ابن قدامہ نے اس کے بعد دیگر عصبات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مسئلے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (۲۹)

ظاہریہ مسلک:

فقہ ظاہری کے امام ابو محمد ابن حزم نے اپنی مشہور تصنیف ”المحلی“ میں لکھا ہے کہ ”میت کے صلبی بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے بیٹے کی اولاد وارث نہ ہوگی۔“ (۳۰)

شیعہ امامیہ مسلک:

شیعہ امامیہ نے بھی اس مسئلہ میں امت مسلمہ سے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔ چنانچہ محقق ابو جعفر الحلّی نے اپنی مستند کتاب ”شرائع الاسلام“ میں لکھا ہے ”کہ اول ضابطہ یہ مقرر ہے کہ میت سے وارث کے قرب کا لحاظ

(۲۸) المہذب فی الفقہ الشافعی، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۰:

”و اولیٰ العصبات الا بن والاب لا نہما ید لیان بانفسہما و غیر ہما یدلی بہما فان کان اجتماعاً قدم الا بن لان اللہ عزوجل بد اہہ قال (یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الا نثیین) و العرب تبدأ بالاہم فالاہم۔“ (الخ)

(۲۹) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۰:

”و اولیٰ ہم بالمیراث اقربہم۔۔۔۔۔ یسقط بہ من بعد یقول النبی صلعم الحقوا الفرائض باہلہا فما بقی فہو لاولیٰ رجل ذکر و اقربہم البنون ثم بنوہم وان سفلوا و یسقط قریبہم بعیدہم۔۔۔۔۔ و ہذا کلہ مجمع علیہ بحمد اللہ و منہ۔“

(۳۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۳:

”ولا یرث بنوالا بن مع الابن الذکر شیئاً،“

کیا جائے گا، لہذا میت کی اولاد موجود ہوتے ہوئے اولاد کی اولاد کے لیے میراث نہ ہوگی، خواہ میت کی اولاد لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ چنانچہ اگر کسی میت کی بیٹی موجود ہو تب بھی پوتے کو میراث نہ ملے گی۔ خلاصہ یہ کہ جب اولاد اور اولاد کی اولاد کا اجتماع ہو جائے تو جو ان سین میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ وارث ہوگا اور ابعد کو وراثت سے روک دیا جائے گا۔ (۳۱)

علامہ حلی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ امامیہ کے نزدیک جس طرح میت کا بیٹا پوتے کی محرومی کا سبب ہوتا ہے اسی طرح بیٹی بھی پوتے کی وراثت سے محرومی کا سبب ہوتی ہے، کیونکہ میت کی اولاد ہونے میں دونوں (بیٹا، بیٹی) درجہ میں یکساں ہیں اور یہ دونوں، دیگر نسبی رشتہ داروں کی بہ نسبت، اقرب الی المیت ہوتے ہیں۔

دیگر ائمہ و فقہاء اہل سنت کے برخلاف کہ ان کے نزدیک صرف میت کا بیٹا پوتے کو محروم کر دے گا بیٹی محروم نہ کر سکے گی، شیعہ فقہاء کے نزدیک بیٹی بھی پوتے کو محروم کر دیتی ہے۔ علماء اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے، دیگر اصحاب فرائض کی مانند، جب کسی میت کا تنہا بیٹا موجود ہو تو اس کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اصحاب فرائض میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو اور صرف میت کا بیٹا ہو تو وہ کل مال کا وارث ہو جائے گا۔ بخلاف میت کی بیٹی کے، کہ اس کے تنہا ہونے کی حالت میں قرآن حکیم میں حصہ مقرر فرما کر یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ ”وان کانت واحدة فلها النصف“، یعنی اگر میت کی تنہا لڑکی ہے تو اس کو نصف ملے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ لڑکی صرف نصف مال کی مستحق ہوگی اور عصبہ کی موجودگی میں اس سے زیادہ کی مستحق نہ ہوگی اور باقی نصف ترکہ عصبہ کا حق ہوگا۔ چنانچہ اس صورت میں دوسرے وارث (پوتے وغیرہ) کو مل سکتا ہے، لیکن تنہا لڑکی کی صورت میں بحیثیت عصبہ چونکہ وہ کل

(۳۱) شرائع الاسلام، ابی جعفر العلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۸۳ :

”فالاؤل ضابطتہ مراعاة القرب، فلا میراث لولد الولد مع ولد ذکراً کان او انثی حتی انه لا میراث لا بن ابن مع بنت ومتی اجتمع اولاد مع اولاد الاولاد وان سفلوا قالا اقرب منهم بمنع الابعاد۔“

مال کا وارث ہوجاتا ہے اس لیے دیگر ورثاء کے لیے کچھ نہیں باقی رہتا تاکہ ان کو دیا جاسکے۔ (راقم کے نزدیک پوتے کی موجودگی کے باوجود، شیعہ فقہا کا بیٹی کو کل ترکہ کا مستحق قرار دینا قرآن و سنت کے منافی ہے جس پر تفصیلی بحث بیٹی کی سیراث کے تحت کی جا چکی ہے۔)

رائج الوقت پاکستانی قانون اور جدید نقطہ نظر :

پاکستان میں یتیم پوتے کی سیراث کے سلسلے میں جدید نقطہ نظر کی حمایت میں جس آیت سے براہ راست استدلال کیا جا سکتا ہے وہ ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ ہے۔ اور دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ یتیم پوتے کے لیے بھی ”ولد“ کا حقیقی معنی ہی تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ اس کا باپ مرچکا ہے اور قرآن پاک کی تصریح کے مطابق صلبی بیٹے اور پوتے میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح صلبی بیٹے کی بیوی خسر پر حرام ہوتی ہے اسی طرح بیک وقت پوتے کی بیوی بھی حرام ہے۔

دراصل آیت سیراث کے اس جزو کی یہ جدید تعبیر ہی ان حضرات کی واحد علمی دلیل ہے۔ ان کے نزدیک جب دادا کا انتقال ہوا تو پوتا (جس کا باپ دادا کی حیات میں فوت ہو چکا ہے) براہ راست دادا کا اقرب ہے۔ بالفاظ دیگر اپنے موجود چچا کے واسطے سے دادا کا اقرب نہیں ہے۔ وہ اپنے باپ کے واسطے سے دادا کا اقرب تھا لیکن باپ کے انتقال کے بعد وہ واسطے ہٹ گیا تو وہ براہ راست اپنے دادا کا اقرب ہو گیا۔ چنانچہ (ان کے نزدیک) اصول یہ ہے کہ پوتا اپنے دادا کے ترکہ سے براہ راست حصہ پاتا ہے بشرطے کہ درمیانی واسطہ (حاجب) موجود نہ ہو۔ اگر درمیانی واسطہ موجود ہو تو وہ حاجب بن جاتا ہے اور پوتے کو ترکہ سے محروم کر دیتا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کریم نے پوتے، پر پوتے اور نیچے تک تمام پوتوں کو اولاد کے مفہوم میں براہ راست داخل کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ : لفظ ”ولد“ بیٹوں اور پوتوں دونوں کے لیے عام ہے بشرطے کہ ان کے اپنے نسبی عمود (سیدہ) میں ان سے اوپر کوئی حاجب موجود نہ ہو۔

لیکن مندرجہ بالا نقطہ نظر کی حمایت میں بیٹے کی بیوی کے ساتھ اور اس کی موجودگی میں پوتے کی بیوی کی حرمت کی جس دلیل کو بیان کیا

گیا ہے وہ ایک غلط مفروضہ پر قائم ہے۔ قرآن پاک میں ”حلائل ابناء کم“ کے الفاظ سے، ابناء کی بیویاں خسر کے لیے حرام کی گئی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ”ابن“ اور ولد، ”کو ہم معنی تصور کر لیا گیا ہے حالانکہ ”ابن“ کا لفظ بیک وقت اولاد در اولاد سب کو شامل ہے۔ یعنی بیٹے، پر پوتے اور نیچے کے سلسلے تک سب کو شامل ہے جیسا کہ ابن آدم لیکن آیت میراث میں لفظ ”ولد“ اپنے مخصوص استعمال کے سبب صرف بیٹے کے لیے حقیقتاً اور پوتے کے لیے مجازاً استعمال ہوتا ہے۔

پوتے کے عمودی سلسلہ نسب کو ”اصل“ قرار دے کر اور دادا کے سلسلہ نسب سے ہر ہر بیٹے کے سلسلہ نسب کو علیحدہ علیحدہ تصور کرتے ہوئے پوتے کو جس کا باپ دادا کی حیات میں فوت ہو چکا ہے دادا کے ترکہ کا وارث قرار دلانے کی جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ محض ایک ذہنی ایچ ہے جس کی اصل قرآن پاک یا سنت نبوی میں موجود نہیں بالفرض اگر ”ولد“ (الصلب) کی اس جدید تعبیر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اطلاق صرف پوتے اور پوتی پر ہوگا، نواسہ نواسی پر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جب کہ ہمارے عائلی قانون میں دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اگر پوتے، کو براہ راست دادا کا اقرب (جب کہ ان کا چچا بھی موجود ہو) تصور کر لیا جائے تو پھر ان کو ”لذکر مثل حظ الانثیین“ کے قاعدے کے تحت حصہ ملنا چاہئے نہ کہ اپنے مرحوم باپ کے حصے کے بقدر، حالانکہ قانون پاکستان میں اصول قائم مقامی کے تحت یتیم پوتے پوتیاں (اور نواسے نواسیاں) اس حصہ کے مستحق قرار دیے گئے ہیں جو ان کے باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کو بشرط حیات ملتا۔ مزید برآں دو بیٹیوں کی موجودگی میں مرحوم بیٹے کی بیٹیوں کے ایک یا ایک سے زائد ہونے کی صورت میں اس جدید تعبیر کے تحت عمل کرنا قرآن و سنت رسول اور سنت صحابہ کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ تکملة الثلثین کے بعد مرحوم کی بیٹیوں کو ترکہ نہ ملنا چاہئے۔

نافذ الوقت قانون کے تحت یتیم پوتے یا پوتیوں، نواسے یا نواسیوں کو ان کے مرحوم والد یا والدہ کے حصے کے بقدر میراث دلانا دراصل قائم مقامی

کے ایک محدود اصول پر مبنی ہے۔ یعنی پوتہ پوتی یا نواسہ چچا یا ماسوں کی موجودگی کے باوجود دادا، نانا کی میراث میں اپنے مرحوم باپ یا ماں کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث ہوتے ہیں۔ قائم مقامی کا یہ نظریہ اسلامی قانون میراث کے لیے نیا ہے کیونکہ شیعوں میں قائم مقامی کا جو اصول رائج ہے اس کا اطلاق دادا کی میراث کے ضمن میں مرحوم بیٹے کی اولاد کے لیے نہیں کیا جاتا۔ قرآن کی رو سے وارث میت کا اقرب ہونے کی حیثیت سے میراث پاتا ہے نہ کہ کسی دوسرے اقرب کے قائم مقام کی حیثیت سے بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کی اولاد اور باپ کی موجودگی میں دادا اور ماں کی موجودگی میں دادی اس لیے میراث نہیں پاتے کہ وہ کسی کے قائم مقام ہیں بلکہ وہ میراث کے مستحق اس لیے قرار پاتے ہیں کہ وہ میت کے بیٹے، باپ اور ماں کی غیر موجودگی میں بلا واسطہ میت کے اقرب ہوتے ہیں۔ اگر میت کے بلا واسطہ اقرب ہونے کی بنیاد کو نظر انداز کرنے قائم مقام کا اصول اختیار کیا جائے تو پھر یہ اصول دیگر تمام ورثاء میں جاری کرنا لازم آئے گا۔

اس ضمن میں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن کی رو سے میراث کے صرف وہ ورثاء مستحق ہوتے ہیں جو وارث کی وفات کے وقت زندہ ہوں مگر موجودہ قانون یہ فرض کرتا ہے کہ دادا کی وفات کے وقت اس کا مرحوم بیٹا زندہ تھا اور پھر فوراً مر جاتا ہے اور اس کا ورثہ اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو مل جاتا ہے۔ اول تو فرضی طور پر مرحوم بیٹے کو زندہ تصور کرنا اور پھر فوراً ہی مردہ تصور کر لینا ہی غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر مرحوم بیٹے کو دادا کی وفات کے وقت زندہ تصور کر کے فوراً مردہ بھی تصور کر لیا گیا تو پھر اس کے ترکہ کی تقسیم محض اس کے بیٹوں اور بیٹیوں تک کس اصول اور قاعدے کے تحت محدود رکھی گئی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ مرحوم بیٹے کی بیوہ ہو یا دوسرے رشتہ دار بھی موجود ہوں۔

موجودہ قانون کے تحت ایک اور اشکال بھی نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے دو بیٹے تھے جو اس کی حیات میں مر گئے ایک بیٹے نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے اور دوسرے نے ایک۔ از روئے اجماع اور تعامل است

محمدیہ (ماسوائے حضرات شیعہ) (۳۲) پانچویں پوتے اپنے دادا کی میراث میں مساوی حصہ دار ہوں گے۔ لیکن موجودہ قانون کے تحت ایک بیٹے کے چار بیٹے اپنے باپ کے قائم مقام کی حیثیت سے نصف ترکہ لین گے جب کہ پانچواں پوتہ اپنے مرحوم باپ کے قائم مقام کی حیثیت سے بقیہ نصف ترکہ کا مستحق ہوگا۔ حالانکہ ”ولد“ کی جدید تعبیر کے پیش نظر بھی یہ غلط ہوگا کیونکہ پوتے قرابت میں ہم درجہ ہیں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک لڑکی ایک متوفی بیٹے کی بیٹی (یعنی پوتی) اور ایک بھائی چھوڑا۔ شرعی قانون کے بموجب لڑکی کہ نصف از روئے قرآن، پوتی کہ $\frac{1}{6}$ از روئے حدیث اور باقی بھائی کو بحیثیت عصبہ بر بنائے حدیث مروی حضرت ابن عباس ملے گا لیکن موجودہ پاکستانی قانون کے تحت متوفی بیٹے کو زندہ تصور کر کے بیٹی کو $\frac{1}{3}$ اور پوتی کو $\frac{2}{3}$ ملے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موجودہ قانون بنانے والوں نے میراث کے ایک پہلو کو پیش نظر رکھا مگر اس قانون کی نزاکتوں کا پورا علم نہ ہونے کے سبب قرآن و حدیث کی خلاف ورزی کے لیے مرتکب ہوئے۔ اسی طرح اس قانون سے لڑکی کی میراث کے سلسلہ میں آیت قرآنی اور پوتی کی میراث کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود کی حدیث کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔

رائج الوقت پاکستانی قانون کا مآخذ :

دراصل رائج الوقت قانون پاکستان میں قائم مقامی کا یہ ابتدائی اصول قانون روما سے ماخوذ ہے۔ ابتدائی قانون روما کے تحت اگر ایک شخص بلا وصیت

(۳۲) شیعہ قانون وراثت میں جو اصول نمائندگی رائج ہے اس کے تحت فرزند متوفی اور دختر متوفیہ کی اولاد مقدار حصص میں اپنے والدین کی قائم مقام ہوتی ہے۔ اور ترکہ میں جو کہ پہلا متوفی یا دختر متوفیہ کو اس کی حیات میں ملنے کا حق ہوتا ہے وہی حصہ اس کی اولاد حاصل کرنے کی مستحق ہوتی ہے۔ اسی اصول کی پابندی متوفی بھائی بہن چچا اور پھوپھی کے ساتھ بھی لازم ہے (بشرطے کہ اولاد الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت خود اپنے حق وراثت کے تحت وارث ہو، البتہ مقدار ترکہ میں باپ و ماں کا لحاظ کیا جائے گا)۔

اصول نمائندگی یا قائم مقامی صرف اولاد ہی کے ساتھ محدود نہیں ہے بلکہ متوفی اسلاف اور اخلاف ہر دو سے متعلق ہے۔ ”پس اجداد (دادا) دادی کا وہ حصہ حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں جو انہیں ان کی زندگی میں بحیثیت وارث میت سے ملنے کا حق ہو اور باپ کا چچا اور اس کی پھوپھی وہی حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہیں جو میت کے چچا اور پھوپھی اپنی زندگی میں ترکہ پانے کا حق رکھتے ہیں۔“

کئے مرجاتا تو ترکہ اس کے (Agnates) کو منتقل ہو جاتا تھا۔ جسٹین نے وراثت کے قاعدہ کو خونی قرابت پر قائم کیا اور وراثت کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ہی درجہ کے فروع آپس میں مساوی حصہ پاتے (۳۳)۔ چنانچہ قائم مقامی کے اصول کے تحت اگر الف مرجائے اور اپنے پیچھے ایک بیٹا، ب اور دو پوتے ج اور د اپنے دوسرے مرحوم بیٹے سے چھوڑے تو ب نصف ترکہ لے لے گا جب کہ نصف ترکہ ج اور د قائم مقام کی حیثیت سے تقسیم ہو جائے گا۔ اس طرح اصول و فروع کی عدم موجودگی میں بھائی بہن وراثت کے مستحق ہوں گے اور قائم مقامی کا اصول کسی بھائی یا بہن کے مرحوم ہونے کی صورت میں اس کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اہل ہنود میں بھی قائم مقامی کے قاعدہ کے پر عمل کیا جاتا ہے چنانچہ ترکہ کی تقسیم کے وقت پوتا، اپنے مرحوم باپ کے حصہ کا مستحق قرار پاتا ہے البتہ اہل ہنود میں قائم مقامی کے اس اصول کا اطلاق بیٹیوں یا نواسوں پر نہیں کیا جاتا۔ نیز یتیم پوتے کے حق میں قائم مقامی کے قاعدہ کا اطلاق چار درجوں تک کیا جاتا ہے اس کے بعد نہیں۔

۱۹۴۸ء کے مغربی پنجاب مسلم شخصی قانون شریعت اطلاق ایکٹ نمبر ۹ کے نفاذ سے قبل غیر منقسم پنجاب میں رواجی قانون کے تحت قائم مقامی کا اصول رائج تھا۔ مزید برآں پنجاب ری ہیبیلی ٹیشن اسکیم پارٹ ۲ کے تحت ۱۹۴۹ء میں یتیم پوتے کو جس کا باپ اس کے دادا کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو دادا کی زرعی آراضی میں وارث قرار دیا گیا تھا نیز ۱۹۵۳ء میں اسی متذکرہ اسکیم کے تحت اس کا اطلاق یتیم پوتی کے حق میں بھی کر دیا گیا تھا۔ رائج الوقت قانون میں جہاں قانون روما و قانون انگریزی و قانون ہنود کی پیروی واضح ہے وہاں اس میں غیر منقسم پنجاب کے منسوخ شدہ رواجی قانون کی جھلک بھی نمایاں ہے جو اپنی ہیئت میں ہندوؤں کے رسم و رواج و قانون سے مشابہ تھا۔

(۳۳) لیج، قانون روما، (اردو ترجمہ)، مطبوعہ دکن، (ماہوڈ)

اسلامی ممالک میں وصیت واجبہ کا قانون :

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مصر، شام، تونس اور مراکش وغیرہ اسلامی ممالک میں یتیم پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے مسئلے کو جذبہ ترحم کی بنیاد پر وصیت کی صورت میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دراصل اسلامی ممالک میں آیت قرآنی، ”واذا حضر القسمة اولوالقربی و الیتامی و المساکین“، کی اسپرٹ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور یتیم پوتے وغیرہ کے حق میں صحابہ، جمہور ائمہ مفسرین و فقہاء کے خلاف بعض تابعین مثلاً طاؤس و حسن بصری وغیرہ و اسام ابو محمد ابن حزم الظاہری کے قول کے بموجب ”اذا حضر القسمة اولوا القربی“ کے حکم کو وجوب پر محمول کرتے ہوئے میت کی جانب سے حکم کو وصی قرار دے کر یتیم پوتے و پوتی، نواسہ و نواسی کے حق میں بطور وصیت دادا کے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جیسی صورت ہو) کے حصے کے مطابق یا ایک تہائی کی حد تک (جو بھی کم ہو) ترکہ دینے کا قانون بنایا ہے۔ لیکن ان تابعین اور اسام ابن حزم نے وصیت کے وجوب میں یتیم پوتے، پوتی یا نواسے نواسی کی کوئی تخصیص نہیں کی، نہ حصص ہی کی کوئی تخصیص ہے۔ اسلامی ممالک میں جبری وصیت کا قانون مطلق ہے اس میں ”احتیاج“ یا کسی اور ”مصلحت شرعی“ کی کوئی قید ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ اس سے بعض اوقات قانون کا منشاء ہی فوت ہو سکتا ہے۔

مسئلہ کا حل :

راقم الحروف کے نزدیک اس مسئلہ کا ایک حل نظر آتا ہے کہ :

(۱) حکومت ایک ایسا قانون بنائے جس کے تحت دادا پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ ”اذا حضر القسمة“ کے تحت ”اولوا القربی“ کے ساتھ حسن سلوک کو ورثاء کی صواب دید پر نہ چھوڑے بلکہ اپنے یتیم پوتے، پوتیوں، نواسے نواسیوں اور حسب خواہش دیگر غیر وارث حاجت مند اہل خاندان کے حق میں مرنے سے پہلے متروکہ کی ایک تہائی یا اس سے کم کی، جو وہ مناسب خیال کرے، وصیت کر جائے۔ اگر دادا قانون مذکور پر عمل کرتے ہوئے وصیت کر جاتا ہے تو فبہا، اس کی وصیت کے مطابق (ترکہ کی ایک

تہائی کی حد تک) عمل کیا جائے۔ اگر وصیت یتیم پڑنے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے موجود ہوتے ہوئے دیگر غیر وارث حاجت مند افراد خاندان یا اجنبی یا کسی خیراتی ادارہ یا کار خیر کے لیے کی گئی ہو تو وصیت کے ”اولوالقربی“ کے حق میں ظلم و ناانصافی پر مبنی ہونے اور حکم قرآنی ”فمن خاف من موص جنفاً او ائماً فاصلح بینہم فلا اثم علیہ“ کی متابعت میں حاکم عدالت کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ حاجت مند یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے حق میں، جیسی کہ صورت ہو، اس وصیت کو راجع (نافذ) قرار دے۔ کیونکہ اس وقت حاکم عدالت کا حاجت مند ”اولوالقربی“ کو دوسروں پر فوقیت دینا منشا قرآنی کے عین مطابق ہوگا، الا یہ کہ دادا نے اپنی حیات میں ان یتیم پوتے پوتیوں (اولوالقربی) نواسے نواسیوں بذریعہ ہبہ ترکہ کا کچھ حصہ پہلے ہی دے دیا ہو۔ نیز قانون میں اس امر کی صراحت کردی جائے کہ اگر دادا وصیت کئے بغیر مر جائے جبکہ اس کو وصیت کرنے کا موقع حاصل تھا تو اس کا یہ ترک فعل اور خاموشی اس کی رضامندی پر محمول کی جائے گی اور قانوناً یہ تصور کیا جائے گا کہ اس نے اپنے یتیم پوتے، پوتیوں، نواسی نواسیوں اور دیگر غیر وارث حاجت مند افراد خاندان کے حق میں متروکہ کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کی ہے۔ ایسی صورت میں عدالت دادا کے وصی کے طور پر عمل پر عمل کرے گی، نیز قانون میں یہ صراحت لازم طور سے کردی جائے کہ اگر دادا نے ایک دستاویز کے ذریعہ پوتے، پوتیوں، نواسے نواسیوں یا دیگر حاجت مند غیر وارث اہل خاندان کے حق میں وصیت کرنے سے انکار کر دیا ہو تو عدالت اس سلسلہ میں کسی قسم کی مداخلت کی مجاز نہ ہوگی۔ کبھی کبھی اقرباء کی طرف سے تکلیف پہنچنے یا ان کی بے راہ روی کے سبب دادا اپنے ترکہ سے انہیں کچھ بھی نہیں دینا چاہتا۔

کتاب ہذا کے دوسرے باب میں وصیت کے تحت جبری انتظام ترکہ سے متعلق جو تجویز پیش کی گئی ہے اس کے تحت عدالتیں بوجہ احسن اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتی ہیں۔



ارثیوں بلب

مناسخہ

مناسخہ

۳۰۸ - ایسے وارث کے حصہ کو جو اپنے مورث کی میراث کی تقسیم سے قبل فوت ہو جائے اس کے اپنے ورثاء کی طرف منتقل کر دینا ”مناسخہ“ کہلاتا ہے۔

تشریح

مناسخہ کا لفظ نسخ سے مشتق ہے۔ جس کا وزن مفاعلہ ہے۔ اس کے لغوی معنی نقل کرنا یا ایک جانب پھیر دینا ہیں۔ علم میراث کی اصطلاح میں اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ایسے وارث کے حصے کو جو اپنے مورث کی تقسیم سے قبل انتقال کر جائے اس کے اپنے ورثاء کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سیت اول کے ورثاء کے حصے نکال کر جو وارث ترکہ کی تقسیم سے قبل فوت ہو گیا ہو اس کے ورثاء کے حصے علیحدہ ذکر کر دیے جائیں۔ لیکن اس میں طوالت کے سبب علماء فرائض نے مناسخہ کی صورت نکالی ہے، جس کے تحت نمبروار ہر سیت کو لکھنے کے بعد اس کے ورثاء اور ان کے حصوں کی مقدار حساب کر کے آخری نتیجہ ایسا نکالا جائے جس میں زندہ ورثاء کا مجموعی استحقاق اور کل حصے، جو ان کو ایک یا چند مرنے والے مورثوں سے پہنچے ہیں، یکجا معلوم ہو جاتے ہیں۔

مناسخہ کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) یہ کہ دوسری میت کے وارث وہی ہوں جو پہلی میت کے وارث ہیں، اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے حصوں کی تقسیم میں کوئی تغیر نہ ہوتا ہو نیز دوسری میت کے ورثاء کے درمیان اس کے مر جانے سے طریقہ تقسیم بھی نہ بدلتا ہو۔ یعنی تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں کے درمیان تھا، وہی طریقہ تقسیم دوسری میت کے ورثاء کے درمیان ہو، ایسی صورت میں کل ترکہ ایک ایک ہی دفعہ تقسیم کرنا کافی ہوگا۔

مثلاً ایک عورت جمیلہ نے دو بیٹے، نسیم اور شمیم اور بیٹیاں بشرہ اور عائشہ وارث چھوڑے۔ لیکن ترکہ تقسیم ہونے سے قبل ہی ایک بیٹی عائشہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے متذکرہ دونوں بھائیوں اور ایک بہن کو اپنا وارث چھوڑا تو اس صورت میں دوسری میت کے وارث بجز میت ثانی کے وہی ہیں جو میت اول کے وارث تھے اور تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں کے درمیان تھا یعنی ”للذکر مثل حظ الانثیین“، وہی طریقہ دوسری میت کے وارثوں کے درمیان موجود ہے تو اس صورت میں اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ پہلے میت اول کا ترکہ اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کریں، پھر دوسری میت کا تقسیم کریں، پھر دوسری میت کا حصہ، جو اس کو میت اول کے ترکہ سے پہنچا ہے، اس کے وارثوں پر تقسیم کریں۔ اس بے جا طوالت کی ضرورت نہیں بلکہ پہلے ہی میت اول کا ترکہ علاوہ میت ثانی کے اس کے وارثوں میں تقسیم کر دین۔ اس قسم میں دوسری میت کا جو استثناء کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری میت کے ورثاء کا بعینہ میت اول کے وارث ہونا محال ہے اس لیے دوسری میت بھی منجملہ اول کے وارثوں کے ہے۔ لہذا اگر دوسری میت کے وارث بعینہ میت اول کے وارث ہوں تو دوسری میت کے وارث وہی ہوں گے جو میت اول کے وارث ہیں، لیکن اگر طریقہ تقسیم جدا ہو تو اس صورت میں ایک بار تقسیم کافی نہ ہوگی مثلاً ایک شخص مقصود کا انتقال ہوا اس نے ایک بیٹا ناصر، ایک بیوی کے بطن سے اور تین بیٹیاں اسینہ، رابعہ، اور شمیمہ دوسری بیوی کے بطن سے وارث چھوڑے۔ لیکن ابھی ترکہ تقسیم نہ ہوا تھا کہ ان میں سے لڑکی

اسینہ کا انتقال ہو گیا اور دو حقیقی رابعہ اور حقیقی بہنوں رابعہ اور شمیمہ اور ایک علائی بھائی ناصر وارث چھوڑے۔ اسی صورت میں تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں میں تھا، رابعہ، شمیمہ اور ناصرہ یعنی ”للذکر مثل حظ الانثیین“، وہ طریقہ دوسری میت کے وارثوں میں قائم نہیں رہا بلکہ دو تہائی ترکہ حنیئی بہنوں کو ملا اور باقی علائی بھائی کو پہنچ گیا۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث میت اول کے وارثوں کے علاوہ ہوں اور طریقہ تقسیم میں بھی تغیر ہو۔ مثلاً سورث اعلیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے ایک بیٹا مر گیا۔ اس نے ایک بیوی اور ایک بیٹا وارث چھوڑے۔ اس صورت میں بھی پہلی تقسیم کافی نہ ہوگی۔

مختصر یہ کہ دوسری میت کے ورثاء یا تو وہی ہوں گے جو پہلی میت کے ورثاء تھے۔ کوئی جدید وارث موجود نہ ہوگا یا اول میت کے ورثاء کے مساوی دوسرے ورثاء ہوں گے۔ پہلی صورت میں یا تو کوئی تغیر واقع ہوا ہوگا یا نہ ہوا ہوگا۔ اگر تغیر نہ ہوا ہو تو ایک ہی مرتبہ تقسیم کر دینا کافی ہوگا۔ اور اگر تقسیم میں تغیر ہوا ہو، یا دوسری میت کے ورثاء پہلی میت کے علاوہ ہوں تو ان دونوں صورتوں میں اس قاعدہ پر عمل ہوگا جو بیان کیا جا رہا ہے۔

مناسخہ کا قدیم طریقہ :

مناسخہ کا قدیم طریقہ یہ ہے کہ پہلے میت اول کی تصحیح کریں اور جس میت کے مسئلے کی تصحیح کریں لفظ میت کے سرے پر اس میت کا نام مسئلے کے نیچے لکھ دیں اور اس کے ہر وارث کے سہام نام لکھ کر درج کریں۔ پھر دوسری میت کے مسئلے کی تصحیح کریں اور اس کے ہر وارث کے سہام نام کے نیچے لکھ دیں، اگر تصحیح کی ضرورت پڑے ورنہ کچھ حاجت نہیں۔ پھر دوسری میت کے حصہ کو جو ”ما فی الید“ کہلاتا ہے لفظ میت کے دوسرے

سرے پر اس طرح لکھیں کہ پہلے لفظ ”ما فی الید“ لکھیں اس کے بعد دوسری میت کے حصہ کو لکھیں اور تصحیح اول میں دوسری میت کے نیچے ایک خط قوسی، اس طرح کھینچ دیں تاکہ ضرب دینے کے وقت غلطی واقع نہ ہو اور تصحیح ثانی اور ما فی الید میں نسبت دیکھیں جو نسبت پائیں وہ تصحیح ثانی اور ما فی الید کے درمیان لکھیں لیکن جس صورت میں ما فی الید تصحیح پر پورا پورا تقسیم ہو جائے اس کی وجہ استقامت لکھیں۔ اس وقت ضرب کی ضرورت نہیں اور اگر مسئلہ اور ما فی الید میں تداخل ہو تو اگر مسئلہ کثیر ہو تو اس کا حکم توافق کا (۱) ہے اور اگر ما فی الید کثیر ہو تو استقامت کی صورت ہے۔ اس مسئلہ پر وہ صحیح تقسیم ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ تصحیح کرنے کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں وارثوں کے سهام پر کسر واقع ہوتی ہے ورنہ تصحیح کی کچھ ضرورت نہیں۔ صرف مسئلہ مخارج فروض کے قواعد کے موافق کر لیا جائے اور اگر عول و رد کی ضرورت ہو تو عول اور رد بھی کیا جائے۔

مناسخہ کا جدید طریقہ:

مناسخہ سے متعلق مسائل میں تقسیم کے جو تین طریقے اوپر ذکر کئے

(۱) میت اول اور میت ثانی کے مسئلوں کی تصحیح کے بعد ہر ایک کے ما فی الید کو دیکھا جائے گا کہ ان کے درمیان کیا نسبت ہے۔

نسبت تین قسم پر ہوتی ہے: ”تمائل، توافق، تباہن“

تمائل: یہ کہ میت اول کی جس عدد پر تصحیح ہوتی ہے ثانی میت کی تصحیح کا بھی بعینہ وہی عدد قائم ہو۔

توافق: یہ کہ میت اول و ثانی میں سے کسی کے مسئلہ میں وراثہ پر تقسیم سے کسر واقع ہو جائے لیکن دونوں میتوں کے سهام و رؤس کی تعداد میں موافقت ہو۔

تباہن: یہ کہ ہر میت کے سهام میں کسر واقع ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے سهام اور رؤس (تعداد) میں بھی موافقت موجود نہ ہو۔

ان نسبتوں، مماثلت (تمائل) یا موافقت (توافق) یا تباہن (تباہن) کو تصحیح کے اصول پر غور کرنے کے بعد معلوم کر لینا آسان ہو گا۔ الحمد للہ جلد پنجم تمام ہوئی، سلسلہ

کے لئے ملاحظہ ہو جلد ششم ”قانون شہہ“

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب التصحیح، الشریفیہ صص ۲۳-۱۶

گئے ہیں وہ قدیم کتب فقہ سے ماخوذ ہیں۔ جدید طریقہ یہ ہے کہ پہلے میت اول کے ورثاء کے حصے قائم کیے جائیں پھر ان میں سے جو وارث مر جائے اس کے ورثاء کے حصے قائم کیے جائیں اور مرنے والے کا حصہ اس کے ورثاء میں ان کے حصص کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر تیسری موت واقع ہو اور اس کے بعد ورثہ تقسیم کیا جائے تو اس میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ متوفی وارث کے حصے اس کے زندہ ورثاء میں تقسیم کر کے ہر ایک وارث کا مجموعی حصہ معلوم کر لیا جائے گا۔



تختہ وراثت ذوی الفروض مطابق فقہ اہل سنت والجماعت

حالتیں جن کے تحت حصہ ملتا ہے	ایک سے زائد کا حصہ	ایک کا حصہ	ذوی الفروض
جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود ہو۔	—	۱/۶	۱ - باپ
جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود ہو، اور کوئی باپ یا قریبی دادا (حقیقی) موجود نہ ہو۔	—	۱/۶	۲ - دادا
جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود ہو۔	—	۱/۴	۳ - شوھر
جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو۔	—	۱/۲	ایضاً
جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی پوتا یا پوتی (خواہ کتنی زیریں پشت میں ہو) موجود ہو۔	۱/۸	۱/۸	۴ - زوجہ
جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو۔	۱/۴	۱/۴	ایضاً
جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود ہو۔	—	۱/۶	۵ - ماں
جب کہ میت کے دو بھائی یا بہنیں یا ایک بھائی اور ایک بہن موجود ہوں، (خواہ حقیقی، علاتی یا اخیانی)۔	—	۱/۳	ایضاً
مادری: جب کہ میت کی کوئی ماں یا قریبی جہہ حقیقی موجود نہ ہو، خواہ مادری یا پدری۔ پدری :- جب کہ میت کی کوئی ماں، باپ یا قریبی جہہ حقیقی موجود نہ ہو، خواہ پدری یا مادری، اور نہ درمیانی حقیقی دادا موجود ہو۔	۱/۶	۱/۶	۶ - دادی حقیقی
جب کہ میت کا کوئی بیٹا یا پوتا (نیچے تک) موجود نہ ہو۔	۲/۳	۱/۲	۷ - بیٹی
جب کہ میت کا کوئی بیٹا یا پوتا (نیچے تک) یا بیٹی موجود نہ ہو۔	۲/۳	۱/۲	۸ - پوتی

	۳	۲	۱
جب کہ میت کا کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو اور نہ باپ نہ حقیقی دادا۔	۱/۳	۱/۶	۹ - اخیا فی بہن یا بھائی
جب کہ میت کا کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو اور نہ باپ، دادا، یا حقیقی بھائی۔	۲/۳	۱/۲	۱۰ - حقیقی بہن
جب کہ میت کے کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو، اور نہ باپ، حقیقی دادا، حقیقی بھائی، حقیقی بہن یا علاتی بھائی موجود نہ ہو۔	۲/۳	۱/۲	۱۱ - علاتی بہن

نوٹ : یہ نقشہ دفعہ ۳ عاڈلی قوانین آرڈی ننس ۱۹۶۱ء کے تابع نہیں ہے۔



تختہ وراثت ذوی الفروض مطابق فقہ شیعہ جعفریہ

ذوی الفروض	تنہا کا حصہ	دو یا زائد کا مجموعی حصہ	حالات جن کے تحت میراث میں حصہ ملتا ہے	خاص حالات جن کے تحت مقررہ حصہ میں تبدیلی ہو جاتی ہے
۱- شوہر	۱/۴	—	جب کہ اولاد صلبی موجود ہو	اولاد صلبی کی عدم موجودگی میں نصف
۲- زوجہ	۱/۸	۱/۸	ایضا	بعدم موجودگی اولاد صلبی چوتھائی
۳- باپ	۱/۶	—	ایضا	بعدم موجودگی اولاد صلبی ترکہ بحیثیت عصبہ اے گا۔
۴- ماں	۱/۶	—	جبکہ اولاد صلبی میں کوئی ہو یا دو یا زائد حقیقی یا علاتی بہنیں یا ایک ایسا بھائی اور دو بہنیں یا چار ایسی بہنیں باپ کے ساتھ ہوں	بصورت دیگر ایک تہائی
۵- بیٹیاں	۱/۲	۲/۳	جبکہ بیٹا نہ ہو	بیٹے کے ساتھ بیٹیوں کو عصبہ کی حیثیت سے ترکہ ملتا ہے۔
۶- اخیافی بھائی یا بہن	۱/۶	۱/۳	جبکہ والدین یا اولاد صلبی نہ ہو	حقیقی بھائی اور دادا کے ساتھ حقیقی بہن کو بحیثیت عصبہ ترکہ ملتا ہے۔
۷- حقیقی بہن	۱/۲	۲/۳	جبکہ والدین یا اولاد صلبی یا حقیقی بھائی یا دادا نہ ہو	دادا اور علاتی بھائی کے ساتھ علاتی بہن عصبہ ہو جاتی ہے۔
۸- علاتی	۱/۲	۲/۳	جبکہ والدین یا اولاد صلبی یا حقیقی بھائی یا بہن یا علاتی بھائی یا دادا نہ ہو	

نوٹ: یہ نقشہ دفعہ ۴۴ عاٹلی قوانین آرڈی نمنس ۱۹۶۱ء کے تابع نہیں ہے۔

مصادر و ماخذ (عربی و اردو)

قرآن، علوم القرآن و تفاسیر

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
۱	۲	۳	۴
۱-	قرآن پاک	ابن عربی	قاہرہ، ۱۳۳۱ھ
۲-	احکام القرآن	ابن کثیر، اسمعیل ابن عمر، (م ۵۷۷ھ)	مصر، (اردو ترجمہ) کراچی کراچی، س-ن
۳-	تفسیر القرآن العظیم معروف بہ تفسیر ابن کثیر	ابو الحسن علی بن احمد النیساپوری	مصر، ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ع
۴-	اسباب النزول	ابو سعید (م ۹۵۱ع)	قاہرہ، ۱۳۳۷ھ
۵-	تفسیر ابی السعود	البیضاوی، عبداللہ ابن عمر (م ۵۷۹ھ)	مصر، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ع
۶-	تفسیر البیضاوی	الحصص، ابو بکر الرازی (م ۵۳۷ھ)	مصر،
۷-	احکام القرآن	الخازن، علاءالدین علی بن محمد (م ۵۷۲ھ)	مصر، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ع
۸-	لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بہ تفسیر الخازن	الرازی، عبدالرحمن محمد ابو بکر (م ۶۰۶ھ)	مصر، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ع
۹-	تفسیر کبیر	الزمخشری، محمود بن عمر (م ۵۲۸ھ)	بیروت، س-ن
۱۰-	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، معروف بہ تفسیر کشاف	السیوطی، جلال الدین (م ۹۱۱ھ)	کراچی، س-ن
۱۱-	الاتقان فی علوم القرآن (اردو ترجمہ) تفسیر جلالین (بر حاشیہ بیضاوی)	ایضاً	مصر، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ع
۱۲-	تفسیر الطبری	الطبری، علامہ (۵۳۱ھ)	مصر، ۱۳۲۹ھ
۱۳-	الجامع الاحکام القرآن، معروف بہ تفسیر قرطبی	القرطبی، محمد ابن احمد (م ۶۷۱ھ)	مصر، ۳۶-۱۹۳۳ع
۱۴-	مدارک التنزیل و حقائق التاویل، معروف بہ تفسیر النسفی	النسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود (م ۷۱۰ھ)	مصر، س-ن

مجموعہ قوانین اسلام

۱	۲	۳	۴
۱۵ -	الترتیب و البیان عن تفصیل آیات القرآن	ذکی صالح، محمد	مصر، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ع
۱۶ -	المفردات القرآن (اردو ترجمہ)	راغب اصفہانی، حسین بن محمد، امام	لاہور، ۱۹۶۳ع
۱۷ -	المعجم المفہرس	فواد عبدالباقی، محمد	مصر، ۱۳۷۸ھ
۱۸ -	تفسیر المنار	محمد عبده، الشیخ	مصر، ۱۳۷۳ھ/۱۹۶۱ع
۱۹ -	تبویب القرآن	وحید الزمان، علامہ	لاہور، س-ن

احادیث

۲۰ -	سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ، محمد ابن زید الربعی (م ۲۷۳ھ)	کراچی، س-ن
۲۱ -	السنن الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ)	حیدرآباد دکن، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ع
۲۲ -	سنن ابو داؤد	ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)	کراچی، س-ن
۲۳ -	جواہر التقی (برحاشیہ السنن الكبرى)	ابن الترمذی	حیدرآباد دکن
۲۴ -	المسند	احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)	مصر، ۱۹۳۹ع
۲۵ -	المشکوٰۃ الصابیح	البغوی، حسین بن مسعود الفراء (م ۵۱۶ھ)	کراچی، س-ن
۲۶ -	السنن الكبرى	البیہقی، احمد بن الحسن (م ۴۵۸ھ)	حیدرآباد دکن، ۱۹۵۳ع
۲۷ -	جامع	الترمذی، محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)	کراچی - س-ن
۲۸ -	المستدرک	الحاکم نیشاپوری	دکن، ۱۳۳۴ھ/۱۳۴۰ع
۲۹ -	سنن	الدارقطنی، علی ابن عمر (م ۳۸۵ھ)	دہلی، ۱۳۱۰ھ و مکہ معظمہ، ۱۹۶۶ع
۳۰ -	شرح موطا الامام مالک	الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف (م ۱۱۲۲ھ)	مصر، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ع
۳۱ -	نصیب الرايہ	الزیلعی، جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف (م ۷۶۲ھ)	مصر، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ع

۱	۲	۳	۴
۳۲ -	نیل الاوطار (شرح المنتقى الاخبار)	الشوکانی، محمد بن علی (م ۱۲۰۰ھ)	مصر، ۱۹۶۱ع
۳۳ -	الدرايه فی تخريج الاحاديث الهدايه (برحاشيه الهدايه) فتح الباری (شرح البخاری) بلوغ المرام (مع اردو ترجمه)	المستقلانی، شهاب الدين ابی الفضل، ابن حجر (م ۸۵۲ھ) ايضاً ايضاً	کراچی، س-ن مصر، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ع
۳۴ -	عمدة القاری (شرح البخاری)	العینی، بدرالدين (م ۸۵۵ھ)	کراچی، س-ن مصر، ۱۳۳۸ھ
۳۵ -	مرقاة المفاتيح (شرح المشکوة المصاييح)	القاری، علی بن سلطان محمد (م ۱۰۱۳ھ)	ملتان، س-ن
۳۶ -	سنن	النسائی، احمد بن شعيب بن علی بن بحرین سنان (م ۳۰۳ھ)	کراچی، س-ن
۳۷ -	کنز العمال	الهندي، علاءالدين علی المتقی بن حسام الدين، الشيخ العلامة (م ۹۷۵ھ)	دکن، ۶۸-۱۹۳۵ع
۳۸ -	صحيح البخاری (بحاشيه السندی)	بخاری، محمد بن اسمعيل، امام (م ۲۵۶ھ)	کراچی، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ع
۳۹ -	صحيح مسلم (بشرح نووی)	مسلم، ابوالحسن، امام (م ۲۶۱ھ)	مصر، ۱۹۲۳ع
۴۰ -	المسوی (شرح موطا امام مالک)	ولی الله دهلوی، (م ۱۱۷۱ھ)	مکہ معظمه، ۱۳۵۱ھ

اصول الحديث

۴۱ -	تدريب الراوی	السيوطی، جلال الدين عبدالرحمن بن ابوبکر (م ۹۱۱ھ)	مدینہ منورہ، ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ع
۴۲ -	الرساله (فی اصول الفقه و الحديث)	الشافعی، ابو عبدالله محمد بن بن ادريس، امام (م ۲۰۳ھ)	مصر، ۱۹۴۰ع و کراچی، ۱۹۶۷ع (اردو ترجمه)
۴۳ -	نخبه الفكر	العسقلانی، ابن حجر (م ۸۵۲ھ)	کراچی، س-ن
۴۴ -	الدرايه فی اصول الحديث	امجد العلی، مفتی	کراچی، ۱۹۶۶ع
۴۵ -	علوم الحديث (اردو ترجمه)	صبیح صالح، ڈاکٹر	لائپور، ۱۹۶۸ع
۴۶ -	سلحہ القربہ فی توضیح شرح النخبه (اردو)	عبدالحنی، مولانا محمد	کراچی، س-ن
۴۷ -	نزہة النظر فی توضیح نخبه الفكر	عبدالله ٹونکی، مولوی محمد	کراچی، س-ن
۴۸ -	تدوين حديث (اردو)	مناظر احسن گیلانی، مولانا السيد (م ۱۹۵۶ع)	کراچی، ۱۹۵۶ع

۴

۳

۲

۱

رجال حدیث

- ۴۹ - الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبدالله بن محمد قاهره (مصر)
- ۵۰ - خلاصه تذهیب الكمال فی اسماء الرجال الخزرجی، صفی الدین احمد بن عبدالله مطبعة الخیریه، ۱۳۲۲ ع
- ۵۱ - الاصابه فی تمييز الصحابه العسقلانی، ابن حجر (۸۵۲ م) ایضاً ایضاً مصر، ۱۳۵۸/۱۹۳۹ ع دهلی، ۱۳۲۰ ع
- ۵۲ - بستان المحدثین (اردو ترجمه) عبد العزیز محدث دهنوی، شاه کراچی، س-ن

اصول فقه

- ۵۳ - الاشباه و النظائر ابن نجیم، زین العابدین مصر، ۱۳۲۲ ع (م ۹۷۰ هـ)
- ۵۴ - فتح الغفار (شرح المنار) ابن همام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد (م ۸۶۱ هـ) ایضاً مصر، ۱۳۵۵/۱۹۳۶ ع مصر، ۱۳۸۰ ع
- ۵۵ - كشف الاسرار (شرح اصول البزدوی) البخاری، عبدالعزیز ابن احمد (م ۷۳۰ هـ) قسطنطنیه، ۱۳۱۳ ع
- ۵۶ - ضوابط المصلحة فی الشریعة الاسلامیه البوطی، محمد سعید رمضان دمشق المکبة الامویه، ۸۷-۱۳۸۶/۶۷-۱۹۶۶ ع
- ۵۷ - اصول، السرخسی، محمد بن احمد بن سهل، امام (م ۴۹۰ هـ) مصر، ۱۳۷۲ ع
- ۵۸ - التلویح علی التوضیح تفتازانی، سعید الدین ابن مسعود (م ۷۹۲ هـ) مصر، ۱۳۷۷/۱۹۵۷ ع
- ۵۹ - الاشباه والنظائر السيوطی، جلال الدین عبدالرحمن (م ۹۱۱ هـ) مصر، ۱۳۷۸ ع
- ۶۰ - الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیه القرشی، عبدالقادر بن محمد حیدرآباد دکن، ۱۳۳۲ ع
- ۶۱ - اصول البزدوی بزدوی، علی بن محمد کراچی، س-ن
- ۶۲ - فقه الاسلام (اردو ترجمه) خطیب، حسین احمد کراچی، ۱۹۶۱ ع
- ۶۳ - الموافقات فی اصول الشریعة شاطبی، ابراهیم ابن موسی (م ۷۰۹ هـ) مصر، س-ن

مصادر و مأخذ

۱۹۹۷

۱	۲	۳	۴
۶۳ - الرساله، فی اصول الفقه و الحدیث		شافعی، امام (م ۲۰۴ھ)	مصر، ۱۹۳۰ع کراچی، (اردو ترجمہ)
۶۵ - اصول فقہ الاسلامی		شا کر حبلی	مطبعة جامعة، ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ع
۶۶ - ارشاد الفحول		شوکانی، محمد بن علی بن محمد (م ۱۲۵۵ھ)	مصر، ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ع
۶۷ - اصول الکرخی (برحاشیہ اصول البزدوی)		کرخسی، امام	کراچی، س-ن
۶۸ - الاباحۃ عند الاصولیین و الفقہاء		محمد سلام مدکور	بیروت،
۶۹ - درر الحکام		ملاخسرو، محمد ابن فراموز (م ۸۸۵ھ)	قسنطنیہ، ۱۳۳۰ھ
فقہ حنفی			
۷۰ - رد المحتار (شرح تنویر الابصار)		ابن عابدین، محمد امین (م ۱۲۵۲ھ)	مصر، ۱۳۲۷ھ / ۱۳۵۶ع
۷۱ - منحة الخالق (شرح کنز الدقائق)		ایضاً	مصر، ۱۹۳۳ع
۷۲ - قرۃ العیون الاخیار (تمہ رد المحتار)		ابن عابدین دوم، محمد علاء الدین (م ۱۳۰۶ھ)	مصر، ۱۲۹۹ھ
۷۳ - فتح القدير (شرح هدايه)		ابن همام، کمال الدین (م ۸۶۱ھ)	مصر، ۱۳۵۶ھ
۷۴ - البحر الرائق (شرح کنز الدقائق)		ابن نجیم، زین الدین احمد ابن ابراهیم (م ۹۷۰ھ)	مصر، ۱۳۳۳ھ
۷۵ - المختصر		ابوالحسن احمد بن محمد القدوری، امام (م ۳۲۸ھ)	کراچی، س-ن
۷۶ - خزانه الفقه و عیون المسائل		ابو الیث سمرقندی، (م چوتھی صدی ھ)	بغداد، ۶۷-۱۹۶۵ع
۷۷ - شرح مجلة الاحکام العدلیہ		الاتاسی، خالد	حمص، ۱۳۳۹ھ / ۱۹۳۰ع
۷۸ - العناية (شرح هدايه)		البابرتی، اکمل الدین محمد ابن محمود (م ۷۸۶ھ)	کلکتہ، ۱۸۳۰ع
(برحاشیہ فتح القدير)			مصر، ۱۸۳۰ع
۷۹ - الدر المنتقى (شرح المنتقى بر حاشیہ مجمع الانهر)		العصکفی، علاء الدین (م ۱۰۸۸ھ)	مصر، ۱۳۲۷ھ
الدر المختار (بر حاشیہ رد المحتار)		العصکفی، علاء الدین (م ۱۰۸۸ھ)	مصر، ۱۳۲۷ھ / ۱۹۵۶ع

۱	۲	۳	۴
۸۰ -	تبیین الحقائق (شرح کنزالدقائق)	الزیلعی، فخر الدین عثمان (م ۴۴۳هـ)	مصر، ۱۵-۱۲۱۳هـ
۸۱ -	المبسوط	السرخسی، شمس الدین، امام (م ۴۸۳هـ)	مصر، ۱۹۲۴ع
	النکت (شرح زیادات)	السرخسی، شمس الدین، امام (م ۴۸۳هـ)	دکن، ۱۳۷۸هـ
۸۲ -	شرح السیر لکبیر	السرخسی، محمد بن ابی سهل (م ۴۹۰هـ)	مصر، ۱۹۵۸ع و ۱۹۶۰ع
۸۳ -	شریفیه (شرح سراجیه)	السید الشریف جرجانی، علی بن محمد (م ۸۱۶هـ)	کراچی، س-ن
۸۴ -	موطاء	الشیبانی، محمد بن الحسن (م ۱۸۷هـ)	کراچی، س-ن
	الامالی، الجامع الکبیر کتاب الاثار	ایضاً ایضاً ایضاً	دکن، ۱۳۶۰هـ مصر، ۱۳۵۶هـ کراچی، س-ن
۸۵ -	الملتی الابحر (برحاشیه مجمع الانهر)	الحلبی، ابراهیم بن محمد بن ابراهیم (م ۹۵۶هـ)	مصر، ۱۳۲۷هـ
۸۶ -	شرح وقایه	صدرالشریعه، عبیدالله بن مسعود (م ۷۴۷هـ)	دهلی، ۱۹۲۷ع
۸۶	خلاصه الفتاوی	طاهر بن محمد (م ۵۴۲هـ)	دهلی، ۱۳۱۸هـ
۸۷ -	المختصر للطحاوی	الطحاوی، احمد بن محمد (م ۳۲۱هـ)	دکن، ۱۳۷۰هـ
۸۸ -	جامع الرموز،	القہستانی، شمس الدین محمد (م ۹۵۰هـ)	کازان، ۱۸۹۸ع
۸۹ -	کنز الدقائق	النسفی، عبدالله بن احمد بن محمود (م ۷۱۰هـ)	دهلی س-ن
۹۰ -	البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	الکسانی، امام علاء الدین (م ۵۸۷هـ)	مصر، ۱۳۲۸هـ
۹۱ -	الهدایه	المرغینانی، برهان الدین (م ۵۹۳هـ)	کراچی، س-ن
۹۲ -	اللباب (شرح المختصر القدوری)	المیدانی	مصر، ۱۳۳۰هـ
۹۳ -	مجمع الانهر (شرح ملتی الابحر)	داماد آفندی، عبدالرحمن ابن شیخ محمد ابن سلیمان (م ۱۰۷۸هـ)	مصر ۱۳۲۸هـ
۹۴ -	الاختیار لتعلیل المختار	عبدالله بن محمود بن مودود (م ۶۸۳هـ)	مصر، ۱۳۷۰/۱۹۵۱ع

مصادر و ماخذ

۱۹۹۹

۱	۲	۳	۴
۹۵ -	الكفاية (شرح هداية)	محمود بن عبدالله (م ۵۷۷۵)	بمبئی ۱۲۷۹ھ
۹۶ -	كتاب الخراج	قاضي ابو يوسف، يعقوب بن ابراهيم (م ۱۸۲ھ)	قاہرہ ۱۳۸۲ھ کراچی ۱۹۶۶ع (اردو ترجمہ)
۹۷ -	فتاوی قاضي خان	قاضي خان، فخرالدين الحسن ابن منصور (م ۵۵۹۲ھ)	لكهنؤس - ن
۹۸ -	جامع الفصولين	قاضي سماوه، محمود بن اسرائيل (م ۵۸۲۳ھ)	مصر ۱۳۰۰ھ
۹۹ -	مشكوة السراج (شرح سراجيه)	محمد صابر، مفتي	کراچی س - ن
۱۰۰ -	الفتاوی	محمد عبدالعنى فرهنگى محلى، مولانا	کراچی س - ن
۱۰۱ -	فتاوی عالمگیری	نظام الدين، شيخ	کلکتہ ۱۸۳۷ع دیوبند س - ن

فقه مالکی

۱۰۲ -	جواهر الاکلیل (شرح مختصر خلیل)	الآبی، صالح عبدالسمیع	مصر، ۱۹۷۳ع
۱۰۳ -	شرح موطاء امام مالک	الزرقانی، محمد بن عبدالباقي بن يوسف (م ۱۱۲۲ھ)	۱۳۸۱/۱۹۶۱ع
۱۰۴ -	المدونة الكبرى	سحنون بن سعيد النوخی، امام (م ۲۳۰ھ)	مصر ۱۳۲۳ھ

فقه شافعی

۱۰۵ -	نهاية المحتاج	الرملي، محمد بن احمد (م ۱۰۰۳ھ)	مصر، ۱۲۹۲ھ
۱۰۶ -	كتاب الام	الشافعی محمد ابن ادريس امام (م ۲۰۳ھ)	مصر، ۱۹۶۱ع
۱۰۶ الف -	مغنی المحتاج	الشربيني، شيخ محمد (م دسوين صدى ۵ھ)	(م مصر، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ع)
۱۰۷ -	المهذب	الشيرازي، ابراهيم بن علي بن يوسف (م ۳۷۶ع ۵ھ)	مصر ۱۳۷۹ھ

فقه حنبلي

۱۰۸ -	زاد المعاد	ابن قيم حافظ (م ۷۵۱ھ)	مصر ۱۳۶۹ھ کراچی ۱۹۶۲ع (اردو ترجمہ)
-------	------------	-----------------------	---------------------------------------

مجموعه قوانین اسلام

۱	۲	۳	۴
۱۰۹ -	المختصر الخرقی	الخرقی، ابو القاسم عمر بن الحسین (م ۳۴۴ھ)	دمشق ۱۳۸۳/۱۹۶۳ ع
	التفتیح المشج	المردادی، علاءالدین ابی الحسن (م ۸۸۵ھ)	مدینہ منورہ،
۱۱۰ -	المغنی	المقلسی، ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ)	مصر ۱۳۳۸ھ
۱۱۱ -	الاقناع	المقلسی، شرف الدین (م ۹۶۸ھ)	مصر
۱۱۲ -	المحرر	مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام (م ۶۵۲ھ)	مصر ۱۳۶۹/۱۹۵۰ ع
فقہ اربعہ -			
۱۱۳ -	بداية المجتهد و نهاية المقتصد	ابن رشد محمد ابن احمد بن محمد بن احمد قرطبی (۵۹۵ھ)	مصر ۱۳۷۹/۱۹۶۰ ع
۱۱۴ -	كتاب رحمة الامة في اختلاف الائمة (برحاشيه الميزان الكبرى)	ابو عبدالله محمد بن عبدالرحمن	مصر ۱۳۵۹/۱۹۴۰ ع
۱۱۵ -	الميزان الكبرى	الشعرانی، عبدالوهاب (م ۹۷۳ھ)	۱۳۵۹/۱۹۴۰ ع
	كشف الغمه عن جميع الامه	ايضاً	مصر ۱۳۷۰/۱۹۵۱ ع
۱۱۶ -	سفر السعادة (برحاشيه كشف الغمه)	الشيرازي، مجدالدین محمد بن يعقوب	مصر ۱۳۵۹/۱۹۴۰ ع
فقہ شيعی			
۱۱۷ -	شرائع الاسلام	الحلی، نجم الدین ابو جعفر (م ۴۷۳ھ)	بيروت س - ن
۱۱۸ -	الاستبصار	الطوسی ابو جعفر محمد بن الحسن (م ۴۶۰ھ)	نجف ۱۳۷۶/۱۹۵۶ ع
۱۱۹ -	وصيت در حقوق مدنی ايران	ناصر کا توزیان، دکتر	۱۳۳۹ شمسی
فقہ ظاهري			
۱۲۰ -	المحلی	ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد (م ۴۵۶ھ)	مصر س - ن
فقہ عام			
۱۲۱ -	القصاص فی الشريعة الاسلاميه	ابراهيم، الدكتور محمد	مصر ۱۳۶۳ھ
۱۲۲ -	احكام التركات و الموارث كتاب الاموال	ابوزهره، الشيخ محمد ابو عبيده، القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)	مصر س - ن اسلام آباد، ۱۹۶۹ ع (اردو ترجمه)

مصادر و مأخذ

۲۰۰۱

۱	۲	۳	۴
۱۲۳ -	الاحوال الشخصيه شرح قانون الوصية فلسفة العقوبة في الفقه الاسلامي	ابو زهره، محمد الشيخ ايضاً ايضاً	مصر ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ع مصر، ۱۹۵۰ع مصر، ۱۹۶۳ع
۱۲۵ -	الجرائم في الفقه الاسلامي	احمد فتحى بهنسى	مصر ۱۹۵۹ع
۱۲۶ -	شرح الاحكام الشرعية في احوال الشخصية	الابيانى، محمد زيد	مصر ۱۹۶۰ع
۱۲۷ -	الوصايا و الفرائض شرح قانون احوال الشخصية سوريه	السباعى، مصطفى ايضاً	دمشق ۱۹۵۲ع دمشق ۱۹۶۱ع
۱۲۸ -	احكام الميراث	الخطيب، الدكتور احمد على	بغداد ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ع
۱۲۹ -	التبني في الشرع اسلامي (النشره القضائيه للبنانيه المبادئ الشرعية في الحجر و النفقات و الموارث والوصية فلسفه شريعت اسلام (اردو ترجمه)	الصبحى محصانى ايضاً ايضاً ايضاً	۱۹۴۵ع (مقاله) ايضاً بيروت ۱۹۵۴ع لاهور ۱۹۵۵ع
۱۳۰ -	مفيد الوارثين (اردو)	اصغر حسين ديوبندى، سيد مولانا	دهلى، ۱۳۴۹ھ
۱۳۱ -	پوتے کی ميراث	امين احسن اصلاحى، مولانا	لاهور
۱۳۲ -	مجموعه قوانين اسلام (جلد اول تا چهارم)	تنزيل الرحمن، ڈاکٹر	اسلام آباد، ۱۹۶۵ع ۱۹۶۷ع ۱۹۶۹ع
۱۳۳ -	قانون الاحوال الشخصية عراق الميراث	خروفه، علاء الدين رزقى، توفير مرزا	بغداد، ۱۹۵۹ع / ۶۲ کراچى، ۱۹۶۱ع
۱۳۴ -	الفرائض السراجيه	سراج الدين ابو طاهر محمد السجاوندى	کراچى، ۱۹۶۲ع
۱۳۶ -	هندوستان کی شرعى حيثيت (ماہنامہ ”برهان“، دهلى)	سعید احمد اکبر آبادى، مولانا	۱۹۶۶ع (شماره جولائى تا اکتوبر)
۱۳۷ -	دارالحرب اور ربا (ماہنامہ ”الرحيم“، حيدرآباد)	صغير حسين معصومى، پروفيسر ڈاکٹر محمد	۱۹۶۶ (شماره جون)
۱۳۸ -	احكام الاحوال الشخصية في الشريعة الاسلامية	عبدالرحمن تاج	مصر ۱۹۵۵ع
۱۳۹ -	احكام الموارث في الشريعة الاسلاميه	عبدالحميد محمد محى الدين	مصر ۱۹۴۲ع
۱۴۰ -	التعزيز في الشريعة الاسلاميه	عبدالعزيز عامر، الدكتور	مصر ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ع
۱۴۱ -	احكام الموارث الشرعيه	عبدالفتاح، البنا الدنياى الشيخ	دمياط ۱۳۲۶ھ
۱۴۲ -	تشريع العنائى الاسلامي	عبدالقادر عوده	مصر، س - ن

مجموعه قوانین اسلام

۱	۲	۳	۴
۱۳۳ -	احکام الشریعة الاسلامیہ فی الاحوال الشخصیة	عمر عبد اللہ	مصر ۱۹۶۱ ع
	احکام الموارث فی الشریعة الاسلامیہ	ایضاً	مصر ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ ع
۱۳۴ -	الترکة و المیراث فی الاسلام	محمد یوسف موسی، الدكتور	مصر ۱۹۶۰ ع
۱۳۵ -	احکام الشریعة فی الاحوال الشخصیة	قدری پاشا	مصر ۱۸۹۵ ع
۱۳۶ -	الفتاوی	محمود شلتوت	مصر
۱۳۷ -	ادوار فقہ (فارسی)	محمود شہابی	تہران ۱۹۵۰ ع
۱۳۸ -	فتاوی عثمانی	منورالدین، مولوی	دہلی، ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ ع
۱۳۹ -	الوصایا و الہبات و الارث	مامون کسبار	م - ن، س - ن
۱۵۰ -	حجة الله البالغة (اردو ترجمہ)	ولی اللہ دہلوی، شاہ	کراچی س - ن

قوانین بلاد اسلامیہ

۱۵۱ -	قانون المصری	ع ۱۹۲۹
۱۵۲ -	قانون الموارث نمبر ۷۷، مصر	ع ۱۹۳۳
۱۵۳ -	قانون الوصیة، مصر	ع ۱۹۳۶
۱۵۴ -	قانون الاحوال الشخصیة، سوریه	ع ۱۹۵۳
۱۵۵ -	مجله الاحوال الشخصیة، تونس	ع ۱۹۵۶
۱۵۶ -	قانون الاحوال الشخصیة، مراکش	ع ۱۹۵۸
۱۵۷ -	قانون الاحوال الشخصیة، عراق نمبر ۱۸۸	ع ۱۹۵۹

لغات

۱۵۸ -	تاج العروس	الزبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی الواسطی (م ۱۲۰۵ھ)	س - ن
۱۵۹ -	المنجد	لوئیس معلوف	بیروت ۱۹۲۷ ع
۱۶۰ -	لسان العرب	ابن منظور	مصر، (طبع اول)
۱۶۰ -	القاموس المحيط	الفیروز آبادی مجدالدین محمد	مصر ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ ع
۱۶۱ -	لغات الحدیث	وحید الزمان، علامہ	کراچی س - ن

تاریخ و سوانح

۱	۲	۳	۴
۱۶۲ -	آثار امام شافعی (اردو ترجمہ)	ابو زہرہ الشیخ محمد	لاہور، ۱۹۶۱ ع
	آثار امام مالک	ایضاً	لاہور، ایضاً
	حیات ابن حزم	ایضاً	لاہور، ایضاً
	حیات امام ابو حنیفہ	ایضاً	لاہور، ۱۹۶۲ ع
	حیات امام احمد بن حنبل (اردو ترجمہ)	ایضاً	لاہور، ۱۹۶۱ ع
۱۶۳ -	امام ابو حنیفہ کی تدوین فقہ اسلامی	حمید اللہ، ڈاکٹر محمد	حیدرآباد، ۱۹۴۲ ع
۱۶۴ -	تاریخ فقہ اسلام (اردو ترجمہ)	الغضری، علامہ محمد	اعظم گڑھ، ۱۹۶۱ ع
۱۶۵ -	سیرت امام شافعی (اردو ترجمہ)	خالد انصاری	بھوپال، ۱۹۴۴ ع
۱۶۶ -	سیرۃ النعمان	شبلی نعمانی، علامہ	لاہور، س - ن
۱۶۷ -	الفوائد الحنفیۃ فی تراجم الحنفیہ	عبدالحی فرنکی محلی مولانا محمد	۱۹۶۷ ع
۱۶۸ -	حیات حافظ ابن القیم (اردو ترجمہ)	عبدالعظیم عبدالسلام شرف الدین	۱۹۶۴ ع
۱۶۹ -	امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی	مناظر احسن گیلانی، مولانا سید	کراچی، ۱۹۶۰ ع

طب

۱۷۰ -	القانون فی الطب	ابن سینا ابوالعلی الحسن ابن عبد اللہ شیخ رئیس (۵۴۸م/۱۰۲۷ ع)	دمشق
۱۷۱ -	الطب الشرعی	عارف صدیقی، ڈاکٹر	

کتب عام

۱۷۲ -	عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ	اصلاحی، امین احسن	لاٹل پور، ۱۹۶۰ ع
۱۷۳ -	خصوصی قانون روما (اردو ترجمہ)	ایچ، آر - ڈبلو	حیدرآباد دکن، ۱۹۲۸ ع
۱۷۴ -	اصول دھرم شاستر و نظائر	میگنائن، وایم - جے	لکھنؤ، ۱۸۸۹ ع



BIBLIOGRAPHY (ENGLISH)

ACTS & ORDINANCES REFERRED

1. Code of Civil Procedure, 1908
2. Constitution of Pakistan, 1962
3. Dissolution of Muslim Marriages Act, 1939
4. Muslim Family Laws Ordinance, 1961
5. Majority Act, 1875
6. Muslim Law (Sharī'at Application) Act, 1937
7. West Pakistan Family Courts Act, 1964
8. West Pakistan Muslim Law (Sharī'at Application) Act, 1962
9. West Pakistan Rent Restriction Ordinance, 1959

BOOKS & PERIODICALS

10. Abdul Rahman, A.F.M., Institutes of Musaimans Law, Lahore, 1907
11. Almaric Rumsey, Al-Soerajiyah (Eng. Tr.) London, 1959
12. Amir Ali, Justice Syed, Mohammadan Law (Vol. II) Lahore, 1965
13. Anderson, J.N.D., Islamic Law in the Modern World, New York, 1959
14. Aziz Ahmed, Islamic Law in Theory & Practice, Lahore, 1956
15. Collis, Major, Legal Medicine, 1902
16. Fayzee, A.A.A., The Outlines of Mohammadan Law, Bombay, 1955
17. Hollick, Dr. O.F., Origin of Life and Process of Reproduction, London.
18. Kamila Tyabji, Limited Interests in Mohammadan Law, London, 1949
19. Mocnaghtan Sir W., Principles & Presidents.
20. Macdonald, D.B. Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory, Lahore, 1961
21. Mahmud, I, Dr., Muslim Law of Succession and Administration, Karachi, 1958
22. Mulla, D.F., Principles of Mohammadan Law, Calcutta, 1961
23. Qadri, A.A., Islamic Jurisprudence in the Modern World, Bombay, 1963
24. Relph, C. benson (hand book of Obst. and Gyn - 1864)
25. Qadri Pasha, Egyptian Code of Mohammadan Law (Eng. Tr.) London, 1914
26. Saxena, Muslim Law as Administered in India & Pakistan, Lucknow, 1959
27. Schacht, Joseph, An Introduction to Islamic Law, London, 1964
28. Wilson, Sir R.K., Anglo Mohammadan Law, Calcutta, 1930
29. Tyabji, F.B., Mohammadan Law, Bombay, 1940
30. Medical Examiner, June, 1946
31. Pakistan Legal Decisions Lahore, 1969, Journal Pt., (Law of Representation)

700

BIBLIOGRAPHY (ENGLISH)
COURT DECISIONS REFERRED

CASES REFERRED

All India Reporter

32. AIR 1918 Madras 1049
33. AIR 1928 Madras 768
34. AIR 1932 Allahabad 591
35. AIR 1933 Lahore 81
36. AIR 1933 Oudh 142
37. AIR 1934 Lahore 427
38. AIR 1938 Privy Council 169
39. AIR 1940 Lahore 179
40. AIR 1942 Lahore 65
41. AIR 1943 Peshawar 62
42. AIR 1944 Oudh 139
43. AIR 1945 Federal Court 298

Allahabad Law Journal

44. 4 A L J 521

Allahabad Weekly Notes

45. AWN 1907, 221
46. AWN 1889, 192

Indian Appeals

47. (1932) 59 IA. 74
48. (1938) 65 IA. 219

Indian Cases

49. 2 I.C. 671
50. 28 I.C. 895
51. 39 I.C. 83
52. 41 I.C. 579
53. 61 I.C. 947
54. 136 I.C. 454
55. 150 I.C. 330
56. 153 I.C. 33.
57. 216 I.C. 276

Indian Law Reports:

58. 2 Calcutta 184
59. 3 Agra 13
60. 3 Calcutta 702
61. ILR 4 Allahabad 361
62. ILR 7 Allahabad 822
63. 11 Calcutta 14
64. ILR 1898 Vol. 25 Calcutta Series 9 (P.C.)
65. 30 Calcutta 683
66. ILR 1917 Madras
67. 21 Madras 27
68. ILR 39 Bombay 545
69. ILR 42 Allahabad 497
70. ILR 45 Bombay 75
71. 54 Allahabad 93
72. (1863) Reports 509
73. (1878) 4 Calcutta 142
74. (1878) 51 Allahabad 211
75. (1885) 7 Allahabad 822
76. (1885) IL 7 Allahabad 716
77. (1887) 12 Bombay 101
78. (1895) 20 Bombay 335
79. (1901) IL 23 Allahabad 263
80. (1902) 26 Madras 734
81. (1903) 30 Calcutta 683
82. (1908) 32 Madras 276
83. (1916) 41 Bombay 377
84. (1917) 40 Madras 243
85. (1918) 43 Bombay 412

Madras Law Journal

86. 7 MIJ 115 (P.C.)

Pakistan Legal Decisions

87. PLD 1947 Privy Council 62
 88. PLD 1949 Lahore 263
 89. PLD 1958 West Pakistan (Revenue) 67
 90. PLD 1958 Karachi 420
 91. PLD 1964 Supreme Court 143
 92. PLD 1968 Karachi 480
-

اشاریہ

(ت)

- تجہیز و تکفین، ۱۶۱۱
 زوجہ کی، ۱۶۱۳
 تعریفات
 بیع، ۱۵۸۵
 ترکہ، ۹۰ - ۱۵۸۹
 ترکہ، ۱۵۸۶، ۱۶۰۵ - ۱۵۸۹
 ترکہ کے سلسلے میں چند مزید صورتیں، ۱۵۹۰
 ترکہ کی مختلف حالتیں اور ورثاء کے تصرفات،
 ۱۶۳۲، ۳۸
 برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر،
 ۱۶۳۹ - ۴۳
 حاجب، حاجب محبوب، ۴۲ - ۱۹۴۱
 حاجب و حرمان، ۱۵۸۱
 حق (حقوق)، ۱۵۹۶
 دارالاسلام، ۲۹ - ۱۹۲۸
 دارالہرب، ۲۹ - ۱۹۲۸
 ذوی الارحام، ۱۶۷۶، ۱۵۷۶
 عصبہ نسبی، ۱۵۷۵، ۱۷۷۷
 عول، ۵۰ - ۱۸۴۱
 مرتد، ۱۹۳۳
 مرگ تقدیری، ۱۵۸۸
 مرگ حقیقی، ۱۵۸۷
 مرگ حکمی، ۱۵۸۷
 مفرلہ بالنسب علی الغیر، ۱۸۲۷
 مناسخہ، ۱۹۸۳
 موانع میراث، ۱۸۹۱
 موسیٰ لہ بجمیع المال، ۱۸۳۱
 مولی الموالات، ۱۸۲۵
 وصیت، ۱۵۸۵
 ولد الزنا، ۱۵۸۵

(الف)

- اختلاف دارین، ۱۵۸۰
 اختلاف مذاہب، ۱۵۸۰
 ارتداد، ۱۵۸۰
 ارکان وراثت، ۱۵۸۶
 ترکہ، ۱۵۸۶، ۱۵۸۹
 مورث، ۱۵۸۶
 وارث، ۱۵۸۶، ۱۵۸۸
 اسلامی اور مغربی قانون انتقال جائداد میں فرق، ۱۶۳۷
 اسیر کی میراث، ۱۵۷۹، ۱۸۸۳
 اشتباہ وارث و مورث، ۱۵۸۱، ۱۹۳۸

(ب)

- باپ کی میراث، ۱۷۱۸
 بہن بھائی (اخینافی کی میراث)، ۱۷۵۳
 بہن بھائی (اخینافی) کی میراث
 حاجب و حرمان، ۱۷۵۵
 بہن (علاتی) کی میراث، ۱۷۵۰
 بہن بھائی (علاتی) کی میراث
 دادا کی موجودگی میں، ۱۷۶۲
 بیت المال کی میراث، ۱۵۷۷
 بیت المال، ۴۰ - ۱۸۳۲
 بیٹی (دختر) کی میراث، ۱۷۲۸

(پ)

- پاکستان کا قانون میراث
 بیٹی کی میراث، ۱۷۳۳
 پوتی کی میراث، ۱۷۳۹، ۱۷۳۳
 یتیم پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی میراث، ۱۹۵۸
 ۸۰ - ۱۹۷۶، ۸۲ - ۱۹۵۵
 ذوی الارحام کی میراث، ۱۸۲۵
 مرتد کی میراث، ۱۹۳۷

حقیقی یا علاتی بہن کی موجودگی میں ۱۶۶۲
مقاسمۃ الجہد میں طریق توریث، ۱۷۶۳
دارالاسلام، ۲۹-۱۹۲۸
دار الحرب، ۲۹-۱۹۲۸
دین کی ادائیگی، میت کے ذمے، ۱۶۱۶

(ذ)

ذوی الارحام کی تعریف، ۱۸۱۱
ذوی الارحام کی میراث، ۱۵۷۶، ۱۸۱۱، ۱۸۱۶
ذوی الفروض
اقسام، ۱۵۷۱، ۱۶۸۸
ذوی الفروض سببی، ۱۶۸۹
ذوی الفروض نسبی، ۱۶۸۹
ذوی الفروض سببی کی میراث، ۱۶۹۶
زوجہ کی میراث، ۱۶۹۹
شوہر کی میراث، ۱۶۹۶

(ر)

رد علی ذوی الفروض، ۱۵۷۶، ۱۸۰۳، ۱۷۹۵
زوجین پر رد نہ کرنے کا حکم اور اس کی بنیاد، ۱۸۰۳
ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر، ۱۸۱۰

(ز)

زکوٰۃ کی ادائیگی، میت کے ذمہ، ۱۶۱۵
زوجہ کی میراث، ۱۶۹۹، ۱۷۱۵
رد کا اطلاق، ۱۶۹۸
عول کا اثر، ۱۷۰۱
شرائط، ۱۷۰۱
زیدبہ مسلک، ۱۷۲۵

(ش)

شافعیہ مسلک: ۱۵۹۳، ۱۶۶۷، ۱۶۸۳، ۱۷۰۷، ۱۸۰۰
۱۸۱۳، ۱۸۳۱، ۱۸۵۳، ۱۸۵۷، ۱۸۷۳، ۱۸۸۰
۱۸۸۳، ۱۸۹۶، ۱۹۰۳، ۱۹۱۷، ۱۹۲۰، ۱۹۷۳
شوہر کی میراث: ۱۶۹۶، ۱۷۱۵
رد کا اطلاق، ۱۶۹۸
رد کے بارے میں متاخرین حنفیہ کا فتویٰ، ۱۸۰۵

والد لسان، ۱۸۸۵
ہبہ، ۱۵۵۸

(ج)

جہد (دادی یا نانی) کی میراث، ۱۵۷۵، ۱۷۷۲

(ح)

حجب کا اثر دوسرے ورثاء پر، ۱۹۳۵
حجب کی اقسام، ۱۸۳۲
حجب حرمان، ۱۳۲۰
حجب نقصان، ۳۳-۱۹۳۲
حجب کے بنیادی اصول، ۵۵-۱۹۳۵
حجب و حرمان، ۱۹۳۱، ۱۷۲۶، ۱۷۵۵، ۱۵۸۱
اقسام، ۱۵۸۱
اصول بنیادی، ۱۵۸۱
حجب کی تعریف، ۱۵۸۱
حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مابین ترجیح، ۱۶۱۶
حقوق کی اقسام، ۱۶۰۱-۱۵۹۷
حقوق متعلق بہ ترکہ، ۸۲-۱۶۱۱
(حقیقی) بہن کی میراث، ۱۷۳۹
حمل کی میراث، ۱۵۷۸، ۷۷-۱۸۵۱
وضع حمل تک روکے رکھنے کے لئے ترکہ کی مقدار،

۷۷-۱۸۶۹

حنبلہ مسلک: ۱۵۹۵، ۱۶۶۹، ۱۶۸۵، ۱۷۰۸، ۱۷۶۸،
۱۸۰۳، ۱۸۱۳، ۱۸۳۲، ۱۸۵۵، ۱۸۵۷، ۱۸۷۳،
۱۸۸۰، ۱۸۸۵، ۱۸۹۶، ۱۹۰۳، ۱۹۱۷، ۱۹۲۰،
۱۹۷۳
حنفیہ مسلک: ۱۵۹۳، ۱۶۶۵، ۱۷۰۶، ۱۸۰۵، ۱۸۱۳،
۱۸۳۳، ۱۸۵۳، ۱۸۵۶، ۱۸۶۰-۱۸۶۵، ۱۸۶۸،
۱۸۶۹، ۱۸۷۵، ۱۸۸۳، ۱۸۹۵، ۱۹۰۳، ۱۹۰۹،
۱۹۱۷، ۱۹۲۰، ۱۹۲۳، ۱۹۷۲

(خ)

خریدار بہ نیک نیتی کا اصول، ۱۶۳۷
خشی کی میراث، ۱۵۷۹، ۸۹-۱۸۸۷

(د)

دادا (جد صحیح) کی میراث، ۷۲-۱۷۵۷

قانون عراق، ۱۸۵۰

قانون لبنان، ۱۹۱۱

قانون مراکش: ۱۵۸۷، ۱۶۰۹، ۱۶۸۱، ۱۶۹۳، ۱۷۱۷، ۱۷۲۲، ۱۷۲۴، ۱۷۳۳، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۵۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۶۶، ۱۷۹۳، ۱۸۵۰، ۱۸۷۳، ۱۸۷۷، ۱۸۸۳، ۱۸۸۷، ۱۹۱۲، ۱۹۲۰، ۱۹۳۰، ۱۹۵۳، ۱۹۸۱

قانون مصر: ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۶۰۰، ۱۶۰۸، ۱۶۷۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۸، ۱۷۱۶، ۱۷۲۱، ۱۷۲۶، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۵۰، ۱۷۵۲، ۱۷۵۶، ۱۷۷۰، ۱۷۷۳، ۱۷۷۵، ۱۷۸۰، ۱۷۸۷، ۱۸۰۹، ۱۸۱۸، ۱۸۳۰، ۱۸۷۵، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۷، ۱۸۸۹، ۱۹۰۹، ۱۹۱۱، ۱۹۲۰، ۱۹۳۰، ۱۹۳۸، ۱۹۸۱

قتل ناحق، ۱۵۸۰

قرض سادہ (عام) بذمہ میت، ۱۶۲۰

قرض کی ادائیگی تک ترکہ کی حالت، ۱۶۲۷

قرض کی ادائیگی میں تقدم و تاخر، ۱۶۲۱

قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے، ۱۶۲۱

قرض متعلق بالعين، بذمہ میت، ۱۹۲۰

قوانین پاکستان:

پنجاب شفعہ ایکٹ ۱۹۱۳ء، ۱۶۰۰

سرحد شفعہ ایکٹ، ۱۹۵۰ء، ۱۶۰۰

قانون جانشینی ۱۹۲۵ء، ۱۶۳۳

ضابطہ دیوانی مجریہ ۱۹۰۸ء، ۱۶۳۳

مغربی پاکستان شہری جائداد تجدید کرایہ آرڈیننس

۱۹۵۹ء، ۱۶۰۳

(م)

مالکیہ مسلک: ۱۵۹۸، ۱۶۶۶، ۱۶۸۳، ۱۷۰۷، ۱۸۰۰، ۱۸۱۳، ۱۸۳۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۷، ۱۸۷۳، ۱۸۸۰، ۱۸۸۳، ۱۸۸۷، ۱۸۹۶، ۱۹۰۳، ۱۹۰۷، ۱۹۱۷، ۱۹۲۰، ۱۹۷۳

ماں کی میراث ۱۷۲۲

زوجہ یا شوہر کے انتقال کی صورت میں، ۱۷۲۶

حجب و حرمان، ۱۷۲۶

عول کا اثر، ۱۶۹۷

شیعہ مسلک: ۱۵۹۵، ۱۶۷۰، ۱۶۸۵، ۱۷۰۹، ۱۷۲۳، ۱۷۳۲، ۱۷۳۵، ۱۷۳۳، ۱۷۶۸، ۱۸۰۶، ۱۸۱۶، ۱۸۲۶، ۱۸۳۵، ۱۸۵۵، ۱۸۷۳، ۱۸۸۱، ۱۸۸۶، ۱۸۹۷، ۱۹۰۳، ۱۹۲۰، ۱۹۳۱، ۱۹۷۳

(ظ)

ظاہریہ مسلک: ۱۵۹۵، ۱۶۷۰، ۱۶۸۶، ۱۷۰۹، ۱۷۲۵، ۱۷۳۳، ۱۷۳۵، ۱۷۳۳، ۱۷۶۸، ۱۷۷۶، ۱۸۰۸، ۱۸۱۶، ۱۸۳۶، ۱۸۵۶، ۱۸۷۳، ۱۸۸۱، ۱۸۹۷، ۱۹۰۵، ۱۹۲۰، ۱۹۳۱، ۱۹۷۳

(ع)

عدالتی فیصلے (نظائر)، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۲-۳، ۱۶۳۹

۱۶۷۹، ۱۷۱۷، ۱۸۱۰-۱۱، ۱۸۵۰، ۱۹۱۲

۱۹۱۳

عصبہ نسبی اقسام، ۱۵۷۵

عصبہ نصبی کی اقسام، ۱۷۷۷

عصبہ بالغیر، ۱۷۸۱

عصبہ بنفسہ، ۱۷۷۸

عصبہ مع الغیر، ۱۷۸۳

عصبہ نسبی کی تعریف، ۱۷۷۷

عصبہ کی میراث، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶

عصبہ کی توزیث کے قواعد، ۱۷۸۳

عول، ۱۵۷۷، ۱۸۳۱

(ق)

قانون تونس: ۱۵۸۷، ۱۶۰۸، ۱۶۸۰، ۱۶۹۰، ۱۶۹۸

۱۷۱۶، ۱۷۲۱، ۱۷۲۷، ۱۷۳۳، ۱۷۳۸، ۱۷۴۹

۱۷۵۶، ۱۷۷۱، ۱۷۷۵، ۱۷۹۱، ۱۸۷۳، ۱۸۷۷

۱۸۷۶، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۷، ۱۹۱۲، ۱۹۳۰

۱۹۸۱، ۱۹۵۰

قانون شام: ۱۵۸۷، ۱۵۸۹، ۱۶۸۰، ۱۶۹۰، ۱۶۹۸

۱۷۱۶، ۱۷۲۱، ۱۷۲۷، ۱۷۳۳، ۱۷۳۸، ۱۷۴۹

۱۷۵۶، ۱۷۷۱، ۱۷۷۵، ۱۷۸۹، ۱۸۱۰، ۱۸۳۱

۱۸۵۰، ۱۸۷۳، ۱۸۷۵، ۱۸۸۳، ۱۸۸۷، ۱۹۱۱

۱۹۲۰، ۱۹۳۰، ۱۹۳۹، ۱۹۸۱

حمل، ۱۵۷۸
 خنثی، ۱۵۷۹
 دادا (جد صحیح) ۱۵۷۴
 دادی، ۱۵۷۵
 ذوی الارحام، ۱۵۷۶
 زوجہ، ۱۵۷۱
 شوہر، ۱۵۷۱
 عصبہ (عام قواعد) ۱۵۶۷
 ماں، ۱۵۷۲
 مفقود، ۱۵۷۸
 مقلہ بالنسب علی الغیر، ۱۵۷۷
 موانع، ۱۵۸۰
 موصی لہ بجمع المال، ۱۵۷۷، ۱۸۳۱
 مولی المولات، ۱۵۷۷
 نانی، ۱۵۷۵
 ولد اللعان، ۱۵۷۹
 ولد الزنا، ۱۵۷۹
 یتیم ہونے کی، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲

(ن)

نصب کی شہادت، ۱۸۳۰

(و)

وراثت

ارکان، ۱۵۶۹، ۱۵۸۶
 تعریف، ۸۶-۱۵۸۵، ۱۵۶۹
 ترتیب، ۸۶-۱۶۸۳، ۱۵۷۰
 شرائط، ۱۵۱۹، ۱۶۰۵
 مستحقین، ۱۵۷۰
 موجبات، ۱۶۰۵، ۱۵۶۹
 موجبات وراثت بہ سبب (زوجیت)، ۱۶۰۶
 ورثاء کی اقسام، ۱۵۷۱
 ورثاء کی ترتیب، ۸۶، ۱۶۸۳
 ورثاء (نسبی) کی اقسام، ۸۸-۱۶۸۷
 وصیت، ۱۶۱۳
 جواز و نفاذ، ۱۶۷۰

مرتد ہونے کی صورت میں، میراث پر اثر، ۱۷۱۳
 مرض الموت
 تعریف، ۱۷۰۲
 شرائط، ۱۷۰۳
 ملت، ۱۷۰۵
 طلاق رجعی کا اثر میراث زوجہ پر، ۱۷۰۵
 مرض الموت میں طلاق کا اثر میراث پر،
 اسلامی ممالک میں، ۱۷۱۳
 طلاق بائن کا اثر میراث پر، ۱۷۰۵
 مستحقین میراث، ۱۶۸۳
 منقرد کی میراث، ۱۵۷۸، ۸۳-۱۸۷۷
 مقلہ بانسب بلی الغیر کی میراث، ۱۸۲۷
 مناسخہ، ۱۵۸۲، ۱۹۸۳
 منافع، ۱۶۰۰-۳
 موانع میراث، ۱۵۹۰
 موانع میراث کی اقسام، ۱۵۸۰، ۱۸۹۱
 اختلاف دارین، ۱۵۸۰، ۳۳-۱۹۲۱
 اختلاف مذاہب، ۱۵۸۰، ۲۱-۱۹۱۷
 اشتباہ وارث و مورث، ۱۹۳۸
 ارتداد، ۱۹۳۳

قتل، ۱۹۱۷-۱۸۹۲

قتل ناحق، ۱۵۸۰

موانع میراث کی تعریف، ۱۸۹۱

موصی لہ بجمع المال، ۱۵۷۷

موصی لہ بجمع المال کی میراث، ۱۸۳۱

مولی المولات کی میراث، ۱۵۷۷، ۱۸۲۵

میراث

اسیر، ۱۵۷۹

باپ، ۱۵۷۲

بہن (حقیقہ)، ۱۵۷۳

بہن (علائی)، ۱۵۷۳

بہن (اخیانی)، ۱۵۷۳

بھائی (اخیانی)، ۱۵۷۳

بیٹی، ۱۵۷۲

یت المال، ۱۵۷۷

ہوتی، ۱۵۷۳

مجموعہ قوانین اسلام

۲۰۱۲

ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر، ۱۹۷۸

ولاء، ۱۶۰۶

ولاعتق، ۱۶۰۷

ولاء موالات، ۱۶۰۷

ولد الزنا کی میراث، ۱۵۷۹، ۱۸۸۵

ولد اللعان کی میراث، ۱۵۷۹، ۱۸۸۵

نفاذ، وراثہ کی غیر موجودگی میں، ۱۶۳۵

حد، ۱۶۳۷

معین، ۱۶۳۳

معین اور مطلق میں تقدم اور تاخر، ۱۶۳۳

مطلق، ۱۶۳۳

وارث کے حق میں، ۸۲-۱۶۳۸

وصیت واجبہ کا قانون، ۱۶۷۵

اسلامی ممالک میں قانون سازی، ۱۶۷۵

تعارف

مجموعہ قوانین اسلام

مؤلفہ

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ایم۔ اے ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ایڈووکیٹ

اعزازی مشیر قانون

ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد)

ادارہ تحقیقات اسلامی

پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵ اسلام آباد

(پاکستان)

ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ

ادارہ تحقیقات اسلامی کی شائع کردہ کتاب

”مجموعہ قوانین اسلام“، مؤلفہ ڈاکٹر تنزیل الرحمن کو

کراچی میں منعقد ہونے والی پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس

مورخہ ۶ تا ۸ جولائی ۱۹۷۸ء کے موقع پر گذشتہ تیس سال میں پاکستان میں اسلام

کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کی نمائش میں سات جج صاحبان کے متفقہ فیصلہ

کی روشنی میں ”بہترین کتاب“، قرار دیا گیا اور مؤلف کو حکومت کی جانب سے

مبلغ دس ہزار روپہ کا انعام عطا کیا گیا۔

(ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلامی قوانین کی تدوین نو کا جامع منصوبہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے تحت قائم شدہ ادرہ تحقیقات اسلامی نے اسلامی قوانین کی ترتیب نو اور تدوین جدید کا ایک جامع منصوبہ بنایا ہے۔ اس منصوبہ کے تحت جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، پاکستان ۱۹۶۴ء سے ”مجموعہ قوانین اسلام“ کی تالیف و تدوین کا تاریخ ساز کام کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ مجموعہ دس جلدوں پر مشتمل ہوگا۔ اس مجموعہ میں مسلمانوں کے شخصی، تعزیری اور اہم دیوانی قوانین شامل ہوں گے۔

ہم اس مجموعہ کی چار جلدیں ہدیہ ناظرین کرچکے ہیں اور اب اس کی پانچویں جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس کی چھٹی جلد جو اسلامی قانون شفعہ پر مشتمل ہے، مکمل ہو چکی ہے۔ ساتویں جلد حدود و تعزیرات سے متعلق زیر تالیف ہے۔ امید ہے کہ بقیہ جلدیں بھی وقفہ وقفہ سے طبع ہو کر منظر عام پر آجائیں گی۔

ان پانچ شائع شدہ جلدوں میں نکاح، نفقہ زوجہ، سہر، طلاق، فسخ نکاح، عدالتی تفریق، عدت، نسب اولاد، نفقہ اولاد، حضانت، ہبہ، وقف، وصیت اور وراثت کے قوانین کو جدید قانونی طرز پر دفعہ وار ضابطہ بند (Codify) کیا گیا ہے اور ہر دفعہ کی تشریح کے تحت حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری اور شیعہ مذاہب کے فقہی احکام مکمل حوالوں کے ساتھ بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی مصر، شام، مراکش، تونس، عراق وغیرہ میں رائج الوقت متعلقہ قوانین کے جاہجا حوالے بھی دئے گئے ہیں۔ ہند و پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے بھی زیر بحث لائے گئے ہیں اور ”حماں کہیں فاضل مؤلف نے قدیم یا جدید نظریات سے اختلاف کیا ہے وہاں انہوں اپنا نقطہ نظر دیانت داری کے ساتھ بیان کر دیا ہے،“ (۱) فاضل مؤلف کا اعتدال و توازن اور ان کی حق گوئی اور صاف بیانی کتاب کے صفحہ صفحہ سے نمایاں ہے۔ تجدد یا ذہنی مرعوبیت کا کہیں نام و نشان تک نہیں (۲)۔ درحقیقت فتاویٰ عالمگیری کے بعد یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہے (۳) جس پر فاضل مؤلف بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور اس پیشکش پر عالم اسلام کے شکر یہ کے مستحق ہیں (۴)۔

- (۱) جسٹس ایس اے رحمن، پیش لفظ - (۲) سولانا سعید احمد اکبر آبادی، برہان دہلی - (۳) دارالمصنفین، اعظم گڑھ - (۴) سولانا سعید احمد اکبر آبادی، برہان دہلی -

فی الحقیقت جو کام عصر حاضر کے ممتاز علماء نہ کر سکے، فاضل مؤلف نے بہت خوبی سے انجام دیا (۵)۔ اسلامی قوانین کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، فقہاء است کے اختلافات کی وجوہ، اسباب اور علل، قرآن پاک، حدیث نبوی، آثار صحابہ اور آئمہ و فقہاء مجتہدین کی مستند عربی تصانیف سے براہ راست استفادہ، ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت قوانین کے جا بجا حوالے، برصغیر پاک و ہند کی اعلیٰ عدالتوں کے اہم فیصلوں کے اقتباسات، موجودہ پاکستانی قوانین میں ترمیم کی تجاویز، اور ہر جلد کے شروع میں مؤلف کا سببوت مقدمہ اور آخر میں مفصل اشارے اس مجموعہ کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ مسوائے عربی کے، شاید ہی دنیا کی کسی دوسری زبان میں مسلمانوں کے شخصی قوانین (Muslims personal law) کا ایسا ”مجموعہ“ موجود ہو۔

یہ مجموعہ پاکستان میں ”احیائے قانون اسلامی“ کی ایک مثبت اور ٹھوس کوشش اور اسلامی قوانین کی ضابطہ بندی (Codification) کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ ”برصغیر ہند و پاکستان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا کام ہے“ (۶) جو ممتاز قانون دان جناب تنزیل الرحمن کی غیر معمولی کاوش اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے (۷) اور پاکستان کی نظریاتی تشکیل کے اس تاریخ ساز مرحلہ پر غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ فاضل مؤلف کا دفعہ وار مدونہ (Codified) متن قانون بھی ہر جلد کی زینت ہے۔ اگر جملہ قوانین اس طرح مرتب ہو جائیں تو فتاویٰ عالمگیری کے بعد دوسرا بڑا کارنامہ ہوگا۔ (۸)

یہ ”مجموعہ قوانین اسلام“ بڑے سائز کے دبیز کاغذ پر خوبصورت گرد و پیش کے ساتھ بہترین اور دیدہ زیب اردو ٹائپ میں چھاپا گیا ہے، جو دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور اصل لاگت سے کم پر پیش خدمت ہے۔ یعنی پانچ جلدوں پر مشتمل شخصی قوانین کے مکمل سیٹ کی قیمت صرف دو سو روپے ہے۔

مقام مسرت ہے کہ عدالتوں کے ارکان، وکلاء، اسلامیات و قانون کے طلبہ، اساتذہ اور اسلامی قانون سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب علم نے اس ”مجموعہ“ کو بنظر استحسان دیکھا ہے اور عدالت ہائے عالیہ نے اپنے فیصلوں میں اس کے حوالے دئے ہیں۔

اسلامی قانون پر مشتمل کوئی لائبریری اس مجموعہ کے بغیر مکمل نہیں کہلائی

جا سکتی۔

نوٹ: ”مجموعہ قوانین اسلام“ کی ان جلدوں پر تبصروں کے بعض اہم اقتباسات اور ہر جلد کے ابواب کے عنوانات اگلے صفحات پر ملاحظہ ہوں۔

- | | |
|--------------------------------------|------------------------------|
| (۵) مولانا محمد یوسف بنوری، پیش لفظ۔ | (۶) Twenty Years of Pakistan |
| (۷) ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور۔ | (۸) دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔ |

مجموعہ قوانین اسلام

کے بارے میں

اخبارات اور رسائل میں شائع شدہ چند اقتباسات اور آراء

جلد اول

یہ فاضلانہ تصنیف ممتاز قانون داں جناب تنزیل الرحمن کی غیر معمولی کاوش اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں قانون ازدواج کے تحت نکاح، سہر اور نفقہ کے ہر مسئلہ کو بڑی خوبی کے ساتھ قانون کی زبان میں قلمبند فرمایا ہے اور اس ضمن میں قدسائے سے لے کر آج تک کے منکرین کی آراء کو پیش نظر رکھا ہے اور ان کے خیالات میں جہاں کہیں الجھاؤ محسوس کیا ہے اسے قرآن و سنت کی روشنی میں سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ فاضل مصنف کا مطالعہ بڑا وسیع اور ذہن بڑا رسا ہے، البتہ اجتہاد کے ذیل میں کہیں کہیں تجدد پسندی کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔

ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور جلد ۶۵، شماره ۵

مصنف نے اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی تحریک کو عملی طور پر آگے بڑھانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور مسلمانوں کے شخصی قوانین کا ایک خاکہ پیش کر کے دوسروں کو دعوت فکر دی ہے۔

روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۱ فروری ۱۹۶۶ء

یہ کتاب اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ قانون اور فقہ اسلامی میں صاحب موصوف کی نگہ کس قدر ژرف بین اور نزاکت شناس ہے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب فقہی قوانین کی تدوین و تعبیر کی طرف ایک ایسا اقدام ہے جو فکر و بصیرت سے لبریز ہے۔

یہ بات بلا خوف و تردید کہی جاسکتی ہے کہ جناب تنزیل الرحمن صاحب نے مجموعہ قوانین اسلام مرتب کر کے وقت کے ایک اہم تقاضے کو پہچانا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے ایک ٹھوس دینی و دنیاوی خدمت انجام دی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

روزنامہ کوہستان، لاہور، ۱۷ مارچ ۱۹۶۶ء

”مجموعہ قوانین اسلام“، دستور اساسی اسلامی کو رو بہ عمل لانے میں سب سے پہلی کوشش

(ح)

ہے۔ مولف نے پاکستان کے لئے ایک تاریخ ساز کام کی ابتدا کی ہے۔ وہ مستحق مبارک باد اور سزا وار تحسین ہیں۔

ماہنامہ ہمدرد صحت، کراچی، اگست ۱۹۶۶ء

ہمارے نزدیک یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔

ہفت روزہ شہاب، لاہور

تنزیل الرحمن صاحب کی کتاب اپنی نوعیت کی کتابوں میں تحقیق کا پہلا قدم ہے۔

مجلہ قانون، کراچی، ۱۹۶۶ء

اسلامی عائلی زندگی کے قوانین کو اس شکل میں پیش کر کے جناب مؤلف نے ایک بڑا قابل تعریف کام کیا ہے۔

ماہنامہ الرحیم، حیدرآباد، اپریل ۱۹۶۶ء

جو اہم کام قدیم و جدید علوم کے محققین اور قانون کے ماہرین کے باہمی اشتراک عمل سے کرنے کا تھا، وہ کام تنہا مؤلف نے ایک حد تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اب وزارت قانون کا فرض ہے کہ وہ ملک کے تقویٰ شعار علماء دین اور ارباب فتویٰ کی ایک کانفرنس بلائے اور اس اجلاس میں وہ حضرات باہمی تبادلہ خیالات اور بحث و تنقیح اور مستفقہ طور پر ناگزیر ترسیمات کے بعد اس کی توثیق کریں اور اس کے بعد وزارت قانون ”علماء پاکستان کے متفق علیہ مجموعہ قوانین اسلام“ کے نام سے شائع کر کے عدالتوں کے حکام کے پاس اس کو مجموعی طور پر نافذ کرنے کے لئے بھیجے تاکہ وہ عظیم مقصد جس کے لئے یہ سب کچھ کاوش و کوشش اور جانفشانی کی گئی ہے اور کی جائے گی یعنی ”پاکستان میں شرعی قوانین کا نفاذ“، حاصل ہو۔

ماہنامہ بینات، کراچی، نومبر ۱۹۶۶ء

مؤلف نے بڑی عرق ریزی سے پرانے سواد کو کھنگالا ہے اور جہاں انہیں قدیم یا جدید نظریات سے اختلاف ہوا ہے، انہوں نے دیانت داری سے اپنا نقطہ نظر بیان کر دیا ہے۔ ان کی کتاب اسلامی قوانین کی ضابطہ بندی کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ مجھے امید ہے کہ جس راستہ کی نشان دہی انہوں نے کی ہے وہ کاروان علم و ذوق کے لئے موجب تشویق ثابت ہوگا اور یوں اس تعمیری فکری

تحریک کی بنیاد پڑے گی جس کی اسلامی معاشرہ میں کمی، اپنے اور بے گانے، مدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

جسٹس - ایس - اے رحمان (پیش لفظ)

The Muslims of Indo Pak sub-continent fought and succeeded in establishing a separate homeland to enable them to pattern their lives according to the dictates of Islam. To achieve this end, it was necessary to have the Islamic Laws codified. The book *Majmooa-i-Qawanin-i-Islam* by Mr. Tanzilur Rahman, Advocate, in Urdu, published by the Islamic Research Institute, is a commendable step to fulfil this long-standing need for which both the author and the Institute deserve gratitude.

Pakistan Quarterly, Karachi.
Autumn 1966.

The learned author in this Volume of the series, brought out on behalf of the Institute has dealt, in Urdu, with Muslim Personal laws on Marriage, dower and maintenance. He has arranged the laws, so as to say in the form of a bill for the Legislature and discussed their sources, effects and conclusions etc. In this connection, he has also taken into account the judgements of the High Courts of India and Pakistan and where he has differed from the old or new theories, he has dispassionately given his own point of view.

It must be said on the whole that this large sized bound volume with a beautiful multi-colour dust cover is a commendable step towards the Codification of Islamic Laws in Pakistan and a rare specimen of *Naskh* type printing.

'Dawn' Karachi, 7th August 1966.

جلد دوم

جناب تنزیل الرحمن ایڈووکیٹ اگرچہ اصطلاحاً طبقہ علماء سے متعلق نہیں ہیں لیکن انہوں نے جو عظیم کام کر کے دکھایا ہے وہ بڑے بڑے علماء کے لئے لائق صد رشک اور باعث ہزار غیرت ہونا چاہئے۔ جو کچھ لکھا ہے حزم اور احتیاط اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ بڑی شگفتہ اور سلیس و رواں زبان میں لکھا ہے اور بحث کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ فاضل مصنف کا اعتدال و توازن فکر اور ان کی حق گوئی و صاف بیانی کتاب کے صفحہ صفحہ سے نمایاں ہے۔ تجدد یا ذہنی مرعوبیت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ ہم یہ بات پوری ذمہ داری کے ساتھ کتاب کی دونوں جلدوں

کو حرفاً حرفاً پڑھنے کے بعد کہہ رہے ہیں . . . غرض کہ کتاب ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے اسلامیات کے عظیم ذخیرہ میں نہایت بیش قیمت اضافہ ہے۔ فاضل مصنف اور ادارہ تحقیقات اسلامی دونوں اس پیش کش پر عالم اسلام کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی، ماہنامہ، برہان، دہلی، اکتوبر ۱۹۶۸ء

آپ نے اسلام کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے، قوانین اسلام کی تدوین نو و ترتیب جدید کا آغاز تو ہوا، آگے آنے والے اس میں مزید اصلاح و ترقی کے لئے کام کر سکیں گے۔

(مولانا) سید ابو الاعلیٰ مودودی (خط سے اقتباس)

آپ نے یہ بہت بڑا کام کیا اور علماء کرام کے کرنے کا جو کام تھا اس کو آپ نے انجام دے دیا۔ اگر جملہ قوانین اس طرح مرتب ہو جائیں تو فتاویٰ عالمگیری کے بعد یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہوگا۔

دارالمصنفین، اعظم گڑھ، (خط سے اقتباس)۔

قوانین اسلام کی شیرازہ بندی انتہائی عرق ریزی سے جدید اصولوں پر کی گئی ہے اور صدیوں بعد ایسی عالمانہ تصنیف قانونی افق پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ جو چیز اس تصنیف کو بلند اور ممتاز کر دیتی ہے، وہ ہے اس کی جامعیت۔ پھر یہی نہیں بلکہ انتہائی خوش اسلوبی سے ناقدانہ فرائض بھی انجام دئے ہیں۔ عصر جدید میں جو اسلامی قوانین دیار عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں رائج ہیں ان کا جائزہ جہاں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے وہاں تصنیف کو باضابطہ طور پر مکمل بھی کر دیتا ہے۔

سید اختر امام، صدر شعبہ عربی، یونیورسٹی آف سیلون، (خط سے اقتباس)۔

مؤلف نے حسب سابق بڑی محنت اور جزر سی سے اس جلد کا مواد جمع اور مرتب کیا ہے . . . جناب مولف نے انصاف سے کام لیتے ہوئے متعدد مقامات پر موجودہ عائلی قوانین کے خلاف شریعت پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے اور متبادل تجاویز اسلام کی روشنی میں پیش کی ہیں۔

ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۱۹۶۸ء

فاضل مرتب نے بڑی دیدہ ریزی، فراست و بصیرت اور ساتھ ہی حدود شریعت کو ملحوظ

رکھتے ہوئے قوانین کی شرح کی ہے اور ایک ایک مسئلہ کو اپنی استطاعت کی حد تک منقح کیا ہے۔

ماہنامہ فاران، کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء

پاکستان میں انفرادی طور پر جو کام (اسلامی قانون کے) اس اہم موضوع پر ہو رہا ہے اس سلسلہ کی ایک قابل ستائش کوشش زیر تبصرہ کتاب ہے۔ مرتب نے ہر مسئلے کو اس کے اصل عربی ماخذ اور برطانوی ہند و پاکستان کے عدالتی فیصلوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد جس محنت اور عرق ریزی سے دفعہ وار مرتب کیا ہے اس سے اس کتاب کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کتاب نہ صرف ماہرین قانون اور وکلاء کے کام کی ہے بلکہ اس کے مطالعہ سے اردو دان طبقہ کو بھی واقفیت ہو سکتی ہے کہ شریعت کی رو سے مسلمانوں کے عائلی قوانین کیا ہیں۔

ماہنامہ اسلام اور عصر جدید، دہلی۔

انہوں نے جملہ مسائل اور ان کے متعلقات پر قرآن مجید، حدیث و سنت، آثار صحابہ اور آئمہ و مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور ان کو مختلف ابواب میں دفعہ وار مرتب کیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر حنفی ہے مگر ہر مسئلہ کے متعلق دوسرے آئمہ اور شیعوں کا مسلک بھی بیان کر دیا ہے۔ بعض مسائل میں جن دوسرے آئمہ کا مسلک قوی نظر آیا، بحث و تمحیص کے بعد اس کو اختیار کیا ہے مگر کسی مسئلہ میں اسلامی ماخذوں سے باہر قدم نہیں نکالا ہے۔ . . . مجموعی حیثیت سے ”مجموعہ قوانین اسلام“، ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ اور پاکستان میں فتاویٰ عالمگیری کے بعد اسلامی قوانین کی تدوین کی یہ دوسری کامیاب کوشش ہے جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۶۹ء

کتاب کی افادیت اس بات سے بڑھ گئی ہے کہ انہوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں رائج الوقت اسلامی قوانین سے بھی استفادہ کیا ہے اور جہاں ان کے تنقیدی شعور نے رہنمائی کی ہے انہوں نے موجودہ پاکستانی قانون میں ترمیم کی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ وہ چونکہ مشرقی اور مغربی علوم دونوں میں دستگاہ رکھتے ہیں اس لئے ان کی جچی تلی رائے اہل نظر کے لئے دعوت فکر و تفقہ کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے

(جسٹس) ایس۔ اے۔ - رحمن (پیش لفظ)

اس کتاب کے مطالعہ سے مشکل مسائل پر فقہائے اسلام نے جن مختلف نقطہ ہائے نظر سے بحثیں فرمائی ہیں ان کی جامعیت بھی قارئین کے سامنے کھل کر آجائے گی اور جس قدرت ذہنی سے جناب تنزیل الرحمن نے ان پر جرح و تعدیل کی ہے اس سے فاضل مصنف کی علمی اور فکری قوتوں کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔

(ڈاکٹر) فضل الرحمن، (دیباچہ)

The Author has not contended himself with mere repetition of what each school holds as the correct view. He has thoroughly discussed the implications of each opinion arguing in a sensible and unprejudiced manner the opinions which, according to him, is preferable; giving reasons for his preference. Indeed he has gone further: he has described the law on the subject as it is followed at present in different Muslim countries, including Pakistan. In this particular aspect, his opinions gain their hall-mark of impartiality. While pointing out the faults of the Family Laws Ordinance, promulgated by the Government of Pakistan, he has suggested improvements on a rational basis. His real aim, through his own efforts, can be summed up by saying that he has formulated Islamic teachings in a way that at no place comes into conflict with the Holy Qur'an and Sunnah and the elucidation of the *Ulama* while at the same time keeping in view the real benefit of Islamic Society..... His labours are a real service to the cause of Islam and the Muslims.

Muslimnews International, Karachi.

February, 1969.

جلد سوم

اس کتاب نے اہل علم، عدالتوں اور وکلاء کے لئے اسلامی قوانین اور مذاہب فقہ تک رسائی آسان کر دی ہے۔ اس سے کسی مسئلہ میں مختلف مکاتیب فکر کے نقطہ ہائے نظر بھی یک جا معلوم ہو جاتے ہیں اور بہت آسانی سے فقہی مذاہب کا موازنہ بھی کیا جاسکتا ہے۔
ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، مارچ ۱۹۷۰ء

جہاں تک مسائل اور امور زیر بحث کی تحقیق و تنفیج کا تعلق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ فاضل مؤلف نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور اس بنا پر ہند و پاک میں ان کا کام اپنی

(ح)

نوعیت میں پہلا ہے۔

(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی، ماہنامہ برہان، دہلی، مئی ۱۹۷۰ء

مصنف محترم جس شغف و انہماک سے اور اپنی بساط تک کامل حزم و احتیاط سے اس فرض کفایہ کو انجام دے رہے ہیں، وہ لائق تحسین ہی نہیں، سرمایہ صد رشک بھی ہے۔ ہمارے یہاں جو ”احیائے قانون اسلام“ کی کوششیں ہو رہی ہیں، زیر نظر کتاب اس کی طرف ایک مثبت اور ٹھوس قدم ہے۔ ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ مصنف محترم کو اخلاص کامل عطا فرمائیں اور محض رضائے الہی اور اجر آخرت کے لئے اس اسلامی خدمت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشیں۔

ماہنامہ بینات، کراچی، جولائی ۱۹۷۰ء

فاضل مصنف اس عظیم کام کو سر انجام دے کر پوری امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ . . . فاضل مصنف اس فرض کو جس خلوص اور احساس ذمہ داری سے ادا کر رہے ہیں، وہ قابل ستائش ہے اور باری تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کا مستحق۔

ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۱۹۷۰ء

کتاب کی زبان فقہی اور قانونی ہے، جس مسئلہ کو بھی بیان کیا ہے اس کی تشریح میں ابہام اور ژولیدگی پیدا ہونے نہیں دی۔ اپنی اس کتاب میں جناب تنزیل الرحمن نے حکومت کے رجحان اور رائج الوقت قانون کی پیچ نہیں کی، انہیں جس دفعہ میں خاصی نظر آئی، اس میں ترمیم کرنے کا پوری جرأت کے ساتھ مشورہ دیا ہے۔ جناب تنزیل الرحمان اس کتاب کی تدوین پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنی استطاعت اور قابلیت کی حد تک تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

ماہنامہ فاران، کراچی، اکتوبر ۷۰ء

فاضل مؤلف علمی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کا اسلامی فقہ کا مطالعہ وسیع ہے اور وہ دیگر اسلامی ممالک میں قانون کے ارتقائی پہلوؤں اور جدید قانونی نظریات سے بھی واقف ہیں اس لئے ان کا انداز نظر اور پیرایہ تحریر متوازن اور حامل احتیاط ہے۔

جسٹس ایس۔ اے۔ رحمن، (حرف آغان)

(ط)

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس میں کسی خاص اسلامی طبقے یا فرقے کی رائے کا پروپیگنڈہ نہیں کیا ہے بلکہ ہر مسئلہ پر مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے غور کیا ہے۔ فقہاء کی مختلف آراء بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنی رائے کا بھی بڑی خوش اسلوبی سے اظہار کیا ہے۔ میں اس کتاب کی اشاعت پر ادارہ تحقیقات اسلامی اور جناب تنزیل الرحمن صاحب دونوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

جسٹس وحید الدین احمد (پیش لفظ)۔

In Pakistan the first attempt at codification of Shariat law section-wise on modern lines has been made by the scholar-jurist Dr. Tanzilur Rahman, a practising lawyer of Karachi. So far he has completed four Volumes running into some two thousand pages dealing with what is technically termed as Muslim personal law. He has delved deep into every problem referring to authentic original Arabic sources of different schools of thought doing justice to everyone of them. His is a laudable effort and any future legislation to enforce Shariat law in Pakistan is bound to benefit from his critical study of the problems, pains-taking research and comprehensive formulation and suggestions.

Muslimnews International Karachi,
(October, 1972).

جلد چہارم

بلاشبہ دین اسلام کے حقائق و قوانین کی ابدیت اپنی جگہ قطعی یقینی ہے لیکن علماء است کو قرون اخیرہ میں اس کا زیادہ احساس نہ ہو سکا کہ اسلام کی برتری و فوقیت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قدیم فقہی ذخیرہ کو جدید قالب میں ڈھالا جائے . . . کہ جدید دور اس کو قبول کرے اور نئی نسل کے دل و دماغ پر اس کا اثر ہو۔ بلاشک یہ تقصیر ہوئی۔ ہمارے ملک میں یہ سہرا ہمارے محترم برادر جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب کے سر باندھا گیا ہے۔ حق تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بقیہ قوانین اسلامیہ کی تکمیل ان کے قلم سے کرائے۔ مؤلف محترم ہر طرح ہماری دعا و تحسین کے مستحق ہیں۔ جو کام عصر حاضر کے ممتاز علماء نہ کر سکتے، بہت خوبی سے انجام دیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (تقریظ، ج ۴)

(ی)

جلد پنجم

کتاب کا ایک بڑا اور معتدبہ حصہ احقر نے لفظاً لفظاً سنا اور باقی حصے کے اہم مباحث اختصار کے ساتھ سنے۔ ماشاء اللہ ہر مسئلہ کو توضیح و تحلیل کے ساتھ کتب فقہ و حدیث کے حوالوں کے ساتھ خوب لکھا ہے۔ میں قانون کی زبان کو جناتی زبان کہا کرتا تھا مگر تنزیل الرحمن صاحب نے اس کی زبان بھی نہایت سلیس بنادی۔

ساتھ ہی ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت متعلقہ قوانین کا ذکر بھی تقریباً استیعاب کے ساتھ کیا گیا۔ برصغیر ہند و پاک کی اعلیٰ عدالتوں کے بعض فیصلے بھی زیر تنقید آئے ہیں۔ یہ سب کام بڑی محنت اور سلیقے اور کافی تحقیق و جستجو کے ساتھ کیا گیا ہے۔

محترم تنزیل الرحمن صاحب نے وصیت واجبہ کے موجودہ مصری قانون پر بھی اچھی تنقید کر کے است کے اجماعی نقطہ نظر کو اختیار کیا ہے کہ وصیت کرنا غیر وارث کے لئے مستحب ہے، واجب نہیں اور یہ کہ وصیت بحق وارث شرعاً درست نہیں، اسکا نفاذ سب وارثوں کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ اسی طرح یتیم پوتے پوتیوں اور نواسوں نواسیوں کی میراث کے مسئلہ میں انہوں نے دور ایبری کے بدنام زمانہ عائلی قوانین آرڈیننس کی متعلقہ دفعہ پر بھرپور تنقید کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ آرڈیننس مذکور کی یہ دفعہ قانون روما اور ہندو دھرم شاستر سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک اسلامی سلک کے لئے انتہائی شرمناک ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع است سے ثابت شدہ اور معمولی بہ حکم کی خلاف ورزی کر کے است کو عیسائیوں اور ہندوؤں کے قانون کی پیروی پر مجبور کیا جائے۔

حق تعالیٰ فاضل مصنف کو ان کی کاوش و محنت پر دارین میں جزاء خیر عطا فرماویں اور مجموعہ قوانین اسلام کی باقی جلدوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرماویں۔ اور اس کام کی وجہ سے انہیں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں، ان کا نعم البدل اپنے خزانہ غیب سے عطا فرماویں۔

آخر میں، میں اس رائے کے اظہار کو ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مجموعہ قوانین انگریزی زبان میں جلد منتقل ہونا چاہئے تاکہ مستشرقین کی آنکھیں کھول سکے اور باہر کی دنیا اسلام کے قوانین سے واقف ہو سکے۔

(مفتی اعظم پاکستان) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (پیش لفظ، جلدہ)



مجموعہ قوانین اسلام

تفصیل عنوانات ابواب

جلد اول تا پنجم

جلد اول

قوانین نکاح، مہر و نفقہ زوجہ

پہلا باب - ابتدائی

دوسرا باب - مختلف فرقوں اور مذاہب کے درمیان نکاح

تیسرا باب - انعقاد اور جواز نکاح

چوتھا باب - صحیح، فاسد، اور باطل نکاح

پانچواں باب - ولایت نکاح (Guardianship in Marriage)

چھٹا باب - اختیار بلوغ (Option of Puberty)

ساتواں باب - کفایت (Equality in Marriage)

آٹھواں باب - خلوت صحیحہ (Valid Retirement)

نواں باب - مہر

دسواں باب - نفقہ زوجہ

جلد دوم

قوانین طلاق، خلع، مبارات، عدالتی تفریق

و عدت

گیارہواں باب - طلاق کی تعریف، اقسام،

اہلیت، شہادت اور تفویض (Delegation)

بارہواں باب - کن اشخاص کی طلاق واقع

نہ ہوگی

تیرہواں باب - رجعت، بینونت صغریٰ و بینونت

کبریٰ مغلظہ (Irrevocable Divorce)

چودھواں باب - خلع و مبارات

پندرہواں باب - تفریق بسبب امراض و عیوب

سولہواں باب - تفریق بسبب ظلم و ضرر

سترہواں باب - تفریق بسبب مفقود الخبری وقید

و عدم فراہمی نفقہ

اٹھارواں باب - تفریق بسبب ارتداد و انکار

اسلام

انیسواں باب - ایلا، ظہار، لعان

بیسواں باب - عدت

(ل)

جلد سوم

قوانین نسب اولاد، حضانت، نفقہ اولاد

آبا و اجداد ہبہ و وقف

اکیسواں باب - نسب اولاد (Parentage & Legitimacy)

بائیسواں باب - حضانت (Custody of Children)

تیسواں باب - نفقہ اولاد و آباء و اجداد

چوبیسواں باب - ہبہ

پچیسواں باب - وقف

جلد چہارم

قانون وصیت

چھبیسواں باب - احکام وصیت (Will)

ستائیسواں باب - احکام موصی (Legator)

اٹھائیسواں باب - احکام موصی لہ (Legatee)

انٹیسواں باب - احکام موصی بہ (Legacy)

تیسواں باب - احکام وصی (Executor of Will)

جلد پنجم

قانون وراثت

اکیسواں باب - ارکان، شرائط و سوجبات وراثت

بیسواں باب - حقوق متعلق بہ ترکہ

تینتیسواں باب - ترتیب میراث

چونتیسواں باب - عول

پینتیسواں باب - میراث حمل، مفقود، اسیر،

ولد الزنا، ولد اللعان و خنثی

چھتیسواں باب - سوانع میراث

سینتیسواں باب - حجب و حرمان

اڑتیسواں باب - مناسخہ

قیمت مجلدات

جلد اول ۳۰ روپے

جلد دوم ۳۰ روپے

جلد سوم ۳۰ روپے

جلد چہارم ۳۰ روپے

جلد پنجم ۶۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارہ تحقیقات اسلامی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵

اسلام آباد

پاکستان لاء ہاؤس، کچہری روڈ پاکستان چوک،

کراچی -

(۴)

ہماری مطبوعات - مندرجہ ذیل مقامات سے بھی مل سکتی ہیں

اسلام آباد	:	ماڈرن بک ڈپو، آپارہ مارکیٹ، اسلام آباد۔
	:	ایڈل بک سنٹر، سوک سنٹر، نزد میلوڈی سینما، اسلام آباد۔
راولپنڈی	:	بک سنٹر، حیدر روڈ نزد سیروز سینما، صدر راولپنڈی۔
	:	اسلامی کتب خانہ نزد جامع مسجد، راولپنڈی۔
دینا	:	سید نیوز ایجنسی دینا، ضلع جہلم۔
ڈیرہ نواب صاحب	:	عبدالغفور شمیم، نیوز ایجنٹ، ڈیرہ نواب صاحب۔
خانیوال	:	کتب خانہ صدیقیہ کچھری بازار، خانیوال۔
سہالکوٹ	:	ملک سٹیشنرز اینڈ بک سیلرز، کمرشل بلڈنگ، ریلوے روڈ، سہالکوٹ۔
کراچی	:	ابومعاویہ ہاک اکیڈمی ۱/۱۴۱ وحیدہ آباد کراچی ۱۸۔
	:	پاکستان لا ہاؤس، پاکستان چوک پوسٹ بکس نمبر ۹۰، کراچی۔
	:	عوامی کتب خانہ، نزد بولٹن مارکیٹ، ایم اے جناح، روڈ، کراچی ۲۔
لاہور	:	اسلامک بک سروس، ۴۴ اردو بازار لاہور۔
	:	حامد برادرس بک سیلرز، چوک انارکلی لاہور۔
	:	فیروز سنز لمیٹڈ، شاہراہ قائداعظم، لاہور۔
	:	کاشانہ ادب، کچھری روڈ، لاہور۔
	:	سندھ ماگر اکیڈمی، چوک مینار لوہاری گیٹ، لاہور۔
	:	سنگ میل پبلیکیشنز، جلال الدین وقف ہسپتال، سرکڑ روڈ، لاہور۔
	:	مکتبہ رشیدیہ، ۵۲ - شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔
لودھراں	:	خواجہ نیوز ایجنسی، لودھراں ضلع ملتان۔
کوئٹہ	:	گوشہ ادب سرکڑ روڈ، کوئٹہ۔

سرکولیشن منیجر، ادارہ تحقیقات اسلامی، پوسٹ بکس ۱۰۳۵، اسلام آباد۔

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی علمی و تحقیقی کاوشوں میں ایک اہم کوشش یہ ہے کہ اس نے اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ اردو میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اب تک اس مجموعے کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کتاب کی پذیرائی قانون دان طبقے نے ہی نہیں دینی حلقوں نے بھی کی، جو اس بات سے واضح ہے کہ اس مجموعے کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

- | | |
|------------|---|
| جلد اول: | قوانین نکاح، مہر اور نفقہ زوجہ سے متعلق ہے۔ |
| جلد دوم: | قوانین طلاق، خلع و مبارات، تفریق اور عدت پر مشتمل ہے۔ |
| جلد سوم: | قوانین نسب اولاد و حضانت، نفقہ اولاد و آباء، ہبہ اور وقف پر مشتمل ہے۔ |
| جلد چہارم: | قانون وصیت سے متعلق ہے۔ |
| جلد پنجم: | قانون وراثت اور اس کی جزئیات پر مشتمل ہے۔ |
| جلد ششم: | قانون شفعہ اور اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔ |

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد